وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ ﷺ

جلد ۱



تالیف

الشیخ العلامۃ نور الدین علی بن احمد السمہودی

المتوفی ۹۱۱ھ

مترجم

شاہ محمد چشتی

نظرِ ثانی

محمد محسن

ادارہ پیغام القرآن

۴۰۔ اردو بازار ○ لاہور, Ph:042-7323241

وفاء الوفا
باخبار دار المصطفیٰ ﷺ

تألیف

الشیخ العلامة نور الدین علی بن أحمد السمهودی

المتوفی ۹۱۱ھ

مترجم:
شاہ محمد چشتی

نظرثانی:
محمد محسن





ادارہ پیغام القرآن

۴۰۔ اُردو بازار ○ لاہور ☎ 042-7323241

نام کتاب	....	وفاء الوفاء (حصہ اوّل اور دوم)
مصنف	....	الشیخ علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی
مترجم	....	شاہ محمد چشتی
ترتیب ونظر ثانی	....	محمد محسن
اہتمام اشاعت	....	محسن فقری
سال اشاعت	....	اپریل 2008ء
پروف ریڈنگ	....	شاہ محمد چشتی
کمپوزنگ	....	ہجویری کمپوزرز اینڈ ڈیزائنرز (0321-4553105)
پرنٹرز	....	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز
قیمت	....	دو جلد سیٹ =/1700 روپے

................ملنے کے پتے................

شبیر برادرز 40۔ اُردو بازار لاہور

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی (051-555820)

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی (051-5536111)

نظامی کتب خانہ درگاہ بابا صاحب پاکپتن شریف

فہرست ﴿حصہ اوّل﴾



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرصۂ دراز سے دل میں مخفی ایک امید برآنے پر ادارہ کو انتہائی خوشی حاصل ہو رہی ہے وفاء الوفاء شریف ایک مشہور عالم کتاب ہے جس کے ترجمہ کی ہم شدید ضرورت محسوس کرتے تھے اللہ کا خاص کرم اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کاملہ کے بل بوتے پر شاہ محمد چشتی صاحب نے اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب ہر محب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کارآمد ہوگئی ہے۔

ترجمے میں آپ مضمون کی دشواری محسوس نہیں کریں گے۔ ان شاء اللہ ہر چیز آسانی سے سمجھ آتی چلی جائے گی۔

قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ مطالعہ کے بعد مصنف، مترجم اور ادارہ کے لئے خلوص دل سے دُعائیں فرمائیں۔ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ نایاب واہم کتب کے ترجمے باحسن وجوہ پیش کرتے رہیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

حالات کی قلمبندی کے لئے ہم حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری قادری سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوریہ قادریہ بصیر پور ضلع اوکاڑہ کے نہایت سپاس گزار ہیں کہ انہوں نے اپنے قیمتی ترین اوقات میں سے ہماری درخواست پر وقت نکالا ہے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محمد محسن

۲۰ فروری ۲۰۰۸ء بروز بدھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کائنات ارضی میں مذہبی لحاظ سے بڑے مقدس خطے موجود ہیں جن میں روئے زمین کی مسجدیں' انبیاء علیہم السلام' اولیاء' اغواث و اقطاب اور صالحین کے مزارات' درس گاہیں' دینی نشریاتی ادارے وغیرہ اس سرزمین کے وہ قطعات ہیں جنہیں امانتِ الٰہیہ کی خدمت کا موقع میسر ہے لیکن ایک قطعہ زمین ایسا ہے جسے ہر لحاظ سے وہ شرف حاصل ہیں جن کا مقابلہ سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

اسی پاکیزہ خطے کے بارے میں ہمارے صوفیاء' علماء' محدثین' ائمہ حضرات اپنے اپنے علم و تحقیق کے مطابق واقفیت بہم پہنچاتے چلے آئے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز بھی جاری ہے بلکہ جاری ہی رہے گا۔ انہی خوش بخت حضرات میں ایک نام علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی نور اللہ مرقدہ (۹۱۱ھ) کا بھی ہے جنہیں سرزمین مدینہ اور شہر مدینہ پر کام کرنے کا موقع ملا' اس شہر پر کام کرنا ایک وہی معاملہ سمجھئے جو ہر ایک کے حصے میں نہیں آسکا بلکہ آ بھی نہیں سکے گا۔ اسے اپنے عطاء شدہ حصے کے مطابق وہی انجام دے گا جس کا خمیر اس منور زمین سے کوئی نسبت رکھتا ہوگا۔

میرے یقین کے مطابق اس سلسلے میں امام سمہودی رحمہ اللہ کو بھی ایک خاص حصہ ملا ہوا ہے جو ان کی اس تصنیف کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا صاف دکھائی دیتا ہے۔ امام سمہودی نور اللہ مرقدہٗ نے قلم برداشتہ معلومات کا جو خزانہ اس میں درج کر دیا ہے وہ ان کے عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دلیل ناطق ہے' امکانی حد تک انہوں نے اس میں کوئی کمی رہنے نہیں دی' اس تصنیف کے دوران آپ عالم قرآن و مفسر' محدث' تاریخ دان' ماہر علوم' جغرافیہ دان' ریاضی دان' ماہر ارضیات و فلکیات' محقق و ادیب اور سمندر جیسا دل رکھتے دکھائی دیتے ہیں آپ نے ہر چیز کو نہایت سلیقے سے اس میں شامل کیا ہے چنانچہ قیامت تک کے لئے یہ کتاب محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پاکیزہ و محبوب قطعہ کے بارے میں نادر معلومات فراہم کرتی رہے گی۔

اس کتاب کا چوتھا حصہ اہل علم خصوصاً محدثین کے لئے نہایت فائدہ مند ہے کہ اس سے احادیث کے اندر مندرج الفاظ کی وضاحت موجود ہے جن کے بغیر احادیث کو کما حقہ سمجھنا نہایت دشوار ہے۔

اعتذار

نہایت ادق مضمون کا ترجمہ اور پیش آمدہ مشکلات کسی بھی مترجم سے مخفی نہیں ہیں دراصل اس کے لئے وسیع

ترین ذخیرۂ کتب اور احباب کی جمعیت درکار ہے لیکن میں پیارے محمد محسن برادران کی سچی طلب کو ٹال نہیں سکا چنانچہ بتائید ایزدی شب و روز کی اپنی سی سعی کر کے اسے مکمل کر دیا ہے جس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شکر گزار ہوں گا۔

اس ترجمہ کی ہر کمی اپنے ذمہ لیتا ہوں لیکن مبنی برخلوص سعی پر ملنے والا اجر اپنے شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی قدس سرہٗ' اپنے کریم اساتذہ فقیہ اعظم پاکستان مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی' مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد حسین نعیمی نور اللہ مرقدہما' زیرک ترین اور رخزانہ علمی سے لبریز استاد علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ اور شیخ الحدثین حضرت سید ابوالبرکات نور اللہ مرقدہ کی ارواح کو نذر کرتا ہوں۔

علامہ سمہودی رحمہ اللہ کے مقدور بھر حالات کی دستیابی' حب مدینہ سے سرشار حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری قادری مدظلہٗ کے حصے میں آئی ہے جن کی نگارشات سے ایک زمانہ مستفید ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا ایک ایک لفظ قبول فرمائے۔ آمین

عزیز محمد محسن اور فقری برادران روایتی محبت سے وفاء الوفاء شریف کا ترجمہ چھاپ رہے ہیں۔ مولا تعالیٰ انہیں ایسے لازوال کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک دور افتادہ غلام شیخ الاسلام پیر سیال رحمہ اللہ
شاہ محمد چشتی انصاری خوشنویس، قصور

مؤرخ مدینہ منورہ

امام نور الدین سمہودی

تحریر......صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

سرکار ابد قرار ﷺ کی محبت اصل ایمان، مغز ایمان، روح ایمان اور جان ایمان ہے--- اس محبت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کے دیار سے محبت رکھی جائے--- زمین کا وہ خطہ جس پر آپ ﷺ کے قدم لگے، وہ جگہ جسے آپ ﷺ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اور وہ شہر جس میں آپ ﷺ اقامت گزیں ہوئے، ہمیشہ اہل نسبت، اہل محبت، اہل ایمان کی محبتوں کا مرکز ومحور اور عقیدتوں کا مرجع رہا ہے---

مدینہ منورہ سے اہلِ ایمان کی محبت حقیقی وفطری ہے کہ یہ شہر مرکز و مصدر ایمان ہے--- اہلِ ایمان کا حقیقی و اصلی وطن ہے:

وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْإِيْمَانَ---[الحشر، ۹:۵۹]

''اور جنھوں نے اس دار (شہر مدینہ) اور ایمان کو اپنا مستقر اور وطن بنا لیا''---

کا فرمان ربانی اس پر شاہد ہے---

اس ''محبت نگر'' میں حاضری کی تڑپ کس مومن کو نہیں ہوتی؟--- وہ لوگ کتنے خوش بخت ہیں، جنھوں نے اپنا گھر بار، وطن و دیار چھوڑ کر مدینہ منورہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی--- وہ مدینہ کی موت سے سرفراز ہوگئے اور اسی ''جنت ارضی'' نے انہیں اپنی آغوشِ رحمت میں محفوظ کر لیا--- ایسے ہی رشک زمانہ لوگوں میں سے علامہ سمہودی علیہ الرحمہ بھی تھے، جنھیں اوّلین مفصل، مربوط، مستند اور معتبر تاریخِ مدینہ لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی---

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی علی، کنیت ابو الحسن تھی، جب کہ دینی خدمات کی بنا پر آپ کو نور الدین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے--- آپ حسنی سید تھے---

ابن العماد حنبلی نے آپ کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

نور الدین ابو الحسن علی بن القاضی عفیف الدین عبد اللہ بن احمد بن علی بن عیسٰی بن محمد بن عیسٰی بن محمد بن عیسٰی بن جلال الدین ابی العلیاء بن ابی الفضل جعفر بن علی بن ابی الطاہر بن الحسن بن محمد بن احمد بن الحسن بن محمد بن حسن بن محمد

بن اسحٰق بن محمد بن سلیمان بن داؤد بن الحسن المثنیٰ ابن الحسن الاکبر بن علی بن ابی طالب الحسنی ---

(شذرات الذہب، جلد۸، صفحہ۵۰)

عام طور پر آپ کو جدِ اعلیٰ سے منسوب کر کے نور الدین علی بن احمد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے---

ولادت

آپ کی ولادت مصر کے قریہ "سمہوذ" میں صفر الخیر ۸۴۴ھ میں ہوئی--- اسی مناسبت سے آپ کو سمہودی کہا جاتا ہے---

تعلیم و تربیت

آپ نے بیش تر تعلیم گھر میں حاصل کی اور اپنے والد گرامی قاضی عفیف الدین عبد اللہ بن احمد الحسنی سے قرآن کریم حفظ کیا، قراءت و کتابت سیکھی--- شیخ جلال الدین محلی کی شرح منہاج، جمع الجوامع، شرح البهجة اور الفیه ابن مالك وغیرہ کتب پڑھنے کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا سماع کیا، تب آپ کی عمر چودہ سال تھی--- والد انھیں اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لیے قاہرہ منتقل ہو گئے، جہاں جلیل القدر علماء و مشائخ سے استفادہ کا موقع ملا اور یوں آپ کی علمی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہو گیا اور آپ نے جید عالم، فقیہ، محدث اور مورخ کی حیثیت سے نام پایا---

(مقدمہ جواهر العقدین فی فضل الشرفین، صفحہ۷)

اساتذہ

والد گرامی سے تعلیم پانے کے بعد قاہرہ میں آپ نے شمس الجوجری سے فقہ، اصول فقہ اور ادب عربی کی تعلیم حاصل کی--- شیخ جلال الدین محلی سے ان کی تصانیف شرح المنهاج اور شرح الجوامع پڑھیں، پھر شیخ شرف الدین ابو زکریا یحیٰ المناوی کی صحبت اختیار کی اور ان سے بہت سے علوم و فنون میں مہارت حاصل کی--- متعدد مرتبہ صحیح بخاری کا سماع کیا، صحیح مسلم اور تفسیر بیضاوی کا کچھ حصہ پڑھا، علاوہ ازیں شیخ عبد الکریم القشیری کی تصوف میں شہرۂ آفاق تصنیف "الرسالة القشیریة" کا درس لیا--- شیخ مناوی نے آپ کو تدریس کی اجازت کے ساتھ ساتھ اپنے دست مبارک سے خرقۂ تصوف پہنایا---

دیار مصر میں احناف کے قاضی ابو السعادات محمد بن سعید حنفی سے "عمدة الاحکام" کی قراءت کی اور تدریس کی اجازت حاصل کی---(مرجع سابق، صفحہ۸)

علاوہ ازیں علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی سے ان کی تصانیف کا سماع کیا---

(الضوء اللامع، جلد۵، صفحہ۲۴۶)

مدینہ منورہ میں قیام

۸۷۳ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۲۹ ربرس تھی، قاہرہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے--- حجاز مقدس ہمیشہ علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے اور یہاں دنیا بھر کے علماء و شیوخ بکثرت حاضری دیتے ہیں، چناں چہ علامہ سمہودی کو یہاں متعدد اساطین علم و فضل سے استفادہ کا موقع میسر آیا--- خصوصاً مدینہ منورہ میں شیخ شہاب الاشیطی اور شیخ ابوالفرج المراغی سے بہت زیادہ استفادہ کیا--- اسی طرح مکہ مکرمہ میں کمالیہ بنت نجم مرجانی اور ان کے بھائی کمال اور نجم عمر بن فہد وغیرہ مشائخ سے سماع کیا--- (شذرات الذہب، جلد۸، صفحہ۵۱)

درس و تدریس

قیام مدینہ منورہ میں آپ نے جہاں متعدد مشائخ سے استفادہ کیا، وہیں درس و تدریس کا شغل بھی اختیار کیا، اس اثنا میں آپ سے کثیر طلبہ مستفید ہوئے--- علامہ ابن العماد، شیخ سخاوی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قَلَّ اَن یکونَ اَحدٌ مِن اَهْلِها لَمْ یَقْرَأْ علیه--- (شذرات الذہب، جلد۸، صفحہ۵۱)

''اہل مدینہ میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے، جنھوں نے آپ کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا ہو''---

حرم نبوی میں حاضری

حرم نبوی شریف میں آپ بکثرت حاضر رہتے تھے--- مسجد نبوی ہی کے ایک حجرے میں آپ نے ڈیرا لگایا ہوا تھا، یہاں ان کی اپنی لائبریری تھی، جس میں تین سو کے لگ بھگ نادر کتب کے علاوہ آپ کی اپنی بعض تصانیف کے مسودات تھے--- یہاں بیٹھ کر آپ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے--- رمضان المبارک ۸۸۶ھ کو آپ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے کہ مسجد نبوی شریف میں آگ لگ گئی، جس سے مسجد شریف کا ایک حصہ متاثر ہوا، اس سانحہ میں آپ کی لائبریری بھی نذر آتش ہو گئی--- (وفاء الوفا، جلد۲، صفحہ۶۳۳ تا ۶۳۵)

ہر چند کہ مسجد نبوی میں حاضری کا مستقل معمول تھا مگر رمضان میں تو یہ کیفیت ہوتی کہ شب و روز مسجد نبوی ہی میں قیام رہتا تھا--- مدینہ منورہ میں اقامت گزیں ہونے کے بعد رمضان المبارک ۸۸۶ھ کے علاوہ ہر سال رمضان المبارک کا مہینا مدینہ منورہ میں گزرتا تھا--- (وفاء الوفا، جلد۲، صفحہ۶۳۵)

مدینہ منورہ آئے تو مدینہ ہی کے ہو کر رہ گئے اور جوار رسول ﷺ کی کیف بار فضاؤں میں یوں محو ہو گئے کہ سولہ سال کا طویل عرصہ گزر گیا، بالآخر والدہ کی زیارت کے لے آپ نے پہلی بار مدینہ منورہ سے قاہرہ کا سفر کیا--- والدہ بھی شاید اپنے لخت جگر کا انتظار کر رہی تھیں، دس روز ان کی خدمت میں گزرے تھے کہ ان کا وصال ہو گیا اور آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے--- (وفاء الوفا، جلد۲، صفحہ۶۴۱)

عظیم سعادت

علامہ سمہودی کو حضور ﷺ کے حجرہ مبارکہ کے اندر داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی--- ۸۸۱ھ میں مقصورہ شریفہ کی ایک دیوار میں دراڑ نظر آئی تو علماء و مشائخ، ماہرین تعمیر اور معززین شہر کی طویل مشاورت کے بعد طے پایا کہ دیوار کو از سر نو تعمیر کیا جائے--- ملبہ اٹھانے کے بعد جب تعمیر کا موقع آیا تو اس کام کے نگران جناب شمسی نے انھیں پیغام بھیجا کہ حجرہ مبارکہ کی زیارت کی سعادت حاصل کر لیں---

علامہ سمہودی فرماتے ہیں:

یہ سنتے ہی میں شوق و بے خودی کی کیفیت سے سرشار، کامل طہارت کے بعد حاضر ہوا، تاہم اپنے گناہوں پر سخت نادم تھا اور کسی شاعر کا یہ شعر یاد آتا:

عَصَيْتُ فَقُلْ لِي كَيْفَ اَلْقٰى مُحَمَّدًا
وَوَجْهِي بِاَثْوَابِ الْمَعَاصِي مُبَرْقَعٌ

''میں نے نافرمانی کی ہے، بتاؤ اس حال میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں کیسے حاضری دوں؟---
حالاں کہ میرا چہرہ گناہوں سے اٹا ہوا ہے''---

پھر اگلا شعر زبان پر آیا تو کچھ ڈھارس بندھی:

عَسَى اللّٰهُ مِنْ اَجْلِ الْحَبِيْبِ وَقُرْبِهٖ
يُدَارِكُنِي بِالْعَفْوِ فَالْعَفْوُ وَاسِعٌ

''بہت امید ہے کہ حبیب اکرم ﷺ کے طفیل اور آپ ﷺ کے قرب کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور اس کا عفو بہت وسیع اور عام ہے''---

رستہ میں یہی دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کما حقہ ادب و تعظیم کی توفیق مرحمت فرمائے--- جوں ہی حجرہ مبارکہ میں داخل ہوا:

فَشَمَمْتُ رَائِحَةً مَا شَمَمْتُ فِي عُمْرِي رَائِحَةً اَطْيَبَ مِنْهَا---

''تو خوش بو کی ایسی مہک آئی کہ عمر بھر اس سے پاکیزہ اور اعلیٰ خوش بو کبھی نہ سونگھی تھی''---

(وفاء الوفا، جلد۲، صفحہ ۶۲۵)

شادی

علامہ شمس الدین سخاوی (۸۳۱-۹۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ سمہودی نے مدینہ منورہ میں ایک شادی محمد بن عمر بن المحب کی ہمشیر سے کی، جب کہ دوسری شادی اپنے استاذ شیخ ابوالفرج المراغی کی صاحبزادی سے کی (الضوء اللامع

لاهل القرن التاسع، مطبوعہ بیروت، جلد۵، صفحہ۲۴۶) اولاد امجاد کی تفصیل نظر سے نہیں گزری---

مفتیٔ مدینہ

علامہ سمہودی نے، جیسا کہ پہلے ذکر آیا، وقت کے جید اساتذہ سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم وفنون میں کمال حاصل کیا تھا، اس پر مستزاد یہ کہ شیخ ابو محمد دمیاطی الشارمساحی اور دیگر علماء و مشائخ نے آپ کو درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کی اجازت عطا کی تھی---(مقدمہ جواهر العقدین فی فضل الشرفین، صفحہ۹)

ابن العماد لکھتے ہیں:

نَزِيْلُ الْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ وَ عَالِمُهَا وَ مُفْتِيْهَا وَ مُدَرِّسُهَا وَ مُؤَرِّخُهَا---

(شذرات الذہب، جلد۸، صفحہ۵۰)

''آپ مدینہ منورہ میں مقیم اور یہاں کے (بڑے) عالم، مفتی، مدرس اور مورخ تھے''---

آگے مزید لکھتے ہیں:

جمع فتاويه فى مجلد و هى مفيدة جدا---(ایضاً، صفحہ۵۱)

''آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ انتہائی مفید ہے''---

جلالت شان

حافظ سخاوی رقم طراز ہیں:

فهو امام مفنن متميز فى الاصلين و الفقه مديم العلم و الجمع و التاليف متوجه للعبادة و المباحثة و المناظرة قوى الجلادة طلق العبارة مع قوة اليقين و على كل حال فهو فريدة فى مجموعه---(شذرات الذہب، جلد۸، صفحہ۵۱)

''آپ صاحب فن امام، قرآن و حدیث اور فقہ میں جداگانہ شان کے حامل، تصنیف و تالیف اور علم میں ہمیشہ مشغول، عبادت کے ساتھ ساتھ علمی مباحثہ و مناظرہ کی طرف متوجہ رہنے والے صاحب استقلال، فصیح اللسان، قوتِ یقین سے سرشار، غرض ہر حال میں تمام اوصاف میں یکتا و منفرد تھے''---

شعر و سخن

علامہ سمہودی شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے--- وفاء الوفاء میں حسب موقع نفیس اشعار درج کیے ہیں، جو ان کے ادبی ذوق کے آئینہ دار ہیں--- خود بھی شعر کہتے تھے، نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے:

الا ان دیــوان الــصــبــابة قــد سبــا
بــمــا صــب مــن حســن الصناغة ان سبا
نــفـوســا ســکــارٰی من رحیق شــرابــه
و الــحــاظ صــب مــن صبابتــه صبا

(الضوء اللامع، جلد۵، صفحہ۸-۲۴۷)

تــحـکــم الـحـب مـنـی کیف اکتمـه
ام کیف اخفی الهوی والـلامع یظهره
اهـوی لـقـاؤه و یهـوی سیدی تـلـفـی
مــا کــل مــا یتـمـنـی الـمـرء یدرکـه

(النور السافر عن اخبار القرن العاشر، صفحہ۶۰)

وصال

کم و بیش اڑتیس (۳۸) سال مدینہ منورہ میں اقامت پذیر رہنے اور بھرپور علمی زندگی بسر کرنے کے بعد ۶۷/ برس کی عمر میں بروز جمعرات، ۱۸/ ذیقعدہ ۹۱۱ھ کو مدینہ منورہ میں وصال فرمایا (شذرات الذہب، جلد۸، صفحہ۵۱) اور امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک قدس سرہ العزیز کی قبر اطہر کے قریب مدفون ہوئے---(جذب القلوب، صفحہ۷)

تصانیف

حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ اور دیگر علوم میں آپ نے متعدد علمی کتابیں تصنیف کیں:

۱ اقتفاء الوفا بأخبار دار المصطفٰی
۲ وفاء الوفا بأخبار دار المصطفٰی
۳ خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفٰی
۴ الأقوال المسفرة عن دلائل الآخرة
۵ اکمال المواهب
۶ أمنية المعتنين بروضة الطالبين
۷ الأنوار السنية فی اجوبة أسئلة اليمنية
۸ أيضاح البيان لما أراده الحجة "من ليس فی الامكان أبدع مما كان"
۹ جواهر العقدين فی فضل الشرفين

۱۰ حاشية علٰی ايضاح النووی فی المناسك

۱۱ درر السموط رسالة فی شروط الوضوء

۱۲ شفاء الأسواق لحكم ما يكثر بيعه فی الأسواق

۱۳ طيب الكلام بفوائد الاسلام

۱۴ عقد الفريد فی احكام التقليد

۱۵ الغماز علی اللماز ، فی الأحاديث الموضوعة

۱۶ الفتاوىٰ

۱۷ اللؤلؤ المنثور فی نصيحة ولاة الأمور

۱۸ المحرر فی تعيين الطلاق

۱۹ مسألة فرش البسط المنقوشة ، ردا علی نازعة

۲۰ مواهب الكريم الفتاح فی المسبوق المشتغل بالاستفتاح

(مقدمہ جواہر العقدین، صفحہ۱۰-۹)

دکتور عبد اللہ بن عبد الرحیم عسیلان نے اپنی تصنیف ''المدينة المنورة فی آثار المؤلفين و الباحثين قديمًا و حديثًا'' میں چند مزید تصانیف کا تذکرہ کیا ہے:

۲۱ دفع التعرض و الانكار بسط روضة المختار

۲۲ ذروة الوفا باخبار المصطفٰی

۲۳ كشف الجلباب و الحجاب عن القدوة فی الشباك و الرحاب

۲۴ النصيحة الواجبة القبول فی بيان موضع منبر الرسول

۲۵ الوفا بما يجب لحضرة المصطفٰی (المدينة المنورة، صفحہ۸۶ تا ۱۷۹)

مؤخر الذکر تصنیف کا تذکرہ علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء (جلد۲، صفحہ۶۰۱) میں خود بھی کیا ہے---

کچھ اس کتاب کے بارے میں

امام سمہودی نے انتہائی اشتیاق اور عقیدت و محبت کے ساتھ تاریخِ مدینہ منورہ رقم کرنے کا اہم کارنامہ سرانجام دیا--- اس سلسلے میں آپ نے تین کتابیں تصنیف کیں؛ اوّلاً ایک ضخیم کتاب ''اقتضاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی'' کے نام سے تحریر فرمائی، جس میں آپ نے اس سے پہلے تاریخ مدینہ پر لکھی جانے والی کتب کی تلخیص کے ساتھ موضوع کی مناسبت سے مفید مباحث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا--- اس کا بیش تر حصہ لکھا گیا، مگر پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی--- اسی

اثنا میں ایک ایسے شخص نے آپ کو اس کتاب کی تلخیص کی فرمائش کی، جس کے بارے میں سمہودی لکھتے ہیں:

طاعته غنم، و مخالفته غُرم---

''جس کے حکم کی تعمیل باعثِ غنیمت اور مخالفت سراسر خسارہ ہے''---

چناں چہ آپ نے قدرے اختصار اور بعض ضروری اور مفید اضافوں کے ساتھ پیش نظر کتاب ''**وفاء الوفاء، باخبار دار المصطفی**'' تصنیف فرمائی---(وفاء الوفاء، جلد۱، صفحہ۱-۲)

یہ کتاب ۲۴/ جمادی الآخرہ ۸۸۶ھ کو مدینہ منورہ میں مکمل ہوئی اور اسی سال شوال المکرّم میں کعبۃ اللہ کے سامنے بیٹھ کر اس کی تمبیض کا کام کیا---(وفاء الوفاء، جلد۴، صفحہ۱۴۲۲)

ازاں بعد ۸۹۳ھ میں وفاء الوفاء کی تلخیص کی اور اس کا نام ''**خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفی**'' رکھا۔ (جذبُ القلوب، صفحہ۸)

شیخ عبدالحق محقق دہلوی لکھتے ہیں:

''عالم، کامل، اوحد العلماء الاعلام، عالمِ مدینہ خیر الانام سید نور الدین علی بن السید الشریف عفیف الدین عبداللہ بن احمد الحسنی السمہودی المدنی رحمہ اللہ رحمۃ اللہ الابرار کی تصنیف وفاء الوفاء تواریخِ مدینہ میں عمدہ ترین کتاب ہے--- یہ کتاب نہایت نافع ہے، جس میں آپ نے مدینہ منورہ کے حالات و واقعات اور اس میں پیش آمدہ حوادث کو بیان کیا ہے، احادیث و آثار نقل کی ہیں اور روایات میں اختلاف کی عمدہ پیرائے میں توجیہ و تطبیق کی ہے''---(جذبُ القلوب، صفحہ۷-۸)

وفاء الوفاء چار جلدوں میں ہے، یہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ علامہ سمہودی فرماتے ہیں:

''ابواب کی یہ تعداد نیک فالی کے لیے ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب میرے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے اور اپنی بے کراں نعمتوں سے سرفراز فرما دے''---

(وفاء الوفاء، جلد۱، صفحہ۸)

پہلا باب:

أسماءِ مدینہ منورہ کے بارے میں---

دوسرا باب:

فضائل مدینہ طیبہ، اس میں سولہ فصلیں ہیں---

تیسرا باب:

گزشتہ زمانوں میں ساکنین مدینہ اور حضورﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے احوال، اس میں بارہ

فصلیں ہیں---

چوتھا باب:

مدینہ منورہ کی مساجد، حجراتِ مبارکہ، بازار اور دیگر عمارات، یہ باب ۳۷ رفصلوں پر مشتمل ہے---

پانچواں باب:

عید گاہیں اور جہاں جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھائی اور مدینہ منورہ کے قبرستان شہداءِ اُحد کی فضیلت، اس میں سات فصلیں ہیں---

چھٹا باب:

آبارِ مبارکہ (کنویں) اور آپ ﷺ سے منسوب دیگر مقامات، اس میں پانچ فصلیں ہیں---

ساتواں باب:

مدینہ منورہ کی وادیاں، چراگاہیں اور پہاڑ--- یہ آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے---

آٹھواں باب:

زیارتِ مصطفیٰ ﷺ--- یہ باب سب سے اہم اور کتاب کا مغز اور لب لباب ہے--- اس میں چار فصلیں ہیں، جن میں زیارت کے بارے میں احادیث مبارکہ اور دیگر دلائل، اہمیت و فضیلت، حیاتُ النبی ﷺ، زیارتِ نبوی ﷺ کی نیت سے سفر کرنے کا جواز و استحباب، توسل، شفاعت، مواجہہ عالیہ کی طرف منہ کر کے سلام پیش کرنے اور دعا و توسل کے لیے مواجہہ عالیہ کی جانب متوجہ ہونے کے استحباب اور آدابِ زیارت وغیرہ موضوعات پر ایمان افروز اور روح پرور گفتگو کی ہے---

غرض یہ کتاب اہلِ محبت کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے، اس مستند تاریخِ مدینہ کا فاضل جلیل عالم نبیل حضرت علامہ شاہ محمد چشتی نے عمدہ و فاضلانہ ترجمہ کیا ہے--- وہ پہلے رسالہ قشیریہ، الادب المفرد اور معجزات النبی وغیرہ کتب کا ترجمہ کر کے اہلِ علم سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں--- امید کہ اس ترجمہ کو بھی خواص و عوام بنظرِ استحسان دیکھیں گے--- فاضل مترجم اور ناشر کتاب محترم محمد محسن صاحب لائق صد تبریک ہیں کہ انھیں اس اہم کتاب کی اشاعت کی سعادت میسر آئی--- اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور سعادتِ دارین سے نوازے---

آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالٰی و سلم علیہ

و علی آلہ و صحبہ اجمعین



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ اُردو **وفاء الوفاء شریف** (علامہ سمہودی رحمہ اللہ)

مختصر تعارفِ مصنف رحمہ اللہ

آپ کا اسمِ گرامی نور الدین ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن احمد حسنی شافعی سمہودی رحمہ اللہ تھا' مسلم امام تھے' مدینہ منورہ کے مؤرخ اور مفتی تھے۔

مصر کے شہر سمہود میں پیدا ہوئے' سالِ ولادت ۸۴۴ھ (۱۴۴۰ء) تھا' قاہرہ میں پرورش پائی اور ۸۷۹ھ کو مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے۔

آپ کی کئی ایک تصانیف میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ وفاء الوفاء باخبار دار المصطفےٰ ﷺ (جس کا ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے)۔

۲۔ خلاصہ الوفاء' اسی مذکور کتاب کا خلاصہ ہے۔

۳۔ جواہر العقدین' اس میں علم دین اور نسب کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۔ الفتاویٰ' آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

۵۔ الغماز علی اللماز' حدیث پاک کے بارے میں ایک رسالہ ہے۔

۶۔ درّ السموط' وضو کے شرائط کے بارے میں ایک رسالہ ہے۔

۷۔ الانوار السنّیہ فی اجوبۃ الاسئلہ الیمنیہ۔

۸۔ العقد الفرید فی احکام التقلید وغیرہ۔

۹۱۱ھ (۱۵۰۶ء) کو مدینہ منورہ میں حضرت کا وصال ہو جاتا ہے۔

(اعلام الزرکلی ج ۴' ص ۳۰۷)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقدیم

ہر مخلوق پروردگارِ عالم جل جلالہ کی حمد و ثناء کر رہی ہے۔ حضرتِ آدم علیہ السلام کی پوری اولاد میں سے سربلند حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ و رضی اللہ عنہٗ آپ کی آلِ پاک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر صلوٰۃ وسلام ہر لحہ بھیجا جاتا رہے۔

اما بعد

یہ کتاب شہرِ رسول اکرم ﷺ یعنی مدینہ منورہ کی تاریخ پر مشتمل ہے' علامہ سمہودی رحمہ اللہ نے اسے اپنی ایک اور کتاب ''اقتضاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ'' کا اختصار کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔ اختصار کرتے وقت اس میں چند ایک تبدیلیاں کی ہیں جیسا کہ آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے' تفصیل مقدمہ میں بیان کر دی ہے۔

اب جبکہ ہم اسے دار الکتب العلمیہ کی طرف سے دوبارہ چھاپنے چلے ہیں تو بتاتے چلیں کہ ہم نے اس پر کچھ زیادہ حواشی نہیں دئے' صرف ضروری حواشی دے دئے ہیں' مشکل الفاظ کے معانی دئے ہیں' آیات کے حوالے لکھے ہیں' مختصر طور پر کچھ وضاحتیں بیان کی ہیں اور کچھ عنوان درج کر دئے ہیں۔

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کا صلہ کثیر نیکیوں کی صورت میں عطا فرمائے گا اور قارئین کتاب کے لئے اسے مفید بنا دے گا کیونکہ وہ ہر پسندیدہ شے پر قدرت رکھتا ہے۔ کتاب کی ابتداء اور اس کی تکمیل پر ہم حمد و ثناءِ الٰہی بجا لاتے ہیں۔



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اس نیک کام میں صرف اللہ تعالیٰ سے امداد کے خواستگار ہیں' اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ' آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہمیشہ رحمتوں کی بارش برساتا رہے۔

خطبہ مؤلّف

اللہ تعالیٰ کی گوناگوں بے شمار نعمتوں پر حمد و ثناء ہے' پھر سارے انبیاء میں سے بزرگ تو ہمارے سردار' آپ کی آل' اصحاب اور تمام برگزیدہ بندوں پر درود و سلام پیش ہے۔

ابھی میری کتاب ''اقتفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ'' مختلف مراحل سے گذر رہی تھی' میں اس میں مدینہ پاک کے ہر گوشہ سے متعلق معلومات اکٹھی کر رہا تھا' اس بارے میں جہاں جہاں سے بھی کچھ ملا' اسے اختصاراً اکٹھا کر رہا تھا اور ان میں کچھ نئی چیزیں شامل کرتا جا رہا تھا' طرح طرح کی مشکلات اور مصروفیات میں گھرا ہوا تھا کہ ان حالات میں ایک میرے ایک ایسے مہربان نے اس کتاب سے قبل اسی میں سے ایک مختصر کتاب تیار کرنے پر زور دیا جن کا حکم میں ٹال نہیں سکتا تھا بلکہ ان کا انکار میرے لئے ایک جرم سے کم نہ تھا چنانچہ ان کے بے پناہ شوق اور دلچسپی کی وجہ سے میں نے حامی بھر لی' پھر میرے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ قارئین کے سامنے کچھ ایسے امور پیش کر دوں جو دوسری مختصر بلکہ تفصیلی کتابوں میں بھی نہیں پائے جاتے خصوصاً وہ امور جن کا تعلق حضور ﷺ کے حجرۂ مقدسہ اور اس سے متعلق ضروری باتوں سے تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے اسے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا' یقینی معلومات میرے پاس تھیں' ہمارے دور میں اس کی کچھ تعمیر ہوئی تھی جیسے ہم اسے اس کے مقام پر بیان کریں گے اور بتائیں گے کہ حجرۂ شریفہ کے گرنے والے حصوں کو کیسے بنایا گیا تھا اور حجرۂ مقدسہ کا احاطہ کرنے والی دیواروں کو کیسے چنا گیا تھا' مجھے اس نئی تعمیر میں خدمت کا موقع ملا تھا' تاہم حجرۂ مقدسہ کے گراتے وقت قریب نہ تھا' اس کی پیائش کا مجھے پتہ چل گیا' تربت شریف کی خوشبوؤں سے بہرہ ور ہوا' اس کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنایا' مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر تربت کہاں کہاں موجود ہے' اس موقع پر دل شرمساری اور ہیبت میں ڈوب گیا اور گویا اس پر پردہ سا پڑ گیا کیونکہ اس مقام اور اس کے احوال جاننے کے لئے بنیادی طور پر دلوں میں محبت ڈال دی گئی ہے' مجھ پر یہ حالت یونہی طاری ہوئی جیسے ایک فدائی عاشق پر طاری ہو سکتی ہے' ایک شاعر نے ایسی حالت کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

''اس زمین میں بسیرا کرنے والے کے بارے میں مجھے کچھ لکھنے دو لیکن جو کچھ لکھنا ہے' میری

آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں سے لکھوں میں ان مقامات کو آنکھوں سے نہیں بلکہ کانوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

مجھے حیاتی کی قسم اس مقام کا احترام' اسے تحریر میں لانا اور محفوظ کر لینا دین کا اہم ترین کام ہے' اسے دیکھنا' ایمان و یقین میں زیادتی کا سبب ہے کیونکہ اس سے دارِ ایمان کے معروف مقامات کی معرفت حاصل ہوتی ہے' وہ علامات ملتی ہیں جو شیطان کو رسوا کر دیتی ہیں اور اس کی کھلی نشانیاں موجود ہیں۔

مجھے امید ہے کہ میری یہ کتاب نیک شخصیات کے اس شہر سے محبت رکھنے والوں کے لئے' یہاں رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں کے لئے تحفہ ثابت ہوگی' میں نے اسے تیار کرنے اور سنوارنے کے لئے انتہائی محنت سے کام لیا ہے' میں امید رکھتا ہوں کہ یہ میرے گناہوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ثابت ہوگی اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ضرور قبول ہوگی۔ میں نے اس کا نام "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ" رکھا ہے اور اسے کچھ ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔

وضاحتِ ابوابِ کتاب

پہلا باب

اس میں شہر مدینہ منورہ کے نام دیئے گئے ہیں۔

دوسرا باب

اس میں فضائلِ مدینہ کا ذکر ہے' یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی بنیاد کب اور کیسے پڑی' یہ کیسے حالات سے گذرا اور اس سے متعلق امور کا ذکر ہے۔ اس میں سولہ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ا:

اس میں دیگر شہروں پر اس کی افضلیت کا ذکر ہے۔

فصل نمبر ۲:

اس میں یہاں کی رہائش کا شوق پیدا کیا گیا ہے' یہاں آنے والی تنگدستی اور مشکلات پر صبر کی تلقین کی گئی ہے' یہ بتایا گیا ہے کہ مدینہ گندگی اور گناہوں کو دور کرتا ہے' اہلِ مدینہ کے خلاف برے ارادے رکھنے والوں' یہاں برا کام کرنے والوں اور برے لوگوں کو ٹھکانہ دینے والوں کو ڈانٹا گیا ہے۔

فصل نمبر ۳:

اس میں اہلِ مدینہ کی حفاظت اور عزت کرنے کے بارے میں برانگیختہ کیا گیا ہے' یہاں مرنے کا شوق پیدا کیا گیا ہے اور اسے اخروی ٹھکانہ بنانے کو کہا گیا ہے۔

فصل نمبر ۴:

مدینہ طیبہ کے بارے میں نیز اہلِ مدینہ کے لئے حضور علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے' یہاں کی وباء کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ نے اس کے کسی اور جگہ پر چلے جانے کی دعا فرمائی تھی۔(چنانچہ وباء یہاں سے چلی گئی تھی)۔

فصل نمبر ۵:

یہ بتایا ہے کہ دجال یہاں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ ہی یہاں طاعون کی وباء آ سکے گی۔

فصل نمبر ۶:

اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہاں کی مٹی اور کھجور باعثِ شفاء ہیں۔

فصل نمبر ۷:

اس میں مدینہ منورہ کی خصوصیات کا ذکر ہے۔

فصل نمبر ۸:

اس میں صحیح احادیث کے ذریعے مدینہ منورہ کا قابلِ احترام ہونا بتایا گیا ہے۔

فصل نمبر ۹:

عَیر اور ثور نامی دو پہاڑیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی بناء پر حرم نبوی کی حد بندی پر روشنی پڑتی ہے۔

فصل نمبر ۱۰:

اس میں ایسی احادیث مذکور ہیں جن کی بناء پر حرم نبوی کے مزید احترام پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ایک حد تک اس کے درخت وغیرہ نہ کاٹے جائیں۔

فصل نمبر ۱۱:

اس میں مدینہ طیبہ کی حد بندی کے بارے میں الفاظ حدیث اور ان کی وضاحت کا ذکر ہے۔

فصل نمبر ۱۲:

یہ بتایا گیا ہے کہ حد بندی کی اس مقدار کو قابلِ احترام کیوں قرار دیا گیا ہے۔

فصل نمبر ۱۳:

حرم مدینہ منورہ کے بارے میں احکام کیا ہیں۔

فصل نمبر ۱۴:

شہر مدینہ کی ابتداء کیسے ہوئی اور اس میں کیا کچھ ہوگا۔

فصل نمبر ۱۵:

اس میں اس واقعہ کا بیان ہے جب لوگ یہاں سے نکل جائیں گے اور اسے چھوڑ دیں گے۔

فصل نمبر ۱۶:

اس میں اس آگ کا ذکر ہے جس سے حضورﷺ نے ڈرایا تھا چنانچہ وہ یہاں ظاہر ہوئی اور حرم شریف کے قریب پہنچ کر بجھ گئی۔

تیسرا باب

اس باب میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو شروع سے یہاں مقیم چلے آئے پھر حضورﷺ کی یہاں تشریف آوری کا ذکر ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپ نے ہجرت کے بعد یہاں کیا کچھ کیا تھا۔ اس باب میں بارہ فصلیں ہیں:

پہلی فصل :

طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد یہاں کون آباد ہوئے' یہودی یہاں کیونکر آئے اور ان کے مکانوں کا ذکر ہے۔

دوسری فصل :

انصار یہاں کیونکر آباد ہوئے؟

تیسری فصل :

ان کا نسب نامہ کیا تھا؟

چوتھی فصل :

انصارِ مدینہ' یہودیوں پر کیسے غالب ہوئے اور تبع (حمیری) کے ساتھ ان کا معاملہ کیا تھا۔

پانچویں فصل :

یہودیوں کو ذلیل کر کے نکالا گیا تو ان کے مکانات کس جگہ تھے' یہاں قلعے بنائے اور کونسی جنگیں کیں؟

چھٹی فصل :

یہود و نصاریٰ کے درمیان ''حربِ بغاث'' نامی جنگ کا ذکر ہے۔

ساتویں فصل :

حضورﷺ کی تشریف آوری سے انصار' کب مستفید ہوئے اور کب بیعتِ عقبۂ صغری کی تھی۔

آٹھویں فصل :

بیعتِ عقبۂ ثانیہ کب ہوئی اور اس کے نتائج کیا مرتب ہوئے؟

نویں فصل :

حضورﷺ کے مدینہ میں ہجرت کا بیان ہے۔

دسویں فصل :

سرزمین مدینہ میں حضورﷺ کی تشریف آوری اور مسجد قباء کی بنیاد۔

گیارہویں فصل :

شہر مدینہ میں آپ کا داخلہ' حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہائش کا ذکر ہے اور اس گھر کی کیفیت بتائی گئی ہے نیز مہاجرین و انصار میں رشتۂ اخوت کا ذکر کیا گیا ہے۔

بارہویں فصل :

یہ بتایا گیا ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہﷺ نے مدینہ طیبہ میں کیا کچھ کیا تھا۔

چوتھا باب

اس باب میں ان امور کا ذکر ہے جو آپ کی عظیم القدر مسجد سے تعلق رکھتے ہیں' مبارک حجروں اور مکانات سے تعلق رکھتے ہیں جن کے گرد گھر اور محل بنے تھے' بازارِ مدینہ کا ذکر ہے' مہاجرین کے مکانات بیان ہوئے ہیں اور ان کے گرد حفاظتی دیوار بتائی گئی ہے۔اس باب میں سینتیس (۳۷) فصلیں ہیں:

پہلی فصل :

اس میں حضورﷺ کے اپنی مبارک مسجد کے لئے جگہ لینے کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کیونکر بنائی گئی۔

دوسری فصل :

اس میں بتایا گیا ہے کہ مسجد کی لمبائی اور چوڑائی کتنے کتنے ہاتھ تھی اور پھر آج کی مسجد کا فرق بتایا گیا ہے (یہ نویں ہجری کے آخر کی بات ہے)۔

تیسری فصل :

اس میں یہ بتایا ہے کہ حضورﷺ قبلہ بدلنے سے قبل اور بعد مسجد میں کہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے تھے پھر قبلہ کی تبدیلی کا ذکر ہے۔

چوتھی فصل :

اس میں کھجور کے اس تنے کا ذکر ہے جس سے حضورﷺ تکیہ لگاتے تھے پھر منبر بنا دئے جانے کا واقعہ مذکور ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کیا کچھ ہوا۔

پانچویں فصل :

اس میں مسجد نبوی کی فضیلت کا ذکر ہے۔

چھٹی فصل :

اس میں منبر شریف اور روضۂ انور کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ساتویں فصل :

اس میں مسجد شریف کے ستونوں کا ذکر ہے۔

آٹھویں فصل :

اس میں مقامِ صُفّہ اور اہلِ صفہ کا ذکر ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے لئے مسجد میں کھجور کے گچھے کیونکر لٹکائے جاتے رہتے۔ (سایہ کے لئے)۔

نویں فصل :

اس میں آپ کے ان حجروں کا ذکر ہے جو مغربی جانب کے علاوہ مسجد کو گھیرے ہوئے تھے۔

دسویں فصل :

اس میں حضورﷺ کی صاحبزادہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کا ذکر ہے۔

گیارہویں فصل :

اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضورﷺ نے فرمایا تھا کہ مسجد کی طرف کھلنے والے دروازے بند کر دیئے جائیں نیز اس حجرہ کا ذکر ہے جسے بند کرنے کا حکم نہیں فرمایا تھا۔

بارہویں فصل :

اس میں مسجد کی اس توسیع کا ذکر ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

تیرہویں فصل :

اس کمرہ کا ذکر جو آپ نے مسجد کے ساتھ بنایا تھا اور پھر مسجد میں شعر پڑھنے اور آواز بلند کرنے سے روک دیا تھا۔

چودہویں فصل :

اس میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مسجد میں توسیع کا ذکر ہے۔

پندرہویں فصل :

اس میں اس حفاظتی کمرے کا ذکر ہے جو مسجد کی ایک جانب بنایا گیا تھا۔

سولہویں فصل :

مسجد میں ولید کے حکم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی توسیع کا ذکر ہے۔

سترہویں فصل :

مسجد شریف میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی طرف سے بنوائے گئے محراب، برجیوں، مناروں کا ذکر ہے اور آپ نے مسجد میں محافظ مقرر کیا کہ کسی کو مسجد میں جنازہ نہ پڑھانے دے۔

اٹھارہویں فصل :

اس میں خلیفہ کی توسیع مسجد کا ذکر ہے۔

انیسویں فصل :

اس میں اس ابتدائی حجرۂ مقدسہ کا ذکر ہے جو حضور ﷺ کی قبر انور سمیت قبروں کو گھیرے ہوئے تھا۔

بیسویں فصل :

حجرۂ مبارک کی دوبارہ تعمیر اور اس کے گرد دیوار کا ذکر کیا گیا ہے۔

اکیسویں فصل :

اس میں تینوں قبورِ مبارکہ کی ترتیب کا ذکر ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر شریف کے لئے وہاں جگہ خالی رکھی گئی ہے' فرشتے روضۂ انور کے گرد گھیرا ڈالنے آتے ہیں' تعظیم کرتے ہیں اور یہ کہ آپ کے مزار شریف کے صدقے بارش مانگی جاتی ہے۔

بائیسویں فصل :

حجرۂ مبارک اور اس کے گرد بنی دیوار کا ذکر ہے لیکن جو کچھ ہم نے دیکھا وہ ویسا نہیں تھا جسے لوگوں نے بیان کر رکھا تھا۔

تیئیسویں فصل :

حجرہ شریف کی ایک اور مرتبہ تعمیر' اس وقت اس میں کسی کو کسی طریقے سے داخل کیا گیا تھا پھر وہ سوراخ پتھر سے بند کر دیا گیا۔

چوبیسویں فصل :

اس میں اس صندوق کا ذکر ہے جو آپ کے سرہانے رکھا رہتا تھا پھر آپ کے چہرۂ انور کی نشاندہی کے لئے چاندی کے کیل کا ذکر ہے' یہ ذکر ہے کہ جبریل کہاں حاضری دیتے تھے' حجرۂ مبارکہ پر پردہ ڈالنے اور اسے سجانے کا ذکر کیا ہے۔

پچیسویں فصل :

مسجد میں قندیلوں اور انہیں لٹکانے کے مقامات کا ذکر ہے۔

چھبیسویں فصل :

قدیم دور میں اس آگ کا ذکر جس نے سب آرائشوں' مسجد اور چھت وغیرہ کو جلا دیا تھا پھر از سر نو تعمیر ہوئی۔

ستائیسویں فصل :

حجرۂ مبارکہ کے امتیاز کے لئے اس پر نیلگوں گنبد بنایا گیا۔

اٹھائیسویں فصل :

اس میں اس جدید عمارت کا ذکر جو ہمارے دور میں موجود ہے' یہ ایسے بنی کہ ہمارے ذہنوں میں بھی نہ تھی' آگ لگنے کے بعد کیا کچھ ہوا' وجودِ مطہر کس مقام میں موجود ہے' مزارات کی ترتیب کیسی ہے اور اس وقت حجرۂ مبارکہ کی صورتِ حال کیا ہے۔

انتیسویں فصل :

پہلی عمارت کو ہمارے دور میں جب آگ لگ گئی' تو کیا کچھ ہوا؟ اسے آئندہ فصلوں میں میں نے اشارۃً بتا دیا ہے کیونکہ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب میں اس کتاب کا مسودہ تیار کر چکا تھا' ''خاتمہ'' میں میں نے حضرت نور الدین زنگی شہید کی اس خندق کا ذکر کیا ہے جو اس نے حجرۂ مبارک کے گرد کھدوا کر اس میں ڈھال کر قلعی بھر دی تھی۔

تیسویں فصل :

اس میں مسجد کے فرش پر کنکر بچھانے اور اس سے قبل صحابہ کے مسجد میں تھوکنے کا بیان' مسجد میں خوشبو لگانے اور دھونی دینے کا ذکر ہے اور پھر اس کے حکم کا بیان ہے۔

اکتیسویں فصل :

اس میں برآمدوں' ستونوں' سوراخوں' پانی پلانے والوں اور اس کے ذخیرہ کرنے کا بیان ہے۔

بتیسویں فصل :

اس میں مسجد شریف کے دروازوں اور روشن دانوں کا ذکر ہے جو انہیں دوسرے گھروں سے نمایاں کرتے تھے۔

تینتیسویں فصل :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آل کے لئے روشن دانوں کا ذکر۔

چونتیسویں فصل :

مسجد کے گرد مکانوں کا بیان ہے۔

پینتیسویں فصل :

خالی جگہیں اور ان کے گرد مہاجرین کے گھر۔

چھتیسویں فصل :

مدینہ منورہ کے بازاروں کا ذکر۔

سینتیسویں فصل :

مہاجر قبیلوں کے مکانات اور ان کے گرد دیوار۔

پانچواں باب

اس باب میں عیدوں وغیرہ کے موقع پر آپ کے مصلّٰی کا بیان ہے' مدینہ پاک کی ان مساجد کا ذکر ہے جہاں حضورﷺ تشریف لے گئے' مدینہ پاک کی قبروں کی عظمت اور وہاں کون کون دفن ہیں' اُحد پہاڑ کی فضیلت کیا ہے اور وہاں کے شہداء کی عظمت کیا ہے۔اس میں سات فصلیں ہیں:

پہلی فصل :

عیدوں کے موقع پر حضورﷺ کی جائے نماز کونسی جگہ ہوتی تھی؟

دوسری فصل :

مسجد قباء اور مسجد ضرار کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسری فصل :

ہمارے دور میں موجود باقی مسجدیں جن کے بارے میں صحیح طور پر معلوم ہے کہ کہاں کہاں ہیں؟

چوتھی فصل :

ان مسجدوں کا ذکر جن کے بارے میں یہ تو معلوم ہے کہ یہاں تھیں لیکن جگہ کا علم نہ ہو سکا۔

پانچویں فصل :

قبرستان مدینہ کی عظمت بتائی گئی ہے۔

چھٹی فصل :

اس میں بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام اور آلِ بیت رضی اللہ عنہم میں سے جنت البقیع میں کون کس جگہ دفن ہے اور

ان کی علامات بتائی گئی ہیں۔

ساتویں فصل:

اُحد پہاڑ اور اس پر شہید ہونے والوں کی فضیلت بیان کر دی گئی ہے۔

چھٹا باب

اس باب میں شہر مدینہ کے مبارک کنوؤں کا بیان ہے' چشموں' درختوں اور قابلِ تقسیم مال کا ذکر ہے جو حضور ﷺ کے قبضہ میں آ گیا تھا پھر ان مسجدوں کا ذکر ہے جن میں سفر کے دوران یا جنگ کے موقع پر آپ نے نمازیں پڑھی تھیں۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں:

فصل نمبر ۱:

اس میں مدینہ کے مبارک کنوؤں کا ذکر ہے' آخر میں اس کنوئیں کا بیان ہے جو حضور ﷺ کے نام سے منسوب ہے اور وہ اب تک موجود ہے۔

فصل نمبر ۲:

آپ کے صدقات کا ذکر اور جوان درختوں کا ذکر ہے آپ نے اپنے دستِ اقدس سے لگائے تھے۔

فصل نمبر ۳:

مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حضور ﷺ کے راستے میں آنے والی آپ سے منسوب مساجد کا ذکر۔

فصل نمبر ۴:

دوسری مساجد کا ذکر جو ہمارے وقت کے حاجیوں کے راستے میں واقع ہیں' جہاں سے لوگ پیدل چل کر جاتے ہیں اور پھر راستے کے قریب واقع مساجد کا ذکر۔

فصل نمبر ۵:

ان کے علاوہ ایسی مساجد کا بیان جو غزوات اور آپ کے سفر سے تعلق رکھتی ہیں۔

ساتواں باب

سرزمین مدینہ طیبہ میں موجود وادیوں اور چراگاہوں کا ذکر' بستیوں اور پہاڑوں کا ذکر' ان پر کون حکمران تھے' ان بستیوں کے قریبی مقامات کون سے تھے؟ کون سے کنوئیں اور وادیاں مشہور تھیں اور وہ کن مقامات پر تھے۔ اس میں آٹھ فصلیں ہیں:

فصل نمبر ا:

وادئ عقیق کی فضیلت' اس کا پھیلاؤ اور حد بندی کا ذکر۔

فصل نمبر ۲:

یہ وادیٔ الگ طور پر کہاں ہے' اس پر محلات کہاں بنے ہیں اور ان کا کس ذریعے سے پتہ چلا؟

فصل نمبر ۳:

اس کا پھیلاؤ اور اس کے محلات کا ذکر' اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اور وادی کے بارے میں اشعار۔

فصل نمبر ۴:

اس میں اُبھرے ہوئے مقامات کا ذکر ہے' یہ بتایا گیا ہے کہ درخت کہاں پائے جاتے ہیں' شرید پہاڑی کا ذکر ہے اور اس کے قریب پہاڑیوں کا ذکر ہے۔اس فصل میں ایک ''خاتمہ'' ہے جس میں ''عقیق'' میں سے نکلنے والی وادیوں کا ذکر ہے اور ان پر موجود کنوؤں کا ذکر ہے۔

فصل نمبر ۵:

اس فصل میں مدینہ منورہ کی باقی وادیوں کا ذکر ہے۔

فصل نمبر ۶:

اس میں چراگاہوں کا ذکر ہے' یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کن کی تھیں پھر ''نقیع'' کے مقام پر حضورﷺ کی چراگاہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

فصل نمبر ۷:

مدینہ منورہ کی بستیوں' ان کی چوڑائی' ان کے نگرانوں کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے اردگرد کیا کچھ تھا' پھر ندی نالوں کا ذکر ہے' پہاڑوں اور ٹیلوں کا بیان ہے' وہاں کے مشہور کنوؤں اور وادیوں کا ذکر ہے اور پھر ان میں سے ہر ایک کا مقام بتایا گیا ہے' مسجدیں بتائی گئی ہیں' ٹیلے ذکر کیے گئے ہیں اور غزوات کا ذکر موجود ہے پھر مدینہ منورہ کی ہر طرف موجود اشیاء وضاحت سے بیان کی گئی ہیں' وہاں کے حاکموں کا ذکر موجود ہے۔ہر چیز کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے بیان کر دیا گیا ہے۔

آٹھواں باب

اس میں روضۂ انور کی زیارت کا ذکر کیا گیا ہے۔اس میں چار فصلیں ہیں:

فصل نمبر ۱:

اس میں ان احادیث کا ذکر ہے جو واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ یہ زیارت جائز ہے۔

فصل نمبر ۲:

اس میں کچھ اور دلائل سے یہ زیارت ثابت کی گئی ہے پھر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ شریعت کا تاکیدی حکم ہے جو واجب کے پلّے کا ہے بلکہ کچھ علماء نے تو اس زیارت پر واجب ہی کا لفظ بولا ہے' پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضورﷺ اپنی قبرانور میں زندہ ہیں' یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کسی بھی طرح سے زیارت کی نیت کر کے سفر کرنا جائز ہے' اس زیارت کی نذر مانی جا سکتی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ پر سلام پیش کرنے کا اجر وثواب ملتا ہے۔

فصل نمبر ۳:

اس میں بتایا گیا ہے کہ آپ کی زیارت کا ارادہ لے کر حاضری دینے والا بارگاہِ الٰہی میں آپ کا وسیلہ پیش کر سکتا ہے اور آپ کی شفاعت کا سوال کر سکتا ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ پر سلام کے وقت' وسیلہ بناتے وقت اور آپ کے ہاں دعا کرتے وقت حضورﷺ اس شخص کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

فصل نمبر ۴:

حضورﷺ کے روضۂ انور کی زیارت اور قرب کا کیا طریقہ ہونا چاہیے' مدینہ منورہ کی مسجدوں اور آثار وعلامات اسلام کو بطور تبرک سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ان آٹھ بابوں میں سے اس باب کا حق تو یہ تھا کہ اسے سب سے پہلے لایا جاتا لیکن چونکہ یہ اس کتاب کا گویا نتیجہ ہے' باقی ابواب اس کے لئے ابتدائی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں تو میں اسے آخر میں ذکر کر رہا ہوں تاکہ کتاب کو اس کستوری کی خوشبو میں مکمل کروں' اسی باب میں تمام کتاب کا نچوڑ آ گیا ہے۔ ایسا میں نے اس امید پر کیا ہے کہ ان آٹھ ابواب کے صدقے میں میرے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ مجھ پر عظیم احسان فرمائے گا۔ میں اللہ کے علاوہ کسی اور سے تعلق نہیں رکھتا' اسی سے کوتاہیوں کی معافی مانگتا ہوں کیونکہ وہی میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔

پہلا باب

شہر مبارک کے کئی ایک نام

یاد رکھئے کہ کسی چیز کے بہت سے نام ہونا اس بات کی دلیل ہوتے ہیں کہ وہ چیز اعلیٰ درجہ کی ہے' میں نے آج تک اس شہر مقدس جتنے نام کسی اور شہر کے نہیں دیکھے' میں نے خوب محنت سے اتنے نام ڈھونڈ نکالے ہیں کہ اس سلسلہ میں میں سب سے ماہر' ہمارے مشائخ کے شیخ حضرت علامہ مجد شیرازی لغوی رحمہ اللہ سے بھی بڑھ گیا ہوں یعنی انہوں نے تیس نام پیش کیے تھے' میں انہیں اس طور پر لکھ رہا ہوں کہ ہر ایک کو ان کا پتہ چل سکے (کل نام ۹۴ پیش کر رہا ہوں) میں انہیں حروف تہجی کی ترتیب سے لکھ رہا ہوں:

اَثْرِبُ

اَثْـرِبُ پہلا نام ہے جو مَسْـجِدُ کے وزن پر ہے' ہمزہ پر زبر' ثاء پر جزم' راء پر زیر اور آخر میں باء ہے' یہ نام آگے آنے والے ایک نام "یثرب" ہی کا دوسرا نام ہے جیسے اَلَـمْـلَـمُ کی جگہ یَلَـمْـلَـمُ بولا جاتا ہے کہتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد مختلف شہروں میں پھیل گئی تو چونکہ اس مقام پر رہائش کرنے والے کا نام اثرب یا یثرب تھا لہٰذا مدینہ الرسول ﷺ کا یہ نام پڑ گیا۔

مدینہ کس مقام کو کہتے ہیں' اختلاف

اب اس میں اختلاف کہ آیا یثرب اس پوری جانب کا نام ہے جس میں مدینہ منورہ بھی موجود ہے؟ یا یہ مدینہ منورہ ہی کا نام ہے؟ یا پھر اس یثرب کے ایک مخصوص حصے کو مدینہ کہتے ہیں؟ پہلا قول حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ہے' دوسرا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا ہے' امام زمخشری نے اسی کو اپنایا ہے اور تیسرا قول حضرت امام مالک کے ایک شاگرد حضرت محمد بن الحسن رحمہ اللہ کا ہے جنہیں ابنِ زبالہ کہتے ہیں۔

یثرب نامی اس بستی ہی سے وہ تمام بستیاں وجود میں آئی تھیں جو "قناۃ" سے "جرف" اور "برنی" سے "زبالہ" تک کے درمیانی علاقے میں موجود تھیں۔

جمال مطری نے ابنِ زبالہ کی بات نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں تین سو یہودی موجود تھے جو لوہے وغیرہ کی ڈھلائی کا کام کرتے تھے۔

ابن زبالہ نے جو لکھا ہے وہ غلط ہے' انہوں نے دیگر بستیوں اور یثرب کو الگ الگ شمار کیا ہے جبکہ جمال مطری نے انہیں ایک ہی سمجھ لیا۔ انہوں نے ابن زبالہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: "وہ یعنی یثرب آج کل اسی نام سے مشہور

ہے جہاں کھجور کے بہت سے درخت موجود ہیں جو اہلِ مدینہ کی ملکیت ہیں اور فقراء وغیرہ کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔اس کی غربی جانب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار وشہادت گاہ ہے' مشرقی جانب (جو ''برکۃ'' کے نام سے مشہور ہے) عین الازرق نامی عام استعمال کا چشمہ ہے جہاں سے شامی لوگ حج پر آتے جاتے وقت پانی پیتے ہیں اور حاجی لوگ انہیں چشمہ ہائے حمزہ کہتے ہیں۔

یہ مقام آج تک یثرب ہی کے نام سے مشہور ہے۔بسا اوقات اسے ''اَثَــارِب'' بھی کہتے ہیں' مناسک حج بیان کرتے ہوئے برہان بن فرحون نے یہی نام ذکر کیا ہے' آپ چاہیں تو اسے (مدینہ کا) ایک الگ نام بھی شمار کر سکتے ہیں۔

جمال مطری یثرب کے بارے میں لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہاں قبیلۂ اوس کی ایک بڑی شاخ' بنوحارثہ کے مکانات تھے اور احزاب کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان انہی کے بارے میں نازل ہوا تھا:

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۝ (سورۂ احزاب:۱۳)

''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے مدینہ والو! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں' تم گھروں کو واپس چلو۔''

اسی بناء پر انہوں نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ قریش اور ان کے ساتھی یومِ احزاب پر بلکہ مطری کے مطابق یومِ احد پر بھی ''اومہ'' اور اس کے قرب میں اُترے تھے جہاں قبیلۂ اوس کی شاخ بنو حارثہ کے مکانات تھے نیز خزرج قبیلہ کی شاخ بنوسلمہ کے مکانات بھی تھے اور یہ دونوں ہی میدانِ جنگ میں حضور ﷺ کے حامی تھے' یہی وجہ تھی کہ انہیں اپنے اہلِ خانہ اور گھروں کے بارے میں اُحد کے دن دشمنوں سے فکر لاحق تھی لہٰذا ان کے بارے میں یہ فرمان نازل ہو گیا:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۝ (سورۂ آل عمران:۱۲۲)

''جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے۔''

اس پر ان میں سے عقلمند لوگ کہنے لگے کہ اَب ہم یہاں ٹھہرنے پر فکر مند نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ذمہ داری لے لی ہے اور نبی کریم ﷺ کی برکت نیز ان کے صدق نیت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو دور کر دیا ہے۔

کہتے ہیں' بنو حارثہ کو ''اے اہلِ مدینہ! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔'' کہنے والے اوس بن قیظی اور اس کے ساتھی تھے۔کچھ نے اور نام بتایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس تیسرے قول کو حافظ عمر بن شبّہ نمیری نے بھی ترجیح دی ہے چنانچہ ابوغسان کہتے ہیں:

''دورِ جاہلیت کے موقع پر مدینہ منورہ کی اس جانب' زبالہ نامی بازار تھا' جسے یثرب کہا جاتا تھا۔''

پھر (میں کہتا ہوں کہ) اس میں شک نہیں کہ یثرب کا لفظ ''مدینہ'' پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کہ صحیح بخاری شریف

میں یہ ثابت ہے اور اس پر اتنے دلائل موجود ہیں کہ انہیں یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں' عنقریب دوسرے باب کی چوتھی فصل میں ایسا مضمون آ رہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر اور اس میں کسی کی رہائش سے پہلے ہی اس کا نام مدینہ رکھ دیا تھا' اب تین مختلف اقوال کی بناء پر یا تو یوں سمجھ لیں کہ مدینہ اسی ''مدینہ منورہ'' ہی کا نام ہے (بقول ابن عباس) یا یوں سمجھیں کہ اس کے کچھ حصے کا نام پورے خطے کو دیدیا گیا ہے (بقول ابو عبید) یا یوں سمجھ لیں کہ کل خطہ بول کر اس کا ایک حصہ ''مدینہ'' مراد لے لیا گیا ہے۔

مدینہ طیبہ کو ''یثرب'' کہنے کی ممانعت

ابنِ زبالہ اور ابنِ شبہ نے کہا ہے کہ مدینہ کو یثرب کہنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرما دیا ہوا ہے چنانچہ تاریخ بخاری میں ایک حدیث ملتی ہے کہ:

''جو مدینہ کو ایک بار ''یثرب'' کہہ دے' اس پر لازم ہے کہ مدینہ مدینہ دس مرتبہ کہے۔'' (تاکہ یثرب کہنے کی تلافی ہو سکے)۔

حضرت امام احمد اور ابو یعلیٰ نے بھی ایک حدیث لکھی ہے کہ:

''جو شخص مدینہ کو یثرب کہہ بیٹھے' اس پر لازم ہے کہ اللہ سے معافی مانگے کیونکہ اس کا نام تو ''طابہ'' رکھ دیا گیا ہے۔''

اس روایت کے سب راوی بڑے مضبوط ہیں۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ ''تین مرتبہ اللہ سے معافی مانگے۔''

چنانچہ اسی بناء پر حضرت عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ نے کہا ہے۔'' جو مدینہ کو یثرب کہہ دے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک غلطی لکھ دی جاتی ہے۔''

کچھ علماء نے لکھا ہے کہ اسے یثرب کہنا نہایت بری بات ہے۔

رہی یہ بات کہ اسے قرآنِ کریم میں یثرب کہا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو منافقین کا قول دہرایا گیا ہے۔

یثرب کہنے سے ممانعت کیوں؟

اس مین کراہت یا تو اس بناء پر ہے کہ یثرب کا لفظ ''ثَرْبٌ'' سے نکلا ہے جس کا معنی فساد ہوتا ہے یا اس لئے کہ تثریب سے لیا گیا ہے یعنی گناہ پر پکڑ کرنا تو یہ ایک ناپسندیدہ کام ہے یا پھر اس لئے کہ یہ نام ایک کافر شخص یثرب کے نام پر رکھا گیا ہے۔

پھر اس کراہت کے بارے میں بھی جھگڑا ہے کیونکہ حدیث ہجرت میں صحیحین کے اندر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد

ملتا ہے کہ "میرا خیال تو یمامہ اور ہجر مقامات کی طرف گیا تھا لیکن دیکھا تو وہ شہر یثرب تھا۔" پھر مسلم شریف میں ہے:

"میں کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ یثرب تھا۔"

اس کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی یہی کچھ ملتا ہے۔اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ نام نبی کریم ﷺ سے پہلے موجود تھا۔

اَرْضُ اللّٰہ

دوسرا نام "ارض اللہ" ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا○ (سورۂ نسا:۹۷)

"کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔"

حضرت مقاتل اور ثعلبی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس ارض اللہ سے مراد مدینہ منورہ ہے اس زمین کے اللہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اس میں بہت عظمت پائی جاتی ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اَرْضُ الْهِجْرَة

تیسرا نام "ارض الہجرت" ہے جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ "مدینہ اسلام کا مرکز ہے۔" (جو ہجرت کرنے پر بنا تھا)

اَكَّالَةُ الْبُلْدَان

چوتھا نام "اکالۃ البلدان" (شہروں پر غالب) ہے کیونکہ یہ تمام شہروں پر غالب تھا' اردگرد کے تمام شہروں سے بلند تھا' یہاں کے لوگوں نے فتوحات حاصل کیں' مالِ غنیمت حاصل کئے اور خوب کھایا۔

اَكَّالَةُ الْقُرٰى

پانچواں نام "اکالۃ القریٰ" ہے' صحیحین میں حدیث ملتی ہے: "مجھے اس بستی کی طرف چلے جانے کا حکم ملا جو سب بستیوں کو کھا جانے والی ہے۔"

یہ نام ماننے والوں کو اس حدیث پاک سے پتہ چل رہا ہے کہ مدینہ کا یہ نام پہلے ہی سے پڑ چکا تھا اور یہ نام غلبہ کے لحاظ سے ہے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ شہر اور بستی میں واضح فرق ہوتا ہے۔(کہ گاؤں اور بستی ہوتے ہوئے بھی غالب آ گئی)۔

اِیْمَان

چھٹا نام "ایمان" ہے' اللہ تعالیٰ نے انصارِ مدینہ کو سراہتے ہوئے فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ○

"اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا' دوست رکھتے ہیں' انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے۔"

حضرت ابن زبالہ کی سند کے مطابق حضرت عثمان بن عبد الرحمٰن اور حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما دونوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا نام "دار" اور "ایمان" رکھا ہے۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں،" کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام "ایمان" رکھا کیونکہ ایمان یہیں سے پھیلا اور آخر کار یہیں آ جائے گا۔"

حضرت احمد دینوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المجالسہ" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک طویل قصہ لکھا ہے کہ: "فرشتۂ ایمان نے کہا کہ میں مدینہ میں ٹھہروں گا' اس پر فرشتۂ حیاء نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

چنانچہ اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان اور حیاء حقیقۃً رسول اللہ ﷺ ہی کے شہر میں موجود ہیں اور پھر عنقریب ایک حدیث میں آ رہا ہے کہ:

"ایمان جلد ہی سمٹ کر مدینہ کی طرف آ جائے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ میں واپس چلا جاتا ہے۔"

اَلْبَارَّۃ اور اَلْبَرَّۃ

ساتواں نام "بارّہ" اور آٹھواں "برّہ" ہے۔ اسے یوں سمجھو جیسے تم یہ کہہ دو: اِمْرَاَۃٌ بَارَّۃٌ اور بَرَّۃٌ یعنی بہت نیکیاں کرنے والی عورت' وجہ یہ ہے کہ خصوصاً اس شہر والوں کو بہت نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور عموماً پوری دنیا کو بھی یہیں سے نیکیاں حاصل ہوتی ہیں کیونکہ الٰہی راز یہیں موجود ہیں' انوار یہیں چمکتے ہیں' خوشگوار زندگی یہیں کی ہے اور یہیں برکات نبویہ حاصل ہوتی ہیں۔

اَلْبَحْرَۃ اور اَلْبُحَیْرَۃ

نواں نام "البحرہ" اور دسواں "البحیرہ" ہے' دوسرا پہلے کی تصغیر ہے

اَلْبَحِیْرَۃ

اَلْبَحِیْرَہ گیارھواں نام ہے۔ یہ تینوں نام "منتخب کراع" سے نقل کئے گئے ہیں جبکہ پہلے دو نام "معظم یا قوت" سے لئے گئے ہیں۔

بحر کا لفظ بولنا' فراخی اور کشادگی کا معنٰی دیتا ہے اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ هٰذِهٖ بَحْرَتُنَا یعنی یہ ہماری زمین اور

ہمارا شہر ہے۔ مدینہ کے یہ نام اس لئے پڑے کہ وہ ایک وسیع جگہ پر آباد ہوا۔ صحیح حدیث میں ابنِ اُبی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت سعد کا قول ملتا ہے' فرمایا:

"اس بحیرہ کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ ابن ابی بن سلول کو تاج پہنا دیں۔"

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ "مشارق" میں فرماتے ہیں کہ "بحرہ" نبی کریم ﷺ کا شہر ہے' اسے بحرہ اور بُحَیْرَۃ کہتے ہیں' باء پر پیش پڑھیں تو اسمِ تصغیر ہے اور زبر پڑھیں تو تو اسمِ تصغیر نہیں بنتا' یہاں یہی مذکور ہے۔ یہ لفظ "بحر" بھی بولا جاتا ہے' یہ قرآن میں آیا ہے اور ہر بستی ہی بحرہ ہوتی ہے۔"

اَلْبَلَاط

بارھواں نام اَلْبَلَاط ہے' یہ ابن خالویہ کی کتاب سے لیا گیا ہے' لغت میں اس کا معنٰی وہ کنکر ہیں جو اس زمین پر بچھائے جاتے ہیں جو ہموار ہو اور چٹیل ہو' مدینہ کا یہ نام اس لئے ہے کہ کنکر وہاں بہت ہوتے ہیں یا اس لئے کہ اس میں ایسے مقامات ہیں جہاں کنکر پائے جاتے ہیں جیسے چوتھے باب میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

اَلْبَلَد

تیرھواں نام "البلد" ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (سورۂ بلد:۱)

"مجھے اس شہر کی قسم۔"

حضرت واسطی رحمہ اللہ نے حضرت عیاض سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: "یعنی آپ کے لئے اللہ تعالیٰ قسم یاد فرماتا ہے' زندگی میں تو اس لئے کہ آپ کو اس نے اس مدینہ میں مرتبہ دے رکھا تھا اور وصال پر اس لئے کہ اسے آپ کی وجہ سے برکت حاصل ہو گئی ہے۔"

کچھ علماء کہتے ہیں کہ "بلد" سے مراد مکہ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معنٰی مراد لئے ہیں اور جن علماء نے اسے مکہ کے ناموں میں شمار کیا ہے' ان کے پاس آپ ہی کا قول دلیل ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسی معنٰی کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ بلد' قریہ سے بڑا وسیع ہوتا ہے۔

بَيْتُ الرَّسُوْل

چودھواں نام "بیت الرسول" ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۝ (سورۂ انفال:۵)

"جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے ربّ نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا۔"

مفسرین کرام کہتے ہیں بیتك سے مراد مدینہ منورہ ہے کیونکہ وہ آپ کی جائے ہجرت ہے' آپ کا مستقل ٹھکانہ ہے' اسے حضور ﷺ کے ساتھ وہی خصوصیت حاصل ہے جو ایک گھر کو اپنے اندر ٹھہرنے والے سے ہوتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ آپ کا وہاں گھر ہے۔

تندد

پندرھواں نام تندد ہے۔

تندر

سولھواں نام تندر ہے۔ان دونوں ناموں کی دلیل یندد اور یندر ناموں میں آ رہی ہے' حضرت مجد رحمہ اللہ نے یندر کے علاوہ باقی شمار نہیں کئے۔

اَلْجَابِرَہ

سترھواں نام ''الجابرہ'' ہے کیونکہ یہ نام اس حدیث میں شمار ہوا ہے کہ ''مدینہ کے دس نام ہیں۔'' یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ مدینہ شکستہ دلوں کا سہارا ہے' محتاجوں کو غنی کرتا ہے' یہ انسان کو اپنی برکتیں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے نیز اپنی نشانیاں دیکھنے کی دعوت دیتا ہے اور شہروں والوں کو اسلام پر مجبور کر دیتا ہے۔

جَبَّار

اٹھارھواں نام ''جبار'' ہے جیسے حَذَّام ہوتا ہے۔گذشتہ حدیث میں ابن شبہ نے اسے ''جابرہ'' کی جگہ روایت کیا ہے۔

الجبارہ

انیسواں نام ''جبارہ'' ہے' اسے کتاب اخبار النواحی والوں نے تورات میں سے مجبورہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جَزِيْرَةُ الْعَرَب

بیسواں نام ''جزیرۃ العرب'' ہے۔حضرت ابن زبالہ فرماتے ہیں' ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جزیرۃ العرب' مدینہ طیبہ ہے' آگے جا کر اس حدیث میں اس کا ذکر آ رہا ہے' بتاتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ سے نکلا تو آپ نے ادھر نظر اُٹھا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ (مدینہ) کو شرک سے بچا رکھا ہے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ کو شرک سے بچا رکھا ہے۔

حضرت ہروی' حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد خاص طور پر

مدینہ منورہ ہے: ''مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔'' اور حضرت مالک سے صحیح طور پر یہی ثابت ہے کہ جزیرہ سے مراد ملک حجاز ہے جیسا کہ ہمارا خیال ہے۔

اَلْجُنَّةُ الْحَصِيْنَة

اکیسواں نام ''الجنة الحصينه'' ہے' جیم پر پیش ہے' اس کا معنٰی بچانا ہوتا ہے۔

یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی نے غزوۂ اُحد پر حضورﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ اَنَا فِی جُنَّةٍ حَصِيْنَةٍ' میں مضبوط حفاظت میں ہوں' مشرکین سے کہہ دو کہ آئیں' ہم ان سے جنگ کے لئے تیار ہیں۔'' اس سے آپ کی مراد مدینہ تھی۔

حضرت احمد نے صحیح راویوں کی روایت پر ایک حدیث بتائی کہ: ''میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ مضبوط زرہ میں ہوں اور دیکھا کہ گائے ذبح کی جا رہی ہے۔'' چنانچہ میں نے مضبوط زرہ کی تعبیر مدینہ سے کی (کہ اس سے مراد مدینہ ہے) سیرت کی کتابوں میں یہی معنٰی بتایا گیا ہے۔

اَلْحَبِيْبَة

بائیسواں نام ''حبیبہ'' ہے کیونکہ حضورﷺ کو اس سے محبت تھی' آپ نے ارشاد فرمایا تھا: ''الٰہی مدینہ سے ہمارا پیار ایسا کر دے جیسا مکہ سے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کر دے۔'' اس سے زیادہ وضاحت ''محبوبہ'' نام میں آ رہی ہے۔

اَلْحَرَم

تیئیسواں نام ''حرم'' ہے یعنی عزت والا کے معنٰی میں ہے کیونکہ اللہ نے اسے عزت دی ہے' مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ''مدینہ حرم ہے''، ایک اور روایت میں ہے کہ ''یہ امن والا حرم ہے۔''

حَرَمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ

چوبیسواں نام ''حرم رسول اللہ'' ہے کیونکہ آپ ہی نے اسے عزت بخشی تھی۔ حدیث پاک میں ہے: ''جس نے میرے اہلِ حرم کو خوفزدہ کیا' اللہ اسے خوف زدہ فرمائے گا۔'' حضرت ابنِ زبالہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مذکور ہے کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حرم مکہ اور میرا حرم مدینہ ہے۔''

حَسَنَة

پچیسواں نام ''حَسَنَه'' ہے' یہ لفظ سَيِّئَه (بری چیز) کے مقابلے میں بولا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ (سورۂ نحل:۴۱)

''ضرور ہم انہیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے۔''

مفسرین کہتے ہیں کہ اس کا معنٰی ہے اچھا ٹھکانا دیں گے اور وہ مدینہ ہے اور کچھ حضرات کہتے ہیں کہ حَسَنَـہ مدینہ منورہ کا نام ہے کیونکہ یہ ظاہری اور باطنی طور پر (ظاہری و باطنی طور پر) بہتر ہی بہتر ہے۔

اَلْخَیِّرَة

چھبیسواں نام ''الخیرۃ'' ہے' یاء پر شدّ ہے جیسے ''نَیِّرَہ'' ہے۔

اَلْخَیْرَة

ستائیسواں نام اَلْخَیْرَہ ہے' یہ پہلے لفظ ہی کی طرح ہے البتہ یاء پر شد نہیں ہے جیسے تم لوگ کہا کرتے ہو رَجُلٌ خَیِّرٌ وَ خَیْرٌ یعنی آدمی بھلا ہے اور کہتے ہو اِمْرَأَۃٌ خَیِّرَۃٌ وَ خَیْرَۃٌ عورت بھلی ہے' شدّ اور بغیر شدّ کے یہ الفاظ بولا کرتے ہو' اس کا معنٰی ہوگا بہت بھلائی والا اور اگر اس معنٰی میں زیادتی بتانا ہو تو تمہیں کہنا ہوگا فُلَانٌ خَیْرُ النَّاسِ یعنی فلاں شخص سب لوگوں سے بھلا ہے۔ مدینہ منورہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وَ الْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ یعنی کاش انہیں پتہ چل سکے' مدینہ تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہے اور پھر آگے یہ حدیث بھی آ رہی ہے کہ ''مدینہ' مکہ سے بہت بہتر ہے۔''

اَلدَّار

اٹھائیسواں نام ''الدار'' ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّءُ و ا الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ٥ (سورۂ حشر:۹)

''اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا۔''

جیسے مدینہ منورہ کے نام ''ایمان'' میں بیان ہو چکا ہے' یہ نام اس لئے پڑا کہ اس میں امن پایا جاتا ہے' یہاں قرار آ جاتا ہے اور اس میں مکانات اور صحن وغیرہ سب کچھ ہے۔

دَارُ الْاَبْرَار

انتیسواں نام ''دار الابرار'' ہے۔ (یعنی نیک لوگوں کا گھر)۔

دَارُ الْاَخْیَاء

تیسواں نام ''دَارُ الْاَخْیَــار'' ہے کیونکہ یہ حضرت محمد مصطفٰی و مختار ﷺ' مہاجرین اور انصار کا گھر ہے اور یوں بھی اس کا نام ہے کہ یہ یہاں سے شریر لوگوں کو نکال دیتا ہے اور اگر اگر کوئی شریر یہاں رہائش رکھتا ہے تو حقیقۃً یہ اس کا

ٹھکانہ نہیں ہوتا اور حدیث کی رُو سے بہت مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ دفن کے ساتھ ہی اسے یہاں سے منتقل کر دیا جاتا ہے۔

دَارُ الْاِیْمَان

اکتیسواں نام "دار الایمان" ہے جیسے اس حدیث پاک میں ہے کہ اَلْمَدِیْنَۃُ قُبَّۃُ الْاِسْلَامِ وَ دَارُ الْاِیْمَانِ کہ مدینہ طیبہ مرکز اسلام اور ایمان کا گھر ہے کیونکہ ایمان یہیں سے شروع ہو کر ہر طرف پھیلا ہے' پھر عنقریب یہ حدیث آ رہی ہے کہ "ایمان مدینہ کی طرف یونہی سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ جاتا ہے۔

دَارُ السُّنَّۃ اور ایسے دیگر نام

بتیسواں نام دار السُّنَّہ ہے (سنتِ رسول کا گھر)۔

دَارُ السَّلَامَۃ

تینتیسواں نام دَارُ السَّلَامَۃ (سلامتی کا گھر)۔

دَارُ الْفَتْح

چونتیسواں نام دَارُ الْفَتْح (فتح ملنے کا مرکز)۔

دَارُ الْھِجْرَۃ

پینتیسواں نام دَارُ الْھِجْرَۃِ (ہجرت کا مقام)۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں قول ملتا ہے۔ "تم کو مدینہ پہنچنا ہو گا کیونکہ یہ دار الہجرۃ اور دار السنّۃ ہے۔" اس میں کشیہنی کی طرف سے اضافہ ہے کہ "دار السلامۃ" ہے چنانچہ اسی مقام سے مکہ اور دیگر تمام شہر فتح ہوئے' انصار بہت تعداد میں یہاں موجود تھے' یہی وہ مقام ہے جہاں نبی کریم ﷺ اور صالح مہاجرین ہجرت کر کے پہنچے تھے اور یہیں سے ہر طرف سنّتِ مصطفےٰ ﷺ پھیلی تھی۔

ذَاتُ الْحُجَر

چھتیسواں نام "ذات الحجر" ہے کیونکہ یہاں حجرے وغیرہ تعمیر کئے گئے تھے' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انصار مدینہ کی مدح میں فرمایا تھا: "ہماری اور ان انصار قبیلہ کی مثال نہیں ملتی البتہ طفیل غنوی نے کہا تھا:" وہ ہمیں ملال میں ڈالنے سے انکاری ہیں اور اگر ہماری ماں ان سے ملے جو ہم سے مل جاتے ہیں تو ملال میں آ جائے گی' وہ ہمارے نفسوں میں رچ بس گئے ہیں اور حجروں میں داخل ہو گئے ہیں جو خیموں کی طرح سایہ دار ہیں۔"

ذَاتُ الْحِرَار

سینتیسواں نام "ذات الحرار" ہے کیونکہ مدینہ کے علاقے میں پتھریلے مقامات بہت پائے جاتے ہیں چنانچہ خنافر بن تو اُم خمیری کاہن کے قصہ میں جب جن کے دین اسلام کا بتایا تو خنافر نے کہا تھا یہ دین میں کہاں تلاش کروں؟ تو اس نے کہا کہ "ذات الاحرین سے اور داہنی طرف کے گروہ سے جہاں پانی اور مٹی موجود ہے" میں نے کہا کہ اس کی وضاحت کر دو تو اس نے کہا: یثرب چلے جاؤ جو کھجوروں اور پتھروں والی جگہ ہے۔ اسمعی کہتے ہیں کہ احرون اور حرار اسی لفظ حرۃ کی جمع ہیں۔

ذَاتُ النَّخْل

اڑتیسواں نام "ذات النخل" ہے، اس نام کو اور ذات الحجر کو شاعروں نے اپنے اشعار میں استعمال کیا ہے، میں نے بھی انہی کے مطلع پر یہ اشعار کہے ہیں:

"میرے دل کی خواہشات بھی ذات النخل اور ذات الحجرات سے وابستہ ہیں دل دوشہروں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے چنانچہ شوق کے شعلوں کی وجہ سے آگ میں بھی جدا نہیں ہو سکا۔"

ہجرت کے بارے احادیث میں ہے: "مجھے میری ہجرت کا مقام دکھایا گیا جہاں کھجور کے درخت تھے اور پتھریلی جگہ" پھر عمران بن عامر کاہن اپنی قوم کے شہروں کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے: "جو یہ ارادہ رکھتا ہے کہ کیچڑ میں دھنسے مکانات دیکھے اور بے آباد جگہ دیکھے تو اسے حرہ میں جانا چاہیے جہاں کھجور کے درخت ہیں۔"

اَلسَّلَقَة

انتالیسواں نام "السلقہ" ہے، اسے ابوعبداللہ محمد بن احمد بن امین اقشری نے ان ناموں میں ذکر کیا ہے جو انہوں نے تورات سے لئے ہیں، ہم نے اسے پوری طرح سنبھالا نہیں، یہ احتمال ہے کہ اس کے لام پر زبر اور زیر ہو البتہ لفظ سَلَقْ دو زبر سے تو اس کا معنی پہاڑوں کے درمیان ایسی برابر زمین ہوتا ہے جو بنجر ہو۔ اسی میں سے سَلَقْتُ الْبَيْضَ بولا جاتا ہے یعنی میں نے انڈے اُبالے پھر مِسلاق اس خطیب کو کہتے ہیں جو فصیح و بلیغ ہو نیز زبان دراز عورت کو بھی بسا اوقات سَلِقہ (لام کو زیر دے کر) کہا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کو سلقہ کہنے کی وجہ یا تو اس کی فراخی اور پہاڑوں سے دوری ہے، یا اس میں آنے والی مشقتوں کی وجہ سے کہا جاتا ہے یا شدتِ گرمی کی وجہ سے کہا جاتا ہے یا یہاں موجود بخار کی وجہ سے کہتے تھے یا اس بناء پر یہ نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے رہنے والوں کو تمام دیگر شہروں پر غالب کر رکھا ہے چنانچہ انہیں فتح کرتے چلے گئے۔

سَيِّدَةُ الْبُلْدَان

چالیسواں نام ''سیدۃ البلدان'' ہے' اسے ابو نعیم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ذکر کیا ہے' فرماتے ہیں۔ يَاطَيْبَةَ يَا سَيِّدَةَ الْبُلْدَانِ۔

اَلشَّافِيَة

اکتالیسواں نام ''الشافیہ'' ہے کیونکہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ''یہاں کی مٹی میں ہر بیماری سے شفاء رکھ دی گئی ہے۔'' اور پھر کوڑھ اور پھلبہری تک امراض کا ذکر کیا' بخدا ہم نے بہت لوگوں کو اس کی مٹی کی وجہ سے کوڑھ سے شفایاب ہوتے دیکھا ہے اور شدید بخار میں اس کی مٹی شفاء کا کام دیتی ہے اور یہ بات مشہور ہے جیسے کہ آگے آ رہا ہے۔شافیہ اسے یوں بھی کہتے ہیں کہ اس کی کھجور سے بھی شفاء ہو جاتی ہے۔ابن مسدی نے لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ کے نام مبارک لکھ کر بخار والے کے گلے میں لٹکانے سے بھی شفاء ہوتی ہے' آگے آ رہا ہے کہ مدینہ طیبہ گناہوں کو دور کر دیتا ہے تو پھر یہ بیماریاں کیونکر دور نہ کرے گا۔

طَابَة اور طَيْبَة

بیالیسواں نام ''طابہ'' ہے۔

طَيْبَه

تینتالیسواں نام ''طیبہ'' ہے۔

طَيِّبَه

چوالیسواں نام ''طیّبہ'' ہے' یاء پر شدّ ہے۔

طَائِب

پینتالیسواں نام ''طائِب'' ہے جیسے کَاتِب کا وزن ہے۔یہ چاروں الفاظ ایک اور نام مُطَيَّبَة سمیت لفظاً و معناً ایک جیسے ہیں' صیغے اور مصدر کا فرق ہے پھر صحیح حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طَابَہ رکھا ہے' ایک اور روایت میں آتا ہے' مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مدینہ کا نام طابۃ رکھ دوں۔

ابن شبہ وغیرہ کہتے ہیں کہ لوگ اسے یثرب کہا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام طیبہ رکھ دیا۔حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ ''مدینہ کے دس نام ہیں' یہ مدینہ ہے' طیبہ ہے اور طابہ ہے۔'' صاحبِ نواحی نے طیبہ کی جگہ طابہ کا لفظ بولا ہے۔حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، بخدا تورات میں اس کے نام طیبۃ اور طابہ آئے ہیں اور پھر

مطیبۃ نام بھی تورات ہی سے لیا گیا ہے' یونہی طابۃ اور طیبۃ بھی لیا گیا ہے۔مدینہ کے یہ نام یا تو طیب کے لفظ سے ملتے ہیں جس کا معنٰی پاکیزہ ہوتا ہے یعنی شرک جیسی پلیدی سے پاک کرتا ہے' یا پھر اس لفظ سے ملتا ہے بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ یا اس لئے کہ اس میں حضورِ انور علیہ کا خوشبودار جسم انور رکھا ہوا ہے یا اس لئے کہ مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جو گندگی نکال باہر کرتا ہے اور پاک صاف کر دیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ لفظ طِیْب (یاء پر جزم) سے لیا گیا ہے کیونکہ اس میں ہر امر پاکیزہ ہے اور اس کی ہوا پاکیزہ ہے' خوشبو لئے ہوئے ہے چنانچہ ابنِ مطال لکھتے ہیں کہ جو بھی اس میں رہائش رکھتا ہے' وہ اس کی مٹی اور دیواروں سے خاص قسم کی خوشبو دار ہوا محسوس کرتا ہے۔

حضرتِ اِشبیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔" مدینہ پاک کی مٹی میں خاص خوشبو ہے' وہ ایسی نہیں جیسے اور خوشبوئیں ہوتی ہیں' یہ تو عجیب سے بھی عجیب ترین خوشبو ہوتی ہے۔

حضرت یاقوت حموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں' مدینہ طیبہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ہوا میں ایک خوشبو ہے' اس کی بارش سے ایسی خوشبو آتی ہے جو دنیا بھر کی کسی اور شے میں موجود نہیں ہے حضرت عبد اللہ عطار رحمہ اللہ نے کیا خوب لکھا ہے:

> "رسول اللہ علیہ کی وجہ سے وہاں کی ہوا میں خوشبو موجود ہے' اس کے سامنے کستوری' کافور اور تازہ عُود کی خوشبو کیا حیثیت رکھتی ہے؟"

ظِبَاب

چھیالیسواں نام "ظباب" ہے' اسے یاقوت حموی نے لکھا ہے لیکن حرکات نہیں بتائیں چنانچہ یا تو ظاء پر زیر ہے یا زبر ہے' پہلی صورت میں اس کا معنٰی ہے زمین کا ایک مستطیل ٹکڑا اور دوسری صورت میں یہ لفظ ظَبَب وظَبْظِب سے لیا گیا ہے۔یہ لفظ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا جسم گرم ہو جائے اور ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب بھی اس میں کوئی داخل ہوتا ' جسم گرم ہو جاتا (بخار ہو جاتا)' یہ بات حضرت مجد نے لکھی ہے۔

اَلْعَاصِمَہ

سینتالیسواں نام "العاصمہ" ہے۔یہ نام اس وجہ سے ہے کہ مدینہ نے مہاجرین کو تحفظ دیا تھا اور انہیں مشرکین کی تکالیف سے بچایا تھا اور پہلے بھی ایسا نام گذر چکا ہے اَلْجُنَّۃ الحصینہ پھر یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا معنٰی "معصومہ" والا ہو کیونکہ قدیم دور میں اس نے حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام کے لشکروں سے یہاں کے جابر لوگوں کو اس وقت پناہ دی تھی جب وہ یہاں آئے تھے' پھر بعد میں اس نے رحمتِ عالم علیہ کو پناہ دی اور پھر امن والا حرم بن گیا' اس میں دجال داخل نہ ہو سکے گا اور نہ طاعون ہی کی وباء آ سکے گی اور جو اس کے بارے میں برا ارادہ کرے گا' اسے

برباد کر دے گا۔

اَلْعَذْرَاء

اڑتالیسواں نام "العذراء" ہے پہلے حرف پر نقطہ نہیں' دوسرا نقطہ والا ہے' یہ نام بھی تورات سے لیا گیا ہے۔ یہ نام اس لئے ہے کہ قدیم زمانہ میں کوئی جابر شخص بھی اسے زیر نہیں کر سکا اور آخر کار اس کے حقیقی مالک' سرورِ عالم ﷺ کا دور آ پہنچا' یہ شہر مشکلات والا تھا کوئی یہاں داخل نہ ہوتا تھا' یہی وجہ ہے کہ کنواری لڑکی کو بھی "عذراء" کہتے ہیں (کیونکہ وہ شوہر سے محفوظ ہوتی ہے)۔

اَلْعَرَّاء

انچاسواں نام "العراء" ہے اس کا معنٰی بھی عذراء والا ہے' لغت والے کنواری لڑکی کو عرّاء کہتے ہیں کیونکہ وہ اس اونٹنی کی طرح ہوتی ہے جس کی کوہان یا تو ابھی ابھری ہی نہیں ہوتی یا پھر چھوٹی ہوتی ہے' یونہی کنواری لڑکی کے پستان بھی یا تو چھوٹے ہوتے ہیں یا پھر ہوتے ہی نہیں چنانچہ مدینہ طیبہ کا یہ نام اسی وجہ سے پڑا کہ اس میں بھی عمارتیں آسمان کو چھونے والی نہیں بنیں۔ (بدقسمتی سے موجود سعودی حکومت اس بات کو پیش نظر نہیں رکھ سکی' علماءِ عالم کو اس طرف توجہ دینی چاہئے کیونکہ حکمرانوں کے حق میں یہ اچھا شگون نہ ہوگا ۱۲ چشتی)۔

اَلْعَرُوْض

پچاسواں نام "العروض" ہے جیسے لفظ "صبُور" ہوتا ہے کہتے ہیں' یہ مدینہ اور اس کے اردگرد کا نام ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں باقی جگہیں نیچی ہیں اور اس میں کئی وادیاں ہیں۔ خلیل کہتے ہیں کہ عَروض' پہاڑ کی چوڑائی میں راستہ ہوتا ہے' جب کوئی مدینہ میں آتا ہے تو یہ اس کی آبرو بنتا ہے کیونکہ یہ نجد میں واقع ہے اور پورا نجد زمین کے طویل خطِ مستقیم پر واقع ہے اور مدینہ ایک جانب پر واقع ہے اور نجد ہی میں موجود ہے۔ (نجد' اونچا اور بلند علاقہ)۔

اَلْغَرَّاء

نام نمبر ۵۱ "الغرّاء" ہے' یہ لفظ "اَغَـــرّ" سے مؤنث کا صیغہ ہے' یہ لفظ سفید پیشانی والے گھوڑے کے لئے بولا جاتا ہے پھر "غُرّہ" ہر شے کا بہتر حصہ ہوتا ہے' انسان کا غرہ اس کا چہرہ ہوتا ہے' اَغرّ' ہر شے کا سفید حصہ ہوتا ہے' اسے بھی اَغر کہتے ہیں جس کے چہرے کا کچھ حصہ چھوڑ کر باقی سارے پر داڑھی اُگ آئے' دنوں میں گرم ترین دن کو کہتے ہیں' نیک بندے کو بھی کہتے ہیں پھر "غراء" خوشبودار ایک بوٹی ہوتی ہے' پورے قبیلے میں بڑی عورت کو بھی کہتے ہیں چنانچہ مدینہ کو غرّاء اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا ہر نشان عظمت والا ہے' اس کی بزرگی مسلم ہے' اسے شہرت حاصل ہے' اس کا نور ہر ایک کو منور کر رہا ہے' اس میں سفید پتھر ہے' آب و ہوا خوشبودار ہے' کھجوریں بہت ہیں' یہ تمام بستیوں سے عظیم ہے' اس

میں رہنے والے نیک ہیں اور ان کا مرتبہ بلند ہے۔

غَلَبَة

نام نمبر ۵۲ ''غلبہ'' ہے جس کا معنیٰ غالب ہونا ہے کیونکہ یہ تمام شہروں میں غالب رہا ہے' یہ دورِ جاہلیت کا نام ہے۔ ابنِ زبالہ بتاتے ہیں کہ مجھے داؤد بن مسکین انصاری نے اپنے بزرگوں سے سن کر بتایا' وہ کہتے تھے کہ دورِ جاہلیت میں یثرب کو ''غلبہ'' کہتے تھے' یہودی لوگ قومِ عمالقہ پر حملہ آور ہوئے تو غالب ہوئے' پھر اوس اور خزرج یہودیوں پر حملہ آور ہوئے تو غالب ہوئے' عجمی لوگ مہاجرین پر چڑھ آئے تو غالب ہوئے۔ ابنِ زبالہ کے جس نسخے کو میں نے دیکھا ہے' اس میں یونہی لکھا ہے پھر اس کتاب کے راوی ''مجد'' نے حضرت زبیر بن بکار سے نقل کیا تو بتایا کہ مہاجرین' اوس و خزرج پر چڑھ آئے تو انہیں غلبہ حاصل ہوا۔

اَلْفَاضِحَة

نام نمبر ۵۳ ''فاضحہ'' ہے' اسے کسی نے کراع سے نقل کیا ہے' یہ لفظ کیوں استعمال ہوا؟ یہ آگے اس مقام پر آرہا ہے جہاں یہ بتایا جائے گا کہ مدینہ گندگی دور کر دیتا ہے بایں معنیٰ کہ یہ تمیز پیدا کر دیتا ہے اور وہاں کے رہنے والے کو نمایاں کر دیتا ہے' یہاں کوئی شخص اپنا گندہ عقیدہ چھپا نہیں سکتا' نہ ہی کوئی اور شے چھپا سکتا ہے' مدینہ سب کچھ ظاہر کر دیتا ہے اور ایسے شخص کو رسوا کر دیتا ہے جبکہ یہ خاصیت کسی اور شہر میں نہیں ہے' ہم نے پوری طرح اس کا مشاہدہ کیا ہے اور بہت دفعہ کیا ہے۔

اَلْقَاصِمَة

نام نمبر ۵۴ '' القاصمہ'' ہے' یہ بھی تورات سے لیا گیا ہے' یہ نام اس لئے پڑا کہ جس جابر نے بھی مدینہ کے خلاف برا ارادہ کیا' اس نے اسے چُور کر کے رکھ دیا' جو بھی سرکش یہاں آیا' اسے برباد کیا اور جس نے بھی اس کے خلاف ارادۂ بد کیا' اسے اللہ نے ذلیل کر دیا۔

قُبَّةُ الاسلام

نام نمبر ۵۵ ''قبۃ الاسلام'' ہے کیونکہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''مدینہ مرکزِ اسلام ہے۔''

قَرْيَةُ الْاَنْصَار

نام نمبر ۵۶ '' قریۃ الاسلام'' ہے۔ ابنِ سیدہ کہتے ہیں کہ قریہ (قاف پر زبر اور زیر) بڑے شہر کو کہتے ہیں' یہ لفظ قَرَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ سے لیا گیا ہے اور اس وقت بولا جاتا ہے جب حوض میں پانی جمع ہو جائے (یعنی میں نے

حوض میں پانی جمع کیا)۔ ابو ھلال عسکری ہر چھوٹے اور بڑے شہر کو قریہ کہہ دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں' عنقریب لفظِ مدینہ کے معنیٰ میں آگے آ رہا ہے کہ مدینہ قریہ سے کچھ زیادتی والا ہوتا ہے جبکہ یہ ''مصر'' سے چھوٹا ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چھوٹے بڑے سب پر بولا جاتا ہے۔

لفظِ انصار کا واحد ناصر ہے' ان لوگوں کو انصار اس بناء پر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی' انہیں اپنے پاس ٹھہرایا اور مہاجرین کو جگہ دی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سراہتے ہوئے فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ اٰوَوا وَّ نَصَرُوْا۝

''اور وہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام انصار رکھ دیا جبکہ اس سے قبل انہیں اوس وخزرج کہا جاتا تھا۔ حدیث پاک میں غیلان بن جریر سے ہے وہ کہتے ہیں' میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: ''انصار کے لفظ کے بارے میں تو بتاؤ' یہ نام تم نے خود رکھ لیا تھا یا اللہ نے تمہارا یہ نام رکھا تھا؟ انہوں نے کہا' یہ نام تو اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا۔''

آگے ایک حدیث میں آ رہا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو شرک سے پاک رکھا ہے۔'' آپ (کتاب کے قاری چاہیں تو اسے یہ ایک اور نام شمار کر سکتے ہیں۔

قَرْيَةُ رَسُوْلِ اللهِ

نام نمبر ۵۷ ''قریۃ رسول اللہ'' ہے کیونکہ آگے آ رہا ہے کہ اللہ اسے دجال سے بچائے گا۔'' حدیث میں ہے: ''دجال چلتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچے گا' اسے یہاں آنے کی اجازت نہ ہو گی لہٰذا وہ کہے گا' یہ اس شخص کا شہر ہے۔'' مطلب یہ کہ نبی کریم ﷺ کا شہر ہے۔

قَلْبُ الْإِيْمَان

نام نمبر ۵۸ ''قلب الایمان'' ہے' اسے ابن جوزی نے ''الوفاء'' کے اندر اس حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ ''مدینہ اسلام کا قبہ یعنی مرکز ہے۔''

اَلْمُؤْمِنَة

نام نمبر ۶۰ ''المؤمنہ'' ہے۔ اسے مؤمنہ کہنے کی دو وجوہ ہیں' یا تو اس لئے مؤمنہ کہا جاتا ہے کہ عقل والوں کی طرح اس نے بھی حقیقۃً اللہ کی تصدیق کر رکھی ہے' یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ جمادات میں ایسی قوت رکھ دے جس کی بناء پر وہ سچا اور جھوٹا کہنے کے قائل ہوں چنانچہ حضور ﷺ کی ہتھیلی میں پکڑی کنکریوں سے تسبیح سنی گئی تھی' یا پھر اہل حجاز اسے اس لئے مؤمنہ کہتے ہیں کیونکہ یہاں کے لوگوں نے حضور ﷺ کی تصدیق کی تھی' یہیں سے ایمان پھیلا

اور پھر مدینہ میں مؤمن کے صفات پائے جاتے ہیں' یہ نفع و برکت دیتا ہے' نقصان نہیں کرتا اور مسکین نہیں بناتا' یا اس بناء پر اسے مومنہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے اندر رہنے والوں کو دشمنوں محفوظ رکھتا ہے' دجال سے بچائے گا اور طاعون سے حفاظت کرتا رہے گا۔ پھر ابن زبالہ نے حلفیہ کہا کہ اس کی مٹی ایمان لانے والی ہے' یہ بھی کہا کہ یہ نام تورات میں لکھا ہوا ہے۔

اَلْمُبَارَکَہ

نام نمبر ۶۰ ''المبارکہ'' ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دُعا کی برکت سے اسے سرفراز فرمایا ہے' حدیث پاک میں ہے۔'' الٰہی مکہ کے مقابلے میں مدینہ کو دوگنا برکت عطا فرما۔'' ایسی اور بھی احادیث بہت ہیں اور ایسی دُعاؤں کی برکت صاف نظر آ رہی ہے۔

مُبَوَّأُ الْحَلَالِ وَ الْحَرَام

اکسٹھواں نام ''مبوأ الحلال و الحرام '' ہے۔ اسے طبرانی نے حدیث پاک ''المدینة قبة الاسلام'' کے ماتحت ذکر کیا ہے۔ تَبَوُّءٌ کا مطلب ہوتا ہے برقرار ہونا اور مستقل ہو جانا' مدینہ پاک کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دونوں باتیں یہاں پائی جاتی ہیں۔ کتاب کے کچھ دوسرے نسخوں میں یہ لفظ مَثْـوٰی آیا ہے۔ پہلا تو میں نے حافظ ابوالفتح مراغی رحمہ اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے (مدینہ پاک ہی سے ساری دنیا کو حلال و حرام کا پتہ چلا ہے' حلال و حرام بتانے کا یہی ٹھکانہ تھا۔

مُبِیْنُ الْحَلَالِ وَ الْحَرَام

باسٹھواں نام ''مبین الحلال و الحرام '' ہے' اسے ابن جوزی اور سید ابو العباس قرافی رحمہما اللہ نے حدیث پاک ''مدینہ مرکزِ اسلام'' کے تحت لکھا ہے' یہاں ''مبوّأ'' کے بدلے میں لفظ ''مبین'' آیا ہے' یہ نام اس لئے پڑا کہ یہی تو وہ مقام ہے جہاں سے لوگوں کو حلال و حرام بتانے کی ابتداء ہوئی تھی۔

اَلْمَحْبُوْرَۃ

تریسٹھواں نام ''المجبورہ'' ہے۔ ابنِ جوزی وغیرہ نے اسے حدیث (کہ مدینہ منورہ کے دس نام ہیں) کے تحت لکھا ہے اور پہلی کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ مدینہ پاک کا یہ نام اس لئے پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ (جو اس کے نبی اور نامور ہیں) کی وجہ سے اسے آپ کی زندگی سے بھرپور رکھا اور پھر وصال کے بعد آپ کا جسم انور اسی میں محفوظ فرمایا جبکہ قبل ازیں آپ نے اس سے بخار کو نکال باہر کیا تھا' اس کی جگہ تندرستی نے لے لی' آپ نے یہاں رہائش رکھنے کا شوق دلایا' یہاں کے پیمانوں مُدّ اور صاع میں برکتیں ہی برکتیں ہیں چنانچہ یہی وہ ہے جس کی وجہ سے مدینہ پاک خوش و خرم ہے اور ان عظیم نعمتوں سے مالا مال ہے' اس کا دامنِ فخر ہر مقام پر سایہ کئے ہوئے ہے۔

اَلْمُحِبَّة

چونسٹھواں نام "المحبہ" ہے (محبت رکھنے والا) یہ نام بھی پہلی کتابوں سے لیا گیا ہے۔

اَلْمُحَبَّبَة

پینسٹھواں نام "المحببہ" ہے' اس میں پہلے نام کے مقابلہ میں ایک باء زیادہ ہے۔

اَلْمَحْبُوْبَة

چھیاسٹھواں نام "المحبوبہ" ہے' یہ بھی پہلی کتابوں سے لیا گیا ہے' یہ اور اس سے پہلے والے تین نام "حبیبہ" سمیت ایک ہی مادہ سے نکلے ہوئے ہیں (حُبّ سے)۔ یہ نام اس لئے پڑا کہ رسول اکرم ﷺ کو اس شہر سے محبت تھی اور آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تھی پھر ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر اللہ کو سب شہروں سے محبوب ہے اور پھر اس بات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی حیات و وصال کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی کو پسند فرما لیا چنانچہ یہ شہرِ انور اللہ' اس کے محبوب رسول اور سب مومنوں کا محبوب بن چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کو یاد کرنے سے دلوں کو سکون ملتا ہے اور اس کے رازوں کا مشاہدہ کرنے سے دل اس کے گرویدہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اَلْمَحْبُوْرَة

ستاسٹھواں نام "المحبورہ" ہے' یہ حَبَر کے لفظ سے بنا ہے جس کا معنیٰ خوشی ہوتا ہے' یونہی حبر' حبور اور حبرہ ہے جیسے "حبورة" میں بیان ہو چکا' یا یہ لفظ حبرۃ سے ہے جس کا معنیٰ نعمت ہوتا ہے' یہ حبرہ بھی بہت سی خوبیاں جمع ہونے کا معنیٰ دیتا ہے پھر محبار اس زمین کو کہتے ہیں جس میں جلدی سے نبات اُگے اور اس میں فائدے ہی فائدے ہوں۔

اَلْمُحَرَّمَة

اٹھاسٹھواں نام "المحرمہ" ہے (عزت والا) اس کی عزت و حرمت آگے آ رہی ہے۔

اَلْمَحْفُوْفَة

انسٹھواں نام "المحفوفہ" ہے (حفاظت میں لیا ہوا یا بھرپور) اسے محفوفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ برکتوں سے بھرپور ہے' آسمانی فرشتوں سے بھرپور رہتا ہے' یہاں کسی سے خوف اور ڈر نہیں رہتا' فرشتے یہاں ہر راستے اور پہاڑی گھاٹیوں پر پہرہ دے رہے ہیں جو اسے طاعون اور دجال سے بچائے رکھیں گے' آگے حدیث آ رہی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "مدینہ اور مکہ فرشتوں کی حفاظت میں ہیں' ان کے ہر راستے پر فرشتے موجود ہیں جو دجال اور طاعون کو کبھی یہاں داخل نہ ہونے دیں گے۔

اَلْمَحْفُوْظَة

سترواں نام ''المحفوظه'' ہے۔اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دجال اور طاعون وغیرہ سے محفوظ کر رکھا ہے' ایک حدیث پاک میں ہے کہ ''چار بستیاں محفوظ قرار دیدی گئی ہیں۔'' اور اس میں مدینہ کا ذکر بھی موجود ہے پھر مفضل جندی کی روایت کردہ ایک اور حدیث جسے ہم نے فضائل مدینہ میں لکھا ہے' یہ ہے کہ: ''مدینہ پر فرشتوں کی سخت حفاظت ہے' اس کے ہر راستے پر فرشتہ موجود ہے جو اس کی حفاظت کی خدمت انجام دے رہا ہے۔آپ چاہیں تو مدینہ طیبہ کو ''محروسہ'' نام بھی دے سکتے ہیں۔

اَلْمُخْتَارَه

اکہترواں نام ''المختارہ'' ہے' یہ نام اس بناء پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حیات و وصالِ محبوب ﷺ کے لئے پسند فرما رکھا ہے۔

مُدْخَلُ صِدْقٍ

بہترواں نام ''مدخل صدق'' ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ○ (سورۂ اسرا:۸۰)

'' اور یوں عرض کرو کہ اے میرے ربّ مجھے سچی طرح داخل کر۔'' (مُدْخل صدق میں داخل کر)۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ''مدخل صدق '' سے مراد مدینہ منورہ ہے اور مخرج صدق سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور پھر اس آیت میں سُلْطَانًا نَّصِیْرًا سے مراد انصارِ مدینہ ہیں۔یہ روایت حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کی ہے' اس کی تائید میں امام ترمذی نے اس آیت کا شانِ نزول بتاتے ہوئے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اَلْمَدِیْنَه

تہترواں نام ''المدینہ'' ہے۔

مَدِیْنَةُ الرَّسُوْل

چوہترواں نام ''مدینۃ الرسول'' ہے' لفظِ مدینہ یا تو مَدَنَ بِالْمَکَانِ سے لیا گیا ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی مکان میں ٹھہر جائے یا پھر یہ دَانَ کے لفظ سے نکلا ہے جس کا معنی اطاعت و فرمانبرداری کا ہے' اس لحاظ سے میم اس میں زائد ہے' مدینہ اس لئے کہتے ہیں کہ بادشاہ شہروں میں ٹھہرا کرتا ہے تو وہاں اس کی عزت کا بندوبست ہوتا ہے (یہ دونوں کام حضور ﷺ کے لئے ہوئے تھے) یا پھر (دَانَ کی بناء پر) اس لئے مدینہ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی

اطاعت ہوتی ہے۔

مدینہ (لغوی طور پر) بہت سارے گھروں کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو آبادی اور عمارتوں کی کثرت کی بناء پر ''قریہ'' بڑھ کر ہوتا ہے لیکن ''مصر'' کی حد تک نہیں پہنچتا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر ''مصر'' کو مدینہ کہہ لیتے ہیں۔ لفظ مدینہ اگرچہ بہت سے مقامات پر بولا جاتا ہے لیکن یہ مدینۂ رسول اللہ ﷺ کا نام بن چکا ہے لیکن اس کے علاوہ کسی اور شہر کا علم اور نام نہیں بنایا گیا' اس کی حیثیت یہ ہو چکی ہے کہ جب بھی یہ بولا جاتا ہے تو مدینۂ رسول ہی مراد ہوتا ہے اور مدینہ پاک کے بارے میں یہ لفظ بطور معرفہ ہی بولتے ہیں۔

مدینہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس میں رہائش رکھی' آپ اور آپ کی اُمت کے سامنے تمام اُمتیں اور گروہ ختم ہو گئے۔

لفظِ مدینہ نکرہ ہوتے ہوئے ہر شہر پر بولا جا سکتا ہے' دیگر کسی بھی شہر میں رہنے والے کو نسبت کے موقع پر ''مَدِینی'' کہتے ہیں لیکن مدینہ رسول اللہ ﷺ میں رہنے والے کو فرق ظاہر کرنے کے لئے ''مدنی'' کہتے ہیں۔ یہ لفظ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر آیا ہے اور تورات سے لیا گیا ہے۔

اَلْمَرْحُوْمَة

پچھتر واں نام ''المرحومہ'' ہے' یہ بھی تورات سے لیا گیا ہے' اسے مرحومہ اس بناء پر کہتے ہیں کہ یہاں دنیا کی طرف رحمت بنا کر بھیجے جانے والے کا گھر ہے نیز ارحم الراحمین کی طرف سے رحمتوں کے نزول کا مقام ہے اور پہلا وہ شہر ہے جسے حضور سید المرسلین ﷺ کی رحمت نصیب ہوئی۔

اَلْمَرْزُوْقَة

چھہتر واں نام ''المرزوقہ'' ہے۔ اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اسے ساری مخلوق میں سے افضل کی تشریف آوری بطور روزی نصیب ہوئی اور آپ نے اس میں قیام فرمایا۔ یا اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں بسنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی روزی عطا فرمائی' آسمانوں سے روزی دی اور ان کے پاؤں تلے سے دی' اگر کوئی شخص بے رخی کی بناء پر یہاں سے نکل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص یہاں بھیج دیتا ہے جیسے کہ حدیث سے ثابت ہے۔

مَسْجِدُ الْاَقْصٰی

ستتر واں نام ''مسجد الاقصیٰ'' ہے' علامہ تادلی نے صاحبِ مطالع سے اسے اپنی منسک میں لیا ہے۔

اَلْمِسْكِيْنَة

اٹھہتر واں نام ''المسکینہ'' ہے' یہ تورات سے لیا گیا ہے اور اس حدیث میں آتا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ

"مدینہ کے دس نام ہیں۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرفوع حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مدینہ سے فرمایا:

"اے طیبہ! اے طابہ! اے مسکینہ! خزانوں کو پسند نہ کر اور اپنی اجابیر (بلند سطح) بستیوں پر بلند کر دے۔"

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ لفظ تورات میں ملا تھا۔اجاجیر سطحوں کو کہتے ہیں۔مسکنت کا اصل معنٰی عاجزی کرنا ہوتا ہے۔مدینہ کا یہ نام اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کے لئے ہر ایک کے دل میں خشوع وخضوع پیدا فرما رکھا ہے' یا اس بناء پر یہ نام رکھا گیا کہ یہ مسکینوں کی رہائش گاہ ہے' اس میں خضوع وخشوع والا ہر شخص رہ سکتا ہے' حدیث پاک میں آتا ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: الٰہی! مجھے حالتِ مسکینی میں رکھ' اسی حالت میں موت دینا اور حشر کو مسکینوں میں اُٹھانا۔

اَلْمُسْلِمَة

اناسیواں نام "المسلمہ" ہے' مؤمنہ کے وزن پر ہے' پہلے ہم اسے بتا چکے ہیں۔لفظِ اسلام عجز وانکسار اور اللہ کا ہو رہنے کے لئے بولا جاتا ہے' مدینہ کو مسلمہ یا تو اس بناء پر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تابعداری اور اللہ کا ہو رہنے کی صورت بتائی ہے یا اس بناء پر کہتے ہیں کہ عاجزی وانکساری یہاں رہنے والوں کے دلوں میں گھر کئے ہوئے ہوتی ہے کیونکہ ان کا یہ شہر قرآن کی بناء پر فتح ہوا' تلوار اور تیر سے نہیں پھر اس لئے بھی کہ یہاں کے لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ہو گئے' ان کی مدد کے لئے وقف ہو گئے اور ان کے منہ مانگے کو پورا کر دکھایا۔

مَضْجَعُ الرَّسُوْل

اَسّی واں نام "مضجع الرسول" ہے۔یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ جیسے عنقریب آگے آ رہا ہے کہ یہاں کے رہنے والے لوگوں کو حفاظت اور عزت حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے ملی ہے کہ: "مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے اور زمین میں میرے لیٹنے کا مقام ہے۔"

اَلْمُطَیَّبَة

اکاسیواں نام "المطیّبہ" ہے۔طیبہ کے ذکر میں ایسے الفاظ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

اَلْمُقَدَّسَة

بیاسیواں نام "المقدسہ" ہے (پاکیزہ) کیونکہ اس شہر کو شرک اور گندگی کے پاک کر دیا گیا ہے پھر اس لئے بھی یہ نام رکھا گیا کہ اس نام کی برکت کے باعث گناہوں اور کوتاہیوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

اَلْمَقَرّ

تراسی واں نام ''المقر'' ہے۔ جیسا کہ میں نے ایک لغت میں دیکھا یہ لفظ قرار سے لیا گیا ہے' عنقریب مدینہ منورہ کے لئے آپ کی دعا میں یہ لفظ آ رہا ہے' فرمایا تھا: ''الٰہی! مدینہ میں میرے لئے قرار وچین پیدا فرما اور اچھی روزی کا بندوبست فرما۔''

اَلْمَكْتَان

چوراسی واں نام ''المکتان'' ہے' سعد بن سرح نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے کے بارے میں کہا تھا:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ معاملہ (محاصرہ) طول پکڑتا جا رہا ہے جبکہ مکّتان (مدینہ) میں ہمارے مددگار بھی کم ہیں۔''

نصر بن حجاج کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ پاک سے معزول کر دیا کیونکہ ان کا حُسن دیکھ کر ایک عورت ان کے حق میں شعر پڑھ رہی تھی تو اس پر اس نے لکھ بھیجا:

''میرے بارے میں آپ کا گمان ایک حقیقت ہے چنانچہ اس کے بعد میرے پاس یہاں ٹھہرنے کا کوئی جواز نہیں لہٰذا میں ہم نشین سے بات نہیں کر سکتا۔

مجھے تہمت کے بغیر معزول کر دیا گیا حالانکہ میرا مقام مکّتین (مدینہ) میں تھا۔''

ظاہر یہ ہے کہ مکّتین سے یہاں مراد مدینہ طیبہ ہے کیونکہ نصر بن حجاج اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کے واقعات مدینہ ہی میں ہوئے تھے۔ مدینہ پر یہ لفظ اس لئے بولا گیا کہ اہلِ مکہ یا ان کا اکثر حصہ یہاں آ پہنچا تھا اور وہ لوگ اہلِ مدینہ میں گھل مل گئے تھے۔

برھان قیراطی نے مکّتین کا لفظ مکہ کے ناموں میں شمار کیا ہے۔ تقی فاسی کہتے ہیں کہ شاید برھان نے یہ لفظ ورقہ بن نوفل کے اس قول سے لیا تھا:

بِبَطْنِ الْمَكَّتَيْنِ عَلٰى دَجَائِي

حضرت سہیلی کہتے ہیں کہ انہوں نے مکہ کا لفظ تثنیہ بنا کر استعمال کیا حالانکہ یہ واحد ہے' وجہ اس کی یہ ہے کہ مکہ کی ایک حیثیت باطنی ہے اور ایک ظاہری' عرب لوگوں کا یوں لفظ بولنے کا مقصد ہر شہر کی دو یہی جانبیں بیان کرتا ہوتا ہے یا وہ اعلیٰ اور نیچے والا حصہ بیان کیا کرتے ہیں لہٰذا اس مقصد کی خاطر وہ تثنیہ کا لفظ لاتے ہیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں تثنیہ کا لفظ تغلیبی طور پر لاتے ہوں اور اس سے مراد مکہ اور مدینہ لیتے ہوں جیسے ہم نے اسے دلیل بنایا ہے تو اس صورت میں ان کا اسے مدینہ کے لئے بطور دلیل پیش کرنا بے مقصد ہو جائیگا۔

اَلْمَكِيْنَةُ

پچاسی واں نام ''الـمكينه'' ہے (عزت و مرتبہ والا ہونا) یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں اسے نمایاں مرتبہ حاصل ہے۔

مُهَاجَرُ الرَّسُوْل

چھیاسی واں نام ''مہاجر الرسول'' ﷺ ہے' یہ نام آپ کے اس ارشاد سے لیا گیا ہے کہ اَلْمَدِيْنَةُ مُهَاجَرِیْ (مدینہ میری جائے ہجرت ہے)۔

اَلْمُوَفِّيَة

ستاسی واں نام ''الـموفّيـه'' ہے' یہ یعنی فاء کی شدّ کے ساتھ ''توفیہ'' سے نکلا ہے لفظ ''توفیہ'' مصدر سے فاء کی شدّ کے ساتھ بنا' اسے شدّ کے بغیر مُوْفِيَۃُ بھی پڑھا جا سکتا ہے (اِيْفَاء سے) کیونکہ ''توفیہ'' اور ''ایفاء'' کا معنٰی ایک ہی ہوتا ہے' مدینہ کا یہ نام اس بناء پر ہے کہ یہ اپنے یہاں آنے والوں کا حق پورا پورا دیا کرتا ہے اور یہ یہاں حاضری دینے والوں کو ظاہری و باطنی طور پر نوازا کرتا ہے یا اس لئے یہ نام پڑا کہ اس میں رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالٰی سے جو عہد کئے تھے' انہیں پورا کر دکھایا۔

اَلنَّاجِيَةُ

اٹھاسی واں نام ''الناجیہ'' ہے۔ یہ لفظ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی خلاصی حاصل کر لیتا ہے یا جلدی دکھاتا ہے یا نجی اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اکیلا سرگوشی کیا کرتا ہے یا دو شخص آپس میں سرگوشی کرتے ہیں یا یہ لفظ نَجْوَة سے لیا گیا ہے جس کا معنٰی بلند زمین ہوتا ہے۔ مدینہ کا یہ نام اس بناء پر ہے کہ اسے اللہ تعالٰی نے سرکشوں سے نجات بخشی ہے' طاعون اور دجال سے نجات عطا فرمائی ہے یا اس بناء پر کہتے ہیں کہ اس میں تیزی سے نیکیاں ہوتی ہیں اور اشرف المخلوقات کو نیکیاں دینے میں آگے آگے ہوتا ہے اور پھر یوں بھی یہ نام رکھا گیا ہے کہ پوری مخلوق میں اسے بلند شان حاصل ہے اور یہ کسی کی محنت کا اجر نہیں رہنے دیتا۔

نَبْلَاء

نواسی واں نام ''نبلاء'' ہے۔ یہ کراع سے نقل کیا گیا ہے' میرا خیال ہے کہ اس کے نون پر زبر اور حرفِ باء پر جزم ہے اور آخر میں مَدّ ہے' نُبْل سے بنا ہے جس کا معنٰی فضیلت اور پاکیزگی ہوتا ہے چنانچہ خوبصورت عورت کے بارے میں عرب کہتے ہیں اِمْرَأَةٌ نَبِيْلَةٌ۔ وہ حسن میں وہ حسین ہے یعنی بیّنة النّباله ہے اور جب کھجور پھل والی ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں اَنْبَلَ النَّخْلُ' پھر نُبْلَة کا لفظ ثواب' جزاء اور عطیہ پر بولا جاتا ہے۔

اَلنَّحْر

نام نمبر ۹۰ ''النحر'' ہے۔مدینہ طیبہ کا یہ نام یا تو اس میں شدید گرمی کی وجہ سے بولا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے نَحَرَ الظَّهِيرَةُ (دوپہر کو خوب گرمی پڑی) اور اسی گرمی کی بناء پر مکہ بھی اس کے ساتھ شامل ہے (وہاں بھی سخت گرمی ہے) یا یہ لفظِ ''نَحْر'' ابنیاد اور اصل کے معنی دیتا ہے کیونکہ یہ دونوں شہر اسلام کی بنیاد اور اصل ہیں۔

اَلْهَذْرَاء

نام نمبر ۹۱ '' الهذراء'' ہے' ابن نجار نے یہ نام ''عذراء'' کی بجائے تورات سے لیا ہے اور پھر بہت سے مطری جیسے لوگوں نے اسے لے لیا ہے چنانچہ ہم نے بھی اسے درج کر دیا ہے حالانکہ جیسے ہم بیان کر چکے ہیں' اسے ساقط کر دینا چاہیے' ہم نے اسے اس کلام میں روایت کیا جو اسے ذال سے پڑھتا ہے۔مدینہ پاک کا یہ نام شدید گرمی ہونے کی بناء پر رکھا گیا کیونکہ عرب شدید گرم دن کو یَوْمٌ هَاذِرٌ کہتے ہیں یا اس لئے کہ یہاں پانی بکثرت مل جاتا ہے یا اس کے بازاروں میں قدرے بلند آواز آتی ہے چنانچہ عرب اس شخص کے بارے میں هَذَرَ فِي كَلَامِهِ کہتے ہیں جو بہت بولے اور هَذَر بہت ردّی چیز کو کہتے ہیں (اور یہ بلند آواز وہاں اچھی نہیں لگتی) اور یہ بھی احتمال ہے هَذَرَ الْحَمَام سے لیا گیا ہو (دال کے ساتھ) (کبوتر آواز نکالے تو بولتے ہیں یا) پانی چلنے اور انڈیلے جانے پر آواز آتی ہے۔هَذَرَ الْعَشب اس وقت کہتے ہیں جب گھاس لمبی ہو جائے اور پھر بہت سی نباتات اُگنے پر زمین کو اَرْضٌ هَاذِرَة کہتے ہیں۔

يَثْرِب

نام نمبر ۹۲ ''یثرب'' ہے' یہ اَثْرِب ہی کی جگہ پر بولا جاتا ہے۔اس بارے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے اور یہ لفظ شاعر کے اس شعر میں یوں نہیں ہے:

وعدت وكان الخلف منك سجيّة مواعيد عرقوب اخاه بينرب

'' تم نے عرقوب والا وعدہ کر دیا حالانکہ وعدہ خلافی تمہاری عادت ہے' اس کے بھائی۔عرقوب سے جو یثروب میں ہے۔''

کیونکہ ''مجد'' بتاتے ہیں کہ سب کے نزدیک تاء دو مرتبہ ہے اور اس کی راء پر زبر ہے' مجد کہتے ہیں کہ یہ حضر موت کا ایک شہر ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ وعدوں والا عرقوب وہیں رہتا تھا اور پھر مجد' اس بات کو صحیح مانتے ہیں کہ یہ شخص مدینۃ النبی ﷺ کے قدیم یہودیوں میں سے تھا۔مشارقِ عیاض میں لکھا ہے کہ اس شعر میں جو یثرب کا لفظ ہے وہ اسی طرح ہے جیسے مدینہ منورہ کا نام یثرب ہے۔کچھ حضرات کہتے ہیں کہ یہ یمامہ کا ایک شہر ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ یہ لفظ یتنرب ہے' راء پر زبر ہے اور یہ اس بستی کا نام ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تیم قبیلہ کی شاخ بنو سعد کے شہروں میں سے ایک قریہ کا نام ہے جیسے شعر میں موجود ''عرقوب'' میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ اہل مدینہ کے اوس

قبیلہ سے تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ اہل یمامہ کے عمالقہ میں سے تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مذکورہ بنو سعد میں سے تھا' رہا ہند بنت عتبہ کا یہ قول:

لَنَهْبِطَنَّ يَثْرِبَهْ بِغَارَةٍ مُّنْشَعِبَهْ

''ہم یثرب میں اتریں گے' اس غار میں جو بَل کھاتی ہے۔''

تو ظاہر یہ ہے کہ یہاں ھاء سکتہ کی وجہ سے آئی ہے لہٰذا یہ کوئی دوسرا نام نہیں ہے۔

يُنْدَدُ

نام نمبر۹۳ ''یُنْدَدُ'' ہے' اسے کراع نے یاء اور دو دال کے ساتھ ذکر کیا ہے' یہ لفظ یا تَوَنَّدْ سے ہے جو ایک مشہور خوشبو ہوتی ہے' بعض عنبر کو کہتے ہیں یا یہ نـــــد سے ہے جس کا معنیٰ بلند ٹیلا ہوتا ہے یا یہ ناد سے لیا گیا ہے جس کا مطلب رزق ہوتا ہے۔

يُنْدَر

نام نمبر۹۴ ''یندر'' ہے' پہلے نام میں آخری دال کو راء سے بدل کر یندر پڑھا جاتا ہے' یہ نام ''مجد'' نے دوسرے ناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اور مزید ابھی تک اس پر کچھ نہیں کہا گیا جیسے عنقریب میں ذکر کروں گا کہ یہ لفظ کیسے بناء کیونکہ حدیث پاک میں یونہی آیا ہے کہ ''مدینہ پاک کے دس نام ہیں جو پہلی کتابوں میں ہیں' بعض جگہ یہ لفظ تَـنْـدَد ہے تاء اور دو دال کے ساتھ اور کہیں یونہی ہے' آخری دال کو راء سے بدلا گیا ہے چنانچہ اس رد و بدل کے نتیجے میں چار نام بنتے ہیں' دو مقامات پر یاء لگانے سے اور دو میں تاء لگانے سے۔

مجد کہتے ہیں کہ یہ سب معاملہ گڑبڑ ہے' صحیح لفظ یندد ہے یاء اور دو دال کے ساتھ لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ زرکشی نے مدینہ پاک کے نام لکھتے وقت ان چاروں میں سے دو کو جمع کر لیا ہے اور بتایا ہے کہ ان دونوں کو بکری نے ذکر کیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ آخری دو بھی یونہی ہیں اور حدیث ''مدینہ کے دس نام ہیں۔'' کو ابن شبہ نے عبد العزیز بن عمران سے روایت کیا ہے لیکن صرف آٹھ نام لکھے ہیں پھر اپنی سند سے بھی بذریعہ عبد اللہ بن جعفر بن ابو طالب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام ''دار اور ایـمـان'' رکھا ہے۔ کہا ہے کہ پہلی حدیث میں آٹھ نام آئے ہیں اور اس میں دو نام آگئے ہیں اور یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ دو ملا کر دس بنتے ہیں یا نہیں۔

ابن زبالہ نے بھی یونہی روایت کی ہے البتہ نو نام ذکر کئے ہیں اور پھر ''دار'' کا نام بڑھایا ہے جبکہ دسواں ساقط کر دیا ہے۔

ابن زبالہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبد العزیز بن محمد دراوردی نے کہا: ''مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تورات میں مدینہ کے چالیس نام ہیں۔'' واللہ اعلم۔

دوسرا باب

اس باب میں فضائلِ مدینہ کا ذکر ہے' یہ بتایا گیا ہے کہ مدینہ کی ابتداء کیسے ہوئی اور کن مراحل سے گذر کر یہاں تک پہنچا' اسی سرزمین سے خوفناک آگ کیسے اُٹھی اور حرم شریف کے قریب پہنچ کر بجھ گئی۔اس میں سولہ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

دوسرے شہروں پر فضیلت مدینہؑ مکہ و مدینہ میں سے افضل کون؟

اس بات پر علماء کا اجماع ہو چکا ہے کہ جو مٹی سرورِ کونین ﷺ کے جسمِ اطہر کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ کعبہ تک سے بھی افضل ہے' اس کے بعد علماء کا یہ اجماع ہے کہ مکہ اور مدینہ تمام دوسرے شہروں سے افضل ہیں لیکن اختلاف اس میں ضرور ہے کہ دونوں میں سے کونسا شہر افضل ہے چنانچہ حضرت عمر بن خطاب' ان کے لڑکے عبد اللہؒ مالک بن انس اور اکثر اہلِ مدینہ علماءؒ مدینہ منورہ کو افضل کہتے ہیں' اس شخص نے یہ بہت اچھا کہا جنہوں نے بتایا کہ اختلاف تو مکہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں ہے' یہ بات یقینی ہے کہ اس مٹی کے علاوہ جو جسمِ اطہر سے لگی ہوئی ہے' مکہ مدینہ شہر سے افضل ہے اور یہ بات اجماع سے ثابت ہے۔جسمِ انور کے ساتھ لگی مٹی کے بارے افضلیت پر اجماع قاضی عیاض نے بیان کیا ہے اور ان سے قبل قاضی ابو الولید باجی یہ اجماع نقل کر چکے ہیں جیسا کہ خطیب ابن جملہ نے لکھا ہے' یونہی ابو الیمن بن عساکر وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور یہ تصریح کر دی ہے کہ مدینہ' کعبہ شریف سے افضل ہے بلکہ علامہ تاج سبکی نے تو ابن عقیل حنبلی کے ذریعے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ زمین کا وہ ٹکڑا عرش سے بھی اعلیٰ ہے۔

تاج فاکہی لکھتے ہیں: کہتے ہیں' اس بات میں کوئی اختلاف نہیں زمین کا جو ٹکڑا آپ کے اعضاءِ مبارکہ کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ زمین کے ہر ٹکڑے سے افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ والی زمین سے بھی افضل ہے۔پھر کہا: میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ وہ ٹکڑا آسمان کے ہر ٹکڑے سے بھی افضل ہے اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں' جہاں تک میرا یقین ہے کہ اگر یہ معاملہ علماء کے سامنے رکھا جائے تو اس پر کوئی بھی اعتراض نہیں کرے گا۔یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ آسمانوں کو آپ کے مبارک قدموں سے لگنے کا شرف حاصل ہے بلکہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ زمین کے تمام قطع آسمانوں کے ہر قطع سے افضل ہیں تو یہ شرف بعید نہیں کیونکہ حضور ﷺ زمین میں آرام فرما ہیں بلکہ میرے نزدیک تو بات یقیناً یونہی ہے۔

زمین افضل یا آسمان؟

میں کہتا ہوں کہ ابن عماد نے شیخ تاج الدین (امامِ فاضلیہ) سے نقل کرتے ہوئے' زمین کی آسمان پر فضیلت پر

بحث کرتے ہوئے تصریح کی ہے اور کہا ہے: "اکثر علماء کہتے ہیں کہ زمین افضل ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام زمین سے پیدا کئے گئے' اسی میں انہوں نے اللہ کی عبادت کی اور اسی میں دفن ہو گئے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یقینی اور درست بات' جس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے' یہ ہے کہ آسمان' زمینوں سے افضل ہیں۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ زمین زیادہ شرف رکھتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے زندگیاں اسی پر گذاریں اور اسی میں دفن ہوئے۔ یہ بات ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں شاید انہوں نے اس دوسری وجہ کو ضعیف اس لئے کہا ہے کہ کلام تو زمین کے بارے میں ہو رہی ہے لہٰذا اس کے کچھ حصے کو فضیلت دینے سے پوری زمین کی افضلیت ثابت نہیں ہوسکتی پھر انہوں نے اس بات کو بھی ضعیف قرار دیا ہے کہ ارواحِ انبیاء تو آسمانوں میں رہتی ہیں اور یہ جسموں سے افضل ہوتی ہیں۔

اس کے جواب میں ہم اپنی یہ تحقیق انشاء اللہ پیش کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ہمارے شیخ محقق بن امام کاملیہ نے سورۂ صف کی تفسیر میں کہا ہے کہ:

"حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ٹھکانے اور ان کی روحیں زمین و آسمان سب سے افضل ہیں' اختلاف تو ان کے مقامات اور ارواح سے الگ میں ہے جیسے شیخ الاسلام بلقینی نے اس کی تائید کی ہے۔"

علامہ زرکشی کہتے ہین کہ اعضاءِ مبارکہ سے لگی مٹی کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ وہ ان کے وجود مبارک کو چھو رہی ہے اور ساتھ ملی ہوئی ہے' یہی وجہ ہے کہ بے وضو شخص کے لئے قرآنی جلد کو چھونا حرام کیا گیا ہے۔

مکہ افضل یا مدینہ' ایک مرتبہ پھر دہرایئے

علامہ قرافی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب یہ مفہوم ایک عالم کے ذہن میں نہ آسکا تو اس نے آپ کے جسمِ انور سے لگی مٹی کی فضیلت پر اجماع کے بیان کا انکار کر دیا اور کہا: فضیلت تو اعمال پر ڈھیروں ثواب ملنے سے ثابت ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کوئی عمل کرنا تو حرام ہے۔علامہ قرافی کہتے ہیں کہ اس عالم نے یہ نہیں جانا کہ فضیلت کے اسباب' ثواب سے عام ہوتے ہیں اور فضیلت پر ہونے والا اجماع اسبابِ تفضیل کی وجہ سے ہے نہ کہ ثواب کی کثرت سے۔ پھر اس عالم پر یہ الزام بھی آتا ہے کہ قرآنی جلد بھی (بلکہ خود قرآن) اور چیز سے افضل نہ ہو کیونکہ اس میں بھی تو عمل ممکن نہیں اور یہ بات تو اجماع کی سخت خلاف ورزی ہے۔

میں کہتا ہوں' یہ جو انہوں نے کہا کہ جسم سے ملنے والی زمین افضل ہے' ہم اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں کثرتِ ثواب کی بناء پر عدمِ تفضیلِ مقابل تسلیم نہیں جیسے ہم اس کی تحقیق بیان کریں گے۔

عزّ بن عبد السلام کا تبصرہ

اس مسئلہ میں بنیادی اشکالی ابن عبد السلام کی طرف سے ہوا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے ''امالی'' میں لکھا ہے کہ مکہ کی مدینہ پر افضلیت یا مدینہ کی مکہ پر افضلیت کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں شہروں میں عمل کرنے کا ثواب اللہ تعالیٰ دوسرے شہروں میں عمل کرنے سے زیادہ دیتا ہے لہٰذا قاضی عیاض کے اس قول پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ ''امت کا اس پر اجماع ہے حضور ﷺ کی قبر مبارک والی جگہ افضل ہے۔'' کیونکہ اس صورت میں یہ ممکن نہیں کہ اس جگہ میں کوئی اللہ کی عبادت کر سکے۔

علامہ تقی سبکی رحمہ اللہ کا بیان

علامہ تقی سبکی لکھتے ہیں کہ میں نے بہت سے علماء کو دیکھا ہے جو اس اجماع کے نقل میں شبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھے قاضی القضاۃ علامہ سروجی حنفی نے بتایا کہ میں نے اپنے مذہب کی پچاس کتابوں کا مطالعہ کیا ہے لیکن کسی نے یہ بحث نہیں چھیڑی (کہ دونوں شہروں میں سے کون سا افضل ہے) علامہ سبکی کہتے ہیں البتہ میں نے ابن عبد السلام کے اس بحث چھیڑنے سے معلوم کیا ہے کہ تمام زمانے اور تمام مقامات ایک جیسے ہوتے ہیں البتہ ان میں فضیلت اس کام کی وجہ سے آتی ہے جو ان میں واقع ہوتا ہے' ان صفات کی بناء پر فضیلت نہیں ہوتی جو زمانے اور جگہ میں پائی جاتی ہے' یہ فضیلت اس طرف لوٹتی ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو اس میں کرنے کی توفیق دے رکھی ہے نیز ان سے مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ زمانہ اور جگہ میں فضیلت اللہ کی عطاء سے ان کو ملتی ہے جو ان دونوں میں عمل کرتے ہیں۔ حضرت سبکی کہتے ہیں: میں کہتا ہوں' کبھی تو فضیلت اسی بناء پر ہوتی ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے ہوتی ہے اگرچہ ان میں کوئی بھی عمل کیا جائے کیونکہ قبر انور پر رحمت و رضوان اور فرشتے نازل ہوتے ہیں کیونکہ اللہ کو اس قبر اور اس میں تشریف فرما سے اس قدر محبت ہے جو سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی جبکہ یہ محبت کسی اور مقام کو حاصل نہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ مقام سب سے افضل نہ ہو حالانکہ اس میں ہم کوئی بھی عمل نہیں کر سکتے لہٰذا یہ ایسا معنیٰ ہے کہ اس میں اعمال کا ضعیف ہونا نہیں پایا جاتا' علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ ان کے قول کے اعتبار سے' ہر ایک وہیں دفن ہوتا ہے جہاں سے اسے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ مزارِ انور میں اعمال کا اجر اس لحاظ سے دوگنا ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور آپ کے اعمال ہر ایک سے کئی گنا بڑھ جاتے ہیں تو اجر کا یہ اضافہ ہمارے اعمال سے خصوصیت نہیں رکھتا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بڑی نفیس ہے' علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ آپ کے مزار شریف پر اُترنے والی رحمتیں اور برکتیں ایسی ہیں جن کا فیض پوری اُمت کو پہنچتا ہے اور یہ بے انتہاء ہیں کیونکہ آپ کے مراتب میں ہر وقت ترقی جاری رہتی ہے اور امت کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ فضیلت میں بہت بڑھ کر ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی امت سب سے بہتر ہے کہ اس کے نبی سب نبیوں سے افضل ہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے قبرِ انور نہایت فیض بخش ہوتے ہوئے سب

مقامات سے افضل نہ ہو؟ تم دیکھتے نہیں کہ خانہ کعبہ' ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس میں عمل کرنے سے منع کرتے ہیں' ہمارے عمل کی جگہ نہیں تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کے گرداگرد مسجد اس کعبہ سے افضل ہو کیونکہ وہ مسجد تو عمل کرنے کی جگہ ہے حالانکہ بھلائی کا سبب تو خانہ کعبہ ہی ہوتا ہے اور پھر ہر ایک جانتا ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف توجہ فرمائے رکھتا ہے حالانکہ آپ تو اسی قبرِ انور ہی میں ہیں' یہی وہ جگہ ہے جہاں امت کے لئے آپ کی طرف سے نہایت درجہ شفاعت ہوتی ہے' اور آپ ان کی امداد فرماتے ہیں' حدیثِ پاک میں بھی یہ بات آ چکی ہے کہ فرمایا: ''میری وفات تمہارے حق میں بہت بہتر ہوگی'' پھر اس کی وضاحت بھی بیان ہوئی کہ ''تمہارے اعمال میرے سامنے لائے جاتے ہیں' میں تمہارے اچھے اعمال دیکھتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں اور نامناسب دیکھ کر اللہ سے تمہارے لئے بخشش کی دُعا کرتا ہوں۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ میں اللہ سے تمہارے گناہ ہاتھوں میں لینے کی درخواست کرتا ہوں (کہ انہیں بخش دے) اس کے اور بھی دلائل ہیں جو اس کی تقویت کا باعث ہیں' عنقریب باب نمبر ۸ میں آگے آ رہا ہے کہ اس آیت میں مذکور آپ کی خدمت اقدس میں حاضری' روضۂ انور پر حاضری ہی سے حاصل ہو جاتی ہے' آیۂ مبارکہ یہ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ۝

''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں۔''

اس میں لوگوں کو کا آپ کی خدمت میں آنا' قبر انوار پر حاضری سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا حضور ﷺ کی زیارت اور آپ کا قرب سب سے افضل عبادت ہے' آپ کے قریب دعائیں قبول کی جاتی ہیں' مطالبے پورے ہو جاتے ہیں چنانچہ ان کاموں میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سبب بنا دیا ہے' اس لئے کہ یہ جگہ جنت کے باغوں میں ایک باغ کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ سب باغوں سے افضل ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے اندر تم میں سے کسی کا قوس کے دونوں کناروں جتنے فاصلے پر ہونا' دنیا اور اشیاء دنیا سے بہت بہتر ہے۔

حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی ''نوادر'' میں فرمایا: میں نے حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ عنہ سے سنا' فرماتے تھے کہ اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص نے ایک کتاب لکھی اور ادھر اہلِ مکہ سے بھی ایک نے کتاب لکھ دی' ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے شہر کی فضیلت بیان کرتا رہا' ان میں سے ہر ایک کی کوشش تھی کہ دوسرے پر غالب آ جائے' آخرکار ایک خصوصیت کی بناء پر مدنی شخص مکی پر غالب آ گیا اور وہ مکی عاجز پڑ گیا' مدنی کا کہنا یہ تھا کہ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ مرکر ہر شخص اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے جس سے اس کی پیدائش ہوئی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ رسول پاک ﷺ مدینہ کی مٹی ہی سے پیدا ہوئے ہیں تو پھر پتہ چل گیا کہ اس مٹی کو ساری زمین پر واضح طور پر فضیلت حاصل ہے۔

انسان اسی مٹی سے پیدا ہوتا ہے جس میں اسے دفن ہونا ہوتا ہے

میں کہتا ہوں' یہ بات کہ "آدمی اسی مٹی سے پیدا ہوتا ہے جس میں دفن ہوتا ہے۔" اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو حاکم نے مستدرک میں درج کی ہے' اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابوسعید نے اس پر دلائل صحیحہ قائم ہیں' انہوں نے بتایا: نبی کریم ﷺ ایک قبر کے قریب سے گذر رہے تھے کہ پوچھا: یہ قبر کس کی ہے؟ ہمراہیوں نے عرض کی یا رسول اللہ! فلاں حبشی کی ہے۔فرمایا: لا الـه الا اللّـه! زمین و آسمان سے تعلق رکھ کر اسی مٹی کی طرف اسے کھینچ لیا گیا ہے جہاں سے پیدا ہوا تھا' حکیم ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ نے "الوفاء" میں حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے سنداً بیان کیا ہے' فرماتے ہیں کہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام کو حکم دیا جس کے نتیجے میں وہ آپ کی قبر مبارک والی جگہ سے سفید مٹھی بھر مٹی لے آئے جسے تسنیم کے پانی سے گوندھا گیا تھا' پھر اسے جنت کی نہروں میں باری باری ڈبویا گیا' اسے آسمانوں اور زمینوں میں گھمایا گیا تو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی حضرت محمد ﷺ کی پہچان کر لی۔آگے اس کے فضائل میں مزید بیان آ رہا ہے۔

آدمی وہاں بھیج دیا جاتا ہے جہاں اسے موت آنی ہوتی ہے

حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے حدیثِ پاک "جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتا ہے کہ آدمی فلاں زمین میں فوت ہو تو اس کے دل میں وہاں کی کوئی غرض رکھ دیتا ہے۔" ذکر کر کے فرمایا' کہ اس کی موت وہاں اس لئے ہوتی ہے کہ وہ زمین کے اسی ٹکڑے سے پیدا کیا گیا ہوتا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ بھی فرما رہا ہے:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ ۝ (سورۂ طٰہٰ:۵۵)

"اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں لوٹا دیں گے۔"

حضرت ترمذی فرماتے ہیں کہ آدمی کو وہیں لوٹایا جاتا ہے جہاں سے اس کی ابتداء ہوئی تھی۔حضرت ترمذی لکھتے ہیں' یہ روایت ملتی ہے کہ اس وقت زمین بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑائی جب حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی لی گئی' اس پر اللہ نے اسے فرمایا کہ جلد یہ مٹی تمہارے پاس واپس کر دوں گا چنانچہ جب ان کا وصال ہوا تو اسی مٹی میں دفن کئے گئے جہاں سے آپ کی وہ مٹی لی گئی تھی۔

تخلیقِ رسول اللہ اور ابوبکر و عمر ایک مٹی سے

حضرت یزید جریری رحمہ اللہ کہتے ہیں' میں نے ابنِ سیرین رحمہ اللہ سے سنا' فرمایا: اگر میں قسم کھا کر یہ بات کہوں تو سچی ہو گی اور اس میں شک نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ایک ہی مٹی سے پیدا فرمایا تھا اور پھر اسی مٹی کی طرف لوٹا دیا۔

حضرت ابنِ جوزی رحمہ اللہ ''الوفاء'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بتاتے ہیں، فرمایا:

''جب حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کریں، حضرت علی نے کہا کہ زمین میں کوئی ایسا زمینی ٹکڑا نہیں جو اس ٹکڑے سے بہتر ہو جس میں آپ کا وصال ہوا ہے۔ حضرت یحییٰ کی روایت ہے کہ دفن کے بارے میں اختلاف ہونے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: جہاں اللہ نے آپ کی روح قبض فرمائی ہے، اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں آپ کو دفن نہیں کیا جائے گا چنانچہ اس پر سب صحابہ راضی ہو گئے۔''

میں کہتا ہوں کہ ابن جوزی کے قول کے ذریعے قبرِ انور کی فضیلت پر گزشتہ اجماع کی نقل سے سند ملتی ہے کیونکہ سب صحابہ اس پر خاموش ہو گئے تھے اور آپ کو وہیں دفن کرنے پر تیار ہو گئے تھے اور جب لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے صاحبِ رسول اللہ! آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا: اسی زمین میں، جہاں آپ کا وصال ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ ترین زمین ہی پر آپ کی روح قبض فرمائی ہے یہ روایت حضرت ترمذی نے اپنے ''شمائل'' میں ذکر کی ہے اور نسائی نے ''کبریٰ'' میں ذکر کی ہے، اس کی سند صحیح ہے۔ اسی کو حضرت ابویعلیٰ موصلی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، آپ کے الفاظ یہ ہیں:

''میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے سنا، فرمایا: کوئی نبی اپنی پسندیدہ جگہ کے بغیر وصال نہیں فرماتا۔''

میں کہتا ہوں کہ زمین کا وہ قطعہ جو آپ کو پسند ہے، اللہ کو بھی پسند ہوتا ہے کیونکہ آپ کی کسی شے سے محبت، اللہ کی محبت کے تابع ہوتی ہے ہاں بفرض محال اگر نبی کی اس شے سے محبت خواہش نفس کی بناء پر ہو تو ایسا نہیں ہوتا اور جو چیز اللہ اور اس کے نبی کو پسند ہو، وہ کیوں کر افضل نہ ہو گی، یہی وجہ ہے کہ مکہ پر مدینہ کی افضلیت اس صحیح حدیث سے لی گئی ہے جس میں رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''الٰہی! مدینہ ہمیں مکہ سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔'' بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے جیسے اسے روایت کیا گیا ہے اور یہ آپ کی دعوت کی قبولیت ہی تھی کہ آپ کا چوپایہ اس وقت حرکت کرنے رگ جاتا جب محبت سے آپ اُسے دیکھتے۔

حضرت حاکم نے اپنی مستدرک میں یہ حدیث روایت کی ہے: ''الٰہی! تو نے میری پسندیدہ سرزمین سے مجھے نکالا ہے تو پھر اپنی پسندیدہ جگہ میں ٹھکانہ دے۔'' حضرت حاکم کے ایک طریقے کے مطابق آپ نے یہ بات مکہ سے نکلتے وقت فرمائی تھی۔

کہتے ہیں، اگر یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو مقصد یہ ہو گا کہ مجھے مکہ کے بعد اپنی پسند کا ٹھکانہ دیدے۔'' کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے کہ ''مکہ اللہ کے شہروں میں سب سے بہتر ہے۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ ''یہ اللہ کی پسندیدہ سرزمین ہے۔'' اور اس لئے بھی کہ مسجد مکہ کے لئے مدینہ کے مقابلے میں دوگنا اجر ہے جیسے آگے آ رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مکہ کے مقابلے میں مدینہ سے زیادہ محبت کی دعا

فرمائی تھی، پھر ہم نے آپ کی دعا قبول ہونے کا اشارہ کیا تھا اور یہ بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لئے کسی شے کو اس وقت تک محبوب نہیں بناتا جب تک وہ خود اسے اپنی محبوب نہ بنا لے لہٰذا اس حدیث کی صحت کی بھی ضرورت نہیں رہی اور نہ ہی اس سے مراد وہ کچھ ہے جو ظاہر کے خلاف ہے اور جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس میں یہ صلاحیت نہیں کہ ظاہر کے خلاف پر سند بن سکے کیونکہ اس کے ذریعے حضور ﷺ نے اس گھر کا ارادہ فرمایا جس میں آپ نے ہجرت کرنا تھی چنانچہ اللہ سے دعا فرمائی کہ اس گھر کو ایسا بنا دے جو خود اسے محبوب ہو۔ اللہ کی اس سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ اس گھر میں خیر و برکت رکھ دے اور اپنے محبوب کے لئے تعظیم کا سامان کر دے اور یہ چیز اس میں، پہلے نہ ہوتے ہوئے نئے سرے سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

رہا حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ: ''مکہ اللہ کے شہروں میں سب سے بہترین اور اسے محبوب ہے۔'' تو یہ اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب ابتداءِ اسلام تھی اور ابھی تک مدینہ پاک کو یہ عظمت نہیں دی گئی تھی پھر جب آپ طویل عرصہ تک یہاں ٹھہرے، اللہ نے آپ کا دین غالب فرما دیا اور جیسے کہ آگے آ رہا ہے مدینہ منورہ کو نت نئے ایسے فضائل عطا فرمائے جن کا اثر مکہ تک بھی پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اسی مدینہ کی برکت سے مکہ اور دیگر اسلامی شہروں پر فتح نصیب فرمائی چنانچہ اللہ نے اسے بہتریوں سے نوازا اور اس کی برکت کی بناء پر دوسرے شہروں میں برکتیں رکھ دیں جس سے پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے حق میں آپ کی دعا قبول فرمالی تھی چنانچہ اس کے بعد یہ سرزمین اللہ کی بہترین زمین بن گئی اور اسے محبوب لگی، یہی وجہ تھی کہ آپ مکہ فتح کر لینے کے بعد وہاں واپس تشریف نہیں لے گئے۔

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ آپ مکہ میں اس لئے واپس نہیں آئے کہ اللہ نے مدینہ میں آپ کے لئے ٹھہرنا لازم کر دیا تھا۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ مدینہ کا قیام تو صرف اس بناء پر لازم کیا گیا کہ وہ سب سے افضل تھا اور حضور ﷺ کو پیارا لگتا تھا چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ نے لوگوں کو اپنی اقتداء کا شوق دلایا اور یہاں ٹھہرنے پر ابھارتے رہے، اسی لئے فرمایا: ''مدینہ ان لوگوں کے لئے بہترین جگہ تھی بشرطیکہ انہیں اس بات کا علم ہو جاتا۔''

سوال: اگر یہ کہا جائے، علامہ تقی فاسی نے تو کہا ہے: ''ہمارے کچھ ہم عصروں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا یہ فرمان کہ ''مکہ اللہ کے سب شہروں سے بہتر ہے۔'' اس وقت فرمایا تھا جب آپ ہجرت کے لئے مکہ سے نکل آئے تھے۔'' تو یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اسی حدیث کے دوسرے طریقوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے یہ فرمان اس وقت کیا تھا جب آپ سواری پر مکہ سے باہر ایک ٹیلہ پر تشریف لے گئے تھے، حالانکہ ہجرت کرتے وقت آپ اس صورت سے نہیں نکلے تھے کیونکہ احادیث یہ بتاتی ہیں کہ آپ مکہ سے چھپ کر نکلے تھے اور اگر آپ سوار ہو کر مذکورہ مقام پر تشریف لے جاتے، جسے عوام ''غَزْوَہ'' کہتے تھے تو آپ کے اس سفر کا ہر ایک کو پتہ چل جاتا۔

جواب: حضرت ابن زبالہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے نکلنے کا حکم فرمایا تو آپ نے عرض کی تھی۔ "اے اللہ! جیسے تو نے مجھے یہاں سے نکالا ہے۔" (الحدیث) اور پھر ابن حبان کی روایت میں ہجرت کی حدیث بتاتی ہے کہ "دونوں سوار ہوئے یعنی آپ اور حضرت ابوبکرؓ غار پر پہنچے (غارِ ثور) اور اس میں چھپ گئے۔" اور ہجرت کی دوسری احادیث میں آ رہا ہے کہ آپ رات کے وقت غار کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور ان کفار کے گروہ کے سروں پر خاک ڈال آئے تھے جو آپ کی تاک میں جمع تھے' آپ نے ان سے چھپنے کے لئے سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں تو وہ آپ کو دیکھ نہ سکے چنانچہ ایسی صورتِ حال (ان سے پوشیدگی) میں یہ بات ماننے سے انکار ممکن نہیں کہ آپ اس مقام پر سوار ہوں۔

رہی یہ بات کہ مسجد مکہ کو دوگنا فضیلت حاصل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فضیلت صرف دوگنا ثواب ہی سے ثابت نہیں ہوا کرتی کیونکہ یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے کہ عرفات کی طرف جاتے ہوئے پانچ نمازیں ادا کرنا اور قربانی کے دن منیٰ میں نمازِ ظہر پڑھنا' مسجد مکہ میں نماز پڑھنے سے بھی بہتر ہے اگرچہ مسجد مکہ میں ادائیگی پر دوگنا ثواب تھا کیونکہ اتباع کرتے ہوئے وہ کچھ ملتا ہے جو اس سے بڑھ جاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے' باوجودیکہ آپ مدینہ پاک کی فضیلت کے قائل تھے' یہ فرمایا تھا کہ مسجد مکہ میں دوگنا اجر ہے' مقصد یہ ہے مدینہ (جس پر مکہ کو فضیلت حاصل ہے) کو وہ مرتبہ حاصل ہے جو اس مکہ (جس کا ثواب دوگنا ہے) کو حاصل نہیں۔

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو آگے آ رہا ہے کہ یہ دوگنا پن فرضوں اور نفلوں میں کو شامل ہوتا ہے حالانکہ نفل گھر میں پڑھنا افضلیت رکھتے ہیں علاوہ ازیں اگر دوگنا اجر بتانے والی حدیث میں مسجد حرام سے صرف کعبہ مراد ہو (جیسے اس کی طرف اشارہ آ رہا ہے) تو جواب یہ ہے کہ یہ بات مدینہ کے علاوہ دوسری مسجدوں کے بارے میں ہے جبکہ نبی کریم ﷺ مدینہ کے بارے میں دعا فرما چکے ہیں کہ اسے مکہ سے دوگنی برکت ملے اور اس برکت کے ساتھ دینی و دنیوی دو برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ قلیل عدد میں برکت ہوتی ہے تو وہ کثیر سے بھی زیادہ نفع بخش ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو بہت سی برکتیں حاصل ہیں کیونکہ اس کی کثرتِ برکات کے لئے آپ کی دعائیں ہیں۔

ہم نے جو کچھ بیان کر دیا ہے' فضیلت کعبہ اس کے آڑے نہیں آتی کیونکہ کلام اس کے علاوہ میں ہو رہی ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت مالک نے مؤطا میں لکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عیاش مخزومی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ: "تم اس بات کے قائل ہو کہ مکہ پاک مدینہ منورہ سے افضل ہے؟" اس پر عبد اللہ نے عرض کی تھی کہ یہ اللہ کی طرف سے حرمت و امن کی جگہ ہے اور یہاں بیت اللہ شریف موجود ہے! حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ میں حرمِ خدا اور بیت اللہ کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا' دوبارہ پوچھا: تم ہی ہو جو مکہ کو مدینہ سے افضل قرار دیتے ہو؟ حضرت عبد اللہ نے پھر وہی عرض کی کہ یہ اللہ کا حرم ہے' جائے امن ہے اور یہاں بیت اللہ ہے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ میں حرمِ خدا اور

بیت اللہ کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا اور پھر وہاں سے چلے گئے' ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ابن عیاش پر اظہار ناراضگی فرمایا اور وہاں سے چلے گئے۔

پھر فضیلت مدینہ پر یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا کہ مکہ میں حج کے مقامات (عرفات' مزدلفہ' منٰی وغیرہ) کیونکہ ان مقامات کی عظمت کعبہ سے تعلق رکھتی ہے اور پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ مکہ میں عمرہ کے عوض اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء جانے پر ثوابِ عمرہ کا اجر رکھا ہے جیسے کہ آگے آرہا ہے بلکہ حج کا اجر بھی رکھا ہے جیسے حدیث مرفوع آرہی ہے کہ: ''جو صرف میری مسجد میں نماز کا ارادہ لے کر گھر سے نکلا اور یہاں نماز پڑھ لی تو اس کا اجر حج جتنا ملے گا۔'' اور یہ تو عظیم حج ہوا کیونکہ یہ ایک آسان کام ہے اور دن میں کئی مرتبہ کیا جا سکتا ہے جبکہ حج تو بار بار نہیں کی جا سکتی اور اسی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجد کعبہ میں دوگنا اجر صرف اسی کے لئے ہے جو خلوصِ دل سے نماز کا ارادہ کرے۔

پھر فضیلت مدینہ پر یہ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ نے اعلانِ نبوت کے بعد مدینہ پاک سے زیادہ عرصہ تک یہاں قیام فرمایا تھا (جیسے کہ اس میں اختلاف موجود ہے) کیونکہ مدینہ پاک میں آپ کا قیام دینِ الٰہی کے غلبے اور عظمت کا سبب بنا تھا' شریعت وہیں جاری ہوئی' اکثر فرائض وہیں لاگو ہوئے' دین الٰہی وہیں کمال کو پہنچا اور قیامت تک کے لئے حضور ﷺ نے اسی کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنا لیا۔

پھر ہر کوئی جانتا ہے کہ مدینہ سے حضور ﷺ کی محبت ایسی تھی جو مکہ کے لئے ثابت نہیں' وہاں کے قیام پر تو آپ لوگوں کو ابھارتے رہے اور وہاں فوت ہونے کا شوق دلاتے رہے' وہاں کی تکالیف اور سختیوں پر صبر کرنے کی تلقین فرماتے رہے جیسے عنقریب آگے آپ کو پتہ چل جائے گا' یہ حدیث بھی آرہی ہے کہ فرمایا تھا: ''الٰہی ہماری آرزوئیں مکہ سے متعلق نہ رہیں۔'' اور یہ حدیث بھی ہے کہ: ''میری قبر کے لئے روئے زمین پر ایسی کوئی جگہ نہیں جو مدینہ سے افضل دکھائی دیتی ہو۔'' آپ کا اشارہ مدینہ کی طرف تھا اور تین مرتبہ فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہماری اُس بات کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ ہم بھی اسی چیز سے محبت رکھیں جس سے رسول اللہ ﷺ محبت فرماتے تھے' ہم بھی اسی شے کو عظمت دیں جسے حضور ﷺ نے عظیم جانا اور پھر جب موت مدینہ کی فضیلت ثابت ہو گئی تو وہاں قیام کرنے والوں کی عظمت کھل کر سامنے آگئی کیونکہ آپ کا بھی یہی طریقہ تھا چنانچہ طبرانی نے کبیر میں اور مفضل جندی نے فضائلِ مدینہ وغیرہ میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے' آپ نے بتایا: میں اس بات کا گواہ ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مدینہ' مکہ سے بہت افضل ہے۔

بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث آئی ہے' آپ نے فرمایا تھا کہ ''ایمان سمٹ کر مدینہ منورہ کی طرف یوں آجائے گا جیسے سانپ اپنے بل میں سمٹ کر چلا جاتا ہے چنانچہ ہم ہر مسلمان کو دیکھ رہے ہیں کہ حضور ﷺ سے محبت کی وجہ سے مدینہ کو کھنچا چلا جاتا ہے' اس میں زمانہ کی قید نہیں کیونکہ آپ کے دور میں علم سیکھنے کے لئے لوگ وہاں کھنچے آتے تھے صحابہ و تابعین کے دور میں ان کی اقتداء کے لئے آتے تھے اور ان کے بعد آپ کی زیارت کے لئے چلے آتے ہیں' آپ

کے شہر کی فضیلت کے لئے آتے ہیں' آپ کے نشانات دیکھ کر تبرک حاصل کرتے ہیں اور آپ کی طرح یہاں رہائش کے لئے آتے جاتے ہیں۔

ہم نے فضائل مدینہ میں حضرت جندی کی حدیث بیان کی کہ: ''جلدی ہی ایمان سمٹ کر مدینہ کی طرف آجائے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ جاتا ہے۔'' مقصد یہ کہ ایمان یہیں ملے گا' ابنِ زبالہ نے یہ حدیث لکھی کہ: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو سکے گی جب تک ایمان مدینہ میں ویسے جمع نہ ہو گا جیسے سیلاب گھاس پھوس کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے۔''

پھر اسماءِ مدینہ میں حدیثِ بخاری و مسلم گذر چکی ہے کہ: ''مجھے اس قریہ کی طرف ہجرت کا حکم ملا جو تمام بستیوں کو کھا لے گی' لوگ تو اسے یثرب کہتے ہیں لیکن وہ مدینہ ہے۔''

ابن منذر کہتے ہیں' اس کے بستیوں کو کھا جانے میں احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مدینہ کا سب شہروں پر غلبہ ہو' مطلب یہ ہے کہ عظیم المرتبہ مدینہ کے سامنے سارے فضائل گھل جاتے ہیں گویا معدوم ہو جاتے ہیں اور یہ بات مکہ کا نام ''اُمّ القریٰ'' رکھنے سے بہتر ہے کیو۔

قاضی عبد الوہاب نے بھی اس پیدا شدہ احتمال پر یقین کیا ہے' پھر حضرت بزاز نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حدیث روایت کی ہے' آپ نے فرمایا: ''شیطان اس بات سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں کہ میرے اس شہر میں کوئی ان کی عبادت کرے گا۔'' یعنی مدینہ میں اور جزیرۃ العرب میں لیکن وہ اُبھارتے رہیں گے۔'' اس بات کی اصل مسلم شریف میں حضرت جابر سے روایت شدہ حدیث ہے۔

حضرت ابو یعلی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے' آپ نے بتایا: میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ منورہ سے چلا' آپ نے مجھ پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ کو شرک سے بچا لیا ہے۔'' ایک اور روایت میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس قریہ کو شرک سے پاک کر دیا ہے بشرطیکہ نجومی اسے گمراہ نہ کر دیں' فرمایا: اللہ بارش نازل فرماتا ہے تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم پر فلاں فلاں وجہ سے بارش ہوئی ہے۔'' اور پھر اسماءِ مدینہ کے بیان میں آ چکا ہے کہ مدینہ کا نام مؤمنہ اور مسلمہ ہے' اس کا ظاہری معنیٰ لینے میں کوئی روکاوٹ نہیں کیونکہ یہ چیز مدینہ کی فضیلت میں داخل ہے اور خصوصاً اس لئے بھی یہ فضیلت میں شامل ہے کہ حضور ﷺ اسی مٹی سے پیدا ہوئے۔

حضرت ابوبکر ابہری مالکی رحمہ اللہ نے مدینہ کی مکہ پر فضیلت کے لئے اس چیز کو دلیل بنایا ہے جو اشارۃً گذر چکی کہ نبی کریم ﷺ خاکِ مدینہ سے پیدا ہوئے تھے' وہ افضل البشر تھے تو آپ کی مٹی ہر قسم کی مٹی سے افضل ہو گی۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ کی مٹی کے ہر قسم کی مٹی سے افضل ہونے میں کوئی جھگڑا نہیں' جھگڑا تو صرف اس بات میں ہے کہ کیا اس سے یہ بھی لازم آ جاتا ہے کہ مدینہ' مکہ سے افضل ہو جائے کیونکہ جو شے کسی شے سے تعلق رکھتی ہے تو اس شے میں فضیلت موجود ہونے کی بناء پر تعلق رکھنے والی چیز کو بھی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ جو

چیز مدینہ سے لگاؤ رکھتی ہے وہ یقیناً مکہ سے افضل ہوگی' یہ صرف اتفاقیہ بات نہیں' متقدمین علماء نے بھی یہی جواب دیا ہے لیکن یہ جواب محلِ نظر ہے۔انتہی (عبارتِ ابن حجر ختم)۔

میں کہتا ہوں کہ ابنِ حجر نے محل نظر ہونے کی وجہ بیان نہیں کی' شائد اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز اصل ہوتے ہوئے اپنی اصلیت کی قوت کی بناء پر افضل ہوتی ہے وہ اپنے ساتھ والی چیز کو اس تعلق کی بناء پر فضیلت دیتی ہے اور وہ یہاں تعلق والی شے سے متعلق میں نہیں پائی جاتی' آپ دیکھتے نہیں قرآن کی جلد کو قرآن سے تعلق کی بناء پر تو فضیلت حاصل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ فضیلت جلد سے تعلق رکھنے والی چیز مین پائی جائے' علاوہ ازیں مدینہ پاک کی فضیلت اس بناء پر ہے کہ حضور ﷺ اس کی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور یہ بات مدینہ سے تعلق رکھنے والی کسی اور شے میں نہیں پائی جاتی۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲

مدینہ کی تکالیف پر صبر کرنے والے کو خوشخبری

حضور ﷺ نے یہاں قیام کرنے والوں' اس دوران آنے والی مصیبتوں اور مشقتوں پر صبر کرنے والوں کو بشارت دی اور بتایا کہ یہ گندگیوں اور گناہوں کو دور کرتا ہے پھر ان لوگوں کو عذابِ الٰہی کی اطلاع دی جو مدینہ منورہ اور اہلِ مدینہ کے ساتھ برا ارادہ کرے' نامناسب کام کی بنیاد رکھے یا ایسے شخص کو پناہ دے۔

صحیحین میں ہمیں یہ حدیث ملتی ہے کہ ''جو مدینہ میں پہنچنے والی مصیبت اور سختی پر صبر سے کام لے تو قیامت کے دن میں خود اللہ کے ہاں اس کے تکلیف جھیلنے کی گواہی دوں گا یا فرمایا کہ میں اس کی شفاعت کروں گا۔''

صحیح مسلم شریف میں حضرت مہری کے غلام' سعید بتاتے ہیں کہ وہ شدید گرمی کی راتوں میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' ان کے ساتھ مدینہ سے جلا وطنی کا مشورہ کیا' وہاں کی مہنگائی اور کثرتِ اولاد کی شکایت کی اور انہیں بتایا کہ وہ مدینہ کی ان تکالیف پر صبر نہیں کر پا رہے۔انہوں نے فرمایا: افسوس ہے! میں تمہیں یہاں سے جانے کا مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ سن رکھا ہے کہ:

> ''جو شخص یہاں کی تکالیف اور مشقتوں پر صبر کرے گا' میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا فرمایا کہ میں اس کی تکالیف کی گواہی دوں گا۔''

ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ حضرت ابو سعید نے فرمایا تھا: ''ایسا نہ کرو بلکہ مدینہ ہی میں رہو۔''

مسلم شریف' مؤطا اور ترمذی شریف میں حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت یحنس رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ وہ فتنہ کے زمانے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاں بیٹھے تھے' آپ کی ایک لونڈی نے آپ کو سلام کہا اور کہنے لگی: اے ابو عبد الرحمن! ہمیں تو سخت تنگی کی سامنا ہے' میں چاہتی ہوں کہ یہاں سے نکل جاؤں۔انہوں

نے فرمایا: اری بے سمجھ یہیں رہو۔ ترمذی شریف میں اس کی بجائے یہ الفاظ ہیں' اری بے سمجھ! صبر سے کام لو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے' فرماتے تھے: ''جو شخص مدینہ کی تکالیف اور سختیوں پر صبر کرے گا تو میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا یا فرمایا کہ شفاعت کروں گا۔''

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ روایت میں ''شفاعت کروں گا یا شہادت دوں گا۔'' کا تردد کیوں ہے (ایک ہی بات کیوں نہیں فرمائی؟) اور اس شفاعت کا مطلب کیا ہے حالانکہ آپ تو سب اُمت (بلکہ اُمتوں) کی شفاعت فرمائیں گے؟

جواب: میں کہتا ہوں' اس کا جواب حضرت عیاض رحمہ اللہ نے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ایک شیخ نے لفظ ''او'' راوی کی طرف سے شک کی بناء پر ذکر کیا ہے حالانکہ ظاہراً ایسا نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ لفظِ ''او'' حضور ﷺ نے خود فرمایا تھا' اب یا تو اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو ایسے ہی بتا دیا گیا تھا یا پھر ''او'' کا لفظ تقسیم کے لئے لیں گے چنانچہ حضور ﷺ گناہگاروں کی تو شفاعت فرمائیں گے (اگر وہ گنہگار ہونگے) اور اطاعت گذاروں کی گواہی دیں گے یا اس کا مطلب یہ لیں گے کہ آپ ایسے لوگوں کی تو شہادت دیں گے جو آپ کی زندگی مبارک میں فوت ہوں گے اور ایسے لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جو آپ کے بعد فوت ہوں گے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ یہ شفاعت یا شہادت' قیامت میں گنہگاروں کی عام شفاعت اور اعمال والوں کی شفاعت کے علاوہ ہوگی اور شہادت اس کے علاوہ ہوگی جو آپ تمام امتوں کے بارے میں دیں گے چنانچہ آپ کی یہ شفاعت و شہادت ان تکالیف جھیلنے والوں کے لئے خصوصی شان بن جائیگی۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ ''او''، ''واو'' کے معنٰی میں ہو (یعنی میں تکالیف جھیلنے والوں کی شفاعت بھی کروں گا اور ان کی شہادت بھی دوں گا)۔

میں کہتا ہوں کہ اس معنٰی کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے بزاز نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' آپ نے یہ الفاظ فرمائے تھے: ''جو شخص مدینہ کے مصائب اور سختی پر صبر کرے گا' میں قیامت کے دن اس کی شفاعت بھی کروں گا اور اس کی شہادت بھی دوں گا۔'' ابن النجار نے حدیث کے الفاظ یوں دئے ہیں کہ ''میں اس کی شفاعت کروں گا اور قیامت کے دن اس کی شہادت دوں گا۔''

مفضل جندی نے فضائلِ مدینہ میں اس کی سند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی کی ہے' الفاظ یہ ہیں ''جو شخص مصائبِ مدینہ پر صبر کرے گا' ایک روایت میں فرمایا: '' اس کی گرمی پر صبر کرے گا تو میں اس کی شفاعت کروں گا اور اس کی شہادت دوں گا۔''

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: ''جب ہم لفظِ ''او'' شک کے معنٰی میں لیں تو اب شہادت کا لفظ لینے سے شہادت سے مراد وہ زائد شہادت ہوگی جو آپ عام اُمتوں پر دیں گے اور جو ان کے لئے آپ کی طرف

ذخیرہ شدہ ہوگی اور اگر لفظ شفاعت کو لیں تو اس سے مراد عام لوگوں کے علاوہ شفاعت ہوگی جو اہلِ مدینہ کے لئے خاص ہوگی' اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا' حساب و کتاب میں نرمی برتے گا یا انہیں طرح طرح کے اعزاز و انعامات سے نواز دیگا مثلاً انہیں عرش کے سائے میں رکھے گا یا انہیں آرام و راحت دے گا انہیں منبروں پر بٹھایا جائے گا: جلد ہی جنت میں پہنچا دیا جائے گا یا ایسی ہی خصوصی عزتیں دے گا۔

میں کہتا ہوں' یہ بھی احتمال ہے کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت و شہادتِ خاصہ کی بناء پر اللہ انہیں ایسے انعامات سے سرفراز فرما دے کیونکہ آپ کا مرتبہ عظیم ہے اور کرم وسیع ہے اور پھر ہمسائے کے بارے میں آپ کی طرف سے وصیت کی تاکید اس معنی کی تائید کرتی ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی طرف سے انہیں حالتِ اسلام میں موت کی بشارت ہو کیونکہ آپ کی شفاعت اور یہ شہادت صرف اہلِ اسلام کے ساتھ خاص ہیں اور یہ ان کے لئے بہت بڑا انعام ہوگا۔ آٹھویں باب کی ابتداء میں اس معنی کی طرف اشارہ آ رہا ہے۔

پھر مؤطا اور بخاری و مسلم میں حدیث ہے: ''یمن فتح ہوگا تو ایسی قوم آئیگی جو تیزی سے مال مویشی ہانکیں گے اور یہ لوگ اپنے اہل و عیال اور اطاعت گذاروں کو ساتھ لے چلیں گے حالانکہ اگر انہیں معلوم ہو سکے تو مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔'' (الحدیث)۔

مدینہ کھوٹ اور میل دور کر دیتا ہے

مسلم شریف میں ہے: ''لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ آدمی اپنے چچا زاد یا قریبی سے کہے گا آؤ کہیں خوشحالی تلاش کریں حالانکہ اگر انہیں پتہ چل سکے تو مدینہ ہی ان کے لئے بہتر ہوگا' اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہاں سے اگر کوئی اظہارِ نفرت کر کے چلا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اس سے اچھے کو لے آئے گا' لو سنو! مدینہ طیبہ ایک بھٹھی کی طرح کا ہے جو میل کچیل صاف کر دیتا ہے' قیامت تب تک قائم نہ ہوگی جب تک مدینہ شریر لوگوں کو وہاں سے نکال نہیں دے گا جیسے بھٹھی لوہے کا میل صاف کر دیتی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے ''مجھے اس قریہ کی طرف ہجرت کا کہا گیا ہے جسے لوگ یثرب کہتے ہیں حالانکہ اس کا نام تو مدینہ ہے' یہ لوگوں کی صفائی یوں کر دے گا جیسے بھٹھی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے۔''

ابن زبالہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ ''مدینہ آدمیوں کی میل کچیل صاف کر دیتا ہے' ایک اور روایت میں ہے کہ ''اہلِ مدینہ کی میل اتارتا ہے جیسے بھٹھی لوہے کا میل اتار دیتی ہے۔'' بخاری شریف میں یہ حدیث ہے کہ ''یہ طیبہ ہے' گناہوں کی میل ایسے اتار دیتا ہے جیسے لوہے کی بھٹھی لوہے کی میل اتار دیتی ہے۔''

بخاری و مسلم شریف میں ایک اعرابی کا قصہ موجود ہے کہ وہ صبح کے وقت بحالتِ بخار حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ

"میری بیعت توڑ لو"، آپ نے انہیں مانا تو وہ چلا گیا' اس پر آپ نے فرمایا: "مدینہ بھٹی جیسا ہے جو کھوٹے کو نکالتا اور پاک صاف سے خلوص برتتا ہے۔"

اس حدیث میں اَقِلْنِیْ بَیْعَتِیْ کے الفاظ آئے ہیں کہ "میری بیعت توڑ لو" جس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے کیا عہد توڑ لو کہ میں اپنے وطن کو چلا جاؤں' شائد اس نے مدینہ میں قیام کے معاہدہ پر ہجرت کی تھی۔ حدیث میں الفاظ ہیں تَنْفِیْ خَبَثَهَا اس میں احتمال یہ ہے کہ کھوٹے کے لئے اس میں جھڑک ہو اور مدینہ سے دور کرنے کا مفہوم ہو' اس اعرابی کا یہ قصہ اس معاملے میں ظاہر ہے' ابن عبد البر نے اسے حضور ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن علامہ نووی کے مطابق اس زمانہ سے تخصیص نہیں ہے چنانچہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔ "قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہو گی جب تک مدینہ' شریر لوگوں کو نکال باہر نہیں کریگا۔" یعنی جب دجال کا ظہور ہوگا۔ عنقریب پانچویں فصل میں احمد وغیرہ کی حدیث میں ان لوگوں کے مدینہ سے نکلنے کا قصہ آئے گا جو منافق ہوں گے اور دجال سے جا ملیں گے۔ پھر فرمایا کہ وہ خلاصی کا دن ہوگا اور ایسا دن ہوگا جس میں مدینہ گندگی اور میل نکال باہر کرے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے نکلتے وقت ڈرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا تھا "کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ ہم ان میں سے ہیں جنہیں مدینہ نکال باہر کرتا ہے۔" کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مدینہ پاک کو ان لوگوں سے پاک کر دیا تھا جو وہاں دینِ اسلام کے مخالف تھے اور وہاں کے منافقوں کو ہلاک کر دیا تھا اور یہی وہ لوگ تھے جو کامل طور پر کھوٹے تھے' اور جو ان کے علاوہ آخر تک خبیث اور گنہگار تھے' انہیں وہاں سے ہانک کر دور بھگا دینا یوں ہوتا تھا کہ فرشتے انہیں ہانک کر کسی اور سرزمین کی طرف لے جاتے تھے جیسے اقشہری نے کہا: حضور ﷺ کے فرمان **تنفی خبثها و تنفی الذنوب** میں مضاف حذف ہے مطلب یہ ہے کہ مدینہ اہلِ خبث اور اہلِ ذنوب (گناہ) کو نکال باہر کرتا ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ مدینہ کامل خبیث لوگوں کو نکالتا ہے' ایسے لوگ نہایت' بدبخت اور کافر ہوتے ہیں' اہلِ سعادت اور اہلِ اسلام نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ پہلی قسم نہ تو شفاعت کے لائق ہے اور نہ ہی بخشش کے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں مرنے والے سے شفاعت کا وعدہ کر رکھا ہے لہٰذا لازم ہے کہ قسمِ اوّل کو یہاں سے نکال دے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ شر سے لوگوں کو خلاصی دیتا ہے اور لذات دنیویہ کی طرف جانے نہیں دیتا کیونکہ یہاں مشکلات اور سختی ہوتی ہے' اس معنٰی کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔" یہ طیبہ ہے جو گناہوں کو دور کر دیتا ہے۔" اور مدینہ کا گناہوں سے بچانا اپنے ظاہری معنٰی پر ہوگا بالخصوص ایسے میں جبکہ اس میں دوگنا تک اجر دیا جاتا ہے' طرح طرح کا ثواب ملتا ہے اور مسلسل رحمتیں ہوتی رہتی ہیں (تو انسان گناہ کے قریب کیونکر جا سکے گا) اور اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ○

"بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔"

علاوہ ازیں ان اہلِ مدینہ کے لئے خصوصی شفاعت وشہادت کا انعام ہے اور برکتیں ہی برکتیں ہیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ مدینہ ایسے شخص کو چھپا نہیں رہنے دیتا جس میں میل ہو بلکہ اس کی منافقت ظاہر ہو کر رہتی ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔آج تک میں نے واضح طور پر یہ معنٰی بیان کرتے کسی کو نہیں دیکھا' میرے ذہن میں یہ معنٰی عرصۂ دراز سے محفوظ چلا آتا ہے اور صحیح بخاری میں غزوۂ احد کے متعلق واقعہ سے اس کی تائید ہوتی ہے' واقعہ یہ ہے کہ جب حضورﷺ احد کی طرف چلے تو آپ کے ساتھ چلنے والے کچھ لوگ واپس مڑ آئے' یہ منافق تھے' اس پر آپ نے فرمایا کہ ''مدینہ لوہار کی بھٹھی کی طرح ہے۔'' اور یہی وجہ ہے کہ مدینہ کا نام فَاضِحَہ (رسوا کرنے والا) ہے جیسے کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔

جہاں تک بہت سی احادیث اور اس شہرِ منور کے حالات کا تعلق ہے' مجھے تو یہی معلوم ہوا ہے کہ یہ چاروں طرح سے میل دور کرتا رہتا ہے۔

اہلِ مدینہ سے ارادۂ بد کرنے والوں کو ڈانٹ

صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں ہے کہ ''جو بھی اہلِ مدینہ کے ساتھ ارادۂ بد کرتا ہے' اللہ تعالیٰ آگ میں اسے یوں پگھلائے گا جیسے سیسہ پگھلاتا ہے یا پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں موجود لفظ ''فِی النَّارِ'' ان احادیث سے اشکال دور کر دیتا ہے جن میں یہ لفظ موجود نہیں' یہ لفظ بتاتا ہے کہ یہ معاملہ آخرت میں ہو گا۔

قاضی فرماتے ہیں' اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص حیاتِ نبی کریمﷺ میں اہل مدینہ سے ارادۂ بد کرتا تھا تو مسلمانوں کے لئے اللہ کافی تھا اور اس کا فکر یوں گھل جاتا تھا جیسے سیسہ (قلعی یا سکّہ) پگھل جایا کرتا ہے۔

یہ احتمال بھی ہے' اس کا مقصد یہ ہو کہ جو شخص مدینہ کے قریب تباہی اور دھوکا دہی کے لئے ہوتا ہے تو اسے کامیابی نہیں ہوتی البتہ کھل کر ایسا کرے تو کامیابی ممکن ہے۔

قاضی فرماتے ہیں کہ الفاظِ حدیث آگے پیچھے ہو سکتے ہیں' معنٰی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو یوں پگھلا دے گا جیسے سیسہ آگ میں پگھل جاتا ہے اور ایسا اس شخص سے ہو گا جو دنیا میں اس سے برا ارادہ کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل نہیں دے گا اور نہ ہی کامیاب ہونے دے گا بلکہ جلد ہی ان کی پکڑ فرمائے گا جیسے دور بنو امیہ میں مسلم بن عقبہ کا کام تمام ہو گیا تھا کہ وہ مدینہ سے واپسی پر ہلاک کر دیا گیا' پھر اس کے بعد ہی یزید بن معاویہ ہلاک ہوا جس نے اسے بھیجا تھا اور دیگر لوگ ہلاک ہوئے جنہوں نے افعالِ بد کئے تھے۔انتھی۔

یہ آخری احتمال سب سے راجح ہے کیونکہ حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں کہ جس سے پتہ چلتا ہو کہ اس کا ارادۂ بد پورا نہ ہو گا بلکہ اسے ہلاک کرنے کا وعدہ ہے اور مدینہ طیبہ کی ہمارے اس دور تک یہی حالت چلی آ رہی ہے کہ جب

بھی کسی عیاش جھوٹے نے مدینہ پاک سے ارادۂ بد کیا تو اسے وہاں سے نکالنے کا الٰہی فیصلہ ہو گیا اور ان کے کثیر سرکشوں کو مختصر مدت میں اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بارے میں احادیث سے مراد دونوں طرح پگھلانے کو جمع کر دیا گیا ہے چنانچہ دنیا میں پگھلانا تو یہ ہے کہ انہیں ہلاک کر دیتا ہے اور آخرت میں پگھلانے کا مقصد یہ ہے کہ انہیں آگ میں پگھلا دے گا' اس مذکورہ حدیث میں دوسرا معنٰی مراد ہے اور اس کے علاوہ حدیثوں میں اول (ہلاک کرنا) معنٰی مراد ہے چنانچہ دیکھئے: احمد کی روایت میں یہ جملہ ہے کہ مَنْ اَرَادَھَا بِسُوْءٍ یعنی جو مدینہ سے برا ارادہ رکھتا ہے اَذَابَهُ اللّٰهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسے پگھلا دیتا ہے جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ یونہی مسلم شریف میں ہے اور پھر فضائلِ مدینہ میں علامہ جندی سے حدیث میں ہے۔ ''جس جابر نے بھی مدینہ پاک سے برا ارادہ رکھ لیا' اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلا دیتا ہے جیسے نمک پانی میں حل ہو جاتا ہے۔'' پھر مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''جو بھی اس شہر کے بارے میں ارادۂ بد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلا دے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔'' مسلم ہی کی ایک اور روایت ہے۔ ''جو اس شہر کے بارے میں حملے یا برائی کا ارادہ کرتا ہے۔'' اور پھر بزاز نے بہتر سند سے حدیث بتائی ہے کہ ''الٰہی! اہلِ مدینہ کی طرف سے تو ان دشمنوں کے حملے کو سختی سے روک دے' جو بھی اس سے برا ارادہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ اسے ایسے پگھلا دیتا ہے جیسے پانی میں نمک حل ہو جاتا ہے۔

بخاری شریف میں یہ حدیث ہے: ''جو بھی اہلِ مدینہ سے کوئی چال چلنے کی کوشش کرے گا وہ ایسے پگھل جائے گا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔''

حضرت ابنِ زبالہ نے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کی سند سے حدیث بتائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف نظر اُٹھائی اور ہاتھ اُٹھا دئے جس میں آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دے رہی تھی' پھر فرمایا: ''اے اللہ! جو بھی اہلِ مدینہ پر ظلم کرے' اسے جلد ہلاک فرما دینا۔''

حضرت طبرانی نے اوسط میں یہ حدیث دی ہے: ''اے اللہ! جو بھی اہلِ مدینہ پر ظلم کرے اور انہیں ڈراتے تو تو بھی اسے خوفزدہ فرما' اس پر اللہ' اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت ہو' اس سے مال اور بدلہ قبول نہیں کیا جائیگا۔''

ان کے علاوہ ایک اور روایت میں ہے۔ ''جو اہلِ مدینہ کو خوفزدہ کرے گا' اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن خوفزدہ فرمائے گا اور اس سے سخت ناراض ہوگا' اس سے مال اور بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔''

امام نسائی نے یہ حدیث لکھی ہے: ''جو بھی اہلِ مدینہ پر ظلم کرتے ہوئے انہیں خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کر دے گا اور اس پر اللہ کی لعنت ہو گی۔'' یونہی ابنِ حبان کی روایت ہے۔

حضرت احمد نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ''فتنہ برپا کرنے والوں میں سے

ایک امیر مدینہ میں آیا' حضرت جابر کی بینائی ختم ہو چکی تھی' آپ سے کہا گیا' کتنا اچھا ہو کہ آپ اس سے الگ ہو جائیں' آپ اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان نکل گئے اور ایک طرف ہو کر کہا: "وہ شخص برباد ہو جس نے رسول اللہ ﷺ کو خوفزدہ کیا۔" اس پر آپ کے دونوں یا ایک بیٹے نے کہا' اے باپ! یہ رسول اللہ ﷺ کو خوفزدہ کیسے کر سکتا ہے' وہ تو وصال فرما چکے؟ انہوں نے کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرماتے تھے: "جو شخص اہلِ مدینہ کو خوفزدہ کرے تو گویا اس نے پہلو میں موجود میرے دل کو خوفزدہ کیا۔"

بسر بن ارطاۃ کی مدینہ پر چڑھائی

میں کہتا ہوں' ظاہر یہ ہے کہ اوپر جس امیر کا ذکر ہوا' وہ بسر بن ارطاۃ تھا علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ ابن عبد البر کی روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم مقرر کرنے کے بعد بسر بن ارطاۃ کو لشکر دے کر بھیجا' وہ مدینہ پہنچا' ان دنوں مدینہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے امیر تھے۔ حضرت ابو ایوب بھاگے اور حضرت علی کے پاس پہنچے' بسر مدینہ میں داخل ہوا اور اہلِ مدینہ سے کہنے لگا' اگر امیر المؤمنین نے مجھ سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں اس کے ہر ذی شعور کو قتل کر دیتا۔ اس کے بعد اہلِ مدینہ کو حکم دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں پھر بنو سلمہ کو پیغام بھیجا کہ تمہارے لئے میرے ہاں نہ تو امن ہے اور نہ ہی تمہاری بیعت لونگا جب تک تم جابر بن عبداللہ کو میرے پاس نہیں لے آتے' حضرت جابر کو پتہ چل گیا' وہ چلے اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ زوجۂ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے' عرض کی' آپ کی رائے کیا ہے کیونکہ لگتا ہے یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے' یہ گمراہی کی بیعت ہو گی۔ انہوں نے کہا: میرا مشورہ یہ ہے کہ تم بیعت کر لو کیونکہ میں بھی عمر بن ابو سلمہ کو بیعت کا کہہ چکی ہوں چنانچہ حضرت جابر آئے اور بسر سے بیعت کر لی' بسر نے مدینہ میں کچھ گھر گرائے اور چلتا بنا۔

ایک اور روایت جو پانچویں فصل میں آ رہی ہے' اس میں ہے کہ اس دن اہلِ مدینہ بھاگے اور بنو سلیم کے حرہ (پتھریلی زمین) میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

طبرانی کی کبیر میں حدیث ہے کہ "جو شخص اہلِ مدینہ کو تکلیف دے گا' اللہ تعالیٰ اسے تکلیف دے گا۔" علاوہ ازیں اس پر اللہ' فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت ہو گی اور اس سے مال اور بدلہ میں کچھ دینا قبول نہیں کیا جائے گا۔"

ابن نجار رحمہ اللہ نے یہ حدیث لکھی ہے: "جو ظالمانہ طور پر اہلِ مدینہ کو خوفزدہ کرے گا' اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا' اس پر اللہ' اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت ہو گی' اللہ تعالیٰ اس سے نہ تو مال قبول کرے گا اور نہ ہی بدلہ۔" اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ملتی ہیں۔

اس شخص کو ڈانٹ جو مدینہ میں برا کام کر دکھائے

صحیحین میں مدینہ کے احترام کی احادیث میں ہے کہ ”جو اس میں نیا کام کر دکھائے یا ایسے کرنے والے کو ٹھکانہ مہیا کرے تو اس پر اللہ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہو گی' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے نہ تو مال قبول کرے گا اور نہ بدلہ۔“ بخاری کے الفاظ ہیں کہ اس سے مال اور بدلہ قبول نہ ہو گا۔

کہتے ہیں کہ (حدیث میں موجود لفظ) ”صرف“ کا مطلب فریضہ ہے اور ”عدل“ سے مراد عبادت اور یہ جمہور علماء سے نقل کیا گیا ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ اس کا الٹ مراد ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”صرف“ توبہ کو کہتے ہیں اور ”عدل“ سے مراد فدیہ ہے۔ معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو اس کے فرض قبول کرے گا نہ نوافل اور نہ ہی اس کی توبہ پر راضی ہو گا' نہ ہی اسے فدیہ دینے کے لئے کچھ ملے گا خواہ یہودی ہو یا نصرانی جبکہ دوسرے گناہگاروں سے ایسا نہ ہو گا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے پھر اس لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے بہت زیادہ دوری اور ابتداء ہی میں جنت سے پچھاڑ دیا جائیگا کیونکہ یہ بھی تو کفار کو لعنت کرنے کی طرح ہے۔

حضرت قاضی کہتے ہیں حدیث میں موجود الفاظ مَنْ اَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا کا مطلب ہے کہ جس نے اس میں گناہ کا کام کیا یا گناہ کرنے والے کو پناہ دی' اسے گلے لگایا اور اس کی حمایت کی۔ 'اوی کا لفظ مد کے ساتھ بھی ہے اور بغیر مد بھی۔ قاضی کہتے ہیں' اس سے لوگوں نے یہ دلیل لی ہے کہ یہ کام کبیرہ گناہ ہے کیونکہ لعنت' کبیرہ گناہوں ہی پر ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مدینہ میں صغیرہ گناہ کسی دوسرے مقام پر کئے گئے کبیرہ گناہ جیسا ہوتا ہے کیونکہ اسے گناہ تو کہہ دیا گیا بلکہ علامہ زرکشی نے حضرت مالک سے جو نقل کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ حدیث مذکور مکروہ کام کو بھی شامل ہو جیسے ہم نے اصل میں بیان کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ کے سامنے برا کام کرنا وہ حیثیت نہیں رکھتا جو مملکت کے کسی اور حصے میں ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کی بارگاہ میں ادب نصیب فرمائے' ہم پر احسان فرمائے اور کرم فرمائے۔

تیسری فصل

اس میں اہلِ مدینہ کی حفاظت اور انکی عزت پر زور اور وہاں مرنے کا شوق دلایا گیا ہے

اہلِ مدینہ کی حفاظت کے لئے وصیتِ نبوی ﷺ

ابن النجار کی کتاب سے ہمیں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ملتی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے' اسی میں میری جائے دفن ہے اور یہیں سے مجھے اُٹھنا ہے' میری امت پر

لازم ہے کہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کریں جب تک وہ کبیرہ گناہوں سے بچے رہیں۔ جو ان کی حفاظت کرے گا' میں قیامت کے دن اس کا گواہ بنوں گا یا شفاعت کروں گا اور جو ان کی حفاظت نہیں کرے گا' اسے دوزخ کی پیپ پلائی جائے گی۔"

علامہ مزنی سے پوچھا گیا کہ حدیث میں لفظ "طینۃ الخبال" کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ اہلِ دوزخ کو ملنے والی پیپ ہوگی۔

قاضی ابوالحسن علی ہاشمی اپنی فوائد میں روایت لیتے ہیں کہ حضرت خارجہ کے والد زید رضی اللہ عنہما نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ میری جائے ہجرت اور آخری ٹھکانہ ہے' وہیں سے میں نکلوں گا لہٰذا میری اُمت پر لازم ہے کہ میرے ہمسائیوں کی حفاظت کرے' جو میری اس نصیحت کو یاد رکھے گا' میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا اور جو اس وصیت کو ضائع کر دے گا' اسے اللہ تعالیٰ جہنمیوں کی پیپ پر وارد کرے گا۔" پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! یہ حوضِ خبال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ اہلِ جہنم کی پیپ کا حوض ہے۔

ابن زبالہ نے حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو میری جائے ہجرت بنایا ہے' وہیں میرا آخری ٹھکانہ ہے اور اسی سے میں اٹھایا جاؤنگا لہٰذا میری امت پر لازم ہے کہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کریں جب تک وہ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں تو جس نے ان کے بارے میں میری عزت کا خیال رکھا' میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور جو ان کے بارے میں میری حرمت کا خیال نہیں کرے گا' اللہ تعالیٰ اسے اہلِ جہنم کی پیپ کے حوض میں ڈال دے گا۔

انہی سے یہ روایت ہے کہ "مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے' یہیں میری وفات ہوگی اور یہیں سے مجھے حشر میں جانا ہوگا لہٰذا میری اُمت پر لازم ہے کہ جب تک میرے ہمسائے کبیرہ گناہ نہ کریں تب تک اُن کی حفاظت کریں اور جو ان کے بارے میں میری عزت کا خیال رکھے گا' میں قیامت کے دن اس کا گواہ بنوں گا یا شفاعت کروں گا۔"

حضرت عیاض رحمہ اللہ کی مدارک میں ہے' حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت مالک سے سنا' کہتے تھے کہ میں سلطان مہدی کے پاس گیا تو وہ کہنے لگا: مجھے کوئی وصیت کیجئے' میں نے کہا کہ تجھے ایک اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ شہر اور ہمسائیوں سے مہربانی کرنا کیونکہ ہمیں یہ حدیث ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: "مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے' یہیں سے میں اٹھوں گا اور میری قبر یہیں ہوگی' یہاں رہنے والے میرے ہمسائے ہیں تو میری امت پر لازم ہے کہ میرے ہمسائیوں کی حفاظت کریں لہٰذا جو میری وجہ سے ان کی حفاظت کرے گا' میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کا گواہ بنوں گا اور جو میرے ہمسائیوں کے بارے میں میری وصیت کو یاد نہیں رکھے گا' اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی پیپ کے حوض سے پلائے گا۔

حضرت مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے' مدینہ میں قبر کھودی جا رہی

تھی، ایک آدمی نے قبر میں جھانکا اور کہنے لگا: مؤمن کا ٹھکانا برا ہے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت بری بات کہی ہے۔وہ آدمی بولا، میرا ارادہ وہ نہیں (جو آپ نے خیال فرمایا) میں نے راہِ خدا میں قتل ہونے کے متعلق عرض کیا ہے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ راہِ خدا میں قتل ہو جانے کی تو مثال ہی نہیں ملتی، اس مدینہ جیسی روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مجھے اپنی قبر بنانا پسند ہو۔'' تین مرتبہ فرمایا۔

اخبارِ مکہ میں ابن شبہ کے مطابق حضرت سعید بن ابو ہند نے بتایا، میرے والد بتاتے تھے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو یہ دعا کی: ''اے اللہ! جب تک ہم مکہ سے نکل نہیں جاتے، یہاں ہمیں کوئی غرض نہ پڑے۔''

حضرت مالک، امام بخاری اور رزین عبدری رحمہم اللہ کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: ''الٰہی! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما اور میری موت تیرے رسولِ پاک ﷺ کے شہر میں ہو۔'' حضرت رزین کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمر کی بڑی دعا تھی۔

اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ انسان اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے جس سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ، آپ کے اکثر اور افضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ پاک کی مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔پھر یہ حدیث بھی موجود ہے: ''جو مدینہ میں فوت ہوگا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔'' علامہ بیہقی نے یہ حدیث ان الفاظ سے بتائی ہے: ''جو مدینہ میں فوت ہو جانے کی ہمت رکھتا ہے، اسے وہیں مرنا چاہئے کیونکہ جو مدینہ میں فوت ہوگا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کا گواہ بنوں گا۔''

ترمذی شریف، ابن حبان، ابن ماجہ، بیہقی اور عبدالحق نے یہ صحیح حدیث لکھی ہے: ''جس میں یہ استطاعت ہو کہ مدینہ میں مر سکے تو اسے یہیں مرنے کا سامان کرنا چاہئے کیونکہ میں یہاں مرنے والے کی شفاعت کروں گا۔'' ابن ماجہ نے ''میں اس کی گواہی دوں گا'' کے الفاظ لکھے ہیں۔طبرانی نے کبیر میں سندِ حسن سے یہ روایت کی کہ جس میں ہمت ہو کہ مدینہ میں فوت ہو سکے تو اسے یہیں مرنے کی خواہش کرنی چاہئے کیونکہ یہاں جو بھی مرے گا، میں اس کا قیامت کے دن گواہ ہوں گا یا شفاعت کروں گا۔یہی روایت ابنِ رزین نے کی ہے البتہ یہ الفاظ بڑھائے ہیں کہ: ''سب سے پہلے زمین پھٹے گی تو میں باہر نکلوں گا، پھر ابوبکر اور پھر عمر نکلیں گے پھر میں اہلِ بقیع کے پاس جاؤں تو وہ نکل پڑیں گے پھر میں اہلِ مکہ کی انتظار کروں گا اور یوں میرا حشر اہلِ حرمین کے مابین ہوگا۔'' ابن النجار کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: ''چنانچہ میں نکلوں گا، ابوبکر وعمر نکلیں گے اور بقیع کی طرف جائیں گے تو وہ نکل آئیں گے پھر اہلِ مکہ کا حشر ہوگا۔'' طبرانی کی حدیث یہ ہے: ''میں سب سے پہلے اپنی اُمت میں سے اہلِ مدینہ کی شفاعت کروں گا، پھر اہلِ مکہ کی اور پھر اہلِ طائف کی۔''

بہرحال مدینہ میں موت کی ترغیب اس سے زیادہ کسی اور حدیث میں نہیں ملتی اور یہ موقع یہاں کی رہائش ہی سے بن سکتا ہے چنانچہ یہاں رہائش کی ترغیب بھی پائی جاتی ہے اور یہ بھی پتہ چل رہا ہے کہ یہ فضیلت کسی اور مقام میں

نہیں ہے۔ پہلے اکابر کی یہاں رہائش سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہیں مرنے کی کوشش میں رہتے تھے پھر اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کے دور میں یہاں کی رہائش اور زیادہ افضل تھی۔

ابنِ شبہ نے اخبارِ مکہ میں حضرت اسماعیل بن سالم رحمہ اللہ سے روایت کی' انہوں نے بتایا کہ میں نے عامر سے اس فتویٰ کے بارے میں دریافت کیا جو حبیب بن ابی ثابت نے دیا تھا' اس پر کہنے لگے: کیا حبیب اپنے آپ کو فتویٰ نہیں دیتے کیونکہ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو وہ جنگل سا تھا' مجھے تو یہی بات پسند ہے کہ مکہ میں اُتروں کیونکہ یہ وہ بستی ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مکہ میں قیام کو مکروہ جانتے تھے' وہ فرماتے تھے کہ "یہ اعرابی آبادی ہے جہاں سے حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی۔" پھر کہا کیا حبیب اپنے آپ سے نہیں پوچھتے کیونکہ وہ مکہ کے پڑوس میں اس وقت رہے جب یہ جنگل سا تھا۔

حضرت عبد الرزاق نے اپنی "مصنف" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ یہاں حج کر کے واپس چلے جاتے' پھر واپس آتے' عمرہ کرتے اور واپس چلے جاتے' یہاں رُکتے نہیں تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اب تک میں ایسی کوئی روایت نہیں دیکھ سکا جس میں مدینہ شریف کے اندر رہائش کی کراہت لکھی ہو جبکہ مکہ کے بارے میں یہ ثابت ہے البتہ حضرت نووی کی شرح مسلم میں اس کے خلاف روایت ملتی ہے' شاید انہوں نے مدینہ پاک کو مکہ پر قیاس کیا تھا کیونکہ اس کراہت کی علّت مدینہ میں یوں موجود ہے کہ یہاں بھی تھک جانے' احترام نہ رکھ سکنے اور گناہ کے امکان کی صورت موجود ہے کیونکہ یہاں گناہ کرنا بہت بُرا ہے چنانچہ اسی لئے انہوں نے کہا: بہتر یہ ہے کہ ان دونوں مقامات پر رہائش کو مستحب کہا جائے اور یہ بھی اس وقت تک کہ گمانِ غالب میں مذکور کوتاہیوں میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو (ورنہ رہائش مستحب بھی نہ ہوگی)۔

حضرت نووی رحمہ اللہ کا کلام نقل کرنے کے بعد علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ بظاہر مدینہ کے بارے میں خلاف کمزور سا ہے یعنی اس لئے کہ ہم پہلے اس میں رہائش کی ترغیب ذکر کر چکے ہیں اور اس لئے بھی کہ جو بھی مکہ میں ٹھہرنا مکروہ جانتا ہے وہ یہی دلیل پیش کرتا ہے صحابہ کرام نے یہاں کا پڑوس نہیں کیا تھا' مدینہ میں ایسا نہیں کیونکہ وہ مدینہ میں قیام کی حرص رکھا کرتے تھے چنانچہ طبرانی کی اوسط میں یہ حدیث دیکھئے: "جو تین دن تک مدینہ سے غائب رہ کر واپس آتا ہے' اس کے دل میں ظلم کے اثرات ہوتے ہیں۔" ابن ابی خثیمہ نے یہ حدیث لکھی ہے: "جس کا مدینہ میں کوئی اصل نہ ہو' اسے وہیں رہنا چاہئے اور جس کے پاس کوئی ایسی صورت نہیں اسے بنا لینی چاہئے خواہ ایک کھجور ہی کی ہو۔" ابن ایثر کہتے ہیں کہ قَصَرَۃ درخت کی جڑ کو کہتے ہیں یعنی خواہ اس کے پاس ایک کھجور ہی کا بہانہ ہو' اس کا معنی گردن بھی ہے' خطابی نے کہا کہ اس کا معنٰی کھجور ہے اور حسن نے یہ آیت پڑھ دی: اِنَّھَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ کَالْقَصْرِ (بے شک دوزخ چنگاریاں اڑاتی ہے جیسے محل) اور اس کی تفسیر کھجور کی گردن سے کی ہے۔ طبرانی نے کبیر میں فلیجعل له بها اصلا تحریر

کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "لوگوں پر ایسا وقت آ سکتا ہے کہ جس کی یہاں اصل نہیں ہو گی تو وہ یہاں سے خارج سمجھا جائے گا اور وہ کہیں باہر چلا جائے گا۔ ابن شبہ نے بھی یونہی کہا پھر زہری سے یہ روایت لی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی جائیداد مکہ میں نہ بناؤ بلکہ مدینہ میں بناؤ جو مقام ہجرت ہے کیونکہ انسان وہیں ہوتا ہے جہاں اس کی جائیداد ہو۔" پھر انہوں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت لکھی ہے کہ: "روحاء سے پرے جائیداد نہ بناؤ' ہجرت کے بعد واپس (مکہ) جانے کی کوشش نہ کرو' اپنی بیٹیاں ان سے نہ بیاہو جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے اور ان کی شادیاں ہم عمروں سے کرو یعنی جو عمر میں برابر ہوں' تقریباً ۳۳ سال کے۔

ان ساری روایات میں مدینہ کی رہائش پر زور دیا گیا ہے اور مکہ سے اس کی افضیلت بتائی گئی ہے جبکہ مدینہ پاک اس لائق بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی رہائش کے لئے اسی کو پسند کیا ہے' اس میں رہنے والوں کو آپ کا ساتھی اور مددگار بنایا ہے حالانکہ ان کے وطن کئی تھے اور اگر حضور ﷺ یہاں نہ ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: "دیر تک پڑوسی کے بارے میں جبریل مجھے کہتے رہے۔" پڑوسی کے بارے میں کوئی تخصیص نہیں (کہ بندے کا ہو یا جگہ کا) اور ظلم کے باوجود کوئی پڑوسی بننے سے محروم نہیں ہوتا چنانچہ اسی لئے میں نے مکہ کے مقابلے مدینہ کی رہائش کو افضل کہا ہے حالانکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مکہ دوگنا اجر رکھتا ہے' وجہ یہ ہے کہ فضیلت صرف دوگنا ہونے ہی کی وجہ سے نہیں ہوا کرتی' مکہ کے لئے عدد کی زیادتی ہے لیکن مدینہ میں برکت اور مدد دوگنا ہے پھر مکہ کو بیت اللہ کی ہمسائیگی حاصل ہے اور مدینہ کو اللہ کے حبیب اور اس کے ہاں سب سے کریم کا پڑوس حاصل ہے جو وجودِ کائنات کے اصل راز ہیں اور ایسے مبارک ہیں کہ جن کی برکت ہر موجود کو حاصل ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مدارک میں یہ واقعہ لکھا ہے' مصعب کے مطابق جب خلیفہ مہدی مدینہ میں آئے تو حضرت مالک رحمہ اللہ وغیرہ نامور لوگوں نے کئی میل آگے جا کر اس کا استقبال کیا' خلیفہ حضرت مالک کو دیکھتے ہی ان کی طرف لپکے' گلے ملے' سلام کہا اور ساتھ چلنے لگے۔ حضرت مالک نے خلیفہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے امیر المؤمنین! تم مدینہ میں داخل ہوا چاہتے ہو' لوگ تمہارے دائیں بائیں ہوں گے' یہ لوگ مہاجرین و انصار کی اولاد ہیں' ان سے سلام لینا کیونکہ پوری روئے زمین میں کوئی ان سے بہتر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شہر مدینہ جیسا ہے۔

خلیفہ نے پوچھا: اے ابو عبد اللہ! یہ بات آپ نے کس سے سن کر کہی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قبرِ محمد ﷺ ان کے پاس ہے اور یہ بات ڈھکی چھپی نہیں لہٰذا ان کی فضیلت سمجھ میں آ جانی چاہئے چنانچہ خلیفہ مہدی نے آپ کے حکم کے مطابق کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے امام مالک رحمہ اللہ نے یہ اشارہ کیا کہ فضیلت کا اصل دارو مدار قبرِ محمد ﷺ پر ہے کیونکہ وہ مدینہ میں ہے اور اہلِ مدینہ اس کے ہمسائے ہیں۔

فصل نمبر ٤

نبی کریم ﷺ کی مدینہ اور اہلِ مدینہ کے لئے کچھ دعائیں، ایک سابق وباء کا ذکر جو یہاں سے اور مقام پر چلی گئی اور آپ کی مدینہ سے محبت کا ذکر۔

بخاری و مسلم میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ہمارے دل میں مدینہ کی محبت ایسی بھر دے جیسی مکہ سے ہے یا اس سے بھی زیادہ بھر دے۔'' رزین عبدری اور جندی نے حدیث کے لفظ ''او'' کی بجائے ''و'' لکھی ہے حالانکہ اس روایت میں لفظ ''او'' ''بَـل'' کے معنی میں ہے اور پھر نبی کریم ﷺ سے محبت مدینہ میں ایسی صحیح حدیث ملتی ہے جو مکہ کے بارے میں نہیں ملتی چنانچہ صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں یہ حدیث ہے: ''جب رسول اکرم ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تو مدینہ کی دیواریں دیکھتے ہی سواری کی رفتار کم کر دیتے اور اگر اونٹ پر ہوتے تو محبت کی بناء پر اسے حرکت دیتے۔'' ابن زبالہ کی روایت میں ہے کہ مدینہ میں داخل ہو کر ایسا کرتے۔ انہی سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ جب مکہ سے واپس آتے اور اثایہ پر ہوتے تو اپنے کندھوں سے چادر اتار دیتے اور فرماتے: ''یہ طیبہ کی خوشبوئیں آ رہی ہیں اور پھر حبِ مدینہ کی دعائیں آپ نے بار بار کیں جیسے کہ آگے آ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ دعا تو پہلی ہی قبول ہو چکی ہوتی تھی، بار بار دعا کا مطلب محبت میں اضافہ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

حضرت محاملی وغیرہ نے کتاب الدعاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو مدینہ کے قریب پہنچ کر بالکل آہستہ چلتے اور فرماتے: ''اے اللہ! مدینہ میں ہمیں سکون عطا فرما اور اچھی روزی دے۔''

حضور ﷺ کی طرف سے مدینہ کے لئے دُعائے برکت

بخاری و مسلم میں یہ حدیث ہے: ''اے اللہ! مدینہ کی برکت مکہ کے مقابلہ میں دوگنی کر دے۔'' مسلم شریف میں ہے ''اے اللہ! ہماری کھجوروں میں برکت دے، ہمارے شہر میں برکت فرما، ہمارے پیمانے صاع اور مُدّ میں برکت فرما، الٰہی! حضرت ابراہیم علیہ السلام تو تیرے خاص بندے، خلیل اور نبی تھے جبکہ میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں، انہوں نے تجھ سے مکہ کے بارے میں دعا کی تھی اور میں مدینہ کے بارے میں تجھ سے اسی چیز کو دوگنا کرنے کی دعا کرتا ہوں۔'' مسلم شریف ہی میں یہ دعا بھی ہے: ''الٰہی! ہمارے شہر میں برکت فرما، ہمارے صاع اور مدّ میں برکت فرما، الٰہی! ہمارے شہر میں برکت فرما، الٰہی! ایک برکت کی بجائے دو برکتیں عطا فرما۔'' مسلم شریف اور ترمذی میں یہ حدیث ملتی ہے: ''جب بھی اہلِ مدینہ نیا پھل دیکھتے، لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آتے، آپ اسے ہاتھ میں لے کر فرماتے: ''الٰہی! ہماری کھجوروں میں برکت ڈال دے، ہمارے شہر میں برکت فرما، ہمارے صاع اور مدّ میں برکت نازل فرما دے۔''

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ مدینہ سال بعد جب بھی نیا پھل لے کر حاضر ہوتے تو ہر سال ہی آپ

یہی دعا فرمایا کرتے تھے۔ ترمذی شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے کہ "ایک مرتبہ ہم حضور ﷺ کے ہمراہ چلے' جب حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کے "حرۃ السقیاء" (کنواں) پر پہنچے تو فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ' آپ نے وضو فرمایا' پھر قبلہ رو ہو کر یہ دعا کی: "اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے اور خلیل تھے' انہوں نے اہلِ مکہ کے لئے برکت کی دعا کی تھی' میں بھی تمہارا بندہ اور رسول ہوں' میں اہلِ مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ تو ان کے مدّ اور صاع میں اہلِ مکہ سے دوگنا برکت فرما دے' ایک برکت کے ساتھ دو برکتیں ہو جائیں۔

اسے ابنِ شبہ نے اخبارِ مکہ میں یونہی لکھا ہے البتہ انہوں نے کہا کہ: "جب ہم حرہ کے مقام پر کنوئیں کے قریب پہنچے جو حضرت سعد بن ابو وقاص کی ملکیت تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا' پانی لاؤ' آپ نے وضو فرمایا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی' پھر پوری حدیث نقل کر دی۔

طبرانی نے اوسط میں عمدہ سند لکھی ہے' راوی فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے' حضرت سعد بن ابو وقاص کے کنوئیں پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الٰہی! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے اور نبی تھے' انہوں نے تجھ سے اہلِ مکہ کے لئے برکت کی دعا کی تھی جبکہ میں محمد تیرا خاص بندہ اور رسول ہوں' میں تجھ سے اہلِ مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ تو ان کے صاع اور مدّ میں بالکل ایسی ہی برکت فرما دے جیسی اہل مکہ کے لئے فرمائی تھی اور ان کی ایک برکت کے مقابلہ میں یہاں دو برکتیں فرما دے۔

جو نسخۂ کتاب ہمارے سامنے ہے' اس میں یونہی لکھا ہے لیکن شائد یہاں مِثْلَیْ کا لفظ ہے جیسے پہلی روایت میں آ چکا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مکہ کی برکت کے مقابلہ میں آپ نے مدینہ کے لئے مکہ کے مقابلے میں چھ گنا کی دُعا فرمائی تھی۔

ابن زبالہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی ایک جانب تشریف لے گئے' میں بھی ساتھ تھا' آپ نے قبلہ کی طرف رُخ فرمایا اور ہاتھ اٹھا دئے' میں آپ کی بغلوں کی سفیدی کندھوں کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ آپ نے یوں دعا فرمائی: "اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے نبی اور خلیل تھے جنہوں نے تجھ سے اہلِ مکہ کے لئے دعا کی تھی اور میں بھی تو تیرا نبی اور رسول ہی ہوں' میں اہلِ مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں' الٰہی ان کے مدّ اور صاع میں برکت فرما' ان کے کثیر و قلیل میں برکت فرما دے' یہ برکت اہلِ مکہ کے مقابلے میں دوگنا ہونی چاہئے' الٰہی یہ برکت ادھر سے بھی آئیں اور ادھر سے بھی آئیں اور پوری روئے زمین کی جہتوں کی طرف اشارہ فرمایا' (پھر عرض کی) اے اللہ! جو اہلِ مدینہ کے خلاف برا ارادہ کرے تو اسے یوں ڈھال دے جیسے نمک پانی میں حل ہو جاتا ہے۔

حضرت طبرانی کی اوسط میں ہے' حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے نمازِ فجر پڑھائی اور پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر' یوں دعا کی: "اے اللہ! ہمارے شہر میں برکت فرما' ہمارے مد اور صاع میں برکت فرما (الحدیث) کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آپ نے ایسی ہی روایت کی ہے۔

حضرت احمد اور بزاز رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی' کہتے ہیں' میں نے سنا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے شام کی طرف رُخ فرمایا اور یوں دعا کی: ''الٰہی ان کے دل ادھر پھیر دے۔'' پھر عراق کی طرف متوجہ ہو کر بھی یونہی دعا فرمائی پھر آسمان کی ہر سمت دیکھتے ہوئے یہ دعا کی کہ: ''اے اللہ! ہمیں روئے زمین کے پھل عطا فرما' ہمارے مد اور صاع میں برکت فرما۔''

حضرت قاضی عیاض نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں برکت سے مراد بڑھنا اضافہ ہونا ہے اور یہ برکت سدا رہنے کی دعا فرمائی چنانچہ علماء کہتے ہیں' احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد دینی برکت ہو اور یہ زکوٰۃ اور کفارات کی مقدار سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ دنیوی برکت کے لئے ہو اور مراد یہ ہو کہ پیائش اور ناپ تول کی چیزیں یہاں اتنی ہوں کہ اتنی کہیں اور نہ ہوں یا پھر کثرت سے مراد غلہ وغیرہ کی کثرت ہو کیونکہ سب کچھ میں حضور ﷺ کی قبولیتِ دعا دکھائی دیتی ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں' ظاہر یہ ہے کہ برکت سے مراد خود مدینہ میں تولی جانے والی چیز میں برکت ہے اور وہ یوں کہ یہاں ان لوگوں کو مدّ پورے مل جائیں جو کہیں اور نہ مل سکیں۔ میں کہتا ہوں کہ تولی جانے والی اشیاء میں بھی ظاہر ہے اور اس مدینہ سے باہر دعا عموم پر ہو اور سب دینی و دنیوی امور کو شامل ہو۔

حضرت جندی کے فضائلِ مدینہ سے ہمیں اس حدیث کا پتہ چلتا ہے' آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت ڈال دے جیسے مکہ کے بارے میں ڈال رکھی ہے بلکہ زیادہ ہی ہو' مدینہ ہمارے لئے صحیح ہو' ہمارے لئے اس کے مدّ اور صاع میں برکت دے اور اس میں سے بخار کو نکال کر جحفہ کی طرف بھیج دے۔''

حضرت احمد نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت بتائی کہ ''نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد کے کنوئیں پر نماز پڑھی' یہیں کچھ گھر بھی موجود تھے' پھر یوں دعا کی: ''اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے خلیل' بندے اور نبی تھے جنہوں نے تجھ سے اہلِ مکہ کے لئے دعا کی تھی اور میں محمد بھی تیرا بندہ اور رسول ہوں' تجھ سے اہلِ مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اس سے دوگنا زیادہ مانگتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ والوں کے لئے مانگا تھا' میں دعا کرتا ہوں کہ ان کے مدّ' صاع اور پھلوں میں برکت عطا فرما' الٰہی! مدینہ ہمارے لئے ویسے ہی محبوب بنا دے جیسے مکہ بنایا تھا اور اس میں موجود وباء کو خم (جحفہ کے قریب مقام) کی طرف لے جا۔''

حضرت ابنِ زبالہ نے یہ حدیث بیان کی کہ ''جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ کے صحابہ کو بخار آنے لگا'' پھر اسی میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے' ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی کہ ''الٰہی! یہ وباء کہیں اور بھیج دے۔'' صبح ہوئی تو بتایا کہ رات کو میرے پاس بخار آیا' یکا یک نظر پڑی تو وہ سیاہ رنگ کی بڑھیا تھی' وہ لانے والے ہاتھوں میں جکڑی ہوئی تھی' اس نے کہا: یہ بخار ہے' آپ اس کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ میں نے کہا کہ اسے خم کی طرف لے جاؤ۔

وباء کو منتقل کرنے کی دُعاء

مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے' فرماتی ہیں کہ: ''ہم مدینہ میں پہنچے' یہ زمین وباء والی تھی' چنانچہ حضرت ابوبکر بیمار ہوئے اور پھر حضرت بلال بھی بیمار پڑ گئے' رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو یوں بیمار ہوتے دیکھا تو یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ ایسا محبوب بنا دے جیسے مکہ کو بنایا تھا یا پھر اس سے بھی زیادہ' ہمارے لئے اسے مفید فرما دے' اس کے صاع اور مدّ میں ہمارے لئے برکت فرما دے اور اس میں کا بخار جحفہ کی طرف بھیج دے۔

یہی روایت بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ ''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ آئے تو حضرت ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہما کو بخار آ گیا' حضرت ابوبکر اس موقع پر کہا کرتے:

''ہر شخص اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم ہوتا ہے جبکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب ہوتی ہے۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی بخار تھمنے پر بلند آواز سے کہا کرتے:

''سنو! اگر میری عقل کام کرتی ہے تو میں کہتا ہوں' کیا ایسی وادی میں میں پھر بھی کبھی رات گذاروں گا جس کے اردگرد اذخر اور جلیل نامی بوٹیاں ہونگی اور کیا میں مجنّہ کے چلنے والے پانیوں میں دوبارہ داخل ہوسکوں گا اور دوبارہ مجھے شامہ اور طفیل دکھائی دیں گے؟''

(پھر فرماتے) اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ' عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت فرما کیونکہ انہوں نے ہمادی سر زمین سے نکال کر ہمیں وباء والی زمین کی طرف بھیج دیا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے یوں دعا فرمائی: ''اے اللہ! مدینہ ہمیں یونہی محبوب کر دے جیسے مکہ ہمیں محبوب ہے بلکہ مکہ سے بھی بڑھ کر محبوب بنا دے' الٰہی ہمارے صاع اور مدّ میں برکت عطا فرما' مدینہ ہمارے لئے صحیح ثابت ہو اور اس میں کا بخار جحفہ کی طرف بھیج دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ پہنچے تو یہ پوری سرزمین سے زیادہ وباء والی تھی' وادیٔ بطحان میں گندا اور بدبودار پانی بہتا تھا۔ مؤطا میں اسے کچھ زیادتی کے ساتھ بیان کیا ہے' عامر بن فہیرہ نے کہتے تھے:

''میں نے اسے چکھنے سے پہلے موت کو چکھا ہے کیونکہ بزدل کو اوپر سے اچک لیا جاتا ہے۔''

ابنِ اسحٰق نے اسے اور زیادہ کر کے روایت کیا ہے' ان کے الفاظ یہ ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو بخار کی وجہ سے یہ سرزمین سب سے زیادہ اثر پذیر تھی چنانچہ اس نے آپ کے صحابہ کو گھیر لیا' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی وجہ سے اسے یہاں سے کسی اور طرف بھیج دیا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر' عامر بن فہیرہ اور حضرت ابوبکر کے غلام بلال بھی ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں تھے' سب کو شدید بخار تھا' میں ان کی بیمار پرسی کے لئے ان کے پاس گئی' پردے کا حکم ابھی نہیں اترا تھا' انہیں سخت ترین بخار تھا' میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب گئی' پوچھا: آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ آپ نے کل امریءٍ مصبّح والا شعر پڑھ دیا میں نے خیال کیا کہ میرے والد نہیں جانتے کہ کیا فرما رہے ہیں پھر میں عامر بن فہیرہ کے نزدیک گئی اور پوچھا' عامر تمہارا کیا حال ہے؟ تو اس نے لقد وجدت الموت والے دو شعر پڑھ دئے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ عامر اپنے کہے کے بارے میں نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ حضرت بلال سے بخار ٹل جاتا تو صحن میں بیٹھتے یہ شعر پڑھتے الالیت شعری الخ۔

ابن زبالہ یہ روایت ان الفاظ میں بیان کرتے: ''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو ان کے صحابہ کو بخار نے آ لیا' آپ حضرت ابوبکر کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سوتے جاگتے بے تکی باتیں کر رہے تھے' آپ کو دیکھ کر عرض کی' یا رسول اللہ اور پھر یہ شعر پڑھا لقد لقیت الموت الخ آپ وہاں سے نکلے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچے' وہ بھی یونہی کہہ رہے تھے اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھ رہے تھے الالیت شعری الخ پھر حضرت احمد بن جحش رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے' وہ بھی بخار میں گرفتار تھے' آپ نے دیکھ کر پڑھا:

''اے وادیٔ مکہ! تم پر قربان جائیں' یہاں بھی میری عیادت کرنے والے بہت ہیں' یہ ایسی سرزمین ہے کہ جہاں میری میخیں گڑی ہوئی ہیں اور ایسی ہے کہ جہاں میرے اہل و عیال رہتے ہیں اور پھر یہ ایسی سرزمین ہے کہ جہاں چلنے کے لئے مجھے کسی راہنما کی ضرورت نہیں۔''

یہ دیکھ کر حضور ﷺ وہاں سے چلے آئے اور دعا فرمائی کہ یہ وباء مدینہ سے جحفہ کے قریب مقام خمّ میں منتقل کر دی جائے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ حضرت ابوبکر اور ان کے دونوں غلاموں کے پاس جائیں' انہوں نے واپس آ کر آپ کو صورت حال بتائی' آپ کو یہ بات اچھی نہ لگی پھر آپ مدینہ کے بازار ''بقیع نخل'' کی طرف تشریف لے گئے' اس میں کھڑے ہوئے' چہرہ قبلہ کی طرف کیا اور اللہ سے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا کر عرض کی: ''اے اللہ! مدینہ ہمارا محبوب بنا دے جیسے مکہ کو بنایا ہے یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے' الٰہی اہلِ مدینہ کے بازار میں برکت فرما' ان کے صاع اور مدّ میں برکت رکھ دے' الٰہی! مدینہ میں پائی جانے والی وباء کو مہیعہ کی طرف بھیج دے۔''

وضاحت لغات:

رفع عقیرتہ کا معنٰی ہے: انہوں نے اپنی آواز بلند کی' بوادٍ' اسے بفخ بھی کہا گیا ہے' یہ وادیٔ زاھر ہے' جلیل ایک گھاس ہے۔ مِخَنَّة میم کی زیر اور زبر سے' مکہ کی نچلی طرف ایک بازار کا نام۔ اصمعی اسے مرّ الظھران کہتے

ہیں۔شامہ وطفیل' یہ دو پہاڑ ہیں جو مجنہ کی بالائی طرف ہیں' یہ بات ابن الاثیر کہتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ شابہ بھی نام ہے حجازی پہاڑ کا' ان دونوں کے بارے میں طبری کہتے ہیں کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں جو مکہ سے کچھ مراحل پر یمن کو جاتے ہوئے آتے ہیں اور خطابی کہتے ہیں کہ یہ دو چشمے ہیں۔ان کے قول بطوقہ کا معنی ہے اپنی طاقت سے۔بروقہ کا معنی اس کے سینگ کے ساتھ۔مھیعہ' یہ جحفہ ہی کا نام ہے جو مشہور میقاتوں میں سے ایک ہے اور خم اسی جحفہ کے پاس ہے۔حضور ﷺ نے بخار کو یہاں بھیجنے کی دعا اس لئے فرمائی تھی کیونکہ یہ شرک کا گڑھ تھا چنانچہ بعد ازیں سب سے زیادہ بخار اسی مقام پر رہا' کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس چشمہ کے پانی پینے سے پرہیز کیا جاتا تھا۔جو بھی اس سے پانی پی لیتا' اسے بخار آنے لگتا۔

حضرت بیہقی نے حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا ہشام بن عروہ سے روایت کی' انہوں نے اپنے والد عروہ سے سنی۔اس میں ہشام کہتے ہیں کہ بچہ جحفہ میں پیدا ہوتا' وہ ابھی سمجھ دار بھی نہ ہونے پاتا کہ بخار اسے آ لیتا۔

خطابی کہتے ہیں اہل جحفہ یہودی تھے' کہتے ہیں کہ ایسا کوئی شخص وہاں موجود نہ تھا جسے بخار نہ ہوا۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبوت کی علامات میں سے ایک علامت تھی کیونکہ جحفہ اسی دن سے وباء والا چلا آتا ہے' جو بھی اس سے پانی پیتا' بخار میں گھر جاتا۔

بطحان جیسا کہ آگے آ رہا ہے' مدینہ کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے۔ماء عاجن وہ پانی جس کے ذائقہ اور رنگ تبدیل ہو چکے ہوں۔

مدینہ کی وباء قدیم دورِ جاہلیت میں آئی

محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ مدینہ میں آنے والی وباء شدید تھی' ابنِ اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ مدینہ کی وباء دورِ جاہلیت میں مشہور تھی' جب بھی کوئی شخص یہاں داخل ہوتا اور اس کا ارادہ ہوتا کہ اس سے بچا رہے تو اس سے کہا جاتا کہ گدھے جیسی آواز نکالو چنانچہ وہ گدھے کی سی آواز نکالتا۔

دلائل نبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث ملتی ہے: فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہ زمین اللہ کی ساری زندگی میں سے وباء زدہ تھی' اس کی وادی بطحان میں گندہ پانی تھا۔ہشام کہتے ہیں کہ اس میں موجود وباء دور جاہلیت میں مشہور تھی اور چونکہ یہ وادی وباء والی تھی' اس لئے جب بھی کوئی وہاں آتا تو اسے کہا جاتا کہ گدھے جیسی آواز نکالو چنانچہ جب وہ یہ آواز نکالتا تو یہ وباء اس کو نقصان نہ دیتی' ایک شاعر جب مدینہ میں آیا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

''مجھے اپنی حیاتی کی قسم! اگر وباء کے خوف سے میں دس مرتبہ گدھے کی سی آواز نکالوں تو رونے دھونے والا شمار ہوں گا۔''

ثنیۃ الوداع

ابن شبہ نے حضرت عامر بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی' عامر کہتے ہیں کہ مدینہ میں داخل ہونے والا صرف ایک ہی راستے سے داخل ہوا کرتا تھا جسے ثنیۃ الوداع کہتے تھے' اگر وہ مسلسل دس مرتبہ گدھے جیسی دس مرتبہ آواز نہ نکالتا تو وہاں سے نکلنے بھی نہ پاتا کہ مرجایا کرتا اور جب ثنیہ پر ٹھہر جاتا تو اسے کہا جاتا کہ اب یہ امانت ہے (ہوسکتا ہے مرجائے) چنانچہ اس کا نام ''ثنیۃ الوداع'' رکھ دیا گیا۔ پھر یہاں عروہ بن ورد عبسی آیا' اسے کہا گیا کہ دس مرتبہ گدھے کی سی آواز نکالو لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا' یہ شعر پڑھ دیا:

''مجھے زندگی کی قسم! اگر میں وباء کے خوف سے دس مرتبہ گدھے جیسی آواز نکالوں تو رونے دھونے والوں میں شمار ہوں گا۔''

پھر وہ مدینہ میں داخل ہوا اور کہنے لگا: اے گروہ یہود! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ دس مرتبہ گدھے جیسی آواز نکالا کرتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ جب بھی باہر سے یہاں کوئی آ کر دس مرتبہ آواز نہیں نکالتا تو مرجایا کرتا ہے اور جو بھی ثنیۃ الوداع کے علاوہ کسی اور راستے سے یہاں آتا ہے وہ دن بدن کمزور ہوتا چلا جاتا ہے چنانچہ جب عروہ نے دس مرتبہ یہ آواز نہ نکالی تو لوگوں نے بھی اسے چھوڑ دیا اور ہر طرف سے یہاں آنے لگے۔

وباء کا یہاں سے چلے جانا حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا

وباء کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دینا بہت بڑا معجزہ تھا کیونکہ تمام طبیب مل کر بھی ایسا نہیں کر سکتے تھے چنانچہ بخاری شریف میں حدیث پاک ہے' حضور علیہ السلام نے فرمایا:

''میں نے سیاہ رنگ کی ایک عورت دیکھی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے' وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ کو چلی گئی' میں نے اس سے یہ سمجھا کہ وباء مدینہ سے منتقل ہو کر مہیعہ کو چلی گئی ہے۔''

طبرانی کی اوسط میں بھی ایسی ہی حدیث ہے۔ ابن زبالہ کی کتاب میں ہے کہ ''ایک دن حضور علیہ السلام کے پاس ایک آدمی آیا' لگتا تھا کہ مکہ کے کسی راستے کی طرف سے آیا ہے' حضور علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کیا تم نے کسی کو دیکھا ہے؟ اس نے عرض کی' نہیں' البتہ ایک ننگی سیاہ عورت دیکھی ہے جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس پر رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بخار تھا اور اب یہ کبھی بھی دوبارہ یہاں نہیں آسکے گا۔''

اسی کتاب میں یہ حدیث بھی ہے کہ ''اے اللہ! مدینہ کو ہمارا محبوب بنا دے اور اس میں موجود وباء کو مہیعہ کی طرف بھیج دے اور جو اثر باقی رہ جائے تو اسے مشعط کے پہاڑ کے دامن میں دبا دے۔ اسی میں ایک اور حدیث ہے کہ: ''اگر مدینہ میں کہیں وباء ہوگی تو وہ مشعط پہاڑ کے سائے میں ہوگی۔''

حضرت ''مجد'' کہتے ہیں کہ یہ مشعط مدینہ میں ایک پہاڑ ہے یا کسی جگہ کا نام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن زبالہ سے منزلوں کے ذکر میں آ رہا ہے کہ بنو حدیلہ نے دو ٹیلے بنائے تھے جن میں سے ایک کو "مشعط" کہتے تھے' یہ مسجد بنو حدیلہ کی غربی جانب تھا' اسی جگہ میں ایک گھر بنا ہوا ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ نبیہ اس میں آئے تھے۔ پھر ابن زبالہ نے اس کے بعد یہ مذکور حدیث ذکر کی' جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسی کو مشعط کہتے ہیں۔اسی کتاب میں یہ حدیث بھی ہے کہ "بخار سے بری سب سے اہم علاقہ بنو قریظہ کی پتھریلی زمین اور عریض کے درمیان ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدرے بخار مدینہ میں موجود ہے اور وہ بخار جو جڑھ سے اکھیڑ دیا گیا' جس کی شدت' وبائی صورت' غلبہ اور کثرت نہ رہی' یہ اس بخار کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

یہ احتمال بھی ہے کہ پہلے اسے مکمل طور پر نکال دیا گیا ہو' پھر تھوڑا سا رہنے دیا گیا کہ لوگ اس کے اجر سے محروم نہ رہ جائیں جیسے حافظ ابن حجر نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے احمد نے صحیح رجال کے ساتھ' ابویعلیٰ' ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ "بخار نے رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی' رسول اللہﷺ نے پوچھا' یہ کون ہے؟ تو اس نے عرض کی "اِمِ ملدم" (بخار کی کنیت ہے) آپ نے اسے اہلِ قباء کی طرف بھیج دیا چنانچہ انہیں اس قدر بخار ہوا کہ اللہ ہی جانے' وہ لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور بخار کی شکایت کی' آپ نے فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ چاہو تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں' یہ تمہیں چھوڑ جائے گا اور چاہو تو یہ تمہیں پاک صاف کرتا رہے گا۔انہوں نے عرض کی' کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟ فرمایا' ہاں۔ انہوں نے عرض کی کہ پھر اسے رہنے دیجئے۔

طبرانی نے بھی ایسی ہی روایت ذکر کی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ آپ نے انہیں فرمایا تھا، "اگر چاہو تو اسے رہنے دو' اس سے تمہارے بقیہ گناہ گر جائیں گے' انہوں نے عرض کی' یا رسول اللہ اسے رہنے دیجئے۔

حضرت احمد نے ایک حدیث نقل کی ہے' حضورﷺ نے فرمایا: "میرے پاس جبریل بخار اور طاعون لے کر حاضر ہوئے' میں نے بخار کو مدینہ میں رکھ لیا لیکن طاعون شام کی طرف بھیج دی چنانچہ یہ طاعون میری امت کے لئے شہادت کا باعث ہے اور ان کے لئے رحمت بن جاتی ہے جبکہ کافروں کے لئے یہ ایک موذی مرض ہوتی ہے۔

ذہن میں تو یہ بات آتی ہے کہ یہ معاملہ اس وقت ہوا تھا جب مکمل طور پر بخار کو یہاں سے منتقل کر دیا گیا تھا لیکن ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ہمراہ صحابہ کی مختصر تعداد تھی چنانچہ آپ نے بخار کا یہاں رہنا پسند کر لیا کیونکہ طاعون کے مقابلے میں اس سے موت کم واقع ہوتی ہے کیونکہ اس پر بڑا اجر ملتا ہے چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا کہ صحابہ کی تعداد زیادہ ہو سکے اور جب آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا تو آپ نے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کرنے کی دعا فرما دی چنانچہ ایسا ہوا کہ جو شخص طاعون کی وجہ سے ملنے والی شہادت سے رہ جاتا تو بسا اوقات اسے راہِ خدا میں قتل کے ذریعے شہادت مل جاتی اور جسے یہ شہادت بھی نہ ملتی تو اسے وہ بخار آ لیتا جو مومن کے لئے جہنم میں قدرے ملنے والی سزا کا بدل ہے پھر یہ مدینہ طیبہ میں جاری رہا یعنی جب مسلمان بہت سارے ہو گئے تو یہ

جاری رہا تا کہ دوسرے لوگوں سے تمیز ہو سکے (کہ دوسرے مخالفین اسلام کو بخار نہیں آتا)۔انتٰہی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آخر میں بخار کا کچھ حصہ یہاں مدینے میں رہ گیا تھا اور ہمارے زمانہ میں مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ بخار یہاں سے کلی طور پر نہیں گیا لیکن جس بخار کی بات پہلے ہو چکی تو مدینہ پاک مکمل طور پر ویسے بخار سے اب بھی محفوظ ہے جیسے آگے آ رہا ہے لیکن طاعون کبھی بھی یہاں نہیں آ سکی۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے اللہ سے اپنی امت کے لئے دعا کی کہ انہیں بکھرنے نہ دے اور کوئی ان میں سے دوسرے کو تکلیف نہ دے سکے تو اللہ نے آپ کو اس سے روک دیا چنانچہ آپ نے اپنی دعا میں عرض کی: تو چاہتا ہے تو بخار دیدے یا طاعون۔ اس میں آپ نے بخار کے اس مقام میں آنے کی دعا فرمائی جہاں طاعون داخل نہیں ہوتی جیسے ہم اگلی فصل میں اشارہ کریں گے چنانچہ اب جو بخار مدینہ میں آتا ہے' وہ وباء شمار نہیں ہوتا بلکہ یہ حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے رحمت ہوتا ہے جیسے ہم آگے وضاحت کریں گے۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۵

مدینہ پاک دجال اور طاعون سے محفوظ ہے' اس کی حفاظت کی جا رہی ہے

صحیحین اور دوسری کتابوں میں ہمیں یہ حدیث ملتی ہے کہ ''مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں جو مدینہ کی حفاظت کر رہے ہیں' اس میں نہ تو طاعون داخل ہو سکتی ہے اور نہ ہی دجال داخل ہو سکے گا۔ صحیحین ہی میں یہ حدیث بھی ہے: ''کوئی ایسا شہر نہیں جسے میں دجال عنقریب گھس نہ جائے' صرف مکہ اور مدینہ ایسے ہیں جن میں نہیں گھسے گا' ان کی طرف آنے والا کوئی راستہ ایسا نہیں جن پر فرشتے صف در صف کھڑے حفاظت نہ کر رہے ہوں چنانچہ وہ شور اور بنجر زمین میں ٹھہرے گا چنانچہ مدینہ طیبہ تین مرتبہ لوگوں کو (زلزلہ کی وجہ سے) ہلا کر رکھ دے گا' اس کے پاس ہر منافق اور کافر پہنچے گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ جرف کی شور زمین میں اترے گا تو ہر کافر اور منافق اس کے پاس چلا جائے گا۔

پھر بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ ''مسیح دجال کا رعب مدینہ پر نہیں چھائے گا' ان دنوں مدینہ کے سات دروازے ہوں گے جن میں سے ہر ایک پر دو فرشتے مقرر ہوں گے۔ مسلم شریف میں یہ حدیث ہے کہ: ''مسیح دجال مشرق کی طرف سے آئے گا' ارادہ مدینہ میں داخل ہونے کا ہوگا' احد کی پچھلی طرف ٹھہرے گا پھر فرشتے اس کا رُخ شام کی طرف کر دیں گے چنانچہ وہاں جا کر وہ ہلاک ہو جائے گا۔

پھر بخاری و مسلم میں ایسے نیک شخص کا قصہ موجود ہے جو سب لوگوں سے نیک ہوگا یا نیک لوگوں میں شمار ہوگا' وہ مدینہ سے دجال کے پاس جائے گا' وہ اس وقت شور والی زمین میں ہوگا' یہ شخص دجال سے کہے گا: تم ہی وہ دجال ہو

جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ ہمیں بتا چکے ہیں۔ آگے طویل حدیث بیان کی۔

حضرت معمر رضی اللہ عنہ ابو حاتم کی روایت میں بتاتے ہیں' علماء کا خیال ہے یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔

امام احمد اور طبرانی نے ''اوسط'' میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی' وہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام حرہ کے پست مقامات میں سے ایک پست مقام کی طرف نگاہ فرمائی' ہم آپ کے ساتھ ہی تھے' آپ نے فرمایا: مدینہ کی سرزمین کتنی اچھی ہے' جب دجال نکلے گا تو اس کے ہر راستے پر فرشتہ مقرر ہوگا چنانچہ وہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ جب ایسا ہوگا تو مدینہ پاک میں تین مرتبہ لوگ ہل کر رہ جائیں گے چنانچہ کوئی منافق مرد اور عورت ایسی نہ ہوگی جو اس دجال کی طرف چلے نہ جائیں' اس کی طرف جانے والوں کی اکثریت عورتوں کی ہوگی' یہ دن خلاصی کا ہوگا' یہ ایسا دن ہوگا کہ مدینہ پاک میل کو ایسے دور کر دے گا جیسے لوہے کی بھٹی لوہے کی میل اتار دیتی ہے' اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے ہر آدمی پر ایک چادر ہوگی اور خوبصورت تلوار لئے ہوگا' وہ اپنا خیمہ اس تلوار سے اس جگہ گاڑے گا جہاں پانی جمع ہوں گے۔ آگے طویل حدیث ذکر کی۔

امام طبرانی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اے اہلِ مدینہ! خلاصی کے دن کو یاد کرو' لوگوں نے پوچھا کہ یومِ خلاص کیا ہے؟ تو کہا کہ دجال آئے گا اور ذباب کے مقام پر ٹھہرے گا چنانچہ مدینہ کا کوئی مشرک مرد و عورت' کافر مرد و عورت' منافق مرد و عورت اور فاسق مرد و عورت ایسا نہیں ہوگا جو اس کے پاس چلا نہ جائے گا چنانچہ مومن لوگ خلاصی پا لیں گے اور یہ خلاصی کا دن ہوگا۔

امام احمد نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یوم الخلاص' جانتے ہو کہ یوم الخلاص کونسا ہے؟ تین مرتبہ فرمایا۔ آپ سے عرض کی گئی کہ یوم الخلاص کونسا دن ہوگا؟ آپ نے فرمایا دجال آئے گا' احد پر چڑھ جائے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا: کیا تم اس سفید محل کو دیکھ رہے ہو؟ یہ احمد کی مسجد ہے' پھر مدینہ کی طرف جانے کا ارادہ کرے گا تو ہر راستہ پر فرشتہ کو چوکس کھڑا دیکھے گا چنانچہ جرف کی شور زمین میں ٹھہرے گا اور وہاں اپنا خیمہ گاڑ دے گا' ادھر مدینہ میں تین مرتبہ زلزلہ پیدا ہوگا جس کے نتیجے میں کوئی منافق مرد و عورت اور فاسق مرد و عورت ایسا نہ رہے گا جو اس کی طرف چلا نہ جائے گا چنانچہ یہی یوم الخلاص ہوگا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احمد اور حاکم دونوں نے حضرت محجن بن ادرع سے مرفوع حدیث بتائی کہ ''دجال آئے گا اور احد پہاڑ پر چڑھ جائے گا' ہر طرف نظر دوڑائے گا' مدینہ کی طرف نظر اٹھائے گا تو اپنے ساتھیوں سے کہے گا' تم اس سفید محل کو نہیں دیکھ رہے؟ یہ احمد کی مسجد ہے' پھر مدینہ میں آنا چاہے گا تو دیکھے گا کہ ہر راستے پر ایک فرشتہ تلوار تانے کھڑا ہوگا' حدیث کے باقی الفاظ وہی ہیں البتہ آخر میں انہوں نے کہا کہ ''مدینہ کی خلاصی ہو جائے گی چنانچہ یہی یوم الخلاص ہوگا۔''

''رواق'' کا معنیٰ خیمہ ہے۔ ابن ماجہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں: ''دجال طریق احمر (سرخ راستہ) کے پاس شور زمین کے آخر میں ہوگا۔

امام احمد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ ''دجال اس شور زمین میں راستے پر قیام کرے گا۔''

عقیق المدینہ میں جو زبیر بن بکار کی تصنیف ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر اس مقام کی طرف چلے جہاں چشموں کا پانی اکٹھا ہوتا تھا' آپ نے اس دوران فرمایا: کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ دجال مدینہ کے کس مقام پر ٹھہرے گا اور پھر فرمایا کہ یہیں ٹھہرے گا' وہ مدینہ جانے کا ارادہ کرے گا لیکن ہمت نہ ہوگی' وہ دیکھے گا کہ ہر راستے پر فرشتے بولتے ہونگے اور ہر پہاڑی راستے پر ایک فرشتہ تلوار لئے کھڑا ہوگا' مدینہ میں نہ تو دجال داخل ہو سکے گا اور نہ ہی طاعون' مدینہ میں زلزلہ آئیگا اور اس کا اثر دجال کے ساتھیوں پر بھی ہوگا چنانچہ کوئی منافق مرد و عورت ایسا نہ ہوگا جو نکل کر اس کے پاس نہ چلا جائے' ان میں اکثر عورتیں ہوں گی' کوئی آدمی اپنا حصہ لینے سے عاجز نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں' اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی احادیث میں موجود الفاظ فترجف المدینة کا مطلب یہ ہے کہ زلزلہ کی وجہ سے ایسا ہوگا۔ اب ان سابق روایات سے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ مسیح دجال کا رعب مدینہ منورہ پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

رجفہ یعنی زلزلہ کا مقصد یہ ہوگا کہ دجال کے آنے کی خبر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کو اس کے مقابلے کی طاقت نہیں چنانچہ اس وقت منافق اور فاسق اس کی طرف جانے کی جلدی کریں گے۔

طبرانی کی اوسط میں حدیث ہے کہ: ''دجال' مدینہ کے برابر آ کھڑا ہوگا' سب سے پہلے اس کی طرف عورتیں اور لونڈیاں جائیں گی اور اس کی اتباع کریں گی اور پھر احمد اور طبرانی کی روایت کردہ حدیث میں ہے' الفاظ طبرانی کے ہیں' وہ دجال کی پہچان بتاتے ہیں کہ ''پھر وہ دجال چلتا ہوا مدینہ کے پاس پہنچے گا' یہاں جانے کی اسے اجازت نہ ہوگی لہٰذا وہ کہے گا کہ یہ اس شخص کی بستی ہے پھر وہاں سے چلے گا اور شام میں پہنچے گا' اللہ تعالیٰ اسے ''افیق'' کی گھاٹی میں ہلاک کر دے گا۔

ابو یعلیٰ نے جساسہ کی مشہور حدیث بیان کی جس میں یہ بھی ہے کہ: ''وہ (دجال) مسیح ہوگا' اس کے لئے چالیس دن میں ساری زمین کی سیر ممکن ہوگی' صرف طیبہ میں نہیں جا سکے گا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ طیبہ' مدینہ ہی ہے' اس کے ہر دروازے پر ایک فرشتہ تلوار تانے کھڑا ہوگا جو اسے اندر طیبہ میں آنے سے روکے گا اور ایسے ہی مکہ میں ہوگا۔'' پھر بخاری و ترمذی شریف میں یہ حدیث ملتی ہے: ''مدینہ میں دجال آنے کی کوشش کریگا' وہ دیکھے گا کہ فرشتے اس کی نگرانی کر رہے ہوں گے لہٰذا وہ دجال مدینہ کے قریب نہ جا سکے گا اور نہ ہی طاعون اندر داخل ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔''

حضرت احمد اور ابن شبہ نے یہ حدیث نقل کی کہ: ''مکہ اور مدینہ کو فرشتے گھیرے ہوں گے ان کے ہر راستے پر

فرشتہ ہوگا' ان میں نہ تو دجال داخل ہو سکے گا اور نہ ہی انشاء اللہ طاعون داخل ہو گی۔"

حضرت امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے یہ حدیث روایت کی کہ: "رسول اللہ ﷺ کے ہاں ایسے آدمی کا ذکر ہوا جو ایک سبزہ والی زمین سے نکلے گا' وہ جب مدینہ کے کسی راستے میں ہو گا تو اسے وباء گھیر لے گی' لوگ گھبرا جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ وہ مدینہ کے راستوں میں سے نہیں آ سکے گا۔" "نقاب" چھوٹے بڑے راستوں کو کہتے ہیں اس کا واحد لفظ نِقب ہے' نون پر زیر ہے۔

اس سے پہلی روایت میں فلا یقربھا الدجال ولا الطاعون کے الفاظ سے گنجائش نکلتی ہے کہ طاعون مدینہ میں داخل ہو سکے گی حالانکہ دوسری احادیث میں سے یقین حاصل ہوتا ہے کہ نہیں داخل ہو گی' صحیح بھی یہی ہے کہ مدینہ محفوظ رہے گا جیسے کہ مشاہدہ میں آ چکا ہے اور پھر دجال کو طاعون کے ساتھ ملانا' ایک اشکال پیدا کرتا ہے' طاعون تو باعثِ شہادت و رحمت ہے تو اسے ان دونوں صفات سے خالی کیسے کیا جا سکتا ہے۔

اس کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے۔

۱۔ ایک یہ ہے کہ طاعون کا اس طرح ہونا (کہ شہادت اور صحت کا سبب بنے) اس کی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ یہ چیز اس کے آنے پر مرتب ہوتی ہیں اور حاصل ہوتی ہیں اور اس کی تفسیر اس روایتِ احمد سے ملتی ہے کہ بوخزا عدائکم من الجن (کہ جن دشمن چبھوتے ہیں) اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کافر جن اور شیطان چبھونے سے روک دئے گئے ہیں جیسے کہ دجال کو مدینہ سے روک دیا گیا ہے' تم دیکھتے نہیں کہ کافر کا مسلمان کو قتل کرنا شہادت بنتا ہے اور اگر کہیں ثابت ہو جائے کہ کافر مسلمان پر غالب نہیں ہو سکے تو یہ بڑے شرف کی بات ہو گی۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ رحمت کے اسباب صرف طاعون ہی میں نہیں پائے جاتے' اس کے بدلے حضور ﷺ نے بخار کا ذکر کیا ہے' جب دونوں اکٹھے ہوں تو آپ نے بخار کو پسند کر رکھا ہے جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے (کہ طاعون نہ ہو تو بخار ہی سہی) کیونکہ یہ مومن کو پاک صاف کرتا ہے اور دوزخ میں پائی جانے والی آگ کا بدل ہے' پھر طاعون تو کسی سال میں آتی ہوتی ہے جبکہ بخار تو کسی بھی وقت آ سکتا ہے لہٰذا دونوں ایک جیسے نہیں اور انہیں برابر قرار دینا قابلِ اعتراض ہے کیونکہ رحمت کے اسباب زیادہ ہونے کی تو ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ اگرچہ طاعون میں رحمت و شہادت حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے اسباب کئی ہو سکتے ہیں جیسے کچھ گناہ ہو جانا' پھر امام احمد نے شرجلیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہے کہ طاعون تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہوتی ہے' یہ تمہارے نبی کی دعا کا نتیجہ ہے اور اس کے ذریعے تم سے قبل صالحین کی موت واقع ہو چکی ہے۔

پھر اس کا نبی کی دعاء کا نتیجہ ہونا تو اس کی تفسیر امام احمد نے حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے کی

ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے اپنے پروردگار سے دعا کی تھی کہ چھ چیزوں کی وجہ سے ان کی امت ہلاک نہ ہو' یہ دعا قبول کر لی گئی' آپ نے دعا کی تھی کہ باہر سے کوئی دشمن اہلِ مدینہ پر غالب نہ ہو سکے' یہ دعا قبول کر لی گئی پھر آپ نے دعا کی تھی کہ یہ گروہوں میں نہ بٹ جائیں کہ ایک دوسرے کو تکالیف دیتے پھریں' اللہ نے اس دعا کی قبولیت روک دی جس پر آپ نے دعا کی تھی کہ بخار یا طاعون میں سے ایک کو روک دے' تین مرتبہ عرض کی تھی' طاعون میں ایک طرح کا مواخذہ اور پکڑ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس کی دعا اس وجہ سے کی تھی کہ ان کے ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کی جگہ لے سکے اور ان کی ہلاکت ایسے سبب سے ہو جس کی وجہ سے وہ بے فرمان نہ ہوں بلکہ ثواب حاصل کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے شہر کی طاعون سے حفاظت فرمائی جو انتقام پر مشتمل ہوتی ہے' یہ بات اس کے نبی کی عزت کی وجہ سے تھی اور اس کی بجائے ان کے لئے جسموں کو کمزور کر دینے والا بخار اس چیز کا بدل بنا دیا جو وہ ایک دوسرے کو تکلیف دیتا ہے نیز اسے ان کی پاکیزگی کا سبب بھی بنا دیا چنانچہ آپ کا یہ فرمان "فَحُمّٰى اِذًا" اس مقام کے لئے ہے جہاں طاعون داخل نہ ہوتی ہو بلکہ اس سے بچا لیا جس کا سبب آپ کا پڑوسی ہونا تھا اور آپ کا فرمان اَوْطَاعُوْنًا اس مقام کے لئے ہے جہاں سے بچا نہیں جا سکتا اور وہ سارے شہر ہیں۔

یہ ہے وہ مفہوم جو ان احادیث کو سمجھنے کے بعد میرے سامنے آیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ مدینہ میں ہونے والا بخار فضیلت و عظمت والا ہے کیونکہ یہ ہمارے نبی ﷺ کی دعا کا نتیجہ ہے اور ہمارے ربّ کی رحمت بھی ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی دعا کے نتیجے میں لازماً ہونا ہوتی ہے اور یہ بھی وجہ ہے کہ یہ طاعون کے مقابلے میں ہے جو ان کے غیر کے لئے رحمت ہوتی ہے لہٰذا بخار ان اہلِ مدینہ کے لئے رحمت ہو گا چنانچہ یہ بخار وبائی نہیں ہے جو مدینہ پاک سے جا چکا تھا۔

۴۔ (یہ جواب حافظ ابنِ حجر نے قرطبی سے نقل کیا ہے) وہ یہ ہے: معنی یہ ہے کہ طاعون مدینہ میں اس طرح داخل نہ ہو سکے گی جیسے دوسرے مقامات پر داخل ہوتی ہے جیسے طاعونِ عمواس۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی طرح طاعون یہاں داخل ہو سکتی ہے حالانکہ ایسا ممکن نہیں' دیکھئے ابن قتیبہ اور ان کی پیروی کرنے والے بہت سے علماء نے جن میں آخری علامہ نووی ہیں' بڑے اعتماد سے یہ بات کہی ہے کہ طاعون مدینہ طیبہ میں بالکل داخل نہیں ہو گی اور نہ ہی مکہ میں' لیکن ایک جماعت علماء نے نقل کیا ہے کہ یہ ۷۴۹ھ میں مکہ کے اندر داخل ہو گئی تھی البتہ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکی' کسی بھی عالم نے ذکر نہیں کیا کہ یہ مدینہ میں داخل ہوئی تھی۔ پھر ابن حجر نے پہلی حدیث نقل کی جس میں مکہ کا ذکر بھی موجود ہے اور پھر کہا: اس بنیاد پر وہ طاعون جو مکہ میں داخل ہوئی تھی وہ ویسی طاعون نہ تھی جیسا کہ نقل کرنے والے کا گمان ہے بلکہ یہ ایک وباء تھی جو طاعون سے عام ہے' یا پہلے گذر جانے والا قرطبی کا جواب دیا جائے گا' انہوں نے فرمایا تھا: شائد انہوں نے اپنے جواب کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ طاعون وہ ہے جو آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوئی اور اس سے

بہت سارے لوگ مر گئے تھے' حالانکہ ایسا ہے نہیں کیونکہ صحیح بخاری میں ابو الاسود کا قول ملتا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ: میں مدینہ پہنچا تو اہلِ مدینہ تیزی سے مر رہے تھے' یہ واقعہ مدینہ میں ہوا' یہ وباء تھی لیکن اسے طاعون کہنا درست نہیں' کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ ان احادیث میں اس طاعون سے مراد وہ ہے جو جن کے دخل سے رونما ہوئی' جس کی وجہ سے اس نے جسم میں خون کا دباؤ بڑھا دیا تو وہ مر گئے' ایسی طاعون ہرگز مدینہ میں داخل نہیں ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ زرکشی نے حضرت قرطبی سے نقل کر کے بتایا ہے کہ انہوں نے طاعون کی تفسیر عام پھیل جانے والی موت سے کی ہے لہٰذا زرکشی کا یہ قول اس بات میں صریح اور واضح ہے کہ ان کی مراد وہی ہے جو حافظ ابن حجر نے اس سے سمجھی ہے' اسے ان کا وہ قول رد کرتا ہے جو پہلی حدیث میں گذرا کہ: جب دجال مدینہ کے قریب راستہ میں ہو گا تو اسے وباء گھیرے گی جو لوگوں کو خوفزدہ کر دے گی کیونکہ اس میں وباء سے مراد وہ طاعون ہے جو اپنی علامات کے ذریعے ان کے ہاں جانی پہنچاتی ہے ورنہ صرف ایک شخص کی موت نہ تو خوفزدہ کرتی ہے اور نہ ہی اسے عام موت کہا جا سکتا ہے اور یہ بات بعید ہے کہ عام موت کو تنہا شہادت بنا دیا جائے جبکہ بعض اولیاء نے اطلاع دی ہے اور پھر کچھ اولیاء نے طاعون کے کئی سالوں میں جنات کو بیداری میں خود دیکھا کہ لوگوں کو طاعون میں پھنساتے تھے بلکہ یونہی خواب میں میں نے بھی انہیں ایسی چھیڑ خانی کرتے دیکھا تھا' میں نے دیکھا کہ میرے اور ان کے درمیان ایک پردہ سا تھا چنانچہ اس سال اللہ نے مجھے اس سے بچائے رکھا علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مقصد وہی ہے جسے علامہ قرطبی ذکر کر رہے ہیں تو پھر یہ گذشتہ اعتراض ویسے ہی باقی ہے' کیونکہ اس صورت میں یہ اعتراض ہو گا کہ اگر طاعون رحمت ہے تو مدینہ میں بڑھ چڑھ کر کیوں نہیں آتی لہٰذا حق بات وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے اور جیسا کہ بعض علماء کہتے ہیں' یہ بات آپ کے عظیم اور مسلسل معجزات میں سے ہے جو آپ کی علاماتِ نبوت میں سے ہے کیونکہ تمام طبیب مل کر بھی کسی شہر سے کبھی بھی طاعون کو نہیں نکال سکے جبکہ عرصۂ دراز گذرنے کے باوجود مدینہ پاک میں طاعون داخل ہونے سے رک چکی حالانکہ حجاز کے دوسرے علاقوں میں یہ آتی رہتی ہے مثلاً ینبع' جدّہ' فرع' صفراء اور خیف وغیرہ مدینہ کے قریبی علاقوں میں یہ حملہ کر چکی ہے لیکن ہمارے مشاہدے کے مطابق ۸۸۱ھ کے بعد تک یہاں داخل نہیں ہو سکی کیونکہ اس وقت یہ مدینہ کے قریبی علاقوں میں اکثر آئی تھی اور سب سے زیادہ جدّہ میں پہنچی تھی البتہ مکہ میں اس کے داخلے میں اختلاف ہے اور جیسا کہ ہم نے تحقیق کی' وہاں بہت سے لوگ مر گئے تھے' تاہم مدینہ میں بخار بہت ہوا لیکن کچھ زیادہ لوگ نہیں مرے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مدینہ منورہ مکمل طور پر اس کے حملے سے محفوظ ہی رہا' یہ اللہ کا محض احسان ہے۔

فصل نمبر ٦

مدینہ کی مٹی اور کھجور شفاء کا باعث ہیں

ہمیں کتاب ابن بخار اور ابن جوزی کی الوفاء میں ایک حدیث ملتی ہے کہ: "مدینہ کریمہ کی خاک' کوڑھ سے شفاء کا سبب بنتی ہے۔" پھر ابن اثیر کی جامع الاصول میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ جب تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو تبوک میں شمولیت سے رہ جانے والے کچھ صحابہ آپ سے ملے' انہوں نے گرد اڑائی تو حضور ﷺ کے ایک ساتھی نے اپنی ناک ڈھانپ لی' آپ نے ان کے ناک سے کپڑا ہٹا دیا اور پھر فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' مدینہ کی خاک میں ہر بیماری کے لئے شفاء موجود ہے۔"

خاکِ مدینہ باعثِ شفاء ہے

حضرت ابن رزین رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے ذریعے ایسی ہی روایت کی ہے البتہ یہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا: "حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک آگے کر کے اس صحابی کے چہرے سے رکاوٹ دور کر دی اور فرمایا: کیا تمہیں علم نہیں کہ مدینہ کی عجوہ کھجور ہر بیماری سے شفاء کا سبب بنتی ہے اور خاکِ مدینہ کوڑھ دور کر دیتی ہے؟" اسی کو ابن زبالہ نے صیفی بن ابو عامر رضی اللہ عنہ سے مختصر الفاظ میں ذکر کیا ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں:

"مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ "خاک مدینہ باعثِ امن ہے اور کوڑھ سے شفاء کا باعث بنتی ہے۔"

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "مدینہ کا غبار کوڑھ سے شفاء کا باعث بنتا ہے۔"

میں بتاتا ہوں' میں نے ایسا شخص دیکھا ہے جسے اس کے غبار کے سبب کوڑھ سے نجات مل گئی تھی' اسے کوڑھ نے بہت ستایا تھا' وہ قباء کے راستے میں بطحان کے مقام پر مٹی کے سفید ڈھیر پر چلے جاتے' اس میں لوٹتے اور آتے وقت کچھ مٹی ساتھ بھی لے آتے جس سے انہیں بہت افاقہ ہوا۔

ابن زبالہ نے بتایا کہ' یحییٰ بن حسن بن جعفر علوی اور ابن نجار رحمہما اللہ نے یہ روایت لکھی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ بلحارث تشریف لے گئے' وہاں لوگ سست دکھائی دئے' فرمایا: "تمہیں کیا ہو گیا ہے سست کیوں ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں اس بخار نے گھیر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں یہ مٹی کا ڈھیر دکھائی نہیں دیتا؟ انہوں نے عرض کی کہ اسے کیا کریں؟ آپ نے فرمایا' اس کی مٹی لے کر پانی میں حل کر دو پھر تم میں سے کوئی اس پر یہ دم کر دے: "تُرَابُ اَرْضِنَا بِرِیْقِ بَعْضِنَا شِفَاءٌ لِمَرِیْضِنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا" (ہماری اس زمین کی مٹی ہم میں سے کسی کی تھوک سے مل کر اللہ کے

حکم سے ہمارے بیمار کے لئے شفاء بن جائے) انہوں نے ایسا ہی کیا تو بخار نے انہیں چھوڑ دیا۔"

یہ لکھنے کے بعد ابن نجار رضی اللہ عنہ نے بتایا: ابو القاسم طاہر بن یحیٰی علوی کے مطابق "صعیب" ماجشونیہ کے علاوہ بطحان کی ایک وادی ہے' وہاں ایک گڑھا ہے جس سے لوگ مٹی لیتے ہیں' جب بھی کوئی وباء میں گرفتار ہوتا ہے تو وہ یہاں سے مٹی لے جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات میں نے یحیٰی کی کتاب کے اس نسخہ میں دیکھی ہے جسے ان کے بیٹے طاہر نے ان سے روایت کیا ہے۔ ماجشونیہ وہ باغ ہے جو آج کل (مصنف کے دور میں) مدشونیہ کے نام سے مشہور ہے۔

ابن نجار نے اس کے بعد لکھا ہے کہ میں نے یہ گڑھا اس دور میں دیکھا ہے' میں نے دیکھا کہ لوگ وہاں سے مٹی اٹھالے جاتے ہیں' ان لوگوں نے بتایا کہ وہ تجربہ کر چکے ہیں کہ واقعی یہ شفاء کا باعث ہے' ابن نجار کہتے ہیں کہ میں نے بھی وہاں سے مٹی اٹھالی تھی۔

میں بتاتا ہوں کہ یہ گڑھا آج تک موجود ہے جو شروع سے مشہور چلا آتا ہے' لوگ اس سے مٹی لیتے اور شفاء کی غرض سے گھروں کو لے جاتے ہیں اور پھر میں نے حرم کی جڑی بوٹی لے کر اپنے ساتھی کو علاج کے لئے بھیجی تھی۔

پھر میں نے علامہ زرکشی کو دیکھا کہ انہوں نے فرمایا: جو لوگ حرم کی مٹی کو وہاں سے لے جانے پر منع کرتے ہیں' وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبرِ مبارک کی خاک لے جانے سے نہیں روکتے کیونکہ پہلے اور آج کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی یہ خاک مرگی سے شفاء کا سبب بنتی ہے۔ مجھے جب ان کی بات کا پتہ چلا تو میں نے کہا کہ صعیب کی وہ مٹی کہاں ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں؟ کیونکہ میرے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں۔

علامہ مجد کہتے ہیں' علماء کی ایک جماعت نے بتایا کہ انہوں نے اس مٹی کا تجربہ کیا تو یہ بات صحیح نکلی۔ حضرت مجد مزید بتاتے ہیں کہ خود میں نے سال بھر کے اپنے مریض لڑکے کو گھول کر پلائی تھی جو مسلسل بخار میں مبتلا تھا تو اسی دن اس کا بخار اتر گیا۔

ایک اور مقام پر علامہ مجد نے اس کے ذریعے شفایاب ہونے کا طریقہ لکھا ہے کہ وہ لوگ اسے پانی میں گھول کر اس سے نہاتے ہیں' یونہی صعیب کا ذکر کرتے ہوئے جمال مطری نے کہا ہے کہ: وہاں ایک گڑھا ہے جہاں سے مٹی لی جاتی ہے' اسے پانی میں گھولا جاتا ہے اور بخار سے شفاء کے لئے اس سے نہایا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں' مناسب یہ ہے کہ مٹی کو پانی میں ڈالا کر اس پر اوپر والی دعا پڑھی جائے اور پھر پیا بھی جائے اور اس سے نہایا بھی جائے۔

پھر ابو مسعود بن فرات رازی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کی عیادت کرنے تشریف لائے' وہ مریض تھے' آپ نے پڑھا: الٰہی یہ تکلیف دور کر دے' پھر آپ نے بطحاء سے مٹھی بھر مٹی لی' اسے پانی سے بھرے پیالے میں ڈالا اور پھر حکم فرمایا کہ ان کے جسم پر ڈال دیا گیا۔

صحیحین میں ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو جاتا یا اسے زخم وغیرہ ہوتا تو آپ انگلی سے اسے دم کرتے' یونہی حضرت سفیان اپنی انگشتِ شہادت زمین پر رکھتے اور پھر اسے اُٹھا کر پڑھتے **بسم اللّٰہ تربۃ ارضنا بریق بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربّنا۔**

یونہی ابو داؤد نے بھی روایت کی ہے' ایک روایت میں ہے کہ آپ تھوک مٹی پر ڈالتے اور پھر **تربۃ ارضنا** والی دعا پڑھتے۔

ابنِ زبالہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس کے پاؤں پر زخم تھا' آپ نے ایک بوریا اٹھایا' پھر اپنی انگشتِ شہادت لعاب سے تر کر کے مٹی پر رکھی اور یہ دعا پڑھی اور انگلی اس زخم پر رکھ دی تو ایسا لگا کہ وہاں کوئی زخم تھا ہی نہیں۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ دیئے: **تراب ارضنا شفاء لقرحنا باذن ربّنا۔**

مدینہ پاک کی کھجور میں شفاء

مسلم شریف میں ہے: ''جو شخص مدینے شریف کی سات کھجوریں صبح کے وقت کھا لے' اسے کوئی شے ضرر نہیں پہنچائے گی۔''

صحیحین میں ہے کہ ''جو شخص صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھایا کرے تو اس دن اسے کوئی زہر اور جادو ضرر نہیں دے سکے گا۔''

امام احمد نے یہ حدیث لکھی ہے: ''جو شخص مدینہ کی سات عجوہ کھجوریں کھا لے' اسے اس دن کی شام تک کوئی شے ضرر نہیں دے گی۔'' حضرت فلیح کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا' جو راتِ کے وقت کھا لے گا' اسے صبح تک کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ ابن زبالہ نے یہ الفاظ ذکر کیے۔ ''جو شخص سات عجوہ کھجوریں صبح کو کھائے۔'' (اس کے علاوہ مجھے معلوم نہیں کہ فرمایا: ''عالیہ سے لائی ہوئی) تو پھر اس دن اسے نہ تو زہر نقصان دے گی' نہ ہی جادو۔'' صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے: مدینہ کے بالائی حصے سے آنے والی عجوہ کھجور میں شفاء ہے یا صبح کے کھائی جائیں تو تریاق کا کام دیتی ہیں۔ حضرت احمد نے ایک حدیث لکھی ہے کہ ''یقین کر لو کہ کھمبی آنکھ کی دواء ہے اور عجوہ جنت کا پھل ہے۔ پھر نسائی' ابو داؤد طیالسی اور طبرانی نے یہ حدیث لکھی ہے کہ ''کھمبی (قومِ موسیٰ پر اترنے والا کھانا) مَــنّ ہے اور اس سے نکلنے والا پانی آنکھوں کو شفا دیتا ہے' عجوہ جنت کا پھل ہے' یہ زہر کے لئے شفاء ہے۔''

پھر ابو داؤد میں حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ فرمایا: میں ایک مرض میں گرفتار ہو گیا' رسول اللہ ﷺ میری بیمار پرسی کو تشریف لائے' آپ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا جس سے میرے دل میں ٹھنڈک محسوس ہوئی' آپ نے فرمایا' تمہیں دل کی تکلیف ہے' حارث بن کلدہ کے پاس چلے جاؤ کیونکہ وہ علاج کرتا ہے چنانچہ انہوں نے کہا

کہ مدینہ پاک کی سات عجوہ کھجوریں لے کر انہیں باریک کر لو اور چبا کر کھا جاؤ۔''

ابن اثیر کہتے ہیں' ایک کھجور وَجِیئَہ ہے' یہ وہ کھجور ہے جسے دودھ میں بھگویا جاتا ہے' پھر اسے دبایا جاتا ہے اور وہ (خشک ہونے کے بعد آپس میں مل جاتی ہے۔انہی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں کھجوریں کھانے کا حکم دیا۔

ابن عدی رضی اللہ عنہ کی کامل میں حدیث ہے کہ ''سر درد کے لئے مدینہ منورہ کی سات عجوہ کھجوریں سات دن تک روزانہ کھائیں۔''

خطابی کی غریب الحدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ آپ سر درد اور سر چکرانے کے لئے صبح نہار منہ سات عجوہ کھجوریں کھانے کا فرمایا کرتیں۔

حدیث پاک میں لفظ ''دوام اور دواز'' سے مراد سر کی تکلیف ہے (سر درد یا سر چکرانا) اسی سے تدویم الطّائر کا لفظ بنا ہے' اس پرندے کو کہتے ہیں جو گول چکر میں اُڑتا ہے۔

حضرت خطابی کہتے ہیں کہ عجوہ کا زہر اور جادو سے بچاؤ کرنا' رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت تھی کیونکہ ذاتی طور پر اس میں یہ خاصیت نہیں ہے۔

حضرت نووی کہتے ہیں کہ عجوہ کو خاص کر لینا اور سات عدد دینا ایسے امور ہیں جن کی حکمت رسول اللہ ﷺ ہی جانتے ہیں' ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہیں' ہمیں اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی فضیلت کا اقرار کرنا لازم ہے' اس سلسلے میں جو کچھ ماذری اور قاضی نے کہا ہے' غلط ہے' یہ میں نے اس لئے لکھا ہے کہ کوئی ان کی بات سے دھوکا نہ کھا سکے۔انتہٰی۔

قاضی نے اس بارے میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ زمین یا ہواء کا اثر ہوتا ہے جبکہ اسی سلسلے میں ماذری کا قول ہے کہ شاید یہ خصوصیت حضور ﷺ کے زمانہ سے تھی یا اکثر ایسا ہو جاتا ہے ورنہ غالباً ہمارے دور میں اس سے شفاء ہوتے نہیں دیکھی گئی اور اگر اکثر اوقات ایسا ثابت ہو بھی جائے تو اسے یوں خیال کیا جائے گا کہ انہوں نے عام طور شفاء مراد لیا ہے۔

ابن التین نے تو اسے صرف ایک احتمال ہی کہا ہے اور ایک عجیب بات کہہ دی ہے' وہ کہتے ہیں کہ احتمال یہ ہے' کہ مدینہ میں کھجور کا ایسا درخت ہو جو مدینہ میں آج تک معلوم نہیں ہو سکا اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضور ﷺ کے دَور سے تعلق رکھتی ہو۔انتہٰی۔

لیکن ابن التین کا یہ احتمال رد کیا گیا کیونکہ احادیث کا اس قدر پایا جانا' علماء کا انہیں ذکر کرنا اور لوگوں کا اس بات پر اتفاق کر لینا کہ مدینہ کی عجوہ کھجور اور دیگر کھجوروں کا باعثِ برکت ہونا' حضور ﷺ کے زمانہ سے اس کی خصوصیت ثابت نہیں کرتا اور پھر اصل بھی یہ ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں' عجوہ اس بارے میں مشہور ہے' لوگ ابتداء سے آج تک اسے

استعمال کرتے چلے آتے ہیں' سب لوگ یہ بات اس طرح جانتے ہیں کہ اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔

حضرت داؤدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی درمیانی قسم کی کھجور ہے جیسے کہ ہم دیکھتے ہیں' ان کے علاوہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی بہترین کھجور ہے' ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ ہلکی نہیں۔

ابن اثیر کہتے ہیں کہ عجوہ کھجوروں کی ایک قسم ہے جو صیحانی سے بڑی اور سیاہی مائل ہوتی ہے اور یہ وہ کھجور ہے جسے نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں خود اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔

یہ آخری بات بزاز نے بھی لکھی ہے تو شاید کھجور کے وہ قلم جن کی شرط پر آپ کے آزاد کرنے کی آپ کے اہلِ خانہ سے بات ہوئی تھی اور حضور ﷺ نے اسے فقیر یا کسی اور بالائی جگہ پر گاڑ دیا تھا' وہ عجوہ تھی اور واقعی یہ عجوہ فُقَیر میں آج تک پائی جاتی ہے اور یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کے دست اقدس سے لگانے کی وجہ سے ایک نئی قسم تیار ہوئی ہو اور تمام کھجوریں اسی کی وجہ سے بڑھی ہوں' یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں۔

ابن حبان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو مدینہ کی سب کھجوروں میں سے ''عجوہ'' پسند تھی۔

ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ''تمہاری کھجوروں میں سے بہتر' برنی کھجور ہوتی ہے جو بیماری دور کرتی ہے لیکن کوئی مرض پیدا نہیں کرتی۔''

مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ فرمایا: وہ گھر جس میں کوئی کھجور نہیں ہوتی' بھوکا شمار ہوتا ہے' آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا اور اسی میں حدیث ہے کہ ایسا گھر بھوکا شمار نہیں ہوتا جس میں کھجور موجود ہو۔

طبرانی کی کبیر اور صغیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی نیا پھل پیش کیا جاتا تو اسے آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے: اے اللہ! جیسے تم نے اوّل پھل کھانے کو دیا ہے' آخری بھی نصیب فرما' اس کے بعد آپ اپنے گھر میں موجود کسی بچے کو دے دیتے۔

کبیر کے الفاظ یہ ہیں کہ جب آپ کے پاس ابتدائی پھل لایا جاتا۔ تو اسے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے۔ الحدیث۔

حضرت ترمذی کی نوادر الحکیم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث آئی ہے' فرمایا جب بھی حضور ﷺ کے کوئی نیا پھل آتا تو اسے چومتے اور دائیں بائیں آنکھوں پر تین تین مرتبہ لگاتے اور پھر مذکور دعا فرماتے۔

حضرت بزاز نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' اے عائشہ! جب بھی تازہ پھل آیا کرے تو مجھے مبارک دیا کرو۔ یہ روایت غیلانیات میں ہے' انہی میں یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تازہ کھجوروں کے دنوں میں تازہ کھجور سے افطاری فرمایا کرتے۔ اور اگر تازہ کھجور نہ ملتی تو عام کھجور سے افطاری فرماتے اور انہی سے گذارہ فرماتے' طاق عدد کھاتے یعنی تین' پانچ یا سات عدد کھاتے' اسی میں اور حدیث ہے کہ نہار منہ کھجور کھایا کرو کیونکہ یہ پیٹ کے کیڑے

مار دیتی ہے۔

مدنی کھجوروں کی اقسام

مدنی کھجوروں کی قسمیں بہت سی ہیں' اصل کتاب میں ہم نے ممکن حد تک انہیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے' یہ ایک سوتیس سے کچھ زیادہ قسم کی ہیں' انہی میں سے ایک قسم ریحانی کہلاتی ہے چنانچہ ابراہیم بن محمد بن مؤید حموی نے اپنی کتاب ''فضل اہل البیت'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے' فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا' آپ مدینہ کے ایک باغ میں تھے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ آپ کے مبارک ہاتھ میں تھا' حضرت جابر کہتے ہیں' ہم ایک کھجور کے پاس گئے' وہ کھجور کا درخت زور سے بولا: یہ نبیوں کے سردار محمد ﷺ ہیں اور یہ علی ہیں جو اللہ کے اولیاء کے سردار ہیں جو پاکیزہ اماموں کے باپ ہیں۔ اس کے بعد ہم ایک اور درخت کے پاس گئے تو وہ بھی زور سے بولا یہ اللہ کے رسول محمد ﷺ ہیں اور یہ اللہ کی تلوار' علی ہیں' یہ سن کر حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف دیکھا اور فرمایا' اے علی! کھجور کے اس درخت کا نام صیحانی رکھ دو چنانچہ اس دن سے اس کا نام صیحانی (چلانے والا) پڑ گیا۔ یہ وہ سبب تھا جس کی وجہ سے اس کھجور کی قسم کا نام صیحانی رکھا گیا کیونکہ یہ تمام درخت اسی سے پیدا ہوئے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے اس باغ کا نام صیحانی رکھا ہو' آج کل مدینہ میں ''جفاف'' ایک مقام ہے جو صیحانی کے نام سے معروف ہے۔

فصل نمبر ۷

سرزمین مدینہ کی خصوصیات کا ذکر

یہ خصوصیات حد و حساب سے باہر ہیں' اب میں انہیں ذکر کر رہا ہوں ان میں میں نے مکہ کی کچھ خصوصیات بھی شامل کردی ہیں چنانچہ بتوفیق الٰہی بیان کر رہا ہوں:

خصوصیت نمبر ۱:

پہلی خصوصیت وہ ہے جس کا ذکر میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ حضور ﷺ اسی مبارک مٹی سے پیدا ہوئے تھے' یونہی حضرت ابوبکر و عمر اور اکثر صحابہ کرام اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم بھی اسی مٹی سے پیدا ہوئے اور اسی سرزمین میں دفن ہوئے ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل و میکائیل علیہما السلام کو بھیجا کہ اس زمین سے مٹھی بھر مٹی لے آئیں لیکن زمین نے اس سے انکار کر دیا اور آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا تو اس نے مٹھی بھر لی' ابلیس نے زمین پر گشت کی تھی' اس کا کچھ حصہ دو قدموں کے درمیان تھا اور کچھ وہ حصہ تھا جہاں اس کے قدم پڑے تھے

چنانچہ نفسِ انسانی اس زمین سے بنا تھا جو اس کے قدموں کو لگ چکی تھی' یہی وجہ ہے کہ نفس انسانی شر کا مرکز ہے اور وہ مٹی جہاں ابلیس کے قدم نہیں لگ سکے' وہ انبیاء و اولیاء کی پیدائش کی مٹی بنی۔ یہ بات عوارف میں ہے اور حضور ﷺ سا نگینہ اس مٹی سے بنا جہاں سے حضرت عزرائیل علیہ السلام نے مٹی اٹھائی' وہ مقام اللہ کی نظر میں تھا جسے ابلیس کا قدم نہیں لگا تھا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا کہ:

اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا○ (سورۂ فصلت:۱۱)

"دونوں حاضر ہو' خوشی سے' جاناخوشی سے۔"

تو زمین کے اس حصے نے حکم مانا جہاں کعبہ موجود ہے اور آسمان کے اس کی سیدھ والے حصے نے اطاعت کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ حضور ﷺ کی اصل پیدائش زمین کے عین درمیان یعنی کعبہ سے ہوئی' یہ چیز بتاتی ہے کہ زمین میں سے اس فرمان کا جواب سب سے پہلے آپ جیسے موتی نے دیا تھا اور کعبہ سے زمین کی ابتداء ہوئی چنانچہ حضور ﷺ ہر چیز کی اصل قرار پا گئے۔

عوارف میں اس کے بعد لکھا ہے کہ کسی شخص کی مٹی وہیں سے لی جاتی ہے جہاں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے چنانچہ آپ کی جائے دفن یہاں ہونا چاہئے تھی لیکن کہتے ہیں کہ جب پانی کی موجیں اُٹھ رہی تھیں تو اس نے جھاگ اردگرد پھیلا دی چنانچہ حضور ﷺ کا موتی اس مقام پر آ ٹھہرا جہاں حضور ﷺ کی قبرِ انور ہے چنانچہ آپ مکی بھی ہوئے اور مدنی بھی۔

میں کہتا ہوں کہ ابتداء میں فضیلت مکہ کو حاصل ہوئی اور پھر آپ کے قیام اور مزار کی وجہ سے مدینہ کو فضیلت حاصل ہو گئی۔

فضیلت نمبر۲:

چونکہ زمین مدینہ وہ مقام ہے جس پر اجماع ہے کہ وہ سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے جیسے پہلے تحقیق گذر چکی ہے۔

فضیلت نمبر۳:

یہاں ساری امت سے زیادہ فضیلت والے اور بہت سے وہ صحابہ دفن ہیں جو بہترین دور پا گئے تھے۔

فضیلت نمبر۴:

اس زمین نے انہیں اپنے اندر سمایا ہوا ہے جو ان شہداء سے بھی افضل ہیں جنھوں نے حضور ﷺ کے سامنے ذاتِ الٰہیہ کے لئے جانیں نچھاور کر دیں چنانچہ آپ ان کے گواہ ہوں گے۔

قاضی عیاض نے مدارک میں اور ابن جوزی نے اپنے منسک میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ فضیلتِ مدینہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ مقام ہجرت ہے' سنت کا گھر ہے' اس میں شہداء ہیں اور اس میں وہ لوگ دفن ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر ہیں۔

فضیلت نمبر ۵:

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ساری مخلوق میں سے افضل اور اپنے کے ہاں سب سے زیادہ باوقار (ﷺ) کی رہائش گاہ بنایا اور پھر ان کا آخری ٹھکانہ یہیں بنا۔

فضیلت نمبر ۶:

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی امداد اور ٹھہرانے کے لئے ان لوگوں کا انتخاب کیا جو اس شہر میں رہتے تھے۔

فضیلت نمبر ۷:

سب شہر تلوار چلا کر فتح کیے گئے لیکن یہ شہر قرآن کی برکت سے فتح ہوا جیسے حضرت امام مالک سے روایت ملتی ہے۔

فضیلت نمبر ۸:

اسی شہر کی بدولت سارے اسلامی شہر فتح ہوئے اور مکہ بھی تو اسی شہر کے بل بوتے پر فتح ہوا اور اللہ نے اسے اپنے صحیح دین کا مظہر بنا دیا۔

فضیلت نمبر ۹:

جیسا کہ قاضی عیاض نے علماء کا اس بات پر اتفاق ذکر کیا ہے کہ فتح مکہ سے قبل اسی کی طرف ہجرت واجب قرار دی گئی تھی اور لوگوں پر واجب کر دیا گیا کہ یہاں نبی کریم ﷺ کی مدد کے لئے ٹھہریں اور آپ ان کی غمخواری کر سکیں۔ قاضی بتاتے ہیں کہ جو فتح مکہ سے پہلے ہجرت کر گئے' جمہور علماء انہیں فتح مکہ کے بعد یہاں قیام کرنے سے منع کرتے ہیں' انہیں حج کے کام سرانجام دینے کے بعد صرف تین دن تک یہاں ٹھہرنے کی اجازت تھی۔

خصوصیت نمبر ۱۰:

قیامت کے دن اس امت میں سے فضیلت والے لوگ یہیں سے اٹھیں گے جیسے کہ قاضی عیاض نے حضرت مالک سے روایت کرتے ہوئے مدارک میں لکھا ہے جہاں انہوں نے فضائل مدینہ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات حضرت امام مالک نے اپنی طرف سے نہیں فرمائی تھی۔

خصوصیت نمبر ۱۱:

اسے یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ اس کے نام مؤمنه اور مُسْلِمَة رکھے گئے' حضور ﷺ کی قبر انور کا نام بھی مؤمنہ ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایمان کی صفت اور صلاحیت پیدا فرما دی ہو۔

خصوصیت نمبر ۱۲:

اس زمین کی (مکہ کی) نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً○ (سورۃ النساء:۹)

''کیا اللہ کی زمین (مدینہ) کشادہ نہ تھی۔''

جیسے کہ مدینہ کے ناموں میں گذر چکا حالانکہ زمین کا ذکر کرتے ہوئے اسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ ارض اللہ سے مراد مکہ ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ○ (سورۃ انفال:۲۶)

''اور یاد کرو' جب تم تھوڑے تھے' ملک میں دبے ہوئے۔''

فضیلت نمبر ۱۳:

اللہ تعالیٰ نے اس زمین کی نسبت ان الفاظ کے ذریعے اپنے رسول کی طرف فرمائی:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ○ (سورۃ انفال:۵)

''جس طرح اے محبوب! تمہیں تمہارے ربّ نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا۔''

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔

فضیلت نمبر ۱۴:

اللہ تعالیٰ نے اس شہر کا نام لے کر قسم کا ذکر فرمایا ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ○

''مجھے اس شہر کی قسم۔''

جیسے ناموں کے ذکر میں گذر چکا ہے' یعنی میں آپ کے لئے اس شہر کی قسم کا ذکر کرتا ہوں جسے آپ کی وجہ سے عظمت حاصل ہے۔ یہاں ''لا'' حرف زائد ہے (اس کا کوئی معنیٰ نہیں) صرف تاکید کے لئے آیا ہے چنانچہ حضرت حسن اور اعمش کی قراءت میں لَاُقْسِمُ ہے۔

فضیلت نمبر ۱۵:

اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں ابتداءً اسی شہر کا ذکر کیا ہے چنانچہ:

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ○

"اے میرے ربّ مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا۔"

چنانچہ مدخل صدق سے مراد مدینہ طیبہ ہے اور مخرج (نکلنے کی جگہ) مکہ ہے جیسے کہ گذر چکا حالانکہ جس ترتیب سے یہ واقعہ (ہجرت) ہوا تھا' اس لحاظ سے' پہلے نکلنے کی جگہ کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ اگر یہ سوال ہو کہ اسے مقدم تو اس لئے کیا گیا ہے کہ داخل ہونے کا اہتمام ہو سکے تو ہم کہیں گے کہ اس کے اہتمام ہی میں عظمت موجود ہے۔

فضیلت نمبر ۱۶:

تورات میں اس کے نام مرحومہ وغیرہ آئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اسی مقام کے بارے میں خطاب فرمایا تھا۔

فضیلت نمبر ۱۷:

حضور علیہ السلام نے اسے اپنا ایسا محبوب بنانے کی دعا فرمائی جیسے مکہ سے محبت تھی بلکہ اس کی محبت میں زیادتی کی دعا کی پھر اس کو حَبِیۡبَہ وغیرہ نام رکھے جیسے کہ گذر چکا' علاوہ ازیں آپ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ آپ کو یہیں ٹھہرایا اور اچھی روزی کی دُعا فرمائی۔

فضیلت نمبر ۱۸:

اسے یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ آپ جب مدینہ کی دیواریں دیکھتے تو اپنے چوپائے کو متحرک کرتے اور بوجھ ہلکا کرتے اور جب مکہ سے آتے اور اثایہ پہنچتے تو اپنے دونوں کندھوں سے چادر اتار لیتے اور فرماتے کہ کتنی بہترین خوشبوئیں آ رہی ہیں۔

فضیلت نمبر ۱۹:

آپ اس کے لئے برکت وغیرہ کی دُعا کا اہتمام فرماتے۔

فضیلت نمبر ۲۰:

سب انبیاء سے افضل صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کی عزت افزائی کے الفاظ نکلتے تھے۔

فضیلت نمبر ۲۱:

خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی مسجد کی اپنے ہاتھوں سے بنیاد رکھی اور خود کام کرتے رہے' آپ کے ساتھ اُمت کے بہترین لوگ پہلے مہاجرین اور اوّل انصار شامل رہے۔

فضیلت نمبر ۲۲:

مدینہ ہی کی مسجد کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے بارے میں یہ آیت اُتری:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ

''وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔''

فضیلت نمبر ۲۳:

اسے یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر اور آپ کے منبر کے درمیان جنت کی کیاری موجود ہے' ایک روایت میں یہ ہے: کہ میرے منبر اور حجروں کے درمیان جنت کی کیاری موجود ہے اور آگے یہ بیان آ رہا ہے کہ یہ فرمان (جنت کی کیاری) پوری مسجد نبوی کو شامل ہے جیسے کہ مسجد شریف کی حدود میں یہ معاملہ لوگوں میں مشہور ہے' اسی لئے کچھ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ مسجد وہ ہے جس کے بغیر جنت کا کوئی اور ٹکڑا زمین پر موجود نہیں۔

فضیلت نمبر ۲۴:

اسے یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ کا منبر شریف جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے اور منبر کے پائے جنت میں جانے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہے۔''

فضیلت نمبر ۲۵:

آپ کی مسجد میں جیسا کہ آگے آ رہا ہے' عمل کرنے کا اجر کئی گنا تک ملتا ہے۔

فضیلت نمبر ۲۶:

اسی کی مسجد کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ ''جو شخص میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھ لے گا' اسے جہنم' عذابِ الٰہی اور منافق ہونے سے محفوظ کر دیا جائے گا۔ طبرانی نے اسے اوسط میں لکھا ہے۔

فضیلت نمبر ۲۷:

آگے آ رہا ہے کہ جو شخص پاکیزہ ہو کر اس مسجد میں نماز کے علاوہ کوئی دوسرا ارادہ لے کر نہیں جاتا تو اس کے

لئے حج کا ثواب لکھا جائے گا اور نکلنے والا جب گھر سے نکل کر اس کی طرف آئے گا تو اس کے ایک قدم رکھنے پر ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک قدم کی بناء پر ایک گناہ مٹا دیا جائے گا۔

فضیلت نمبر ۲۸:

اسی کی مسجد قباء میں آنا ایک عمرے کے برابر ہے جیسے آگے آ رہا ہے۔

فضیلت نمبر ۲۹:

اسی کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ: مدینہ میں ماہِ رمضان کے روزے رکھنا یوں ہے جیسے کسی اور شہر میں ایک ہزار مہینے کے روزے رکھے پھر مدینہ میں جمعہ کی ایک نماز دوسری جگہوں پر ہزار نمازوں سے افضل ہے غرض نیکی کا ہر کام یہاں ایسی ہی حیثیت رکھتا ہے جیسے مکہ کے بارے میں کہا گیا ہے اور علامہ ابوسلیمان داؤد شاذلی رحمہ اللہ نے الانتصار میں یہی صراحتہً کہا ہے پھر میں نے ''اِحیاء'' میں دیکھا' فرمایا: اعمال کا ثواب مدینہ میں دوگنا ہو جاتا ہے جیسے آپ کی اس حدیث میں ہے: صلوٰۃ فی مسجدی۔ پھر اسی نے فرمایا کہ یونہی ہر عمل کا ثواب ہزار گنا ہوتا ہے۔

ابن رفعہ نے ''مطلب'' میں کہا ہے: بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں روزہ رکھنا نماز سے افضل ہوتا ہے اور مکہ میں نماز پڑھنا روزہ سے افضل ہوتا ہے کیونکہ اس میں نماز روزہ کے نزول کا لحاظ رکھا گیا ہے (کیونکہ نماز مکہ میں فرض ہوئی اور روزہ مدینہ میں) انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں کہ اس سبب کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ عبادت جو مدینہ میں شروع ہوئی تو یہ مکہ سے افضلیت والی ہوگی۔ تم چاہو تو اسے بھی خصوصیتِ مدینہ شمار کر سکتے ہو۔

فضیلت نمبر ۳۰:

اس کی خصوصیت میں یہ حدیث ہے کہ جو شخص میری اس میں سے اذان کی آواز سن کر بلا ضرورت باہر نکل جاتا ہے اور واپس نہیں آتا' وہ منافق ہوتا ہے۔

فضیلت نمبر ۳۱:

مسجد میں مدینہ تعلیم اور تعلّم کی تاکید کی گئی ہے جیسے آگے آ رہا ہے۔

فضیلت نمبر ۳۲:

اسے خصوصیت حاصل ہے کہ اس کا بہت زیادہ ادب کیا جائے اور اس میں آواز پست رکھی جائے کیونکہ حاضری دینے والا شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہوتا ہے جو سارے رسولوں کے سردار ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہاں تھوم وغیرہ لے کر نہ جاؤ کیونکہ یہ مسجد فرشتے کی وحی کا مقام ہے۔

فضیلت نمبر ۳۳:

اس کے محراب میں تردد کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بالکل صحیح سمت میں ہے چنانچہ اس کے دائیں بائیں ہونے کا وہم نہ کرے، ہاں مسلمانوں کے دوسرے محرابوں میں ایسا وہم ہوسکتا ہے۔ مقصد آپ کا مصلّٰی ہے۔ حضرت رافعی کہتے ہیں کہ وہ تمام مسجدیں اسی حکم میں داخل ہیں جن میں آپ نے نماز پڑھی تھی، کیونکہ ان کے محراب اسی وقت درست ہو گئے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے بغیر محراب کا رُخ معلوم کرنا مشکل ہے۔

فضیلت نمبر ۳۴:

خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کے منبر اور مسجد مصلّٰی کے درمیان جنت کی ایک کیاری ہے، یہ جگہ اس شہر میں سے بڑی جانب ہے۔

فضیلت نمبر ۳۵:

یہ بھی خصوصیت ہے کہ اسی میں اُحد کے بارے حدیث ملتی ہے: اُحدؔ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر موجود ہے پھر یہ حدیث بھی اس کی خصوصیت بنتی ہے کہ: اُحد ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

فضیلت نمبر ۳۶:

یہ حدیث بھی خصوصیت بتاتی ہے کہ بطحان (وادی) جنت کے ایک دروازے پر ہے۔

فضیلت نمبر ۳۷:

وادئ عقیق کو وادئ مبارک کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ حضورﷺ کو اس سے محبت تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے ہم محبت کرتے ہیں اور یہ ہم سے محبت رکھتی ہے۔

فضیلت نمبر ۳۸:

اسی شہر میں ٹھہرنے کے لئے آپ نے اُمت کو اُبھارا۔

فضیلت نمبر ۳۹:

یہ زور دیا کہ یہاں اپنی جائیداد رکھو۔

فضیلت نمبر ۴۰:

یہاں مرنے کی ترغیب دی پھر آپ نے یہاں ٹھہرنے پر شفاعت، شہادت یا دونوں کا وعدہ فرمایا۔

فضیلت نمبر ۴۱:

حضورﷺ نے یہاں وصال کی حرص رکھی۔

فضیلت نمبر ۴۲:

اہلِ مدینہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی شفاعت سب سے پہلے ہو گی علاوہ ازیں انہیں خصوصی شفاعت اور عزت ملے گی۔

فضیلت نمبر ۴۳:

یہاں فوت ہونے والوں کو امن و امان سے اٹھایا جائے گا جیسے آگے آ رہا ہے۔

فضیلت نمبر ۴۴:

اس میں موجود بقیع سے ستر ہزار لوگ چاند کی طرح چمکتے اٹھیں گے اور جنت میں بے حساب و کتاب داخل ہوں گے اور اتنے ہی لوگ بنو سلمہ کے قبرستان سے اُٹھائے جائیں گے' بقیع کے قبرستان پر فرشتے مقرر' ہیں' یہ جب بھر جاتا ہے' وہ اسے کناروں سے پکڑ کر جنت میں ڈال دیتے ہیں۔

فضیلت نمبر ۴۵:

پہلے اہلِ مدینہ کو سب لوگوں سے پہلے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

فضیلت نمبر ۴۶:

اسے یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس کی تکالیف اور مشقتوں پر صبر کرنے والوں کی یا تو آپ گواہی دیں گے یا ان کی شفاعت فرمائیں گے۔

فضیلت نمبر ۴۷:

آپ کی قبرِ انور کی زیارت کرنے والے کے لئے آپ کی شفاعت واجب ہو گی۔

فضیلت نمبر ۴۸:

مدینہ منورہ میں قبرِ انور کے قریب دُعا قبول ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسطوانہ جات پر دُعا قبول ہوتی ہے' پھر منبر کے قریب' بقیع میں دار عقیل کے گوشے پر' بدھ کے دن نمازِ ظہر کے بعد مسجد فتح میں پھر "مسجدِ الاجابہ" میں' "مسجد سـقیـا" میں اور آتے وقت مصلّٰے (جائے نماز) میں' عید کے دن "برکت السوق" میں' احجارِ زیت اور سوق میں کیونکہ قبولیت دُعا کے مقامات میں آگے آ رہا ہے کہ حضورﷺ کی طرف سے اس بارے میں روایات ملتی ہیں۔

فضیلت نمبر ۴۹:

یہ ایسا شہر ہے جو یہاں سے میل کو دور کر دیتا ہے۔

فضیلت نمبر ۵۰:

یہ ایسا شہر ہے کہ گناہ ایسے دور کرتا ہے جیسے آگ چاندی کی میل اُتار دیتی ہے۔

فضیلت نمبر ۵۱:

جو لوگ اہلِ مدینہ منورہ پر ظلم کرتے یا انہیں ڈراتے ہیں' ان کے لئے شدید ڈانٹ ہے۔

فضیلت نمبر ۵۲:

جو مدینہ اور اہلِ مدینہ سے برا ارادہ رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے یوں ڈھال دیتا ہے جیسے پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ اسے دوزخ میں پگھلا دے گا۔

ارادۂ بد کرنے والے کو ڈانٹ کی ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اس معاملے میں برابر ہیں' اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ۝ (سورۂ حج:۲۵)

''اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے۔''

اور مساوات کے لئے حضور ﷺ کی یہ حدیث بھی سامنے رکھیں كَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ (جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی عزت بنائی) تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان: کوئی ایسا شہر نہیں جس میں کام کرنے سے پہلے صرف ارادہ کرنے پر پکڑ ہو' صرف مکہ ایسا شہر ہے اور پھر آیت پڑھی تو اس قول میں اشکال پیدا ہو گا اور یہ بات بھی ہے کہ جو پختہ کئے ارادہ بغیر ارادہ ہوتا ہے' اس پر پکڑ بالکل نہیں ہوتی' اس پر اتفاق ہے اور وہ جو ثابت ہے جس کے ساتھ پختہ ارادہ شامل ہے تو بندہ کو اس پر پکڑ ہوتی ہے مکہ اور اس کے علاوہ' صرف حرم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں جرأت سے ارادہ کرنے والے کے لئے عظیم عذاب ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت احمد نے آیت کا مفہوم بتانے کے لئے یہ حدیث لکھی ہے: ''اگر کوئی آدمی اس میں بے دینی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ اسے دردناک عذاب چکھاتا ہے۔''

فضیلت نمبر ۵۳:

اس شخص کے لئے شدید ڈانٹ ہے جو یہاں کوئی برا کام شروع کرے یا ایسے شخص کو ٹھکانہ دے اور کسی بھی گناہ کے بارے میں وضاحت گذر چکی ہے اور یہ آچکا ہے کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا' اس بارے میں شدید ڈانٹ ہے کیونکہ یہ سب رسولوں میں سے اشرف و اعلیٰ کے ہاں ہوا ہوتا ہے اور بادشاہ کی حکومت میں بے ادبی ہے' اور ایسی نہیں کہ دوسرے

حکمرانوں کی بادشاہی میں ہو۔

ایک پہلے بزرگ نے کہا کہ گناہ کرنے سے بچو' اگر کرنا ہی ہے اور ضروری ہے تو گناہ کے مقامات پر کرے نہ کہ اجر ملنے کے مقامات پر تاکہ کہیں تم پر بوجھ نہ بڑھ جائے یا جلد کوئی سزا نہ وارد ہو جائے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ یہ قول وہ ہے جو حرم میں گناہ کا دوہرا بوجھ بتاتا ہے حالانکہ ترجیح اس بات کو ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (سورۃ انعام:۱۶۰)

جواب: ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اس جھگڑے کا حل یہ ہے کہ جو شخص دوگنے بوجھ کی بات کرتا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقدار بوجھ کے دوگنا ہونے کا ارادہ لئے ہوئے ہے یعنی اس کا بڑا ہونا دیکھتا ہے گنتی نہیں دیکھتا کیونکہ گناہ کی جزاء ایک گناہ ہی ہوتی ہے لیکن ان کی سزا مختلف لوگوں اور مختلف مقامات کی بناء پر ایک جیسی نہیں ہوتی جیسے ہر ایک کا ڈانٹ میں اندازہ ہر ایک کے حال کے مطابق ہوتا ہے چنانچہ برائی کی جزاء اس جیسی ہی ہوتی ہے اور ایک جیسا ہونے میں رعایت اس چیز کی ہوتی ہے جو اس کے ساتھ ملی ہو یعنی وہ چیز جو برائی کا ارتکاب کرنے والے کی جرأت پر دلالت کرے اور ایک ہی لکھی جائے۔ واللہ اعلم۔

فضیلت نمبر ۵۴:

ایسے لوگوں کے لئے ڈانٹ ہے جو اس میں رہنے والوں کی عزت نہیں کرتا حالانکہ ان کی عزت کرنا اور ان کی حفاظت اُمت پر لازم ہے' حضور علیہ السلام تو ان لوگوں کی شفاعت کریں گے یا ان کی گواہی دیں گے جو اہلِ مدینہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

فضیلت نمبر ۵۵:

ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث موجود ہے "جو اہلِ مدینہ کو ڈرائے تو گویا اس نے میرے دل کو خوف دلانے کی کوشش کی۔"

فضیلت نمبر ۵۶:

یہ حدیث بھی ملتی ہے کہ "جو مدینہ منورہ سے تین دن مسلسل غائب ہو جائے' جب واپس آئے گا تو اس کا دل ظلم کی طرف مائل ہوگا۔" نیز یہ حدیث بھی ملتی ہے کہ "جو شخص اس سے منہ موڑ کر نکل جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں یہاں اس سے کسی بہتر کو لے آئے گا۔"

محبّ طبری کہتے ہیں' اس میں بتایا جا رہا ہے کہ مدینہ سے نکلنا بری بات ہے اور کچھ اس طرف ہیں کہ یہ بات حضور علیہ السلام کی مبارک زندگی سے مخصوص تھی' رہا آپ کی وفات کے بعد تو بہت سے عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہاں سے

چلے گئے لیکن دوسرے علماء کہتے ہیں کہ بات ہمیشہ کے لئے یونہی ہے۔

طبری کہتے ہیں کہ یہ مفہوم لفظوں کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے ہاں یہ بات مدینہ کو وطن بنا لینے سے مخصوص ہے ایسا شخص مراد نہیں جو ایک مدت تک یہاں ٹھہرنے کی نیت کرے اور پھر اپنے وطن کو چلا جائے۔

فضیلت نمبر ۵۷:

اسے اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا ہوا ہے کہ وباء کو یہاں سے نکال دیا تھا اور بخار کو کسی اور جگہ بھیج دیا تھا۔

فضیلت نمبر ۵۸:

اس کی مٹی سے شفاء حاصل ہوتی ہے اور دوسری خصوصیت اس کے پھلوں کے بارے میں بیان ہو چکی۔

فضیلت نمبر ۵۹:

اسے طاعون کے حملے سے بچالیا گیا ہے۔

فضیلت نمبر ۶۰:

یہ دجال سے محفوظ ہے اور یہیں سے دجال کی طرف جانے کے لئے ایک شخص نکلے گا جو سب لوگوں سے بہتر ہو گا' وہ دجال سے کہے گا' میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی دجال ہے اور یہ بھی خصوصیت ہے کہ آخر میں دجال اس پر غالب نہ ہو سکے گا' اسی وجہ سے مدینہ' مکہ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ سید المرسلین ﷺ مدینہ منورہ میں موجود ہیں جو بندوں پر اللہ کی واضح دلیل ہیں۔

فضیلت نمبر ۶۱:

حدیث طبرانی میں یہ خصوصیت ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مدینہ کی زیارت کرے۔''

فضیلت نمبر ۶۲:

مدینہ ہی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں حضور ﷺ سلام کہنے والے کا سلام خود سنتے ہیں اور اپنی قبر شریف کے قریب درود پڑھنے والے کا درود بھی سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

فضیلت نمبر ۶۳:

اس شہرِ مقدس کو ایمان اور حیاء کا مرکز ہونے کی خصوصیت حاصل ہے۔

فضیلت نمبر ۶۴:

آخر کار ایمان یہاں کھینچ آئے گا۔(کہیں اور نہیں رہے گا)۔

فضیلت نمبر ۶۵:

فرشتے نہایت مضبوطی سے اسے سنبھالے ہوئے ہیں اور اس پر پہرہ دے رہے ہیں۔

فضیلت نمبر ۶۶:

اس شہرانور کو یہ خصوصیت ملی کہ اس اُمت کی خاطر یہاں سب سے پہلے عام مسلمانوں کے لئے مسجد بنائی گئی۔

فضیلت نمبر ۶۷:

یہاں کی مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ سب انبیاء کی مسجدوں میں سے آخری نبی کی یہ آخری مسجد ہے' یہی وہ مسجد ہے جس کی طرف نیت کرکے سواری لے جانے کی اجازت ملی اور پھر سب سے زیادہ قابلِ زیارت یہی ہے جیسے آگے آرہا ہے۔

فضیلت نمبر ۶۸:

یہیں بہت سی مسجدیں اور قابلِ زیارت چیزیں نیز تاریخی نشانات موجود ہیں بلکہ ان کا باعثِ برکت ہونا ہی اس بات کا پتہ دے رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مالک رحمہ اللہ سے کہا گیا: آپ مکہ اور مدینہ میں سے کونسی جگہ قیام کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا' یہیں (مدینہ میں)' اور ایسا کیوں نہ ہو' یہاں ایسا کوئی راستہ نہیں جس پر حضور ﷺ گذرے نہ ہوں' جبریلِ امین علیہ السلام لحہ سے بھی پہلے اللہ کے ہاں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ہیں۔

فضیلت نمبر ۶۹:

یہاں سے بہتر خوشبو دنیا میں کہیں اور نہیں پائی جاتی جیسے بتایا جا چکا۔

فضیلت نمبر ۷۰:

یہیں کی زندگی سب سے بہترین زندگی ہے' جیسے پہلے گذرا۔

فضیلت نمبر ۷۱:

جو بھی شخص حضور ﷺ کے مزارِ انور کو نقص نکالنے کی نظر سے دیکھتا ہے' وہ قابلِ سزا قرار پاتا ہے چنانچہ حضرت امام مالک نے مزارِ انور کو ناقص کہنے والے کے بارے میں فتویٰ دیا تھا کہ اسے تین درّے لگائے جائیں اور قید کر دیا

جائے۔آپ یہاں کا نہایت احترام کرتے' فرماتے' ایسے شخص کی گردن اُڑانی چاہئے کیونکہ یہ اس قبرِ مبارک کو کمتر جانتا ہے جہاں رسول اکرم ﷺ دفن ہیں۔

فضیلت نمبر ۷۲:

جو آپ کے منبر شریف کے قریب غلط قسم کھائے اسے شدید طور پر ڈانٹا گیا ہے۔

فضیلت نمبر ۷۳:

یہاں بہتر یہ ہے کہ ایک راستے سے مسجد میں آؤ اور دوسرے راستے سے باہر جاؤ جیسے مسجدِ معرّس میں بیان ہو گا۔

فضیلت نمبر ۷۴:

بہتر یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرو۔

فضیلت نمبر ۷۵:

بہتر یہ ہے کہ مدینہ میں دعائیں کرتا رہے اور اللہ سے یہاں کی موت مانگتا رہے۔

فضیلت نمبر ۷۶:

یہ شہر مبارک ہمیشہ کے لئے دار الاسلام بن چکا ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے: شیطان اس بات سے نہایت مایوس ہو چکے ہیں کہ یہاں ان کی عبادت ہو سکے گی۔

فضیلت نمبر ۷۷:

سب اسلامی شہروں میں سے آخر میں یہاں کی حالت تبدیل ہو گی جیسے ترمذی میں ہے۔ابن حبان کہتے ہیں: اسلام میں جس شہر کے اندر سب سے آخر میں بے چینی پیدا ہو گی' وہ مدینہ ہے۔

فضیلت نمبر ۷۸:

اس شہر کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ سب سے طویل سفر پر میقات اسی شہر والوں کا ہے کہ انہیں (لمبا سفر کرنے پر) زیادہ اجر مل سکے۔

فضیلت نمبر ۷۹:

پہلے کچھ علماء حضرات یہ کہتے تھے کہ مکہ سے پہلے مدینہ کا سفر شروع کرو۔یہ مسئلہ نہایت اہم ہے' واضح طور پر اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں بیان کیا ہے چنانچہ انہوں نے علقمہ اسود اور عمرو بن میمون کے بارے میں بتایا

کہ وہ اپنا سفر مدینہ سے شروع کیا کرتے تھے' یونہی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ ہی سے ابتداء کیا کرتے تھے۔

امام احمد کے بیٹے نے آپ ہی روایت کرتے ہوئے "مناسکِ کبیر" میں لکھا ہے کہ مکہ سے پہلے مدینہ کی طرف سفر کرنے والے کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟ چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن یزید' عطاء اور حضرت مجاہد رحمہم اللہ کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے فرمایا تھا:

"جب بھی تمہارا سفر کا ارادہ ہو تو مدینہ کی بجائے مکہ کی طرف کرو اور جب حج کے سب کام پورے کرلو تو ارادہ بننے پر مدینہ جا سکتے ہو۔"

حضرت ابراہیم نخعی اور مجاہد رحمہما اللہ سے ہے کہ: "جب تم حج وعمرہ کے لئے ارادہ کرلو تو ہر شے کو اس کے بعد کرو۔" اس کے بعد بتایا کہ بہت سارے صحابہ کرام جب حج پر جانے کا ارادہ کرتے تو ابتداء مدینہ انور سے کیا کرتے' ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم وہیں سے احرام باندھنا چاہتے ہیں جہاں سے حضورﷺ نے باندھا تھا۔ میرے نزدیک اس بات کو اوّلیت حاصل ہے کیونکہ مدینہ کا میقات بہرحال افضل شمار ہوتا ہے اور یہ عظمت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب پہلے مدینہ طیبہ پہنچے' مزید برآں اس میں روضۂ انور اور دیگر مقامات کی زیارت پہلے حاصل ہو جائے گی اور شائد یہی وہ بات ہے جس کی بناء پر تابعین حضرات پہلے مدینہ کی طرف سفر کرتے رہے جیسے علامہ سبکی نے فرمایا۔

علامہ زرکشی نے علامہ عبدی مالکی کے بارے میں بتایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے: "نبی کریم علیہ السلام کی قبر انور کی طرف زیارت کے لئے جانا' کعبہ شریف اور بیت المقدس کی طرف سفر کرنے سے افضل ہے۔" انتہٰی۔

علماء کا اختلاف (افضل ہونے میں) صرف اس صورت میں ہے جب مدینہ منورہ راستے میں نہ ہو کیونکہ جو حضرات مکہ کا سفر پہلے کرنا چاہتے ہیں' ان کا مقصد فرض ادا کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت موفق بن قدامہ بتاتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا تھا: "جس نے پہلے حج نہیں کیا (شام کے راستے کے علاوہ) تو وہ مدینہ کی طرف نہ جائے کیونکہ میرے سامنے یہ بات رہتی ہے کہ کہیں اسے کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے لہٰذا اسے مختصر راستے سے مکہ کو جانا چاہئے' کسی اور طرف مصروف نہ ہو۔"

امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرہ میں کسی اور کام کی طرف توجہ کر سکتا ہے کیونکہ جب بھی اسے وقت ملا' عمرہ کر سکتا ہے تاہم حج کا تو ایک مقرر وقت ہے اور جب یہ شخص حج سے فارغ ہوگا تو اس کے پاس مدینہ میں حاضری کے لئے کھلا وقت ہوگا' جب چاہے' حاضری دے لے۔

میں کہتا ہوں کہ (مکہ کو پہلے جانا چاہئے) وہ تو فرض ادا کرنے کا خواہش مند ہے' اسی بناء پر امام سبکی نے اپنی فصول میں بتایا کہ صالح اور ابو طالب یہ بات نقل کرتے ہیں کہ: "جب کوئی شخص فرض حج کرنے جائے تو مدینہ کی طرف نہ جائے کیونکہ اگر اسے موت آ جاتی ہے تو راہِ حج میں موت مل جائے گی' ہاں اگر نفلی حج پر جا رہا ہے تو مدینہ سے ابتداء کر

سکتا ہے۔" انتہٰی علاوہ ازیں حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جو اس مسئلہ میں واضح طور پر فرماتے ہیں کہ "بہتر یہ ہے کہ پہلے مکہ کی طرف سفر کرے (یعنی فریضۂ حج کے لئے)۔"

فضیلت نمبر ۸۰:

اہلِ مدینہ کو رمضان المبارک میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ یہاں ۳۶ رکعتیں (عشاء کی) ادا کرتے ہیں جیسے کہ شافعی حضرات کے نزدیک مشہور ہے چنانچہ امام رافعی اور نووی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اہلِ مدینہ کو میں نے دیکھا کہ انتالیس رکعت پڑھا کرتے ہیں جن میں سے تین وتر ہوتے ہیں۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ یہ بات اہلِ مدینہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں ہے کیونکہ انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضور ﷺ کی جائے ہجرت اور مزار پاک کے قریب رہتے ہیں۔

علامہ رافعی فرماتے ہیں' اہل مدینہ کے اس کام کا سبب یہ ہے کہ بیس رکعتوں میں پانچ مرتبہ ترویحہ (آرام) ہوتا ہے' ادھر اہلِ مکہ ہر دو ترویحہ کے درمیان طواف کے سات چکر لگا کر اکیلے اکیلے طواف کے دو دو نفل ادا کرتے تھے اور وہ فرض وتراویح کے درمیان طواف نہیں کرتے تھے' نہ ہی تراویح اور وتروں کے درمیان ایسا کرتے چنانچہ اہلِ مدینہ نے ارادہ کر لیا کہ فضیلت میں اہلِ مکہ کے برابر ہونا چاہئے چنانچہ انہوں نے ہر طواف کی جگہ دو رکعت نفل کا ترویحہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ چار مرتبہ ترویحہ سے سولہ رکعات مزید پڑھتے (یعنی ہر دو تراویح کے ساتھ دو نفل پڑھتے اور چار تراویح کے بعد اکٹھے چار نفل پڑھ لیتے) انتہٰی۔ امام شافعی کا یہ سبب علامہ رویانی نے بحر میں نقل کیا ہے۔

حضرت قاضی ابو الطیب کہتے ہیں' امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل مدینہ کے علاوہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اہلِ مکہ سے آگے بڑھنے اور ان سے مقابلہ کی کوشش کریں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سارے اسلامی شہروں پر فضیلت دے رکھی ہے۔ انتہٰی۔

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس بہتر کام میں حسد موجود ہے جسے غبطہ (رشک) کہتے ہیں جیسے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے کچھ پاس نہ ہونے پر مہاجرین نے انصار مدینہ پر حسد (غبطہ) کرتے ہوئے کہا تھا کہ "بہت مالدار لوگ زیادہ اجر لے گئے ہیں۔" چنانچہ اہلِ مدینہ نے نفلوں کی یہ تعداد اجتہاد کر کے بڑھا دی تھی کہ اہلِ مکہ سے مل سکیں حالانکہ یہ دونوں شہر فضیلت میں برابر کے شریک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فضیلت کے بارے میں ان دونوں کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے اور علماء نے اہلِ مدینہ کے لئے بھی ایسی چیزیں مقرر کر دی ہیں جن کا ثواب اہلِ مکہ کے حج وعمرہ کے برابر مل سکے اور یوں اہل مدینہ کو جائے ہجرت ومزار شریف کی بناء پر امتیازی حیثیت مل سکے۔ چنانچہ یہاں مقیم ہونے کی بناء پر انہوں نے ان کے لئے ایسے طریقے نکالے کہ انہیں یہ فضیلت بڑھ چڑھ کر مل سکے اور اگر یہ کام ان کے لئے

شروع نہ کر دئے جاتے تو شاید وہ زیادہ نیکیوں کی تلاش میں مکہ کی طرف منتقل ہو جاتے باوجودیکہ مدینہ میں ٹھہرنا مطلوب تھا اور چونکہ دوسرے لوگوں کو یہ فضیلت حاصل نہیں تو وہ اہلِ مکہ کی برابری کیسے کر سکتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے یہ چیزیں (زیادہ نفل وغیرہ) شریعت نہیں بن سکیں' پھر امامِ مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اہلِ مدینہ کا کسی بات پر اجماع دلیل ہوتا ہے چنانچہ مدینہ میں یہ تعداد اب تک یونہی چلی آ رہی ہے البتہ یہ بات ہے کہ اہلِ مدینہ عشاء کے بعد بیس رکعت پڑھتے آ رہے ہیں اور پھر رات کے آخری حصے میں دوبارہ آتے ہیں اور پھر سولہ رکعت پڑھتے ہیں البتہ یوں کرنے سے انہیں وتر کے بارے دشواری پیش آتی تھی جسے میں نے کتاب ''مصابیح القیام فی شہر الصیام'' میں بتا دیا ہے' میں نے ان لوگوں کو ایسا طریقہ بتایا تھا جس کی بناء پر اس وتر کے مسئلہ کا ازالہ ہوتا تھا چنانچہ انہوں نے کچھ عرصہ تک ایسے کیا بھی تھا پھر نفسانی خواہشات کچھ لوگوں کے دل میں سما گئیں تو معاملہ پھر ویسا ہی ہو گیا۔

فضیلت نمبر ۸۱:

یہاں مکہ کے مقابلہ میں برکت زیادہ ہوتی ہے' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مکہ کے مقابلہ میں یہاں چھ گنا زیادہ برکت حاصل ہوتی ہے پھر احادیث میں واضح طور پر ملتا ہے کہ ''یہاں مکہ کی برکت کے مقابلہ میں دو گنا زیادہ برکت ہوتی ہے۔'' اور کچھ احادیث میں ہے کہ مکہ کے مقابلہ میں مدینہ کو اتنی ہی برکت ملتی ہے لیکن ہر برکت کے ساتھ دو برکتیں مزید ملتی ہیں۔

فضیلت نمبر ۸۲:

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اہلِ مدینہ کے اجماع کے مقابلہ میں خبرِ واحد آ جاتی ہے تو اس اجماع کو اولیت حاصل ہوتی ہے' اسی وجہ سے انہوں نے خیارِ مجلس کی حدیث روایت کرتے ہوئے کہا کہ اس کی حد ہمیں معلوم نہیں اور نہ ہی ایسا کوئی عمل سامنے ہے کیونکہ اہلِ مدینہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ وحی اترنے کی جگہ پر رہتے ہیں نیز ناسخ و منسوخ احکام جانتے ہیں' ایسی بناء پر اہلِ مدینہ کی مخالفت کرنا یہ بتاتا ہے کہ انہیں نسخ کی بناء پر یا دلیل راجح پر عمل ترک کر دینا چاہئے' البتہ محققین علماء کا قول یہ ہے کسی زمین کا اس مسئلہ میں دخل نہیں ہوتا' ان کے پاس حضرت امام مالک کے ہمعصر ابن ابی ذئب بطور دلیل موجود ہیں جنہوں نے اس حدیث کی مخالفت کی تھی اور خوب کی تھی کیونکہ عصمت (معصوم ہونا) صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب تمام اُمت کا اجماع ہو' رہا امام مالک کا کلام تو انہوں نے یہ خصوصیت اہلِ مدینہ کے اس دور کے عمل کرنے والے لوگوں کے بارے میں بتائی تھی۔

فضیلت نمبر ۸۳:

نسائی' بزاز اور حاکم کی حدیث ہے' الفاظ حاکم کے ہیں: ''عنقریب لوگ تلاش میں نکلیں گے لیکن انہیں عالمِ مدینہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہ مل سکے گا۔'' ابن عیینہ رحمہ اللہ کہتے تھے کہ ہمارے خیال میں یہ عالم حضرت مالک بن انس

رحمہ اللہ تھے۔

علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ جو کچھ ابن عیینہ نے سفیان سے نقل کیا ہے' یہ محلِ نظر ہے کیونکہ صحیح ابن حبان میں ہے کہ حضرت اسحٰق بن موسیٰ کہتے تھے: مجھے ابن جریج کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے خیال میں تو یہ عالم حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ ہیں' چنانچہ میں نے سفیان بن عیینہ کے پاس اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا' عالم وہ ہیں جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں لیکن ہم ایک عمری شخص (اولادِ عمر) کے علاوہ اللہ سے زیادہ ڈرنے والا کسی کو نہیں جانتے۔

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ شرح المصابیح میں بتاتے ہیں کہ یہ شخص حضرت عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم تھے' یہ نہایت نیک لوگوں میں سے تھے اور مختلف شہروں میں پھرتے پھراتے لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ہمیں معلوم ہوا کہ وہ جنگل میں رہنے والے لوگوں کی خبر گیری کرتے اور اپنی وعظ و نصیحت کا فریضہ ادا کرنے کے لئے جنگل کو نکل جاتے۔

حضرت امام ترمذی نے ایک حدیث بتائی جس پر ابن حزم نے بحث کی اور کہا کہ یہ حدیث امام مالک کو بڑا عالم متعین نہیں کرتی کیونکہ ان کے دور میں ایسے حضرات موجود تھے جن میں سے کسی ایک پر بھی امام مالک فضیلت نہیں رکھتے تھے بلکہ خود مدینہ میں بھی ان سے بڑھ کر شخصیت حضرت سعید بن مسیلب رضی اللہ عنہ موجود تھے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث سے بہتر درجہ کی ہے پھر ابن عیینہ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ اگر یہ پوچھا جائے کہ کون سب سے بڑا عالم ہے؟ تو لوگ کہیں گے کہ سفیان ثوری۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پھر اس وقت سے تعلق رکھتی ہے جب قیامت کا قرب ہوگا' ایمان مدینہ کی طرف سمٹ جائے گا چنانچہ مکہ و مدینہ کے علاوہ دجال ہر مقام پر غالب آ جائے گا اور پھر آج تک اس طرح کی صورت پیدا نہیں ہوئی کیونکہ فقہ مدینہ پاک سے بالکل الگ ہو چکی اور دنیا میں ہر طرف پھیل گئی۔ انتہٰی۔

فضیلت نمبر ۸۴:

یہاں سے حرم کے پتھر اور خاک کسی اور جگہ لے جانا حرام ہے۔

فضیلت نمبر ۸۵:

اگر کوئی شخص مسجد نبوی کو خوشبو لگانے کی منت مانتا ہے اور یونہی مسجدِ اقصیٰ کی تو اس میں امام الحرمین نے تردد کا اظہار کیا ہے کیونکہ اگر ہم تعظیم پیش نظر رکھتے ہیں تو پھر ان دونوں مسجدوں کو کعبہ سے ملائیں گے اور اگر کعبہ کی امتیازی حیثیت کو دیکھتے ہیں تو انہیں کر سکتے' پھر علامہ غزالی نے جو کلام باب النذر کے آخر میں کیا ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ خصوصیت دونوں مسجدوں کو حاصل ہو' ان دو کے علاوہ کسی اور میں نہ پائی جائے لیکن امام الحرمین نے اسے سب میں جاری رکھا ہے اور جہاں یہ صورت حال ملاحظہ میں آئے تو لائق و مناسب یہ ہے کہ یہ اس صورت پر موقوف نہ ہو جب وہ

قبر انور کو خوشبو لگانے کی منت مانے۔

فضیلت نمبر ۸۶:

اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی منت مانے تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اسے پورا کرے اور آپ کے علاوہ کسی اور کی قبر کی نذر مانے تو اس میں دو صورتیں ہیں۔

فضیلت نمبر ۸۷:

آپ کی مسجد شریف' مسجد اقصیٰ کے قائم مقام ہے جیسے وہ مسجد حرام کے ہم مرتبہ ہے' یہ اس صورت میں جب وہ نذر مانے کہ نماز یا اعتکاف مسجد اقصیٰ میں کرے گا کیونکہ صحیح ترین بات یہ ہے کہ اسے پورا کرے اور بہتر یہ ہے کہ مسجد مدینہ میں پوری کر لے کیونکہ اس کی فضیلت زیادہ ہے اور اگر ان دونوں کی مسجد مدینہ میں منت مانے تو یہ اس کے لئے مناسب نہ ہوگا کہ اسے مسجدِ اقصیٰ میں پورا کرے البتہ مسجد حرام میں پوری کر سکتا ہے۔

فضیلت نمبر ۸۸:

جو شخص مسجد مدینہ میں آنے کی نذر مان لیتا ہے تو اسے اس نذر کی خاطر حضور ﷺ کے مزارِ انور کی زیارت کافی ہو جاتی ہے جیسے شیخ ابو علی نے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لازماً مسجد میں آنا ہوگا جیسے امام شافعی اور بویطی کہتے ہیں علاوہ ازیں لازم یہ ہے کہ اس کے قرب کو مسجد میں آنے سے ملائے کیونکہ اس کے لئے آنا لازم ہے اور حضرت شیخ ابو علی نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت بڑی عبادتوں میں سے ہے' امام الحرمین نے اس میں توقف اس لئے کیا ہے کہ یہ معاملہ مسجد اور اس کی تعظیم سے تعلق نہیں رکھتا چنانچہ فرمایا: قیاس یہ کہتا ہے کہ اگر وہ شخص مسجد میں صدقہ کرے یا وہاں روزہ رکھے تو کافی ہے۔ یہ محلِ نظر ہے۔ علاوہ ازیں صحیح تو وہ ہے جو انہوں نے مختصر میں واضح طور پر لکھا ہے کہ یہاں آنا لازم نہیں اگرچہ یہ لازم ہونا راجح دلیل ہے جبکہ حضرت رافعی نے لزوم پر بنا رکھتے ہوئے نماز یا اعتکاف ملانے کو ترجیح دی ہے' یونہی ہوگا اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں آنے کی نذر مانے کیونکہ جب چل کر جانے میں فضیلت نہیں تو یہ نذر اس عمل کی طرف پھر جائے گی جس میں عبادت کا ارادہ ہے چنانچہ اس سے شیخ ابو علی کے قول کو ترجیح ملے گی کیونکہ مسجد مدینہ میں آنے پر نماز' اعتکاف اور زیادہ کا قصد کیا جا سکتا ہے' کہیں اور نہیں۔

فضیلت نمبر ۸۹:

حضرت ابن المنذر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص مسجدِ رسول اور مسجد حرام کی طرف چلنے کی نذر مانتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اسے پورا کرے کیونکہ ایک عبادت ہے اور جو یہ نذر مانتا ہے کہ بیت المقدس کو چل کر جائے گا تو اسے اختیار ہوگا' چاہے تو مسجدِ اقصیٰ کی طرف چل کر پہنچے اور چاہے تو مسجدِ حرام کی طرف چلا جائے کیونکہ یہ

حدیث موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے عرض کی تھی کہ اگر آپ کے ہاتھوں مکہ کی فتح ہو جاتی ہے تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔اس پر آپ نے تین مرتبہ فرمایا تھا کہ یہیں پڑھ لینا۔انتہی۔

فضیلت نمبر ۹۰:

فضیلت مدینہ بیان کرتے ہوئے احادیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: "یہاں جنگ کی خاطر ہتھیار نہ اُٹھائے جائیں۔"

فضیلت نمبر ۹۱:

اسی مدینہ کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اگر یہاں کسی کی کوئی شے گم ہو جائے تو اسے اٹھایا نہ جائے۔"

فضیلت نمبر ۹۲:

جب مدینہ کے شکار اور درخت کاٹنے کی ضمانت دے دیں تو پھر صحیح یہ ہے کہ شکاری کو ویسے ہی سلب کیا جائے جیسے کافروں کے مقتول کو سلب کیا جاتا ہے اور یہ بدلہ دینے کی بجائے زیادہ ڈانٹ ہے۔

فضیلت نمبر ۹۳:

علاج کے لئے اس کی مٹی کہیں لے جانا جائز ہے۔

فضیلت نمبر ۹۴:

یہیں پر وہ آگ ظاہر ہوئی جس کے بارے میں حضور ﷺ نے اطلاع دی تھی کیونکہ یہ ڈرانے کے لئے ہوگی لہٰذا اسے یہ خصوصیت حاصل ہے کہ "نذیر" (ڈرسنانے والے) ﷺ کے شہر سے تعلق رکھتی ہے اور جب یہ حرم تک پہنچی تو صاحب حرم کی رحمت کے سبب بجھ گئی جیسے آگے آ رہا ہے۔

فضیلت نمبر ۹۵:

حضور ﷺ نے اس کے بازار میں دعائے برکت فرمائی تھی۔

فضیلت نمبر ۹۶:

عنقریب آگے کے بیان میں آئے گا کہ اسے ہٹانے والا ایسا ہوگا جیسے راہِ خدا میں جہاد کرنے والا۔

فضیلت نمبر ۹۷:

اس میں غلہ کو مہنگا بیچنے کے لئے روکنے والا ایسا ہوگا جیسے کتاب اللہ میں بے دین ہوتا ہے۔

فضیلت نمبر ۹۸:

"بیر غرس" میں آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھی کہ آپ جنت کے ایک کنوئیں پر ہیں، صبح دیکھا تو آپ "بیرِ غرس" پر تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی خواب حق ہوتی ہے۔

فضیلت نمبر ۹۹:

مدینہ کے پھلوں کی خصوصیات بیان ہو چکی ہیں جن میں یہ ہے کہ اس کی کھجور عجوہ جنت کی ہے چنانچہ مدینہ میں کچھ جنت کی زمین ہے، کچھ جنت کے پانی اور پھل ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۸

عزت وحرمتِ مدینہ کے بارے میں احادیث، یہ بہت سی ہیں

صحیحین میں احادیث ملتی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت ہے: "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو عزت بخشی اور اس کے لئے دعا فرمائی۔" ایک حدیث میں ہے کہ اہل مدینہ کے لئے دُعا فرمائی اور میں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح مدینہ کو قابل عزت قرار دیتا ہوں۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے میری زبان کے ذریعے مدینہ کے اردگرد کو عزت بخشی۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بنو حارثہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اے بنو حارثہ! میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ حرم (مکہ) سے نکال دیئے گئے ہو پھر دوبارہ متوجہ ہوئے اور فرمایا: بلکہ اب بھی تم حرم (مدینہ) ہی میں ہو۔ عنقریب ان کے گھروں کا بیان آ رہا ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ اگر تم مدینہ میں بکریوں کو چرتا دیکھو تو ان پر سختی نہ کرو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کا اردگرد حرمت والا ہے۔ مسلم شریف میں یوں ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے دو پہاڑی علاقوں کے درمیان والے حصے کو عزت سے سرفراز فرمایا چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں مدینہ کے اردگرد بکریاں چرتے دیکھتا ہوں تو انہیں روکتا نہیں اور آپ نے مدینہ کے اردگرد بارہ میل کے علاقے کو چراگاہ قرار دیا۔

مسلم شریف میں بھی حضرت عاصم الاحول سے ہے: فرمایا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضور ﷺ نے مدینہ کو قابلِ عزت قرار دیا ہے؟ انہوں نے بتایا، ہاں یہ قابلِ عزت ہے، اس کا سبزہ (گھاس وغیرہ) نہ کاٹا جائے اور جو ایسا کرے گا، اس پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت ہے۔

اسی میں رافع بن خدیج کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو حرم بنا

رہا ہوں۔

اسی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت شدہ حدیث ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینہ کے اردگرد کو حرم قرار دیا' اس کا سبزہ نہ کاٹا جائے اور نہ ہی اس کا شکار کیا جائے۔

اسی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ حدیث ہے' فرمایا: اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو عزت بخشی اور اسے حرام بنا دیا' میں مدینہ کو عزت دیتا اور اسے حرام بناتا ہوں بایں طور کہ یہاں کسی کا خون نہ بہایا جائے گا' نہ یہاں جنگ کے لئے ہتھیار اُٹھائے جائیں گے اور نہ ہی چارہ حاصل کرنے کے بغیر یہاں کے درخت جھاڑے جائیں گے۔

اسی میں حدیثِ انس بھی موجود ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: اے اللہ! میں مدینہ کے دو پہاڑوں کی درمیانی جگہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں پہاڑوں سے مراد جبل عیر اور ثور ہیں اور پچھلی حدیث میں انہی دو کا ذکر ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحریم مکہ کی نسبت' اس بات کی دلیل ہے جس کی طرف ایک جماعتِ علماء کا رجحان ہے کہ یہ مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ ہر نبی کے لئے حلال رہا (قتل وغیرہ کرنا جائز رہا) اور جب آپ آئے تو حرام کر دیا گیا۔علماء کی دوسری جماعت (جو اکثر ہیں) کے خیال میں کہ یہ سرزمین اس وقت سے حرم چلی آئی جب سے اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اور پھر اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ظاہر فرما دیا۔یہ ایسا قول ہے کہ اس میں سب احادیث سما جاتی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ کے احکام قدیم ہیں' کیونکہ یہ اللہ کے مخلوق سے خطاب ہیں' اس میں حادث تو وہ تعلقات ہیں جو مخلوق سے متعلق ہیں جن پر شہری احکام لاگو ہیں اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ان کی حرمت ظاہر ہوئی تو یہ پہلا حکم تھا جس کا تعلق ان لوگوں سے ہوا جن پر شریعت کے احکام لاگو ہوئے لہٰذا اس دوسرے گروہ کا یہ کہنا کہ یہ تحریم اس وقت سے چلی آتی ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا' اس وقت تکلیفی تعلق موجود ہی نہ تھا۔

ہاں یہ جائز ہے' اس کا مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حرمت اپنے فرشتوں کو اس دن بتا دی ہو جب آسمان و زمین پیدا فرمائے اور مخلوق کی تکلیف کا تعلق بعد میں کیا ہو اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ظاہر فرما دیا ہو اور پہلا قول اس کا انکار بھی نہیں کرتا (روکاوٹ نہیں بنتا) بلکہ اسے تسلیم کرتا ہے' یہ اچھا ہے اور اس کے ذریعے تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا تحریم مدینہ کا خطاب بھی قدیم ہے اور اس کا لیٹ ہونا بھی تکلیف کی بنا پر ہے جیسے حضور ﷺ نے ظاہر فرما دیا تھا' اس میں اس کے مرتبے کا نقصان نہیں بلکہ اس کے مرتبہ کے کامل

ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا اور پھر حضورﷺ کی زبان سے جاری فرما دیا جو سب رسولوں سے اشرف و اعلیٰ ہیں' مزید برآں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تحریم مکہ کے معنیٰ میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ وہ بحکمِ الٰہی حرام ہوا (آپ کا دخل نہیں) اور دوسرا یہ کہ انہوں نے دعا کی' جسے قبول فرما کر اللہ ہی نے اسے حرام قرار دے دیا۔کچھ لوگوں نے یہی احتمال مدینہ پاک کے بارے میں بھی بتائے ہیں۔

حدیث میں الفاظ ہیں "مابین لابتیھا" اس کا مطلب ہے' دو پہاڑی (پتھریلا) علاقوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں' مدینہ منورہ ان دونوں کے درمیان ہے حالانکہ مدینہ کے قبلہ اور شام کی طرف بھی پتھریلا علاقہ موجود ہے لیکن یہ دونوں علاقے مشرق و مغرب میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ انہی دونوں سلسلوں سے متصل ہیں' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہﷺ نے ان دونوں کو انہی میں شامل فرمایا اور لا بتیھا ہی میں ذکر فرما دیا جیسے علامہ طبری نے لکھا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ (مشرقی و غربی) علاقے حرم کی سرحد شمار ہوتے ہیں جو مشرق و مغرب میں واقع ہیں' ان دونوں کے پہاڑوں کے درمیان شمالی اور جنوبی حد کا بیان ہے۔مابین لا بتیھا سے مراد خود دونوں مکمل علاقے اور ان کا درمیانی علاقہ ہے اور مقصد تحریم مدینہ اور لَابَتَین ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کلام نووی کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ شرقی و غربی پتھریلے علاقے دو پہاڑوں میں سے ایک کے عین سامنے ہیں جن کا بیان آگے آ رہا ہے اور بنو حارثہ کے مکانات کلامِ مطری کے مطابق غربی پتھریلے علاقے کی سیدھ میں تھے جیسے ہم اثرب کی وضاحت کرتے ہوئے پہلے باب میں حضرت نووی سے بتا چکے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ان کے مکانات شرقی پہاڑی علاقے میں تھے جو "عریض" اور اس کے قریبی علاقے سے ملتا ہے کیونکہ اسماعیلی نے یہی پہلی حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے:"پھر آپ بنو حارثہ کی طرف آئے جو حرّہ کی جانب تھے' اس "حرّہ" سے مراد مدینہ کی اونچی جگہ ہے' عنقریب ان کے گھروں کے بیان میں وہ کچھ آ رہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس "حـــرّہ" سے مراد شرقی ہے' وہ جگہ نہیں جسے علامہ مطری نے دو حـــرّوں میں سے ایک کی سند میں بیان کیا ہے۔واللہ اعلم۔

پھر علامہ نووی کے قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو علامہ بیہقی نے دونوں شہروں کے تعارف میں حدیثِ صحیفہ دی ہے جو حضرت علی سے روایت شدہ ہے' الفاظ یہ ہیں کہ:"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام فرمایا اور میں مدینہ کو حرام بنا رہا ہوں جو دو حرّون اور پانی کے تالابوں کے درمیان میں واقع ہے جس کا سبزہ نہ کاٹا جائے' اور نہ ہی اس میں سے شکار کو بھگایا جائے اور گم کرنے والے کو دینے کی نیت کئے بغیر کسی کی گری ہوئی چیز نہ اُٹھائی جائے' نہ ہی اس کے درخت کاٹے جائیں ہاں آدمی اپنے اونٹ کو چارہ دے سکتا ہے اور نہ ہی کسی سے لڑنے کے لئے ہتھیار اُٹھائے جائیں۔"(الحدیث) حضرت امام احمد نے بھی یہی روایت کی ہے' یہ حدیث صحیح ہے۔مدینہ کے علاقے میں یہ

تالاب تین ہیں جیسے آگے آ رہا ہے' ایک وہ ہے جو مغرب کی طرف حرّۂ غربیہ سے ملتا ہے اور دوسرا حرّہ جمام (تالاب) اور مدینہ کے درمیان ہے۔

حضرت امام مسلم نے صحیفہ والی حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے: "مدینہ' جبل عیر اور ثور تک کے درمیان حرم ہے۔" جبکہ بخاری کے الفاظ یہ ہیں "مدینہ' عیر اور فلاں جگہ کے درمیان حرم ہے۔" ابو داؤد نے یہ الفاظ لئے ہیں۔ "مدینہ عایر اور ثور کے درمیان حرم ہے۔" پھر اس میں زیادتی کرتے ہوئے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی گھاس وغیرہ نہ کاٹی جائے' شکار کو نہ بھگایا جائے اور گری چیز' اس کے مالک کو دینے کی نیت کے بغیر نہ اُٹھائی جائے' کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ یہاں جنگ کے لئے ہتھیار اُٹھائے اور نہ ہی یہ حق پہنچتا ہے کہ یہاں کے درخت کاٹے ہاں اپنے اونٹ کو چارہ دینے کے لئے ایسا کر سکتا ہے۔"

علامہ طبرانی نے بھی اسے ذکر کیا ہے' ان کے مختصر الفاظ یہ ہیں: "حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاں گئے تو انہوں نے اپنی تلوار منگوائی جس میں سے عربی میں لکھی ایک تحریر نکالی اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس کتاب اللہ کے بغیر کچھ نہیں چھوڑا جسے اللہ نے ان پر اتارا تھا اور میرے پاس کچھ اور پہنچایا گیا' دیکھا گیا تو اس میں یہ لکھا تھا: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللّٰہ! ہر نبی کا ایک حرم تھا اور میرا حرم مدینہ ہے۔

فصل نمبر ۹

جبلِ عیر اور ثور کا بیان

مدینہ کے دو پہاڑوں سے مراد یہی دو پہاڑ ہیں جیسے گزر چکا۔

جبلِ عیر کہاں ہے؟

جبل عیر: اس کے عین پر زبر اور یاء پر جزم ہے' یہ گدھے کا ہم معنٰی ہے' اسے عایر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑا پہاڑ ہے جو مدینہ کے قبلہ میں ذوالحلیفہ کے قریب ہے جو مدینہ کا میقات ہے۔

جبلِ ثور کہاں ہے؟

ثور بمعنٰی بیل ہے' یہ احد کے پیچھے ایک چھوٹا پہاڑ ہے' ہم اس کی تحقیق بیان کریں گے کیونکہ یہ بڑے بڑے علماء سے پوشیدہ ہے چنانچہ انہیں حدیث میں اشکال پڑتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ثور نامی کوئی پہاڑ نہیں' وہ تو صرف مکہ میں ہے' اسی لئے بخاری شریف میں یہ لفظ من عایر الی کذا ہی کے الفاظ آئے ہیں اور کچھ روایات میں من عیر الی کذا آتا ہے لیکن انہوں نے اس کی انتہاء بیان نہیں کی' ان کا خیال ہے کہ شاید یہ وہم ہے لہٰذا اسے حذف کر دیا ہے پھر

کچھ راویوں نے ثور والی جگہ سفید چھوڑ دی ہے تا کہ وہم واضح ہو سکے۔

مدینہ میں جبلِ ثور ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف

علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "کچھ اہلِ علم نے یہ نقل کیا ہے کہ یہاں "ثور" کا ذکر راوی کا وہم ہے کیونکہ یہ تو مکہ میں ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ احد کی طرف ہے۔

ابو عبید القاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ: عیر اور ثور مدینہ میں دو پہاڑ ہیں لیکن اہلِ مدینہ ثور نامی پہاڑ کے بارے میں نہیں جانتے' وہ کہتے ہیں کہ یہ مکہ میں ہے لہٰذا ہم حدیث کو دیکھیں گے اس کا اصل یوں ہوگا: ما بین عیر الی احد۔

میں کہتا ہوں کہ یونہی طبرانی نے اسے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: "عیر اور احد کے درمیان والی جگہ حرام ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حرم قرار دیا ہے۔"

حضرت حازمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحیح روایت یہ ہے "عیر اور احد کے درمیان" کچھ کہتے ہیں الیٰ ثور یعنی ثور تک' اور یہ لفظ بے مقصد ہے۔" کچھ حضرات نے تکلف سے کام لیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ الیٰ بمعنی مع ہے' گویا کہ اس نے مدینہ کو مکہ کی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ وہ ویسے ہی حرام ہے جیسے مکہ کیونکہ جبلِ ثور مکہ میں ہے۔

حضرت موفق بن قدامہ کہتے ہیں' احتمال یہ ہے کہ تحریم اس مقدار کی ہے جو ثور اور عیر کے درمیان ہے جو مکہ میں ہیں یا نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی دونوں اطراف میں موجود دونوں پہاڑوں کو جلدی سے عَیر اور ثور فرما دیا۔ انتہی۔

اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ جبل عیر کے مدینہ میں ہونے کا بھی انکار کر رہے ہیں۔

علامہ زرکشی رحمہ اللہ کہتے ہیں' قاضی عیاض نقل کرتے ہیں کہ مدینہ یا اس کے قریبی علاقے میں ایسا کوئی پہاڑ نہیں جسے ان دونوں میں سے کوئی نام دیا گیا ہو یعنی عیر اور ثور کا۔

معجم میں حضرت یاقوت کہتے ہیں کہ یہ وہم ہے کیونکہ عَیر مدینہ میں ایک مشہور پہاڑ ہے۔ ابن السید کہتے ہیں کہ عَیر مدینہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ قاضی عیاض کی "مشارق" میں عبارت یہ ہے کہ عَیر اور عایر جن کا حرمِ مدینہ میں ذکر آتا ہے' اکثر روایات میں عَیر ہے اور حدیثِ علی میں عایر ہے۔ حضرت زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ان کے چچا مصعب کہتے ہیں کہ مدینہ میں عیر اور ثور نامی کوئی مشہور پہاڑ نہیں انتہی۔

مطالع میں کہا: بخاری کے اکثر راویوں نے عیر کا ذکر کیا ہے' رہا ثور تو اس کی جگہ بعض نے کذا کا لفظ لکھا ہے اور بعض نے اس کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔ اس روکاوٹ میں اصل مصعب زبیری کا یہ قول ہے کہ مدینہ میں عیر اور ثور کچھ نہیں' دوسروں نے عیر کو تو تسلیم کیا ہے لیکن ثور کے انکار پر ان سے موافقت کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عیر کے بارے "فصل البقاع" میں مصعب زبیری سے آ رہا ہے جس سے پتہ چلے گا کہ وہ عیر کو مانتے ہیں اور عیر کی شہرت علماء میں ڈھکی چھپی نہیں البتہ ثور کے بارے میں اجنبیت ہے۔

علامہ نووی کہتے ہیں' احتمال یہ ہے کہ ثور یہاں پر کوئی پہاڑ تھا' یا تو وہ احد ہے یا کوئی اور لیکن پھر اس کا نام پوشیدہ ہو گیا۔

صاحبِ "البیان والانتصار" نے کہا کہ یہ روایت لفظِ ثور سے صحیح ہے لہٰذا عدم عرفان کی بناء پر یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ مقامات کے نام بدلتے رہتے ہیں یا بھول جاتے ہیں اور پھر انہیں جاننے والا کوئی بھی نہیں ہوتا چنانچہ مکہ میں میں نے وادیٔ مُحَسّر جیسے حج کے کئی مقامات کے بارے میں پوچھا لیکن مجھے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ لوگوں کا وہاں آنا جانا رہتا ہے تو پھر ان کے علاوہ کوئی کیا جانے؟اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شے کے دو نام ہوتے ہیں' ایک مشہور ہو جاتا ہے اور دوسرا کوئی جانتا ہی نہیں ہوتا۔

حضرت مجد کہتے ہیں: معلوم نہیں ان علماء کی طرف سے اس پہاڑ کے بارے حدیث میں وہم ثابت کرنے میں جلد بازی کیوں ہو گئی اور وہ بھی یوں کہ اہل مدینہ ایسے پہاڑ کا نام نہیں جانتے جو ثور کے نام سے مشہور ہے' پھر آپ نے وہ طریقے بتائے جن کی بناء پر نام تبدیل ہوتے یا بھول جایا کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں: "آخر میں نے مدینہ کے فقہاء اور امراء وغیرہ سے فدك کے بارے میں پوچھا کہ کہاں ہے تو سب کا جواب یہ تھا کہ ان کے علاقے میں ایسا کوئی مقام نہیں ہے حالانکہ یہ شہر حکومتِ عباسیہ کے آخر عہد تک اشراف اور خلفاء کے قبضے میں رہا اور یہ لوگ وہاں آتے جاتے رہے تو پھر یہ لوگ ایک چھوٹے سے پہاڑ کو کیا جانیں جس سے کسی بڑے معاملے کا تعلق نہیں اور وہ مدینہ کے اہلِ علم میں جانا پہچانا ہے اور پہلے حافظِ حدیث شروع سے اس کی پہچان نقل کرتے رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ بیہقی نے اس کی پہچان کے لئے ابو عبید کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ: "اہلِ مدینہ ایسا کوئی پہاڑ نہیں جانتے جس کا نام ثور ہو۔آپ نے مزید کہا: مجھے ابو عبیدہ سے پتہ چلا ہے کہ انہوں نے "کتاب الجبال" میں لکھا ہے کہ مجھے اس بات کا پتہ چلا ہے کہ مدینہ میں ایک پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے۔انتہٰی۔

علامہ مجد نے عَیـــر کا تعارف کراتے ہوئے نصر سے روایت کی' وہ کہتے ہیں: "عیر ایک پہاڑ ہے جو "شعب الجوز" نامی مشہور گھاٹی کے مقابل ہے اور ثور پہاڑ احد کے پاس ہے انتہٰی۔

ان روایت سے پتہ چلا کہ جو ہمارے زمانے میں نیز ہم سے پہلے مدینہ میں جبلِ ثور کے پائے جانے کی زمانہ قدیم سے پہچان موجود ہے اگرچہ کچھ لوگوں سے یہ پوشیدہ ہے۔مجھے تو ثور کے بارے میں بہت سے خاص لوگوں نے بتایا ہے بلکہ احد کی پچھلی طرف دکھایا بھی ہے پھر بہت سے لوگوں نے' محدث ابو محمد عفیف الدین عبد السلام بن مرزوع بصری جو مدینہ پاک میں مقیم تھے' سے نقل کی ہے کہ انہوں نے اس پہاڑ کو کئی مرتبہ دیکھا تھا۔جب وہ مدینہ کے حکمران کی طرف سے عراق کو گئے تو ان کے ساتھ راہنما بھی موجود تھا جو آپ کو مقامات اور پہاڑوں کے بارے میں بتاتا چلا جاتا تھا۔چنانچہ جب یہ دونوں احد کے پاس پہنچے تو یکایک احد کے پاس ایک چھوٹا سا پہاڑ نظر آیا' انہوں نے اس راہنما سے پوچھا کہ اس پہاڑ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اسے ثور کہتے ہیں۔

محب طبری کہتے ہیں کہ مجھے ایک ٹھوس اور سچے عالم دین' حرم رسول کے پڑوسی عبد السلام بصری نے بتایا کہ احد کے مقابلے میں' بائیں جانب پیچھے ایک پہلو پر چھوٹا پہاڑ ہے جسے ثور کہتے ہیں' پھر بتایا کہ جان پہچان والے عرب کے کئی لوگوں سے میں نے بار بار یہ پوچھا کہ وہ کون سی زمین ہے اور اس میں کون کون سے پہاڑ ہیں؟ تو ان میں سے ہر ایک نے بتایا کہ اس پہاڑ کا نام ثور ہے۔

علامہ طبری کہتے ہیں' یوں ہمیں معلوم ہو گیا کہ حدیث میں جس ثور پہاڑ کا ذکر ہے' وہ صحیح ہے لیکن اکابر علماء کو اس کا علم نہ ہونا اس بناء پر ہے کہ وہ مشہور نہیں اور وہ اس کے بارے میں بحث نہیں کرتے۔

حضرت جمال مطری نے اپنی تاریخ میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو ثور کے پائے جانے کا انکار کرتے ہیں' انہوں نے بتایا کہ یہ احد کے پیچھے شمالی جانب گول چھوٹا پہاڑ ہے جسے اہلِ مدینہ شروع سے اب تک جانتے ہیں۔

حضرت علامہ اقشہری رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم نے کوشش کی اور اہلِ مدینہ سے اس پہاڑ کے بارے میں پوچھا جسے ثور کہا جاتا ہے' آخر ہمیں پتہ چلا کہ یہ ایک چھوٹے پہاڑ کا نام ہے جو احد پہاڑ کی پچھلی طرف ہے جسے مدینہ کے قدیم لوگ جانتے ہیں' نئے واقف نہیں چنانچہ جو جانتے ہیں' وہ ناواقفوں پر دلیل ہیں۔

ابو العباس ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ "عَیـر" میقات کے نزدیک ایک پہاڑ ہے جو گدھے کی شکل کا ہے اور ثور' احد کے پاس پہاڑ کا نام ہے' یہ پہاڑ مکہ کے ثور پہاڑ کے علاوہ ہے۔

مصابیح کے ایک شارح نے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائی تو اس کے چھ ٹکڑے ہو گئے' تین تو مکہ میں آ پڑے جن کے نام "حراء' ثبیـر اور ثور ہیں اور تین مدینہ میں جا گرے پڑے جن کے نام "عَیر' ثور اور رضویٰ" ہیں' ثور تو بیل کی شکل کا ہونے کی وجہ سے نام پڑا' یہ سرخی مائل ہے' جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ احد حرم کا پہاڑ ہے' ثور پہاڑ کی حد شام کی طرف سے اتنی ہی ہے جتنی دور قبلہ کی طرف عَیـر واقع ہے' یہ اس صورت میں ہے جب اس روایت کو لیا جائے جس میں ثور کی بجائے احد پہاڑ کا ذکر ہے کیونکہ اس میں اس پر زیادتی پائی جاتی ہے' اسے یوں سمجھئے جیسے ایک فرد کا ذکر دیا ہو اور وہ عموم حکم عموم کو شامل ہو جس کی تخصیص نہیں ہو سکتی اور اس میں زائد فائدہ بھی ہے کیونکہ اس طرح شرقاً غرباً احد پہاڑ کے سامنے والے حصے بھی شامل ہو جاتے ہیں اور وہ جو دو شرحوں اور روضہ وغیرہ میں حد بندی لایتیں نیز عَیـر و اُحد کی بناء پر آئی ہے تو اس کی بناء اس پر ہے جو گذر چکا کہ روایت صحیحہ "احد" والی ہے کیونکہ ثور کا تو کوئی وجود ہی نہیں۔

فصل نمبر ۱۰

اس میں وہ احادیث مذکور ہیں جن کی بناء پر حرم کی حدود اس سے زیادہ ہیں

حدیث مسلم میں یہ فرمان کہ "مدینہ کے اردگرد بارہ میل کی مسافت حد مقرر کر دی۔" اس سے حرم کا پتہ چلتا ہے کہ اس اندازے میں ہے کیونکہ مدینہ کے اردگرد حرم ہی حرم ہے اور نبی کریم ﷺ کا محفوظ خطہ جو حرم کے گرد تھا' حرم میں داخل نہیں جیسے آگے آ رہا ہے۔ علامہ سبکی کہتے ہیں کہ سنن ابو داؤد میں حرم مدینہ کی حد بندی ہر طرف سے تقریباً بارہ بارہ میل ہے اور جو کچھ ابو داؤد میں حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ کا روایت شدہ میں نے دیکھا ہے' وہ یوں ہے: "رسول اللہ ﷺ کی مقرر کردہ حد' مدینہ کے اردگرد ہر طرف تقریباً بارہ بارہ میل ہے' جس کے درخت جھاڑنے اور کاٹنے کی اجازت نہیں' ہاں یہاں اونٹ چرائے جا سکتے ہیں۔

ابن زبالہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ کا حرم ہر طرف سے تقریباً بارہ بارہ میل مقرر فرمایا' نیز مَسَد' منجدہ اور القاضع کا سامان بنانے کے لئے لکڑی کاٹنے کی اجازت دی۔" (یہ ان درختوں کا ذکر ہے جن سے استعمال میں آنے والی چیزیں بنتی ہیں مثلاً سامان لادنے والی چرخی' روئی وغیرہ دھننے کا آلہ اور جانوروں کو ہانکنے کا ڈنڈا وغیرہ)۔

حضرت مفضل جندی نے حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی' انہوں نے اس شخص کا واقعہ بتاتے ہوئے کہا جو عقیق میں درخت کو کاٹ رہا تھا یا جھاڑ رہا تھا کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرمایا: جو شخص ایسے آدمی کو دیکھے جو مدینہ کی حد' بارہ بارہ میل کی مسافت میں مدینہ کا درخت کاٹ رہا ہو تو اس کا سامان لے لو چنانچہ اب میں وہ سامان واپس نہیں کروں گا جو مجھے رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ملا ہے۔"

بزاز نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی' آپ نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا حرم ہر طرف بارہ میل مقرر فرمایا۔"

طبرانی کی "اوسط" میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد بارہ میل کی مسافت میں درخت کاٹنے حرام قرار دئے ہیں' آپ نے مجھے بھیجا کہ حرم کے نشان لگا دوں چنانچہ میں نے ذات الجیش کی بالائی طرف' شریب پر اور مخیض کے اوپر والے حصے میں نشان لگا دئے۔"

ابن النجار نے یہ الفاظ لکھے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد بارہ بارہ میل کا علاقہ حرم قرار دیا پھر مجھے ان حدوں پر نشان لگانے کے لئے بھیجا تو میں نے حرم کے ان مقامات پر نشان لگا دئے: "ذات الجلیس کی بالائی

جانب' مشیرب' مجتمر کی بالائی جانب اور تیم پر" ابنِ زبالہ نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ: "مگر آپ نے مجتمر کا اوپر والا حصہ حد میں سے نکال دیا' تیم کو ضیب سے بدل دیا۔" پھر یہ زیادتی فرمائی: حفیاء پر علامت لگاؤ اور ذو العشیرہ پر۔"

ابن النجار ہی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ اور وعیرہ کے درمیانی درختوں کی حفاظت کا حکم فرمایا: مدینہ ہی سے ثنیۃ المحدث' تخیض کے بالائی حصے' ثنیۃ الحفیاء ' مضرب القبہ اور ذات الجیش کے درمیانی حصے میں موجود درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا لیکن ضروری سامان بنانے کے لئے درختوں کی لکڑی کاٹنے کی اجازت فرما دی۔" مثلاً چرخی اور جانور ہانکنے لیکئے ڈنڈا وغیرہ)۔

حضرت سلمان بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت بھی بتاتی کہ نبی کریم ﷺ مضرب القبہ میں ٹھہرے اور فرمایا: میرے اور مدینہ کے درمیان کا علاقہ محفوظ ہے' یہاں سے کچھ بھی کاٹا نہ جائے گا۔صحابہ نے "مسد" کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دے دی۔

نیز آپ نے حضرت ابوبکر بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حفاظت کے سلسلے میں حد بتائی کہ "مضرب القبہ" تک ہے۔امام مالک کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک حد کا نام ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جو چیز ان گھاٹیوں سے آ کر اُگ آئے تو وہ کاٹنی حرام ہے یونہی اسے جھاڑنا بھی حرام ہے ہاں چڑیاں کھائیں' مسدّ بنانا ہو یا حفاظتی ڈنڈا تو اس کی اجازت ہے۔

حضرت حسن بن رافع نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں پوچھا اور کہا' ہمارے پاس بکریاں اور غلام ہیں' ہم اور وہ ثریر پر ہوتے ہیں' غلام اپنی بکریوں کے لئے یہ پھل جھاڑتے ہیں۔اس پر حضرت جابر نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے محفوظ کردہ درختوں کو نہ کاٹو اور نہ ہی تراشو البتہ ہلا کر پتے جھاڑ لیا کرو۔اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسد کاٹنے سے منع فرمایا۔

ابن زبالہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بتایا کہ مجھے میری پھوپھی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسدّ کی اجازت کے لئے بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی پھوپھی کو میری طرف سے سلام کہو اور ان سے کہو کہ اگر میں نے تمہیں مسدّ کے بارے میں اجازت دے دی تو تم پرنالے بنانے کی اجازت مانگو گے اور اگر میں نے پرنالہ بنانے کی اجازت دے دی تو تم لوگ ڈنڈا بنانے کی اجازت مانگو گے پھر فرمایا میری محفوظ کردہ جگہ وہاں تک ہے جہاں بنو فزارہ میری اونٹنیاں لے کر پہنچتے ہیں۔

فصل نمبر ۱۱

ان الفاظ کا بیان جو احادیث میں مدینہ کی حد بندی میں استعمال ہوئے ہیں اور ان کا مقصد

(۱) ذات الجیش

ابن زبالہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ذات الجیش" "حفیرہ" پہاڑی کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے راستے میں ہے۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ مقام "بیداء" کے درمیان ہے اور بیداء وہی مقام ہے کہ جب حجاج کرام ذوالحلیفہ سے چلتے ہیں تو مغرب کی طرف چڑھتے وقت سامنے ہوتا ہے اور یہ کھلے راستے پر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس بات کی تائید حضرت یاقوت کے اس قول سے ہوتی ہے کہ: ذات الجیش مدینہ میں عقیق کے مقام پر وادی ہے۔ انہوں نے اسے قریب بتانے کے لئے یہ کہا ہے یا اس لئے کہا ہے کہ مدینہ سے سیلابی پانی اسی گھاٹی میں آتا ہے جیسے آگے بیان ہوگا پھر میں نے یہ بھی دیکھا ہے جو نالہ عقیق میں آتا ہے' اسے بھی ذات الجیش کہہ دیتے ہیں اگرچہ وہ اس سے دور ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد اسدی مکہ و مدینہ کے درمیان اس راستے کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "ذو الحلیفہ سے حفیرہ تک چھ میل کی مسافت ہے' یہاں اونٹ چرائے جاتے ہیں' یہاں پاکیزہ پانی اور حوض موجود ہے' یہ کنواں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کھدوایا تھا' یہاں کچھ گھر بھی ہیں اور مسجد بھی۔ الخ"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حفیرہ کی گھاٹی کنوئیں کے بعد ہے' شاید یہ وہ پہاڑی گھاٹی ہے جسے آج کل "مفرح" کہتے ہیں اور پھر وہاں وادئ تربان سے پہلے ایک گھاٹی ہے جسے سہان کہتے ہیں جس پر مذکورہ صفات سچے آتے ہیں اور یہ اس قول کے مطابق ہے جو کسی ... کہا ہے کہ "ذات الجیش' ذوالحلیفہ اور تربان کے درمیان ایک وادی ہے چنانچہ اس وادی کو ذات الجیش کہا جس میں یہ مو... ہے پھر حضرت عیاض کا قول ہے کہ ذات الجیش مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے' یہ طبرانی کی ذکر شدہ روایت سے ظاہر ہے لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو حد بندی بارہ میل کی بتائی گئی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خاطر آپ ٹھہرے رہے تھے' آیتِ تیمم یہیں اتری تھی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تردید ثابت ہے' فرمایا تھا: "جب ہم بیداء یا ذات الجیش میں تھے۔" معلوم ہوتا ہے کہ گویا دو جگہیں قریب قریب ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں الگ الگ مقام ہیں۔

ابو علی ہجری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "ذات الجیش" حفیرہ کے سامنے مکہ کی طرف جانے والے کی دائیں جانب ایک شاخ ہے' پھر کہا کہ حفیر کا اگلا حصہ اور صلصلین' ابو عاصیہ کے کنوئیں میں آ گرتے ہیں اور پھر ذات الجیش میں آ جاتے ہیں اور اس کا پچھلا حصہ بطحاء میں گرتا ہے پھر وہ بطحاء دو پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا وادئ عقیق میں جا گرتا ہے اور ذات الجیش ابوکبیر کی وادی میں چلا جاتا ہے اور یہ مسجد حرم نیز معرس سے اوپر ہے اور مغربی عظیم پہاڑ کا کنارہ ہے جو ذات الجیش میں جا پڑتا ہے جبکہ اس کی دوسری طرف بطحاء میں چلی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ "اعظم" جسے "عظم" بھی کہا جاتا ہے یہ آج کل مکہ کی سرحد پر ایک مشہور پہاڑ ہے۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ ذات الجیش سے شام کی طرف ہے جس پر ہجری کا گذشتہ بیان گواہ ہے۔

شریب

ان کا قول "شریب" ظاہر تو یہ ہے کہ یہ لفظ "مُشَیْرِب" ہے جو "مشرب" کی تصغیر ہے جیسے دوسری روایت میں ہے اور یہ مقام ذات الجیش کی شامی جانب کے پہاڑوں میں ہے' اس کے اور خلائق ضبوعہ کے درمیان واقع ہے جو "یُلَیْل" کا ایک مقام ہے۔

اشراف مخیض

لفظ مخیض استعمال ہوا ہے جس کا معنی دودھ ہے' یہ شام کے راستے میں مخیض نامی پہاڑ ہیں۔ (ابن زبالہ) علامہ ہجری کہتے ہیں کہ "مخیض ایک وادی کا نام ہے جو مدینہ سے شام کے راستے میں "اضم" میں جا گرتی ہے۔ انتہٰی تو گویا مخیض کا لفظ پہاڑوں اور وادیوں پر بولا جاتا ہے۔ مطری کہتے ہیں کہ جبلِ مخیض وہی ہے جو شام سے آنے والوں کے راستے سے دائیں جانب موجود ہے۔ اسے عیونِ حمزہ کہتے ہیں۔

اَشْرافُ الْمُجْهِتَز

ابن النجار نے یونہی روایت کیا ہے' مطری نے بھی انہی کی پیروی کی ہے لیکن دونوں نے وضاحت نہیں لکھی۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ لفظ یونہی "جیم" اور "ھاء" پر زبر سے آیا ہے' اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے اور اگر ایسا نہیں تو احتمال ہے کہ یہ لفظ "محیصر" کی شکل بگاڑ کر بنا ہو' یہ "مِحْصَر" کی تصغیر ہے جو مدینہ کے قرب میں ایک جگہ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بات ذہن کے قریب ہے کہ یہ مخیض کی بدلی ہوئی صورت ہے کیونکہ یہ روایات میں مخیض کی جگہ آتا ہے۔

الحفیاء

اسے ابن زبالہ نے ذکر کیا ہے' یہ مقام جنگل میں ہے' مدینہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے آتا ہے۔ ہجری

کہتے ہیں کہ "غابہ" کے قدرے پیچھے ہے اور آگے آ رہا ہے کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے۔

ذُو الْعُشَيْرَہ

گنتی کے لفظ عَشَرَۃٌ کی تصغیر ہے۔ابن زبالہ کہتے ہیں کہ یہ حفیاء کی شرقی جانب واقع ہے اور علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ حفیاء میں سوراخ کا نام ہے۔

ثَیَّب

ابن زبالہ کا جو نسخہ میں نے دیکھا ہے اس میں پہلا لفظ ثاء زبر والا' دوسرا یاء زیر والا اور مشدّد ہے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے اور زبیر ابن بکار بھی یہی کہتے ہیں' یونہی میں نے ابن ہشام کی "تہذیب" میں اصل معتمد میں قلم سے لکھا دیکھا ہے کیونکہ انہوں نے غزوۂ السویق کے ذکر میں ذکر کیا ہے کہ: "ابوسفیان نکلے اور پہاڑ کے دامن میں اُترے جسے "ثیّب" کہا جاتا ہے' مدینہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ہے' یونہی ابوعلی ہجری کے نزدیک عقیق میں ہے البتہ انہوں نے اسکے پیچھے کہا ہے کہ ثَیْئَبْ تَیْعَبْ کی طرح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یاء ساکن کے بعد ہمزہ آتا ہے اور اس پر دلیل بستیوں کے ناموں میں آگے آ رہی ہے' اس کا بیان عباس بن مرداس کے شعر میں "شظاۃ" کے لفظ کے تعارف میں ہے' پھر ابن شبہ کی کتاب میں حضرت سلمہ کی آئندہ حدیث میں ساتویں باب کی ابتداء میں ہے: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! شکار دور ہے اور میں "تیب" کی طرف پہاڑ کے دامن میں اس کے شکار کو جاتا ہوں۔" یہاں میں نے ہمزہ کے بغیر' قلم سے لکھا دیکھا ہے۔لیکن اس جگہ یاء کی بجائے تاء ہے۔ابن نجار کی کتاب میں یہ لفظ تیم ہے جسے مطری نے بھی لیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مدینہ کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے جو آج کل اسی نام سے مشہور ہے۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ اسے بدل دیا گیا ہے' اصل میں یہ یتیب ہے جو تاب کا فعل مضارع ہے یعنی واپس لوٹا۔

وعیرہ

واؤ پر زبر ہے اور یہ لفظ وعورۃ سے لیا گیا ہے جس کا معنٰی زمین کا سخت ہونا ہے' ثور کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے' یہ ثور سے بڑا اور احد سے چھوٹا ہے۔

ثنية المحدث

اس لفظ کے بارے میں مدینہ کے کسی مؤرخ نے بھی کچھ نہیں لکھا' تعجب ہے کہ علامہ مجد نے اسے چھوڑ دیا ہے حالانکہ انہوں نے اپنی کتاب میں حدیث بھی لکھی ہے۔

مِضرَبُ القُبَّہ

علامہ مجد نے مطری ہی کی طرح کہا ہے کہ آج کل اسے کوئی نہیں جانتا' نہ ہی یہ معلوم ہے کہ یہ کس طرف تھا' کہتے ہیں' ظاہر یہ ہے کہ یہ مدینہ کے مغرب میں ذات الجیش اور تخیض کے درمیان کسی مقام میں تھا۔

میں کہتا ہوں: ابوعلی ہجری بتاتے ہیں کہ ''مضرب القبہ'' اعظم پہاڑ اور شام کے درمیان مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھا۔

ثریر

اس ثریر کے بارے میں علامہ مجد سمیت کسی نے کچھ نہیں لکھا۔

غزوۃ ذی قرد

اس گذشتہ فرمان: من حیث استاقت بنو فزارہ لقاحی میں آ چکا ہے کہ آپ کی اونٹنیاں غابہ اور اس کے اردگرد چرتی تھیں' ذی قرد کے دن ان پر عیینہ بن حصن فزاری نے ڈاکہ ڈالا' اتفاق یہ ہوا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں پر جا کر ان سے چھین لیں' جنگ کی اور ان پر تیر برسائے چنانچہ اس کا نام غزوۂ ذی قرد پڑ گیا کیونکہ یہ جگہ وہ تھی جہاد جنگ ہوئی تھی۔

ان مکانوں کی حد بندی یہ بتاتی ہے کہ سارا حرم بارہ میل کا علاقہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ابن زبالہ نے اس سے قبل یہ کہا ہے: ''اور یہ سارا کچھ بتاتا ہے کہ حرم ہر طرف بارہ میل ہے۔ انتہی۔ اسی قول پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس حدیث مسلم کے قول کی بنیاد ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ کے گرداگرد بارہ میل کا علاقہ حد بنایا کیونکہ یہی ''برید'' کہلاتا ہے یعنی مدینہ کے قبلہ کی طرف چھ میل اور چھ میل شام کی طرف اور یونہی مشرق و مغرب کی طرف اور ایسے ہی یہ حدیث ہے کہ حد حرم مدینہ کے ہر طرف بارہ میل ہے یعنی قبلہ سے شمال تک بارہ میل ہے اور مشرق سے مغرب تک بارہ میل ہے' اسی پیمائش کو حضرت مالک رحمہ اللہ نے لیا ہے لیکن انہوں نے درختوں اور شکار والے حرم میں فرق بیان کیا ہے چنانچہ برید کو درختوں والا حرم لکھا ہے جبکہ دو پتھریلی زمین کے درمیان شکار کا حرم بتایا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''اکمال'' میں لکھا' ابن حبیب کہتے ہیں کہ دو پتھریلے مقامات کے درمیانی علاقے کو حرام قرار دینا شکار کے لئے مخصوص ہے البتہ درختوں کا کاٹنا تو مدینہ کے تمام مقامات میں چھ چھ میل کا علاقہ ہے۔

حضرت ابن زبالہ نے حضرت مالک سے نقل کیا ہے' انہوں نے فرمایا: حرم دو ہیں' پرندوں اور جانوروں کا حرم حرۂ واقم (مشرقی) سے حرۂ عقیق (غربی حرہ) تک ہے اور درختوں والا حرم دونوں طرف چھ چھ میل ہے۔ علامہ برھان بن فرحون کہتے ہیں کہ شکار والا حرم مدینہ کے چاروں حرّوں کے درمیان ہے' انہوں نے ان دو حرّوں کو چار کہہ دیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں پتھریلے چاروں اطراف تک پھیل گئے ہیں کیونکہ شرقی اور غربی حرہ' شمال اور قبلہ کی طرف مائل ہیں'

ہمارے اصحاب نے حرم کی حد بندی میں ''برید'' پر اعتماد نہیں کیا حالانکہ اس میں کچھ زیادتی پائی جاتی ہے کیونکہ اس حد بندی کے دلائل قوی نہیں ہیں' ہمارے اصحاب نے اس حد بندی پر اعتماد کیا ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے یعنی دو پہاڑ اور دو پتھریلے علاقے' علاوہ ازیں تحریم کی احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ درختوں اور شکار کے حرم میں فرق نہ ہو خواہ یہ حرم چھ میل ہو یا اس سے کم البتہ برید کی احادیث میں وہ بات ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ درختوں والی ہے حالانکہ ابن زبالہ (کمزور راوی) نے بشیر مازنی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ دونوں پتھریلی زمینوں کے درمیان (مدینہ) کو حرام فرما رہے تھے' حضرت ابوہریرہ وغیرہ نے بھی یہی کچھ بتایا' ان کی ایک روایت ہے: کچھ ایسے پرندے ہیں جن کا شکار کیا جا سکتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلم کی یہ حدیث: ''آپ نے دو پتھریلی زمینوں کے درمیان (مدینہ) کو حرم قرار دیا اور مدینہ کے گرد بارہ میل کے علاقے کو حفاظتی حد فرمایا'' بتاتی ہے کہ حرم میں فرق ہے تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ہم اسے نہیں مانتے کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ حمی سے مراد حرم ہے تو گویا آپ نے فرمایا: آپ نے مدینہ طیبہ کے گرد بارہ میل حرم بنا دیا کیونکہ اس میں یہ تو نہیں کہ آپ نے اسے درختوں کا حمی (محفوظ جگہ) قرار دے دیا ہو۔

برید' فرسخ اور میل کی مقدار

تتمہ: ''برید'' چار فرسخ کا ہوتا ہے' فرسخ تین میل کا اور میل ساڑھے تین ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے' اسی کو ابن عبد البر وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے اور یہ مسافتیں حرمِ مکی وغیرہ کی مسافتوں کے موافق ہیں۔ رہا ذراع یعنی ہاتھ تو یہ طبرانی اور نووی وغیرہ کے مطابق چوبیس انگل کا ہوتا ہے اور ہر انگلی کی پیائش ملا کر رکھے ہوئے جَو کے چھ دانوں جتنی ہوتی ہے' نووی قلعی نے اسے تین جو کی مقدار کہہ کر غلطی کی ہے اور اس مذکور ہاتھ کی مقدار لوہے سے بنے اس ہاتھ سے آٹھواں حصہ کم ہے جو پیائش کرنے والے مصر میں آج کل استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہ خود میں نے اور میرے علاوہ اوروں نے اس کا اندازہ لگایا ہوا ہے۔ علامہ تقی فاسی نے تاریخ مکہ مکرمہ میں اسی کا اعتبار کیا ہے۔ میری اس کتاب میں جہاں بھی اس کا ذکر آئے گا اندازہ یہی ہو گا۔

کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ میل چھ ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے' علامہ نووی سے اسی کو لیا ہے لیکن یہ بات بعید ہے۔ شائد اس کا قائل وہی شخص ہے جو ہاتھ میں موجود انگلی کی پیائش صرف تین جو بتاتا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ میل دو ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے لیکن صحیح وہی ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۲

حرام قرار دئے ہوئے اس رقبہ کی تخصیص میں حکمت کیا ہے

یہ رقبہ کیوں خاص کیا گیا؟

یاد رکھئے کہ اس رقبہ کو حرام قرار دینے میں جو کچھ سمجھ آتا ہے' یہ ہے کہ اس سے مدینہ طیبہ کو شرف دیا جا رہا تھا اور اس کی عظمت بیان کی گئی تھی کیونکہ ساری مخلوق میں سے افضل ﷺ اس میں آرام فرما ہیں' آپ کے انوار و برکات اسی زمین سے پھیلے ہیں اور پھر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر بیت اللہ کو حرم قرار دیا ہے کہ اس کی تعظیم کا پتہ چل سکے تو اسی طرح اپنے حبیب اور پوری مخلوق میں سے باوقار کے لئے وہ مقام تجویز فرمایا ہے جو حرم ہے اور جس میں آپ آرام فرما ہیں تا کہ آپ کے احکام چلتے رہیں اور لوگ برکتیں حاصل کرتے رہیں۔ اس مقام میں وہ خیر و برکت' اور انوار میں جو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور جلد یا دیر سے یہاں ایسی سلامتی پائی جاتی ہے جو کہیں اور نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو حارثہ کو یہاں ٹھہرنے پر ابھارا تھا جیسے آپ نے فرمایا تھا: اے بنو حارثہ! تم حرم سے نکلے ہو' پھر دوبارہ متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم حرم ہی میں ہو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ یہاں ٹھہرنے میں جو خصوصیت ہے' وہ کہیں اور نہیں ہے۔

رہی اس رقبہ کی خصوصیت تو شاید اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اس میں حکم ربانی کا مشاہدہ فرما لیا تھا اور کوئی روحانی راز کی بات تھی جسے اللہ تعالیٰ کی بیان کی گئی حدود میں پھیلا دیا گیا تھا چنانچہ مشاہدہ کرنے والے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے حرم اور اہلِ حرم کی ان حدود میں انوار کو بکھرے دیکھا ہے' اس کے اسی حرم میں وہ مقام موجود ہیں جہاں سے یہ انوار نکلتے ہیں اور یہ سارے حرم میں یونہی ہے چنانچہ ظاہری احکام ان باطنی حقیقتوں کی بناء پر لاگو ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ آگ جس کا ذکر آ رہا ہے' جب اس حرم کی طرف بڑھی تو بجھ گئی تھی یا پھر ان حدود کا مقرر کرنا اللہ کی مرضی اور ایسی وحی ربانی کی بناء پر ہے جسے ہم نہیں جانتے کیونکہ بشری عقلیں نبوت سے پھوٹنے والے احکام کے معانی کو سمجھنے سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کو سمجھنے کی توفیق دے۔

اس رقبہ کی یہ حد بندی کیوں ہے؟

حرم مکہ کی حد بندی میں ایسی اشیاء کا ذکر ہے جن جیسی مدینہ میں بھی ہونا ممکن ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر گرا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے بہت سے فرشتے بھیجے جنہیں حکم ہوا کہ مکہ کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لو۔ وہ حرم کے نشانوں پر آپ کی حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے اور یوں یہ حرم بن گیا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے موقع پر حجرِ اسود کعبہ میں لگایا تو وہ ہر طرف سے چمک اُٹھا چنانچہ جہاں تک اس کی روشنی پہنچی' اللہ تعالیٰ نے اسے حرم قرار دے دیا (یہ پتھر جنت سے آیا تھا)۔

کچھ حضرات یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ جنت سے یاقوت لے کر زمین پر اُتر جاؤ' وہ اُترے اور حضرت آدم علیہ السلام کے سر سے لگایا جس سے ان کے بال بکھر گئے چنانچہ جہاں تک ان کی روشنی پہنچی' حرم بن گیا' یہ اسی کی جنس سے تھا۔ اس وقت احتمال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے شہر کی حفاظت پر مقرر فرشتے ان حدود پر کھڑے ہوں چنانچہ وہاں تک حرم ہو گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ جس انمول موتی سے آپ کو پیدا کیا گیا' وہ آپ کی قبرِ انور کی جگہ سے لیا گیا تھا جو بندہ کے باغ کا سب سے عظیم حصہ ہے اور آپ کی مبارک مسجد بھی جنت کے باغ پر ہے' تو وہاں سے انوار نکل کر اس مقام تک پھیل گئے ہوں جس کی انتہاء اللہ ہی جانتا ہے لیکن دیکھنے والوں کی آنکھوں کی ایک حد مقرر ہے چنانچہ جہاں تک آنکھوں نے دیکھا' وہاں تک کا علاقہ حرم بن گیا۔

یہ احتمال بھی ہے کہ جب آپ مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہوں' یہ روشنی پھیلی ہو اور مشاہدہ کرنے پر یہاں تک پہنچی دکھائی دی ہو' آگے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول مبارک آ رہا ہے جس میں آپ کی یہاں تشریف آوری کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ فرمایا: اس دن جیسا میں نے کوئی دن نہیں دیکھا' بخدا مدینہ کی ہر شے روشن ہو گئی تھی' واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۲

حرم شریف کے احکام' اس میں بہت سے مسائل ہیں

یہاں کا شکار اور درخت کاٹنا حرام ہے

۱۔ حضرت امام شافعیؒ' امام مالک اور امام احمد نے حرمِ مدینہ کا شکار کرنے اور درخت کاٹنے پر اتفاق کیا ہے کہ یہ حرام ہے جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کوئی شے یہاں حرام نہیں' احادیث صحیحہ واضح طور پر اس کی دلیل ہیں جن میں سے کچھ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر آپ کا یہ فرمان نہ ہوتا۔ "جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا۔" تو کافی تھا کیونکہ اسے ہر اس چیز کے لئے دلیل بنایا جا سکتا تھا جس میں حرمین کے الگ الگ ہونے پر دلیل قائم نہ ہو۔

حضرت ابو داؤد رحمہ اللہ نے بتایا کہ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے آدمی کو پکڑ لیا جو مدینہ کے اس حرم میں شکار کر رہا تھا جسے نبی کریم علیہ السلام نے حرام کیا لہٰذا اس کے کپڑے چھین لئے چنانچہ اس کے مالک آئے اور اس بارے میں گفتگو کی جس پر آپ نے کہا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے اس جگہ کو حرم قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ "جو یہاں کسی کو شکار کرتے پکڑ لے تو اس کا سامان چھین لے۔" لہٰذا میں تمہیں وہ روزی واپس نہیں کروں گا جو حضور علیہ السلام نے مجھے دے دی ہے' ہاں چاہو تو میں تمہیں اس کی قیمت دے دیتا ہوں۔" اور ایسی ہی حدیث درخت کاٹنے کے بارے میں بھی

آرہی ہے۔

مؤطا میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے ایسے غلام دیکھے جنہوں نے ایک لومڑی کو ایک طرف بند کر رکھا تھا چنانچہ آپ نے انہیں بھگا دیا۔حضرت امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا:''کیا رسول اللہ ﷺ کے حرم میں ایسا ہو رہا ہے۔''

مؤطا ہی میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک آدمی نے کہا کہ میرے پاس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تشریف لائے' میں اس وقت ''اسواف'' میں تھا اور میں نے ایک شکاری پرندہ پکڑ رکھا تھا' حضرت زید نے مجھ سے پکڑ کر اسے چھوڑ دیا۔یہی روایت امام طبرانی نے بھی کی ہے' الفاظ یوں ہیں:''حضرت شرجلیل بن سعید رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے ایک شکاری پرندہ ''اسواف'' میں پکڑا تھا' مجھ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پکڑا اور چھوڑ دیا اور فرمایا: تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو پتھریلے ٹکڑوں کے درمیانی مقام کو حرم قرار دیا ہے۔''

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت ہمارے پاس اس وقت آئے جب ہم اپنے باغ میں تھے' ہمارے پاس ایک جانور تھا جسے کھڑا کر دیا وہ چیخا اور ہم نے اسے چھوڑ دیا' کہنے لگے: تم جانتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا شکار حرام کر دیا ہے؟

حضرت شرجلیل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت زید بن ثابت ہمارے پاس باغ میں آئے' ہم ابھی بچے تھے' ہم نے جانور کے لئے جال لگا رکھا تھا' انہوں نے ہمیں بھگا دیا' روکا اور کہا: رسول اللہ ﷺ اس مدینہ کا شکار کرنا حرام کیا ہے۔''

ابن زبالہ نے یوں بیان کیا ہے: میں اسواف میں بنی زید بن ثابت کے ہاں تھا' انہوں نے ایک شکاری پرندہ پکڑا' ابھی وہ ان کے ہاتھوں ہی میں تھا کہ سب سے پہلے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آ گئے' انہوں نے جانور مجھے پکڑا دیا اور بھاگ گئے' اتنے میں حضرت زید آ گئے' انہوں نے مجھ سے پکڑ کر چھوڑ دیا اور پھر میری گدّی میں تھپڑ لگایا اور کہنے لگے' تمہاری ماں نہ رہے' تم جانتے نہیں' اور پھر باقی حدیث بیان کی۔

امام طبرانی نے حضرت زید بن ثابت کے غلام حاجب سے روایت کی اور کہا: میرے پاس حضرت زید بن ثابت آئے' میں اس وقت اُسواف میں تھا اور ایک شکاری جانور کا شکار کر رکھا تھا' انہوں نے پیچھے سے میرے کان پکڑے اور فرمایا: تم یہاں شکار کرتے ہوتے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے دو پتھریلی جگہوں کے درمیان شکار حرام کر رکھا ہے؟

لفظِ نُھَسْ' صُرَدْ کی طرح ہے اور اس کی طرح کا ہوتا ہے لیکن مر نہیں ہوتا۔دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ جنگلی کبوتر ہوتا ہے۔

طبرانی میں ہیثمی کا قول ہے' کہا: میں اصحاب سوین چڑیوں کا شکار کرتا تھا کہ مجھے عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا' میں نے چڑیا پکڑی تھی' انہوں نے مجھ سے چھینی اور چھوڑ دی اور کہا اے بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو

حرم بنایا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے کہا کہ میں نے قبیلہ جانور کے ذریعہ ایک جانور کا شکار کیا' اسی دوران مجھے ابو عبد الرحمٰن ملے' میرا کان مروڑا پھر مجھ سے وہ جانور پکڑا اور چھوڑ دیا' فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا شکار کرنا حرام قرار دیا ہے۔

ابو داؤد میں حضرت سعد کے غلام سے روایت ہے کہ حضرت سعد نے مدینہ کے کچھ لڑکے دیکھے جو مدینے کے درخت کاٹ رہے تھے' آپ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان کا سامان قبضے میں لے لیا اور ان کے مالکوں سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ اس بات سے منع فرما رہے تھے کہ مدینے کے درختوں سے کچھ کاٹا جائے پھر فرمایا: جو ایسا کرے گا تو اسے پکڑنے والے کو اس کا سامان دے دیا جائے گا۔

حضرت امام مسلم کی روایت یہ ہے: حضرت سعد عقیق میں اپنے محل کی طرف روانہ ہوئے' راستے میں دیکھا کہ ایک شخص درخت کاٹ رہا تھا یا جھاڑ رہا تھا' آپ نے اس سے سامان چھین لیا چنانچہ جب حضرت سعد آئے تو اس کے مالکوں نے آپ سے بات کی کہ انہیں غلام کا سامان واپس کر دیں جو انہوں نے اس سے چھین لیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ معاف کرے' میں وہ سامان واپس نہیں کر سکتا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے انعام میں دیا ہے۔

حضرت مفضل جندی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: حضرت سعد اپنے محل کی طرف سوار ہو کر گئے جو عقیق میں تھا' ایک آدمی کو دیکھا جو درخت کاٹ رہا تھا۔ آپ نے اس کا سامان پکڑ لیا۔ پھر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی' الفاظ یہ ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک انسان کو عقیق میں درخت کاٹتے دیکھا یا وہ جھاڑ رہا تھا چنانچہ انہوں نے اس کا کلہاڑا وغیرہ پکڑ لیا' وہ غلام اپنے مالکوں کے پاس گیا اور واقعہ بتایا' وہ سوار ہو کر حضرت سعد کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ ہمارا غلام ہے لہٰذا اس کا سامان واپس کر دو۔ آپ نے کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے' پھر وہ کچھ کہا جو دسویں فصل میں ہم ذکر کر چکے ہیں اور آخر میں کہا: میں وہ سامان واپس نہیں کروں گا جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے عاصیہ سلمیہ کی ایک لونڈی دیکھی جو گھاس پھوس کاٹ رہی تھی' آپ نے اسے مارا اور اس کا کپڑا چھین لیا پھر اس سے کلہاڑا بھی لے لیا۔ عاصیہ سلمیہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئیں اور حضرت سعد کی شکایت کی۔ انہوں نے حضرت سعد سے کہا کہ سامان واپس کر دو' اے ابو اسحاق! انہوں نے کہا نہیں' بخدا میں اسے واپس نہیں کروں گا' یہ غنیمت کا مال ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا ہے' میں نے انہیں فرماتے سنا تھا کہ جو بھی قابلِ حفاظت شے کو کاٹتا دکھائی دے' اسے مارو اور اس کا سامان چھین لو چنانچہ آپ اس کلہاڑے سے آخری دم تک لکڑیاں کاٹنے کا کام لیتے رہے۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے عاصیہ سلمیہ کی ایک لونڈی کو پکڑ لیا جو عقیق

کے مقام پر درخت کاٹ رہی تھی چنانچہ اس کا سامان چھین لیا۔آگے اسی طرح بیان کر دیا نیز حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حرمِ مدینہ سے تازہ درخت وغیرہ کاٹنے والے کا سامان، غنیمت بنا لینے کی اجازت دی۔

علامہ جندی نے عبدالکریم بن ابو المخارق کی روایت لکھی، انہوں نے بتایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ کے ایک جانب تشریف لے گئے، کسی کے غلام کو باغ میں دیکھا تو فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی لکڑیاں کاٹنے آتا ہے؟ اس نے عرض کی، ہاں، حضرت عمر نے فرمایا: اگر تم کسی کو دیکھ لو تو اس کا کلہاڑا اور رسّی وغیرہ پکڑ لو۔غلام نے پوچھا: کپڑے بھی پکڑ لوں؟ آپ نے انکار کیا۔

آپ ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون نے فرمایا: میں تمہیں ان لکڑیاں کاٹنے والوں پر مقرر کرتا ہوں چنانچہ جو حدودِ مدینہ میں لکڑیاں کاٹتا نظر آئے، اس کا کلہاڑا اور رسّی وغیرہ تم سے لینا، اس نے پوچھا: اس کے دونوں کپڑے بھی؟ اس پر آپ نے فرمایا: اتنا ہی کافی ہے۔

حرمِ مدینہ میں درخت وغیرہ کاٹنے کو حرام کہنے والے حضرات ضمانت کے لحاظ سے جزاء کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ امامِ احمد سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے بھی دو روایتوں کی طرح دو قول ہیں، دونوں حضرات کا بعد والا نیا قول تو یہ ہے کہ ضمان (تاوان) نہیں لیا جائے گا، امام مالک کا بھی یہی قول ہے کیونکہ یہ حج کے افعال کا مقام نہیں ہے لہٰذا یہ ایسے ہوگا کہ جیسے چراگاہ کے مقام ہوتے ہیں یا طائف کی وادیٔ وجّ ہے لیکن دونوں حضرات کا قدیم قول یہ ہے کہ ان سے تاوان لیا جائے گا، یہی صحیح ہے جیسے امام نووی وغیرہ نے کہا ہے اور جیسے حضرت سعد کی گذشتہ حدیث آ چکی ہے اور اس کا جواب مشکل ہے چنانچہ اس بنیاد پر صحیح ترین بات یہ ہے کہ شکار کرنے والے اور درخت، گھاس کاٹنے والے کا سامان چھین لیا جائے گا جیسے مقتول کافر کا سامان چھین لیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا گھوڑا اور ہتھیار بھی چھین لیا جاتا ہے، کچھ حضرات صرف کپڑا چھیننے کا کہتے ہیں اور پھر صحیح یہ ہے کہ چھینا ہوا یہ سامان چھیننے والے کا ہوگا لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ فقراءِ مدینہ کو دے دیا جائے جیسے مکہ کے شکار کا تاوان اور بدلہ مکہ کے فقراء کو دیا جاتا ہے۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ سامان بیت المال میں رکھ دیا جائے اور ان کا استعمال ویسے ہی ہوگا جیسے مصلحت کے لئے رکھے گئے تیروں کا ہوتا ہے۔

حضرت شیخ ابو محمد کہتے ہیں کہ جس سے سامان چھین لیا جائے، اسے چادر دے دی جائے تاکہ وہ اپنا جسم ڈھانک سکے اور جب اس کو جسم ڈھانکنے کے لئے کوئی کپڑا مل جائے تو اس سے واپس لے لے۔رویانی کہتے ہیں کہ کپڑا اسی کے پاس رہنے دیا جائے، امام نووی نے بھی اسی کو درست کہا ہے۔

امام رافعی کہتے ہیں کہ جو بات حدیث اور کلامِ ائمہ سے ذہن میں فوراً آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ شکار کرے اس وقت اس سے سامان چھینا جائے، اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ سامان اس وقت چھینے جب نقصان ہو جائے۔علامہ غزالی

نے ''وسیط'' میں لکھا ہے کہ جب تک کوئی شکار نہ کر لے یا شکار کے لئے کتا وغیرہ نہ چھوڑ دے' اس وقت تک نہ چھینا جائے اور چیز کے برباد ہونے تک تاخیر کا احتمال ہوتا ہے۔انتہی پھر اس معاملے میں شکار کا فرق نہیں اور نہ ہی درخت کے بارے میں کوئی فرق ہے (کہ کیسا ہو) کیونکہ چھینا گویا ایسے ہوتا ہے جیسے کاٹنے والے کو سزا دے دی۔

علامہ سراج بلقینی کہتے ہیں کہ اگر درخت کاٹنے یا شکار کرنے والا غلام ہے تو کیا اس کے کپڑے چھین لئے جائیں گے جیسے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں گذرا؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ جہاں تک میری نظر کام کرتی ہے' غلام سے کچھ نہ چھینا جائے کیونکہ وہ تو کسی شے کا مالک ہوتا ہی نہیں اور یونہی اگر شکار کرنے والے پر اجرت کے کپڑے ہوں یا کسی سے مانگ رکھے ہوں تو وہ بھی نہیں چھینے جائیں گے کیونکہ میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا جس کا یہ قول ہو' انتہی۔

میں کہتا ہوں' تحقیق یہ ہے کہ یہاں تفصیل ہے' دیکھا جائے گا' اسے اس کے آقا یا قائمقام نے حکم دیا ہے یا نہیں دیا؟ حضرت سعد والا معاملہ پہلی صورت میں شمار ہوگا (وہاں آقا کا حکم تھا) اور پھر اگر شکاری یا لکڑیاں کاٹنے والے پر چھینے ہوئے کپڑے ہوں گے تو وہ بلا خلاف نہیں چھینے جائینگے جیسے شرح المہذب میں ہے اور انہوں نے اسے وہاں نقل کیا ہے جہاں دریا سے پکڑی چیزوں کا ذکر کیا ہے پھر کہا کہ مانگ کر لی ہوئی چیز کا حکم بھی یہی ہے اور اگر اس نے کسی کو شکار کرتے نہیں دیکھا تو ظاہر ہے پکڑنے والا لازماً وہ سامان' امام کے نائب کو پہنچا دے اور اگر شکاری نے کسی کے پاس شکار کا ذکر کر دیا اور اس نے سن لیا تو کیا اس صورت میں جائز ہے کہ اس کا سامان چھین لے؟ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ نہ چھینے۔انتہی اور اگر حرم میں شکار داخل ہو جائے تو اس لازم نہیں کہ اسے چھوڑ دے' بالاتفاق اسے ذبح کر سکتا ہے' حرم مکہ بھی ہمارے نزدیک یونہی ہے۔

حضرت بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام مکہ میں آتے تو وہاں پنجروں میں بند جنگلی کبوتر اور چکور دیکھتے۔یہ معاملہ ویسا ہی ہے جیسے اس حدیث کا واقعہ ہے: اے ابوعمیر! تمہارے ساتھ بلبل نے کیا کیا؟'' یا یہ واقعہ مدینہ کے حرم بننے سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ ہجرت کی ابتداء میں ہوا تھا جبکہ مدینہ کو حرم حضور ﷺ کے خیبر سے واپس آنے پر بنایا گیا تھا جسے ابن حجر نے واضح کیا ہے۔

حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے مدینہ کا شکار حرام نہ ہونے پر ابوعمیر کے واقعہ کو دلیل بنایا ہے کیونکہ ان کے نزدیک حرم مکہ میں باہر سے داخل کئے جانے والے شکار کو چھوڑ دینا لازم ہے' وہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ مدینہ کا شکار حرام کیا ہوتا تو ابوعمیر کے ہاتھ میں وہ شکار نہ رہنے دیتے۔(ہماری طرف سے) اس کا جواب گذر چکا ہے۔

علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں شکار وغیرہ کو حرام نہ کہنے والوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مقصد مدینہ کی خوبصورتی اور حسن کو برقرار رکھنا تھا کہ اسے وطن بنایا جا سکے اور یہی وجہ ہے کہ مدینہ کے ٹیلوں کو گرانے سے روک دیا گیا تھا کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے ٹیلے گرانے سے منع فرمایا اور

فرمایا تھا کہ یہ مدینہ کی زینت ہیں' چنانچہ یہ نہی تنزیہ کے لئے ہے۔

علامہ بیہقی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نہی تحریم کے لئے ہوتی ہے جب تک نہی تنزیہ کا کوئی ثبوت نہیں۔آپ نے کہا کہ مخالف' اس حدیث ابوسلمہ سے استدلال کرتے ہیں: "دیکھو اگر تم عقیق میں جا کر شکار کرتے تو جاتے وقت میں بھی تمہارے ساتھ چلتا اور واپس آتے وقت تجھ سے ملاقات کرتا کیونکہ مجھے عقیق سے محبت ہے۔"

علامہ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور جیسے احادیث سے واقفیت کا دعویٰ ہے اسے حرمتِ مدینہ بتانے والی صحیح احادیث کے ذریعے اس حدیث ضعیف کا مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مقام جہاں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نے شکار کیا تھا' مدینہ کی حدود سے باہر ہو اور وہ مقام جہاں حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے غلام کو درخت کاٹتے دیکھا تھا' حرم میں داخل ہو چنانچہ اس صورت کے لحاظ سے دونوں حدیثیں ایک دوسرے کا مقابلہ نہیں کرتیں اور اگر اختلاف ہو تو حضرت سعد کی روایت پر عمل ہو گا کیونکہ اس کے راوی مضبوط اور حدیث صحیح ہے' حضرت سلمہ کی حدیث پر نہیں ہو گا۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث سعد کے باوجود یہ معاملہ نہیں کیونکہ درخت کاٹنے کا معاملہ عقیق میں واقع ہوا تھا اور آپ کا عقیق کی طرف سوار ہو کر جانا یہ نہیں بتاتا کہ درخت وہاں کاٹا ہو بلکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ یہ کاٹنا حرم سے باہر واقع ہوا تھا علاوہ ازیں عقیق کا جو حصہ ذوالحلیفہ سے ملتا ہے' ہمارے نزدیک وہ حرم نہیں کیونکہ وہ دو پتھریلی زمینوں (لابتین) سے باہر ہے اور مالکی حضرات اگرچہ برید (بارہ میل) کا اعتبار کرتے ہیں لیکن ان کے نزدیک شکار کا حرم لابتین کے درمیان ہی ہے جیسے بتایا جا چکا حالانکہ عقیق' نقیع تک پھیلا ہوا ہے لہٰذا اس عقیق کا کچھ حصہ بہرحال باہر ہے چنانچہ علامہ بیہقی نے جو کچھ کہا ہے' وہ صحیح ہے' رہا سعد کا محل تو وہ وہاں کے محلات میں اندر کی طرف حرم میں داخل ہے کیونکہ وہ حرۂ غربیہ میں ہے' اسے غور سے دیکھو اور پھر حدیث سلمہ میں احتمال یہ ہے کہ مدینہ کو حرم بنانے سے پہلے کی ہو۔ واللہ اعلم۔

حرم سے کیا کچھ خارج شمار ہوتا ہے؟

حضرت علامہ مطری نے ابن النجار کی پیروی کرتے ہوئے کجاوہ اور ضرورت کی چیزیں بنانے کے لئے حرم کے درخت کاٹنے کو جائز قرار دیا ہے یونہی وہ گھاس وغیرہ کاٹنے کا جواز بتاتے ہیں جس کی ضرورت ہوتی ہے' مکہ کے لئے اجازت نہیں دی' دونوں کا قول ایک جیسا ہے' ان سے پہلے حنبلی حضرات میں سے ابن جوزی نے جائز لکھا ہے چنانچہ حج کے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مدینہ' اس میں مکہ سے الگ حکم رکھتا ہے کہ کیا مدینہ سے اس صورت میں درخت کاٹنے کی اجازت ہے جب ضرورت کی چیزیں بنانا ہوں' مثلاً کجاوہ وغیرہ انتہی۔

ان سب حضرات نے جواز کا مسئلہ دسویں فصل میں مذکور ان احادیث سے نکالا ہے جن میں ایسے مسائل کے

بارے میں گنجائش موجود ہے پھر ابن زبالہ کی یہ حدیث بھی موجود ہے کہ:

''یا رسول اللہ! ہم کام کاج والے لوگ ہیں' ہم دور جانے سے مجبور ہیں لہٰذا ہمیں پائے بنانے' چارپائی' چوکھٹ بنانے اور مسواک کے لئے لکڑی کاٹنے کی اجازت عطا فرما دیں' اس کے علاوہ کوئی شے کاٹی نہیں جائے گی' نہ ہی جھاڑی جائے گی۔''

پہلے تو اس بارے میں کلام کرنا ہے کہ سند کے لحاظ سے استدلال کی صورت کیا ہے حالانکہ ہم ان احادیث کی ممنوعہ چیزوں میں اس کی ممانعت لکھ چکے ہیں' خصوصاً ہم نے حدیث طبرانی لکھی ہے کیونکہ اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ کی حفاظتی چیزوں کو نہ تو جھاڑا جائے اور نہ کاٹا جائے' بس آرام سے ہلایا جائے۔ اور پھر فرمایا: اے جابر! رسول اللہ ﷺ کونپلیں کاٹنے سے منع فرماتے ہیں اور جو ہمارے شافعی حضرات کے کلام میں غور کرتے ہیں انہیں اس سے صرف یہ سمجھ آتا ہے کہ اس معاملے میں دونوں حرم برابر ہیں کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ چوپائیوں کے لئے حرم مکہ کی گھاس پھوس کاٹنا جائز ہے پھر علامہ نووی نے بھی اس حدیث مسلم ''اس کے درخت چارے کے بغیر نہ جھاڑے جائیں۔'' پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے: اس سے پتہ چلتا ہے کہ درختوں کے پتے چارہ کے لئے جھاڑنا جائز ہیں البتہ ٹہنیاں کاٹنا حرام ہے' انتھی پھر آپ کے علاوہ اوروں نے بھی مکہ کے درختوں کے بارے میں لکھا ہے کہ درختوں کے پتے جھاڑنا جائز ہے البتہ اتنا زور سے نہ ہلائیں کہ ٹہنیاں کٹ جائیں اور پھر شرح المھذب میں بھی ہے: درختوں کے پتے اور چھوٹی ٹہنیاں مسواک وغیرہ کے لئے جھاڑے جا سکتے ہیں۔ انتھی چنانچہ ثابت ہوا کہ دونوں حرم اس معاملے میں برابر ہیں۔

علامہ غزالی نے بسیط اور وسیط میں حرم مکہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: اگر درختوں سے اس ضرورت کے لئے کچھ کاٹا جائے جس کے لئے اذخر (ایک نرم بوٹی) کام آتی ہے' جیسے چھتوں وغیرہ پر ڈالنا' تو اس میں دواء کے لئے اختلاف ہے' صحیح یہ ہے کہ جائز ہے' صاحب حاوی کبیر نے بھی ان کی پیروی کی ہے چنانچہ انہوں نے ضرورت کے لئے کاٹنے کی کھلی چھٹی دی ہے' صرف دوائی کے لئے جائز نہیں کہا۔ بہت کم لوگ اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہیں۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس کے ذریعے علامہ مطری نے کچھ چیزوں کے حرم میں کرنے کا جواز نکالا ہے لیکن دونوں حرموں کو برابر جانا ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں' مہلب نے کہا کہ ''نبی کریم ﷺ نے جب مسجد تعمیر فرمائی تو مدینہ سے کھجور کا درخت کٹوا دیا تھا اور یہ بات بتاتی ہے کہ نہی اس صورت میں نہیں جب کسی عمارت یا اصلاح کے لئے درخت کاٹے جائیں' یہ بات بھی نکلتی ہے کہ یہاں کے درخت کسی عمارت یا سائے وغیرہ کے لئے کاٹے جا سکتے ہیں اور پھر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نہی کا مقصد صرف یہ ہے کہ دیکھنے والے کو وہ درخت خرابی پیدا کرتا نظر نہ آئے' مدینہ کی تروتازگی متاثر نہ ہو اور اس کی سبزہ زاری میں فرق نہ آئے۔ انتھی۔

ایک ایسی ہی روایت ابن زبالہ نے لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سبزہ زار کی طرف دیکھتے ہوئے بنو حارثہ

سے فرمایا تھا: ''یہ سبزہ زار اور چراگاہ میں تمہیں اس صورت میں دیتا ہوں کہ جو شخص بھی یہاں سے درخت کاٹے' اس کی جگہ اور لگا دیا کرے۔'' ابن زبالہ ضعیف شخص ہیں اور نبی کریم ﷺ نے صرف کھجور کا درخت کاٹا تھا جسے آدمی لگاتے رہتے ہیں اور اس میں اختلاف موجود ہے' مالکی اور حنفی حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یہ درخت تو مدینہ ہی نہیں' مکہ میں بھی کاٹا جاتا ہے' ایک قول ہمارا بھی یہی ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اسے ان درختوں میں شامل کیا جائے جو خود بخود اُگتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے' ہوسکتا کہ یہ واقعہ مدینہ کو حرم بنانے سے پہلے کا ہو یا یہ کہ آپ نے اسے کسی عمارت جیسی ضرورت کے تحت کاٹا ہو کیونکہ سامنے جواز ہی آتا ہے جیسے اس سے قبل امام غزالی سے گذر چکا' اہلِ مدینہ اس سے گھروں کی چھتیں ڈالتے رہے اور وہ کھجوریں کاٹ کر ڈالتے تھے۔

علامہ واقدی نے ''الحرم المکی'' میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے عمارت کے لئے حرم مکہ کے درخت کاٹنے کی رخصت دی ہے' علاوہ ازیں ماوردی نے اجازت ان درختوں کے بارے میں دی ہے جسے لوگ خود لگاتے ہیں چنانچہ اس اختلاف کا نتیجہ اس مقام پر نظر آئے گا جہاں حرم کی بنجر زمین میں یہ درخت ہوگا لیکن اگر اس نے اپنی ملک والی زمین میں لگایا ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا (وہ کاٹا جا سکتا ہے) انتہی۔

رہا درختوں کے علاوہ کسی اور چیز کا کاٹنا' جیسے مثلاً گندم اور سبزیاں وغیرہ تو انہیں کاٹنے میں کوئی اختلاف نہیں' یونہی جو چیزیں غذا بنتی ہیں اور جنہیں انسان خود کاشت کرتا ہے جیسے خرفہ وغیرہ (انہیں بھی کاٹا جا سکتا ہے) کیونکہ یہ زراعت میں شامل ہیں۔ انہیں روکی ہوئی چیزوں میں سے نکالنے کے لئے محب طبری نے ''شرح التنبیہ'' میں وضاحت کر دی ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کیونکہ جب یہ چیزیں مویشیوں کے لئے کاٹی جا سکتی ہیں تو پھر انسان بہر صورت ان کے لئے زیادہ حقدار ہوگا۔

تیسری بات' یہ جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ دوائی وغیرہ کے لئے اسے کاٹ سکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس غرض سے پاس رکھا بھی جا سکتا ہے خواہ یہ اس کام نہ بھی آ سکیں' البتہ ''روضہ'' کی یہ عبارت موجود ہے: ''اگرچہ دواء کے لئے حرم کی کسی جڑی بوٹی کی ضرورت پڑے۔'' اور شرح المہذب میں ہے کہ چارے کے لئے حرم کی نباتات کاٹی جا سکتی ہیں اور اگر کاٹی ہوئی کو بیچنا چاہے تو جائز نہیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ دواء بھی یونہی ہے۔ باقی ماوردی نے جو کچھ کہا ہے اس سے بالکل جواز نکلتا ہے اور یہ ظاہر ہے کیونکہ سناءِ مکی کو کاٹنے پر کوئی انکار نہیں کرتا۔

مدینہ منورہ میں بے ارادہ قتل پر دیت اور قصاص لازماً ہوگا

حرم مدینہ میں بے ارادہ قتل ہو جانے پر مکہ کی طرح قاتل پر دیت اور قصاص سختی سے لازم ہوتا ہے' صحیح بخاری کی ایک وجہ اس کے خلاف ہے اور یہ مسئلہ آپ کے اس قول میں عمومیت کی وجہ سے نکلتا ہے: جیسے حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام فرمایا تھا۔" اور سراج بلقینی نے صحیح کی اسی وجہ کو پسند کیا ہے' وہ کہتے ہیں: کیونکہ اس میں اس کا اختلاف ایسے ہی ہے جیسے مکہ میں شکار کی ضمان ہوتی ہے جبکہ نووی کے نزدیک یہاں کے شکار کی ضمان شکار کو ختم کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے' اس کی ایک وجہ ہے کہ آپ کے قول میں عمومیت ہے' مکہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ کافر کو یہاں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے' کسی صورت میں وہ یہاں داخل نہیں ہوسکتا البتہ مدینہ میں امام یا اس کے نائب کی اجازت سے کسی مصلحت کی بناء پر داخل ہوسکتا ہے۔مکہ سے روکنے کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو یہاں سے نکالا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی کہ کسی بھی طور پر وہ یہاں داخل نہیں ہو سکتے' مقصد رسول اللہ ﷺ کی عظمت بیان کرنا تھا۔

علامہ رویانی نے مکہ اور مدینہ میں اس لحاظ سے برابری کو اچھا جانا ہے کہ جو بھی کافر ان دونوں مقامات میں سے کسی جگہ مر جائے تو اسے یہاں سے نکال کر کہیں باہر دفن کیا جائے اور مکہ سے اس حکم کی خصوصیت وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

حرمِ مدینہ میں گری پڑی چیز کا حکم

ہمارے (شافعیہ) اصحاب میں سے صاحب "الانتصار" نے گری پڑی چیز کے حکم کے بارے میں حرمِ مکہ و مدینہ اس بات میں برابر سمجھا ہے کہ اس کا مالک بننا حلال نہیں بلکہ کبھی اسے حفاظت میں بھی نہ لے لیکن دارمی کہتے ہیں کہ حرمِ مدینہ کی گری چیز کا حکم حرمِ ملہ کی گری چیز سے نہ ملایا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ دلیل کی بناء پر تو اوّل قول صحیح ہے کیونکہ اس کے بارے فصل نمبر ۸ میں واضح احادیث آ چکی ہیں اگر ہمارے اصحاب نے اسے مکہ ہی خاص کیا ہے۔

حرمِ مدینہ کے اندر باہم جنگ کرنا

گذشتہ احادیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ: "لڑائی کے لئے یہاں ہتھیار نہ اُٹھائے جائیں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بھی وہی اختلاف سامنے آئے گا جو حرمِ مکہ کے بارے میں آ چکا کہ جو جائز لڑائی کسی اور مقام پر ہوسکتی ہے وہ یہاں نہ ہونے پائے جیسے مثلاً باغیوں کو قتل کرنا بلکہ ان کو اتنا تنگ کیا جائے کہ یہاں سے نکل جائیں یا توبہ کر لیں جیسے کہ بہت سارے علماء یہی نظریہ رکھتے ہیں لیکن جو یہ کہتے ہیں کہ ان سے جنگ کر کے قتل کیا جائے کیونکہ یہ لڑائی حقوق اللہ میں سے ایک حق ہے اور حرم میں اس حق کی حفاظت اور ضروری ہے جبکہ حرم کسی گنہگار کو پناہ دیتا ہی نہیں۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ مکہ میں کسی کو ہتھیار اُٹھانے کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ یہاں جنگ کرنے سے روکا گیا ہے لہٰذا ہتھیار نہ اُٹھائے کہ یہ جنگ کا سبب ہے' پھر حضور ﷺ کا قول مبارک بھی ہے: "کسی کو مکہ

میں ہتھیار اُٹھانا حلال نہیں۔ (مسلم)۔

حرم کے پتھروں سے استنجاء کا حکم

حضرت ماوردی رحمہ اللہ نے دو وجوہ بیان کئے ہیں جن کی بناء پر حرم کے پتھروں سے استنجاء کرنا جائز ہے' کہا کہ ظاہر مذہب یہ بتاتا ہے کہ اس سے فرض ثابت ہو جاتا ہے لیکن گناہ ہوگا۔

مین کہتا ہوں کہ اسے اس شخص کے مطابق سمجھا جائے گا جس نے حرم سے پتھر اُٹھایا کہ حرم سے باہر جا کر مثلاً اس سے استنجاء کرے ورنہ یہ مشکل ہے کیونکہ حرم پیشاب کرنے کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں چنانچہ پتھر سے استنجاء کرنا بھی ایسا ہی ہے۔

ماوردی نے سونے اور ریشم سے فرضِ استنجاء ساقط ہونے میں جو دو وجہیں نقل کی ہیں ان کا ذکر کرنے کے بعد شرح مہذب کی عبادت یوں ہے: ''ماوردی نے ان دو وجوہ کو حرم کے پتھر سے استنجاء کرنے کے بارے استعمال کیا ہے۔انتھی اور واقعی یہ احتمال موجود ہے کیونکہ ہم اسے ثابت کر چکے ہیں چنانچہ علامہ نووی نے حرم کی مٹی سے بنے ہوئے برتنوں میں کھانا ناجائز قرار دیا ہے جیسے علامہ دمیری نے لکھا ہے اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اسے اس شخص کے لئے منع لکھا ہے جو یہ پتھر حرم سے باہر لے جائے اور یہ بات پوشیدہ نہیں۔

حرم مدینہ کی مٹی کہیں لے جانے کا حکم

حضرت نووی رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ حرمِ مدنی کی مٹی اور پتھر کہیں لے جانے حرام ہیں کیونکہ حرم مکی میں موجود اختلاف کو اس سلسلے میں کافی سمجھا ہے اور اس میں حرام کرنے کو صحیح قرار دیا ہے لیکن علامہ رافعی نے اسے مکروہ کہا ہے جیسے کہ اس کراہت کو نووی نے بہت سے بلکہ بہت زیادہ لوگوں سے نقل کیا ہے اور قاضی ابو الطیب نے بھی اسے امام شافعی کی قدیم نص سے نقل کیا ہے اور ان کی نص سے جامع کبیر میں حرام ہونا نقل کیا ہے' انہوں نے ''ام'' میں حرم مدینہ کے پتھر اور مٹی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''اس میں کوئی بہتری نہیں کہ یہاں سے کوئی شے حرم کے باہر لے جائی جائے کیونکہ اس کی حرمت کی بناء پر دوسرے شہر اس سے جدا شمار ہوتے ہیں لہٰذا میں (واللہ اعلم) نہیں دیکھتا کہ کسی کے لئے یہ جائز ہو کہ اسے اس مقام سے کہیں اور لے جائے جو اس سے جداگانہ ہیں کیونکہ اس طرح یہ اسی غیر کی طرح ہو جائے گا۔''

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اس کام کا مکروہ ہونا لکھا ہے چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بہت سے اہل علم کہتے ہیں' یہ مناسب نہیں کہ کوئی شخص حرم سے کوئی شے باہر لے جائے۔''

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابو یوسف کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے اس بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو یوسف فرماتے ہیں، ہمیں ایک شیخ نے حضرت علی بن عبد اللہ بن عباس کے غلام رزین سے سن کر بتایا کہ حضرت علی نے انہیں یہ لکھا: مجھے مروہ پہاڑی کے سفید پتھر کا ایک ٹکڑا بھیجو جسے میں سجدہ گاہ کے لئے رکھ کر اس پر سجدہ کیا کروں۔"

قاضی ابو الطیب نے حضرت شافعی کی طرف سے بتایا: انہوں نے کہا کہ اس کے بارے میں کچھ لوگوں کو اجازت دی گئی تھی، انہوں نے برام نامی پتھر مکہ سے خریدنے کو دلیل بنایا حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ برام حرم کا پتھر نہیں بلکہ حرم سے دو تین دن کی مسافت سے لایا جاتا تھا۔

شرح المہذب میں اصحاب کا اس بات پر اتفاق لکھا ہے کہ حرم سے باہر کا پتھر اور مٹی حرم کی طرف نہ لائی جائے کہ اسے وہ عزت ملے جو اس میں موجود نہ تھی پھر کہا: اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ مکروہ ہے حالانکہ "روضہ اور مناسک" میں اسے مکروہ لکھا ہے، لگتا ہے کہ اس کراہت کا معنیٰ انہوں نے خلاف الاولیٰ لیا ہے (یعنی صرف بہتر کے خلاف ہے)۔

صاحب بیان کا یہ قول: "شیخ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ حرم سے باہر کی مٹی اور پتھروں میں سے کچھ بھی لے کر حرم میں جانا جائز نہیں۔" بتاتا ہے کہ یہ مباح نہیں ہے یعنی اس کا مکروہ ہونا، نہ ہونا برابر ہے جیسے ایسا کئی مقامات پر ہوا ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا لبنان اور طور سیناء جیسے پہاڑوں جو حرم سے نہ تھے، یا تو اس لئے تھا کہ بیت اللہ بنانا، حرم کی حرمت نہیں کیونکہ حرم کو حرام قرار دینے کا حکم معلق رہا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر ظاہر ہوا، یا اس لئے کہ ان کی شریعت کا تقاضا تھا، بایں ہمہ ظاہراً حرم کے باہر کا پتھر نقل کرنا کسی ایسی مصلحت کی بناء پر مستثنیٰ ہے، جو حالات پر موقوف ہے۔

رہی اہل سیرت کی یہ بات کہ لوگ نبی کریم ﷺ کے مزار شریف کی مٹی لیا کرتے تھے تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آگے دیوار بنا دینے کا حکم فرمایا چنانچہ دیوار بنا دی گئی، تو یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس کام کرنے والے کا کوئی پتہ نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ شخص ان لوگوں میں شامل ہے جنہیں دلیل نہیں بنایا جا سکتا جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیوار بنوانا ایک روک ہے علاوہ ازیں اس روایت میں یہ چیز نہیں کہ وہ مٹی حرم سے باہر لے جانے کے لئے لی جاتی تھی۔

ابو المعلی سبتی (یونہی خلیل مالکی اور تادلی مالکی) نے اس بارے میں نووی کا کلام نقل کیا ہے کہ حرم کی مٹی کا نقل کرنا منع ہے اور اسے برقرار رکھا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ ان کے قواعد پر جاری ہے کیونکہ اس سے ذرائع کی بندش ہے۔

پھر بتوں کی عبادت کے سبب میں کہا گیا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ حرم سے اپنے ساتھ تبرک حاصل کرنے کے لئے پتھر لے جاتے تھے، برھان بن فرحون کئی امور کی وجہ سے شبہ میں پڑ گئے جن میں سے ایک وہ ہے جس کے

جواب کی طرف اشارہ پہلے گذر چکا ہے اور ایک زمزم کے پانی کو دوسری جگہ لے جانے اور حضور علیہ السلام کو بطور ہدیہ پیش کرنے پر اجماع پایا جاتا ہے یہ حضرت سہیل بن عمرو نے آپ کی طرف بھیجا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آبِ زمزم ایک شخص کے لئے خوراک ہے اور ایک کے لئے بیماری سے شفاء کا باعث ہے اور کبھی ایسے نہیں بھی ہوتا تو یہ خوشبودار گھاس کے حکم میں ہوا اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے فرمایا: ''رہا آب زمزم تو میں اسے لے جانے کو مکروہ نہیں سمجھتا اور پانی ایسی شے بھی نہیں جو لے جائی جائے اور دوبارہ نہ آسکے انتہی باوجودیکہ پتھروں کے بارے میں جو ممانعت گذر چکی' اس جیسی توقع پانی میں نہیں ہے کیونکہ پانی کو لے جانے کا مقصد تو پینا ہے اور یہ ظاہر ہے لیکن پتھر اور اس جیسی چیز میں یہ مقصد نہیں ہے کیونکہ اس میں تو تبرک حاصل کرنا مراد ہوتا ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں اللہ و رسول علیہ السلام کی طرف سے حکم نہیں ہے لہٰذا میں کہتا ہوں کہ جو شخص حرم میں موجود تنگ سر والے کوزے کی ٹھیکریاں کسی ضرورت کے لئے اُٹھا لے جائے تو یہ اس کے لئے جائز ہوگا اور جس نے مطلقاً منع کیا ہے' اس کا کلام تبرک پر محمول کیا جائے گا یا یہ کہا جائے گا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں اور جب حرم کی گھاس بطور دواء لینا جائز ہوگیا تو یہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا اور جب سونے اور چاندی کے برتنوں کی ضرورت انہیں استعمال کرنے کو جائز قرار دیتی ہے تو اس کا جواز بدرجۂ اولیٰ ہوگا اور اگر آئندہ کسی وقت میں پائی جانے والی ضرورت کے تحت اسے لے جانے کا ارادہ کیا جا سکتا ہے تو دواء وغیرہ کے لئے اسے حرم سے نکالنا بھی مناسب ہے جیسے حرم کی جڑی بوٹیاں دواء وغیرہ کے لئے لے جانے کا معاملہ پہلے گذر چکا اور اس کی مٹی کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کے بارے میں پہلے مٹی کا استثناء ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ اس میں دواء کے طور پر استعمال کا بیان ہے اور یہ بھی پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علامہ زرکشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کی مٹی کا بھی اس سے الگ حکم بیان کیا ہے کیونکہ لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسے مرگی کے علاج کے لئے لے جانا جائز ہے اور پھر برھان بن فرحون نے امام عالم ابومحمد عبدالسلام بن ابراہیم بن و مصال حاحانی کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت الشیخ عالم ابومحمد صالح ھزمیری کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا' صالح بن عبدالحلیم فرماتے ہیں' میں نے ابومحمد عبدالسلام بن یزید صنہاجی سے سنا' فرماتے تھے کہ میں نے احمد بن بکوت سے قبروں سے اُٹھائی جانے والی اس مٹی کے بارے میں پوچھا جسے لوگ بطور تبرک لے جاتے تھے کہ اس کا لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ جائز ہے اور لوگ شروع سے علماء شہداء اور صالحین کی قبروں سے تبرک حاصل کرتے چلے آ رہے ہیں' لوگ حضرت سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی قبرِ اطہر کو قدیم زمانے سے متبرک جانتے چلے آئے ہیں۔

یہ نقل کرنے کے بعد ابن فرحون کہتے ہیں کہ لوگ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ کے قریب والی قبر سے مٹی لے جاتے تھے اس کے دانے بناتے جو تسبیح کے دانوں جیسے ہوتے تھے چنانچہ اسی سے ابن فرحون نے مدینہ کی مٹی لے جانے کی دلیل نکالی ہے اور گذشتہ بیان کی بناء پر تو آپ جانتے ہی ہیں کہ حضرت حمزہ کی قبرِ اطہر سے مٹی صرف علاج

کے لئے لے جائی جاتی تھی لہٰذا خود قبر سے نہ لے جاتے تھے بلکہ پانی بہنے کی اس جگہ سے لے جاتے تھے جس کے قریب مسجد ہے اور اگر صالحین کی قبروں والی مٹی کا بطور تبرک استعمال صحیح ہے تو اس کا لے جانا انہی کی قبر کے ساتھ خاص ہوگا‘ اس میں حرم کی مٹی کے مطلقاً لے جانے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہیں دی حالانکہ بھلائی کی امید صرف اتباع کرنے پر کی جا سکتی ہے چنانچہ حنبلی حضرات بھی کہتے ہیں کہ حرم کے کنکر اور مٹی کسی اور جگہ نہیں لے جائے جا سکتے‘ نہ ہی حرم سے باہر کے کنکر اور مٹی یہاں لائے جاسکتے ہیں۔

امامِ احمد سے نقل ہے کہ فرمایا کہ مٹی وغیرہ کا نکال لے جانا سخت کام ہے انتہٰی جو شخص حرم کی مٹی اور اس کے پتھر نکال لے جاتا ہے‘ اس پر واجب ہے کہ انہیں واپس سے آئے البتہ واپس نہیں کرتا تو اس پر تاوان نہیں ہوگا چنانچہ کمال دمیری کہتے ہیں: اگر دونوں حرموں میں سے ایک کی مٹی دوسرے حرم کی طرف لے جائی جائے تو کیا حرام ہونا ساقط ہو جائے گا یا ان میں یہ فرق کیا جائے گا کہ اعلیٰ مقام والوں کی طرف لے جائی جائے یا اعلیٰ سے کم تر مقام کی طرف منتقل کی جائے؟ یہ محلِ نظر ہے‘ واللہ اعلم۔

فصل نمبر۱۴

مدینہ کی ابتداء کیسے ہوئی اور اس کا معاملہ آگے کیسے بڑھا؟

حضرت ابن لہیعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف کرتے ہوئے یہ مرفوع حدیث بتائی: مکہ وہ شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عظمت دی اور اس کی عزت کو چار چاند لگا دیئے‘ اللہ تعالیٰ نے زمین میں کسی بھی شے کے پیدا کرنے سے پہلے مکہ پیدا کیا گیا تو اسے فرشتوں نے گھر لیا تھا پھر اسے مدینہ سے ملا دیا پھر مدینہ کو بیت المقدس سے ملا دیا‘ پھر ہزار سال بعد ایک ہی بار میں پوری زمین بنادی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے‘ ہیں: زمین پانی تھی‘ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی جو اس کے ساتھ ایک ہزار سال پہلے لگ کر چلی چنانچہ اس پر جھاگ دکھائی دینے لگی‘ اللہ تعالیٰ نے اسے چار حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصے سے مکہ پیدا کیا‘ دوسرے سے مدینہ‘ تیسرے سے بیت المقدس اور چوتھے سے کوفہ بنا دیا۔

کبیر میں ہمیں طبرانی کی روایت ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ مدینہ کی طرف توجہ فرمائی‘ اس وقت تعمیر سے پہلے یہ ریت سی تھی‘ اس میں نہ کیچڑ تھا اور نہ ہی کوئی انسان‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل یثرب! میں تم پر تین شرطیں لاگو کرتا ہوں اور تمہاری طرف ہر قسم کا پھل بھیجوں گا‘ تم نے بے فرمانی نہیں کرنا ہوگی‘ نہ ہی اپنے آپ کو اونچا دکھانا ہوگا اور نہ ہی تکبر کرنا ہوگا‘ اگر تم نے ایسے کیا تو تمہیں کھائی جانے والی ایسی اونٹنی کی طرح چھوڑ دوں گا جسے کھانے سے کوئی بھی منع نہ کر سکے۔

نسائی میں ہے‘ معراج کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے

پاس گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ایک چوپایہ لایا گیا الحدیث' اسی میں اس کے آگے ہے کہ' میں اس پر سوار ہوا' جبریل میرے ساتھ تھے' میں چلا تو جبریل نے کہا: اُتر آیئے اور نماز پڑھیے' میں نے نماز پڑھی۔ جبریل نے پوچھا: آپ جانتے ہیں کہ آپ نے نماز کہاں پڑھی ہے؟ آپ نے طیبہ میں پڑھی ہے' یہ آپ کی ہجرت گاہ بنے گا۔

بزاز وطبرانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا ہے کہ انہوں نے فرمایا: سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو کھجوروں والی زمین کی طرف لے جایا گیا۔ جبریل نے عرض کی' اُتر آیئے اور نماز پڑھیے چنانچہ آپ نے اُتر کر نماز پڑھی تو جبریل نے کہا' آپ نے یثرب میں نماز پڑھی ہے' الحدیث۔

حضرت زرین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ذریعے مرفوع حدیث بتائی کہ جب اللہ تعالیٰ نے طورِ سینا پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس کے چھ ٹکڑے ہو گئے' ایک اور روایت میں شطایا کا لفظ ہے یعنی کئی ٹکڑے ہو گئے چنانچہ ان میں سے تین مکہ میں گرے جن کے نام ''حراء' ثبیر اور ثور'' ہے جبکہ تین ہی مدینہ میں گرے جن کے نام ''اُحد' عیر اور ورقان'' ہیں' ایک اور روایت میں ''عَیر'' کی جگہ ''رضویٰ'' کا نام ہے اور رضویٰ کا ''ینبع'' میں ہونا بھی قابلِ اعتراض نہیں بنتا کیونکہ یہ بھی مدینہ کے ماتحت علاقہ ہے اور اس کے قریب ہی شمار ہوتا ہے جیسے آگے آ رہا ہے' مصابیح کی شرح کرنے والوں نے یہ تین نام دیے ہیں عیـــر' ثور اور رضویٰ اور عیر وثور کو حرم کی حد بنانے میں ایک اور حکمت موجود ہے۔ آگے مدینہ میں رہائش رکھنے والوں کے بیان میں یہ بتایا جائے گا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد یہاں سب سے پہلے کس نے رہائش کی تھی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی ''اُم'' میں اس حدیث کی روایت ملتی ہے: ''مجھے وہاں ٹھہرنے کا حکم ملا جہاں بارش کم ہوا کرتی تھی اور یہ جگہ آسانی چشموں شام اور یمن کے درمیان ہے۔'' ابن زبالہ نے لکھا: ''چنانچہ انہوں نے مدینہ سے پانچ رات کی مسافت پر بکریاں رکھ لیں۔''

انہوں نے یہ حدیث بھی بتائی: ''اے مہاجرین کے گروہ! تم کم بارش والی زمین پر آئے ہو' یہاں مویشی کم رکھو' زراعت کیا کرو اور یہاں کنوئیں نکالو۔''

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ حدیث بھی لی ہے: ''عنقریب مدینہ میں بہت بارش ہو گی تو یہاں کے گھر لوگوں کو سایہ نہ دے سکیں گے' انہیں بالوں سے بنے گھر سایہ دیں گے۔''

یہ حدیث بھی روایت کی: ''عنقریب مدینہ پر چالیس راتیں بارش ہو گی جس پر ان کے ٹیلوں کے گھر حفاظت فراہم نہیں کر سکیں گے۔''

ابن زبالہ نے یہ روایت دی ہے: ''اے عائشہ! اس وقت کیا کرو گی جب لوگ مدینہ کو لوٹیں گے اور مدینہ اندر سے خالی انار کی طرح ہو گا۔''

مرجانی نے اپنی کتاب ''اخبار مدینہ'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث لی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"یہ معاملہ (دین و ایمان) جلد ہی مدینہ کی طرف واپس آنے والا ہے جیسے پہلے یہاں سے چلا تھا' ایمان صرف یہیں ہوگا"

حضرت امام احمد نے یہ روایت دی ہے: جلد ہی لوگ مدینہ کو لوٹیں گے تو اس کے محافظ لوگ "سلاح" میں ہوں گے۔ مسالحهم میں مسالح' مسلح کی جمع ہے' یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور سِلاح' قِطام کے وزن پر ہے' یہ خیبر کے نزدیک ایک مقام ہے' مسلم شریف میں حدیث ہے کہ: "ان لوگوں کے گھر "اِھَاب یا یِھَاب" تک ہوں گے۔

حضرت امام احمد نے ایک طویل حدیث لکھی ہے کہ: "حضورﷺ چلے اور اھاب کنوئیں پر پہنچے اور فرمایا: جلدی مدینہ کے مکان یہاں تک ہوں گے اور "اِھَاب" کنوئیں کے بارے میں آتا ہے کہ یہ (مدینہ) کے مغربی حرّہ میں ہے۔

ابو یعلیٰ نے حضرت زَید بن وھب رضی اللہ عنہ کی روایت بتائی' وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے حدیث بتائی رسول اللہﷺ نے مجھے فرمایا کہ: "جب مدینہ کی عمارتیں سلع پہاڑ تک پہنچ جائیں تو شام کو چلے جانا۔" چنانچہ جب یہ عمارتیں سلع تک پہنچ گئیں تو میں شام کو چلا گیا۔

ابن زبالہ نے یہ حدیث روایت کی: "جلد ہی دین اسلام سمٹ کر ان دو مسجدوں (مکہ و مدینہ) کی طرف آ جائے گا' قریب ہی لوگ مدینہ کی سرزمین میں "وتد" تک پھیل جائیں گے اور جلد ہی لوگوں کے مکانات "یہیق" تک آ پہنچیں گے۔" صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ لوگ کھائیں گے کہاں سے؟ تو آپ نے زمین و آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں سے (یعنی انہیں اللہ رزق دے گا)۔ آٹھویں باب کے آخر میں آ رہا ہے کہ "یہیق" مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔

ابن زبالہ نے اس درخت کے بارے میں بتایا ہے جس کے نام پر مسجد ذوالحلیفہ کا نام رکھا گیا ہے اور پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی: قیامت اس وقت قائم نہ ہو سکے گی جب تک مکانات اس درخت تک نہیں پہنچ جائیں گے اور انہی سے یہ روایت کی: "تم سیالہ اور روحاء کی شان دیکھو کہ جب لوگوں کو مدینہ تک آنے کی اجازت ہو گی تو اہلِ اردن کے مکان یہاں ہوں گے۔

کبیر میں طبرانی نے حدیث بتائی: "تعمیر کا سلسلہ سلع پہاڑ تک ہوگا' پھر اہلِ مدینہ پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ مسافر کسی طرف سفر کرے گا تو طویل عرصہ گذرنے اور عمارتوں کے نشانات مٹنے پر کہے گا کہ یہ مکان بھی کبھی آباد ہوا کرتے تھے۔

امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی: اسلامی شہروں میں سے سب آخر میں گڑ بڑا والا شہر مدینہ ہو گا۔

ابو داؤد نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ ''بیت المقدس کی تعمیر کے وقت یثرب میں خرابی ہو گی' اس خرابی پر جنگ ہو گی اور اس جنگ کے بعد قسطنطنیہ فتح ہو گا اور دجال آئے گا۔''

ابو داؤد ہی نے یہ حدیث بھی لکھی ہے کہ ''بڑی جنگ' فتح قسطنطنیہ اور دجال کا آنا سات مہینوں میں ہو گا۔''

ابن شبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: اہل مدینہ کو اچھے بھلے حالات میں مدینہ سے نکال دیا جائے گا' پوچھا گیا کہ انہیں کون نکالے گا تو انہوں نے بتایا کہ برے حکمران نکالیں گے۔

اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس بات کرنے سے انہیں روک دیتے تھے' حضرت ابو ہریرہ نے ان سے کہا' ایسا کیوں کرتے ہو؟ نجدا میں اور آپ اس وقت ایک ہی گھر میں نہ تھے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اہلِ مدینہ کو رستے بستے نکال دیا جائے گا؟ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: بالکل ہم اکٹھے تھے لیکن آپ نے یہ بات نہیں فرمائی تھی' آپ نے فرمایا تھا: پہلے سے زیادہ معمور ہو گا اور اگر آپ فرماتے خیر ما کانت (پہلے بہتر ہو گا) تو آپ کی بات صحیح ہوتی' اس وقت حضور ﷺ زندہ موجود تھے اور آپ کے صحابہ بھی موجود تھے۔ یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ نے کہا' بخدا واقعی یونہی ہوا تھا۔

اسی میں یہ روایت بھی ہے: ''(اس وقت حال یہ ہو گا کہ) لومڑی آئے گی اور دوپہر کو منبر کے سائے میں سو جائے گی' اسے روکنے والا کوئی نہ ہو گا۔

ایک اور روایت میں ہے: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی جب تک یہ کام نہ ہو گا کہ لومڑی آئے گی اور منبر پر بیٹھ جائے گی' اسے کوئی روکے گا نہیں۔

اسی میں شریح بن عبید رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے حضرت کعب کا یہ خط پڑھا' ''اہلِ مدینہ کو ایک ایسا معاملہ گھیرے میں لے لے گا جس سے انہیں ڈر پیدا ہو جائے گا اور وہ اسے بدحالی میں چھوڑ جائیں گے اور مزید یہ کہ ریشم کے ٹکڑوں پر بلیاں پیشاب کریں گی' انہیں کسی شے کا ڈر نہ ہو گا پھر بازار میں پھریں گی تو انہیں کسی کا خوف نہ ہو گا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ''تم مدینہ کو چھوڑ جاؤ گے۔'' مسلم میں ہے: تم مدینہ کو اس حالت میں چھوڑو گے کہ پھل بے کار ہوں گے' انہیں پرندے اور درندے کھائیں گے۔'' اور سب سے آخر میں بنو زینہ کے دو چرواہوں کا حشر ہو گا مدینہ کا ارادہ لئے ہوں گے' اپنی بکریوں کو ڈانٹتے ہوں گے' وہاں وحشی جانور ہوں گے۔

مسلم شریف میں ہے کہ جب وہ ثنیۃ الوداع کے پاس پہنچیں گے تو منہ کے بل گر جائیں گے' پھر موطا میں ان الفاظ سے ہے: تم اچھے بھلے مدینہ چھوڑو گے تو کتا یا بھیڑیا یہاں داخل ہو گا اور مسجد کے کسی ستون کے اوپر بار بار پیشاب کرے گا۔

ابن زبالہ میں حدیث ہے: قیامت برپا نہ ہو سکے گی جب تک میری اس مسجد میں کتے' بھیڑیے اور بجو نہ بھر

جائیں گے' اس حالت میں اگر کوئی وہاں سے گذرتے ہوئے نماز پڑھنے کا ارادہ کرے گا تو نہیں پڑھ سکے گا۔

ابن شبہ کی روایت سے یہ حدیث ملتی ہے: بخدا تم مدینہ کو حالتِ غیر میں چالیس سال تک جانوروں اور درندوں کے لئے چھوڑ بیٹھو گے۔

حضرت احمد کی روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن احد پر چڑھے اور مدینہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: اس بستی پر افسوس ہے' لوگ اس میں سے نکلتے وقت کچا پھل چھوڑ جائیں گے۔

احمد ہی کی ایک اور روایت ہے: اہلِ مدینہ' اسے چھوڑ جائیں گے تو تر و تازہ کھجوریں موجود ہوں گی' لوگوں نے پوچھا' انہیں کھائے گا کون؟ تو فرمایا: درندے اور جانور۔

فصل نمبر ۱۵

یہ بیان کہ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا' ویسے ہو کر رہے گا

اس بات میں اختلاف ہے کہ لوگ مدینہ کب چھوڑیں گے؟ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ پہلے دور میں اس وقت ہو چکا ہے جب خلافت شام اور عراق کی طرف منتقل ہو گئی تھی' یہ بھی آپ کا معجزہ تھا' اس وقت دینی و دنیوی حالات ٹھیک تھے' دینی تو اس لحاظ سے کہ یہاں بہت سے علماء موجود تھے اور دنیوی اس لحاظ سے کہ یہ آباد تھا اور لوگ خوشحال تھے۔

قاضی کہتے ہیں کہ اطلاعات دینے والوں نے مدینہ میں ہونے والے فتنوں میں ذکر کیا ہے کہ جب لوگ خوفزدہ ہو گئے تھے تو بہت سے لوگ کوچ کر گئے تھے جبکہ پکے پکائے پھل درندوں اور جانوروں کے لئے چھوڑ گئے تھے' یہ حالت ایک عرصہ تک رہی اور پھر دوبارہ لوگ یہاں پلٹ آئے۔

بدر بن فرحون نے شرح مؤطا میں لکھا' انہی کے قلم سے لکھا میں نے قاضی ہی کی طرف سے نقل کیا' وہ کہتے ہیں' بہت سے لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے وہ کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا جس کے بارے میں حضور ﷺ نے ڈر سنایا تھا یعنی مسجد کے ستونوں پر کتے پیشاب کریں گے۔انتہی لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظاہر اور مناسب یہ ہے کہ لوگ مدینہ پاک کو آخری دور میں قیامت کے قریب چھوڑیں گے اور اسے مزینہ کے دو چرواہوں کا واقعہ واضح کرتا ہے کیونکہ جب ان پر قیامت آئے گی تو دونوں منہ کے بل گر پڑیں گے۔ حضرت مسلم کے الفاظ اور بھی واضح ہیں' فرمایا: ''پھر دو چرواہوں کا حشر ہو گا'' اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ''مدینہ کے حالات سب سے آخر میں خراب ہوں گے۔''

میں کہتا ہوں کہ ابن شبہ کی گذشتہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے: ''لوگ مدینہ کو چالیس سال کے لئے ویران کر جائیں گے اور وہاں کتے' بھیڑیئے وغیرہ ہوں گے۔'' کیونکہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسا اب تک نہیں

ہوا' علاوہ ازیں لگتا یہ ہے کہ ایسا ایک بارے زیادہ مرتبہ ہوا تو شائد قاضی کے فرمان کے مطابق پہلی مرتبہ یہ واقعہ ہوا ہو گا اور باقی آخری دور میں ہو گا کیونکہ ابن شبہ نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ لوگ مدینہ سے نکل جائیں گے اور پھر اس کی طرف واپس آ جائیں گے' پھر نکلیں گے لیکن واپس نہیں آئیں گے' جب اسے چھوڑ کر جائیں گے تو اس وقت پھل پکے ہوں گے۔''

علامہ نووی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بتائی ہے کہ: ''لوگ یہاں سے نکل جائیں گے' پھر واپس آئیں گے' اسے آباد کریں گے' یہ بھرپور ہو جائے گا' مکانات بے شمار ہوں گے' لوگ پھر یہاں سے نکلیں گے اور کبھی واپس نہیں آئیں گے۔

ابن شبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی' فرمایا: آخر میں دو آدمیوں کا حشر ہو گا' ایک تو جہینہ کا ہو گا اور دوسرا بنو مزینہ میں سے' وہ دونوں کہیں گے' لوگ کہاں گئے؟ چنانچہ مدینہ پہنچیں گے تو صرف لومڑی دیکھیں گے' دونوں کی طرف دو فرشتے آئیں گے' انہیں اُٹھا کر کے کھینچتے ہوئے لوگوں کے پاس پہنچا دیں گے۔

علامہ نووی نے حضرت حذیفہ بن السید رضی اللہ عنہ سے روایت کی' انہوں نے کہا: سب سے آخر میں آنے والے بنو مزینہ کے دو شخص ہوں گے جو لوگوں کو تلاش کرتے ہوں گے' ان میں سے ایک' دوسرے سے کہے گا: کچھ عرصہ سے ہمیں کوئی نہیں ملا' چلو بنو فلاں شخص کی طرف چلیں چنانچہ اس کے گھر جائیں گے تو وہاں کوئی بھی نہ ہو گا' پھر وہ کہے گا کہ آؤ مدینہ کو چلتے ہیں' وہاں جائیں گے تو کوئی شخص وہاں نہیں ملے گا' دوبارہ کہے گا کہ آؤ مدینہ چلیں' دونوں جائیں گے لیکن وہاں کوئی دکھائی نہ دے گا پھر وہ کہے گا کہ آؤ بقیع غرقد میں قریش کے گھروں کو چلیں' وہ جائینگے لیکن وہاں درندے اور لومڑیاں دیکھیں گے چنانچہ وہاں سے بیت الحرام کو متوجہ کر دئے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں' لگتا یہ ہے کہ جب وہ بیت الحرام کی طرف متوجہ ہوں گے تو وہاں پہنچنے سے پہلے ان کے پاس دو فرشتے آئیں گے۔ اس طرح یہ روایت پہلی کے مخالف نہ ہو گی اور ظاہر ہے کہ جو واقعہ قاضی نے ذکر فرمایا ہے' وہ پہلی مرتبہ نکلنے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا سبب وہ واقعہ تھا جو (دورِ یزید میں) حرہ کے مقام پر رونما ہوا پھر پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث گذر چکی ہے کہ ان سے کہا گیا تھا' اے ابوہریرہ! وہاں سے ہمیں کون نکالے گا؟ انہوں نے فرمایا تھا کہ برے حکمران نکالیں گے چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے' الفاظ مسلم شریف کے ہیں اور روایت آپ ہی کی ہے' حضورﷺ نے فرمایا تھا کہ میری اُمت کو قریش کے قبیلے والے ہلاک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! تب ہمیں کیا حکم ہے تو فرمایا: کاش لوگ ان سے دور ہی رہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت بتائی' انہوں نے کہا: رسول اللہﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر اس وقت سے قیامت تک ہونے والا کوئی واقعہ نہیں چھوڑا جسے بیان نہ فرما دیا ہو' جس نے دھیان رکھا' اسے یاد رہا اور جو دھیان نہ رکھ سکا' اسے بھول گیا۔

آپ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قیامت تک ہونے والا ہر واقعہ بتا دیا' میں ہر شے کے بارے میں آپ سے پوچھتا رہا البتہ یہ نہ پوچھ سکا کہ اہل مدینہ کو مدینہ سے کون نکالے گا؟ چنانچہ ترمذی نے اس بارے میں ایک حدیث بتائی ہے کہ: "(ایسا تب ہوگا) جب میری اُمت اکڑ کر چلے گی' ہاتھ لمبے کیے ہوں گی' فارس (ایران) اور روم کی لڑکیاں ان کی خدمت کرتی ہوں گی تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ ان کا دبدبہ ختم کر دے گا اور ان جیسے لوگوں پر شریر حاکم مسلط کر دے گا۔"

ابن شبہ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' مدینہ میں جنگ ہوگی جسے "حالقہ" (مونڈھنے والی) کہا جائے گا' یہ مطلب نہیں کہ وہ بال مونڈھ دے گی بلکہ دین کو ختم کر دے گی چنانچہ انہیں وہاں سے نکال دیا جائے گا خواہ وہ حدودِ مدینہ میں نزدیکی مقام تک جائیں۔

انہی سے ایک اور روایت ہے کہ فرمایا: "الٰہی! میرے جیتے جی ۶۰ھ کا سال نہ آئے اور نہ ہی بچوں کی حکومت ہو۔ آپ کا اشارہ پہلے غلام حکمران (یزید) کی طرف تھا جو ۶۰ھ ہجری میں حکمران بنا چنانچہ یہی ہوا جیسے ابن حجر نے لکھا ہے کیونکہ اس وقت یزید بن معاویہ کا خلیفہ وہاں کا حکمران تھا چنانچہ آپ نے حکومتِ یزید کی طرف اشارہ فرمایا' اسی میں واقعۂ حرہ ہوا تھا' اسے حرۂ واقم اور حرۂ زہرہ کہا جاتا ہے۔

علامہ واقدی نے "کتاب الحرہ" میں ایوب بن بشیر معادی سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ اپنے ایک سفر پر نکلے تو حرۂ زہرہ پر پہنچ کر ٹھہر گئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا' یہ بات ساتھیوں کو کھٹکی انہوں نے سمجھا کہ ایسا سفر کی وجہ سے ہوا ہے چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! آپ نے کیسے دیکھا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے اس سفر کی وجہ سے نہیں ہوا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! تو پھر یہ کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ اس وادئ حرہ میں میری اُمت کے وہ لوگ قتل ہوں گے جو میرے صحابہ کے بعد نیک لوگ ہوں گے۔" (تابعین)۔

انہی نے حضرت سفیان بن ابو احمد سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ جب بھی بنو عبد الاشہل کے قریب سے گذرتے تو ہاتھ سے اشارہ فرماتے اور فرماتے: "میری اُمت کے نیک لوگ یہاں قتل ہونگے۔" پھر حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے بتایا کہ تورات میں ہم نے پڑھا ہے کہ مدینے کے مشرقی حرّے میں بہت سے لوگ قتل ہوں گے' قیامت کے دن ان کے چہرے خوب چمکتے ہوں گے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس "حرّہ" میں قتل ہونے والوں کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا: اللہ ان پر رحم فرمائے' حرۂ زہرہ میں میری اُمت کے بہترین لوگ قتل کر دئے جائیں گے۔

علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل" میں ایوب بن بشیر کا واقعہ لکھا ہے جس کا پہلے ذکر ہوا' پھر فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا اصل مفہوم پوچھا گیا:

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا ۝

"اور اگر ان پر موجیں مدینہ کے اطراف سے آئیں پھر ان سے کفر چاہتیں تو ضرور ان کا مانگا دے بیٹھتے۔"

اس پر ابنِ عباس نے فرمایا کہ انہیں یہ کچھ دے دیا جائے گا یعنی بنو حارثہ اہل شام کو اہلِ مدینہ پر داخل کریں گے۔ اسے ابن عباس کی طرف منسوب کر کے کہا یہ واقعہ ابن بشیر کی تائید کرتا ہے۔

پھر حرّہ واقم کے بیان میں ابن زبالہ کا بیان کردہ یہ واقعہ آ رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بارش ہوئی تو وہ ساتھیوں کو لے کر حرّہ واقم پہنچے تو نالیوں میں پانی بہہ رہا تھا۔ حضرت کعب نے کہا' اے امیر المؤمنین! دیکھئے خدا کی قسم! ان نالیوں میں لوگوں کا خون ایسے بہے گا جیسے پانی بہہ رہا ہے۔ حضرت ابن زبیر ان کے قریب ہوئے اور کہا' اے ابو اسحاق! یہ واقعہ کب ہوگا؟ انہوں نے کہا اپنے پاؤں یا ہاتھ پر بھروسہ کرنے سے بچنا۔

ابن زبالہ بھی حضرت کعب سے روایت کرتے ہیں' فرماتے ہیں: ہم نے کتاب اللہ میں مدینہ کے شرقی حرہ کا ذکر دیکھا ہے کہ وہاں بہت سے لوگ قتل ہو جائیں گے' قیامت کے دن ان کے چہرے ایسے چمکتے ہوں گے جیسے چودھویں رات کا چاند۔

واقعۂ حرّہ

علامہ قرطبی کے اندازِ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہی واقعہ ہی اہلِ مدینہ کے نکلنے کا سبب تھا جو کلامِ قاضی عیاض میں مذکور ہے کیونکہ علامہ قرطبی نے ویسا ہی یہ واقعہ لکھا ہے: وہ کہتے ہیں مدینہ جب پوری آب و تاب پر تھا تو وہاں نقص پیدا ہو گیا' ہر طرف خرابی ہوئی اور طویل فتنے شروع ہو گئے' اہلِ مدینہ مارے خوف کے وہاں سے چلے گئے' یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ مرّی کو شام سے ایک عظیم لشکر دے کر بھیجا' وہ مدینہ میں پہنچا تو قتل و غارت شروع کر دی اور مدینہ کے حرّہ میں بے دریغ قتل شروع رکھا' مدینہ میں تین دن تک ہر حرام کام حلال بنا دیا چنانچہ اسی بناء پر اسے واقعۂ حرّہ کہتے ہیں۔ اسے حرّۂ زہرہ بھی کہتے ہیں' یہ قتل و غارت مسجد مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر مشہور مقام "واقم" میں ہوئی تھی چنانچہ باقی مہاجرین و انصار اور تابعین حضرات قتل کر دیے گئے' یہ ایک ہزار سات سو تھے' اس کے علاوہ ملے جلے دس ہزار لوگ بھی قتل کیے گئے جن میں بچے اور عورتیں شامل نہیں' وہاں سات سو لوگ حفاظِ قرآن شہید کیے گئے اور قریش میں سے ۹۳ لوگ بے گناہ ظلماً شہید کر دیے گئے۔

حافظ امام ابن حزم رحمہ اللہ "المرتبۃ الرابعۃ" میں لکھتے ہیں: چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف میں گھوڑے ناچتے رہے' پھر منبر و قبرِ انور کے درمیان پیشاب اور لید کی' لوگوں کو یزید کی بیعت پر مجبور کیا اور یہ شرط رکھی گئی کہ تم اس کے غلام ہو' چاہے تو وہ تمہیں بیچ دے اور چاہے تو آزاد کر دے' یزید بن عبد اللہ بن زمعہ نے اسے قرآن و سنت کے

مطابق بیعت یاد دلائی تو اس نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہیں بے گناہ شہید کر دیا گیا۔

تاریخ والوں نے کہا ہے کہ مدینہ لوگوں سے تو خالی ہو گیا جبکہ اس کے پھل جانوروں اور کتوں وغیرہ کے کھانے کے لئے رہ گئے جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''جب مدینہ خالی ہو گا تو کتے مسجد کے ستونوں پر پیشاب کریں گے۔'' انتہیٰ۔

اہلِ مدینہ پر یزید بن معاویہ کی ناراضگی کا سبب

علامہ طبرانی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے طویل واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے یزید کی بیعت ناگوار گذری' آپ نے کھلم کھلا اسے برا بھلا کہا' یہ بات یزید کو معلوم ہو گئی تو اس نے قسم ڈالی کہ اسے بیڑیاں ڈالے بغیر نہ لایا جائے ورنہ میں خود اسے منگوا لوں گا۔

اس پر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا' ہم آپ کے لئے چاندی کے تالے بنوا لیتے ہیں جن پر کپڑا ڈال کر آپ کو پہنا دیں' آپ کی یہ قسم پوری ہو جائے گی تو کیا آپ صلح کرنا پسند کریں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اس کی قسم پوری نہیں ہونے دے گا اور یہ شعر پڑھا:

''میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے بغیر کسی کے سامنے نہ جھکوں' چبانے والے کے سامنے پتھر ہی نرم ہو جائے تو الگ بات ہے۔''

پھر یزید بن معاویہ نے معلم بن عقبہ مرّی کو شامی لشکر دے کر بھیجا اور کہا کہ اہلِ مدینہ کو قتل کر دیں اور جب یہاں سے فارغ ہو جائیں تو مکہ کی طرف چلے جائیں۔ کہا' جب مسلم بن عقبہ مدینے میں داخل ہوا تو اس دن باقی صحابہ کرام وہاں سے بھاگ گئے' یہ وہاں ٹھہرا رہا اور قتل و غارت جاری رکھی' پھر یہاں سے نکلا' ابھی راستے ہی میں تھا کہ مر گیا' حصین بن نمیر کندی اس کا نائب ہوا۔ پھر ابن زبیر کے محاصر کا ذکر کیا' منجنیق سے پتھر چلانے اور کعبہ کے جلانے کا ذکر کیا۔ پھر حضرت عروہ نے بتایا کہ حصین بن نمیر کو یزید بن معاویہ کی موت کا پتہ چلا تو وہ وہاں سے بھاگ گیا۔

میں کہتا ہوں' یزید کے اہلِ مدینہ کو قتل کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے امام ابنِ جوزی لکھتے ہیں: جب سال ۶۲ھ ہجری شروع ہوا تو یزید نے عثمان بن محمد بن ابو سفیان کو حاکمِ مدینہ بنا دیا' اس نے مدینہ پاک سے یزید کے پاس ایک وفد بھیجا' وفد واپس آیا تو انہوں نے برملا طور پر یزید کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا' انہوں نے بتایا' ہم ایک ایسے بے دین شخص کے ہاں سے ہو کر آئے ہیں جو شراب پیتا ہے' ناچ گانا کراتا اور کتوں سے کھیلتا ہے اور ہم اعلان کر رہے ہیں کہ اس کی بیعت ہم نے توڑ دی ہے۔ منذر نے کہا کہ مجھے اس نے ایک لاکھ درہم عطیہ دیا ہے لیکن اس بناء پر میں اسے سچا نہیں کہہ سکتا' بخدا وہ شرابخور ہے' وہ اس قدر شرابی ہے کہ نمازیں ترک کرتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ سے بیعت کر لی اور امیر مدینہ عثمان بن محمد کو وہاں سے نکال دیا۔ ابنِ حنظلہ کہا کرتے تھے' اے اہلِ مدینہ! یزید کی مخالفت ہم نے یونہی نہیں کر دی' مجھے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں آسمان سے ہم پر پتھر نہ برسنے لگیں' بخدا میرا کوئی بھی ساتھی نہ بنے تو میں اللہ کی اس آزمائش پر پورا اُترنے کی کوشش کروں گا۔

یہ واقعہ ۶۳ھ ہجری کو پیش آیا تھا اور اسی سال میں انہوں نے امیر مدینہ کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ واقدی کی ''کتاب الحرہ'' کا خلاصہ پیش کرتا ہوں:

''سب سے پہلے حرہ کا واقعہ یوں شروع ہوا کہ ابن میناء نامی شخص مدینہ میں مالیات کے ٹیکس لینے پر مقرر تھا (وہاں کی آمدن بہت تھی) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہاں سے ڈیڑھ لاکھ وسق وصول کرتے اور ایک لاکھ وسق گندم کاٹا کرتے تھے پھر یزید نے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو امیر مدینہ مقرر کیا' ابن میناء ساز و سامان لے کر آیا تاکہ امیر معاویہ کی طرف سے مقرر کردہ وصول کر سکے اور اس نے وصولی شروع کر دی' کسی نے اسے انکار نہیں کیا' آخر کار وہ بلحارث بن خزرج کی طرف گیا' وہاں ایک کو نگران مقرر کیا' انہوں نے کہا کہ یہ ٹیکس ناجائز ہے اور ہم پر بوجھ ہے' انہوں نے عثمان بن محمد امیر مدینہ کو اطلاع دے دی۔ اس نے بلحارث کے تین لوگوں کو پیغام بھیجا تو انہوں نے امیر کو اپنے پاس آنے کے لئے کہا' اس نے ابن میناء کو اطلاع کی تو وہ ساتھیوں کو لے کر صبح ہی وہاں پہنچ گیا لیکن انہوں نے اسے منع کر دیا' وہ امیر کے پاس آیا اور کہا کہ جو انتظام کر سکتے ہو کر لو۔ اس نے اس کے ہمراہ کچھ آدمی بھیج دئے اور کہا کہ انہیں میرے پاس لے آؤ خواہ پیٹ کے بل گھسیٹ کر لانا پڑے۔

ابن میناء صبح سویرے بڑے تکبر سے ان کی طرف چلا اور جن انصار لوگوں نے انہیں انکار کیا تھا' ان سے دشمنی دکھائی' قریش نے انصار کی مدد کی اور انہیں بھگا دیا۔ معاملہ سخت ہو گیا چنانچہ ابن میناء کچھ لئے بغیر واپس آ گیا۔ عثمان بن محمد نے اس واقعہ کی اطلاع یزید کو دی اور تمام اہلِ مدینہ کے خلاف بھڑکایا۔ وہ غصے سے بھر گیا اور کہنے لگا کہ میں ان کی طرف لشکر بھیج رہا ہوں' میں انہیں گھوڑوں کے پاؤں تلے کچل کر رکھ دوں گا۔'' انتہی۔

ابن جوزی کہتے ہیں' ابوالحسن مدائنی (ایک ٹھوس شخص) نے بتایا کہ اہلِ مدینہ منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور یزید کی بیعت توڑ دینے کا اعلان کر دیا چنانچہ عبداللہ بن ابوعمرو بن حفص مخزومی بولے کہ میں یزید کی بیعت ایسے توڑ رہا ہوں جیسے یہ عمامہ (پگڑی) اُتار دی ہے اور پھر پگڑی سر سے اُتار کر رکھ دی' میں یہ بیعت اس کے باوجود توڑ رہا ہوں کہ اس نے مجھے عطیہ دیا تھا لیکن یہ دشمنِ خدا شرابخور ہے۔ ایک اور شخص اُٹھے اور اعلان کیا کہ میں اس کی بیعت ایسے اُتار رہا ہوں جیسے اپنا جوتا اُتارا ہے چنانچہ یوں بہت سی پگڑیاں اور جوتے اکٹھے ہو گئے۔

بیعت توڑنے کے بعد انہوں نے عبد اللہ بن مطیع کو قریش پر امیر مقرر کر دیا جبکہ انصار پر عبد اللہ بن حنظلہ کو مقرر کیا اور پھر لوگوں نے مروان کے گھر میں موجود بنو امیہ کے لوگوں کا محاصرہ کر لیا چنانچہ مروان اور اس کے ساتھیوں نے یزید کو اطلاع دی کہ ہمیں گھیرے میں لے لیا گیا ہے اور ہمارا پانی بند کر دیا گیا ہے براہ کرم ہماری مدد کیجئے۔

یہ خط یزید کے پاس پہنچا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو بلایا (وہ بوڑھا تھا) وہ اس کے پاس پہنچا' یزید نے اسے کہا کہ لوگوں کو (مدینہ کی طرف) لے چلو' چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ (پہلے سے جاری) مکمل عطیات اور ایک لاکھ دینار فوری طور پر وصول کرنے کے لئے حجاز کی طرف جانے کے لئے اکٹھے ہو جاؤ۔ اس اعلان پر بارہ ہزار لوگ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

یزید نے مسلم سے کہا کہ اگر تجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو حصین بن نمیر سکونی کو اپنا نائب مقرر کر دینا اور اسے کہہ دینا کہ اہلِ مدینہ کو تین مرتبہ آواز دیدے' وہ تمہاری بات مان لیں تو بہتر ورنہ انہیں قتل کر دینا اور جب ان پر غالب آ جاؤ تو ان کا مال یا ہتھیار یا کھانے پینے کا سامان تمہارے لئے لینا حلال ہو گا وہ تمہارے لشکر کے لئے کام آئے گا اور یوں جب تین دن گذر جائیں تو ہاتھ روک لینا پھر علی بن حسین کو تلاش کر کے اسے ہدایت کرنا کیونکہ وہ اس واقعہ میں ملوث نہیں۔

اہلِ مدینہ کو جب پتہ چلا کہ حصین آیا ہے تو انہوں نے بنو امیہ کے محاصرے میں موجود لوگوں پر دباؤ ڈالا اور کہا' ہمیں اللہ و رسول اللہ ﷺ کی ضمانت دو کہ ہمارے خلاف بغاوت نہیں کرو گے' ہماری جاسوسی نہیں کرو گے اور دشمن کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف نہیں اُٹھو گے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے ورنہ تمہاری گردنیں اُڑا دیں گے۔ بنو امیہ نے پکا وعدہ دے دیا تو اہلِ مدینہ نے انہیں مدینہ سے جانے دیا۔ وہ وہاں سے نکلے اور مسلم بن عقبہ سے جا ملے۔ مروان نے اپنا بیٹا عبد الملک مسلم کے پاس بھیجا جس نے اشارہ دیا کہ اہلِ مدینہ کی طرف حرہ کی طرف سے آؤ اور تین دن تک وہیں ان کی انتظار کرو چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا۔

جب تین دن گذر گئے تو مسلم نے کہا' اے اہلِ مدینہ! کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں۔ اس نے کہا' ایسا نہ کرو' یزید کی اطاعت کر لو۔ انہوں نے کہا ہم اطاعت نہیں کریں گے۔ انہوں نے خندق میں پناہ لے رکھی تھی چنانچہ مسلم کے کچھ لوگ ادھر گئے' ابن الغسیل کو گھوڑے پر بٹھایا تو اس نے خندق کی راہ بتائی' وہاں سخت جنگ ہوئی۔ مسلم اپنے ساتھیوں کو اُبھار رہا تھا حالانکہ بیمار تھا چنانچہ ان دونوں لشکروں کے درمیان اس کا بستر لگا دیا گیا' اس نے کہا: اپنے امیر کی طرف سے خوب جنگ کرو۔ مسلم نے تین دن تک اپنے ساتھیوں کو کھلی چھٹی دے دی' وہ قتل کرتے جا رہے تھے' وہ مال چھین رہے تھے اور عورتوں سے بدتمیزی کر رہے تھے۔ عبد اللہ بن مطیع لڑتے رہے' لڑتے ہوئے وہ خود اور ان کے سات بیٹے قتل ہو گئے' مسلم نے ان کا سر یزید کی طرف بھیج دیا چنانچہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ خوفزدہ ہو گئے۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ جب شامی لوگ قریب آ گئے تو اہلِ مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کی خندق میں مشورہ کیا پھر مدینہ کے چوفیرے انہوں نے دیوار کھڑی کرنے کا ارادہ کیا' پندرہ دن تک خندق میں کام کرتے رہے' قریش کے پاس راتج سے مسجد احزاب تک کا حصہ تھا' انصار کے پاس مسجدِ احزاب سے بنو سلمہ تک کا اور دیگر موالی کے پاس راتج سے بنو عبد الاشہل کا علاقہ تھا۔

شامی لوگ پہنچ گئے اور مقام "جرف" میں ٹھہرے پھر اپنے کچھ آدمی اہلِ مدینہ کے پاس بھیجے' مدینہ کی ہر طرف کا معائنہ کیا لیکن اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا' مدینہ کے لوگ ہتھیار پہنے ہوئے تھے' خندق کے اندر سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے۔ مسلم' واقم کی ایک جانب بیٹھا تھا اور تباہی ہوتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مروان سے مدد مانگی' اس نے ایک شرط پر وعدہ کیا تھا جب وہ اسے وادی القریٰ میں ملا تھا چنانچہ مروان بنو حارثہ کے پاس آیا' ان کے ایک آدمی سے بات کی اور اسے لالچ دیا کہ تم ہمارے لئے راستہ کھول دو گے تو میں تمہارے بارے میں یزید کو لکھوں گا: وہ تمہاری صلہ رحمی کرے گا (اور انعام و اکرام سے نوازے گا) اس نے اپنی طرف راستہ کھول دیا اور بنو حارثہ کے لوگوں کو اندر داخل کر لیا اور بنو عبد الاشہل کی طرف بھیج دیا۔

عبد اللہ بن حنظلہ کو اس کی اطلاع ملی' وہ اس وقت دو فصیلوں کے درمیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا تھا' پھر عبد اللہ بن مطیع آئے' وہ ذباب کی جانب سے تھے پھر ابن ابو ہریرہ موالی کی طرف سے آئے' ابن ربیعہ آیا' وہ بطحان کی طرف سے تھا اور وہ سب اس جگہ اکٹھے ہو گئے جہاں سے اہلِ شام داخل ہو سکیں۔

محمود بن لبید کہتے ہیں۔ میں اس دن وہیں تھا' ہم اپنی قوم بنو حارثہ کی طرف سے آئے تھے' مروان نے جب وہ نکلا تھا تو اس سے برا معاملہ کیا تھا چنانچہ اس نے اس سے بات کی تو اس نے گھوڑ سواروں سمیت اندر جانے کی اجازت دیدی اور پھر پے در پے اندر آنے شروع ہو گئے' ہم بنو عبد الاشہل کے ہمراہ کھڑے تھے چنانچہ ہم نے شدید جنگ کی' موت ہمیں دکھائی دے رہی تھی' لوگ کثرت سے آ گئے تھے' لوگ بکھر گئے تو ہر طرف قتل و غارت ہوئی۔

واقدی یہ بھی کہتے ہیں کہ بنو حارثہ کا محل اہل شام کے امن مانگنے والوں کے لئے امان کی جگہ تھی' بنو حارثہ امن دے رہے تھے' جنگ ابھی رکنے نہ پائی کہ سب سے پہلے بنو عبد اللہ بن عبد الاشہل کا گھر لوٹ لیا گیا۔ انتہٰی۔

جویریہ بن اسماء کہتی ہیں' میں نے اہلِ مدینہ کے بڑوں سے سنا جو آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا وقت وصال آیا تو انہوں نے یزید کو بلا کر کہا' ایک نہ ایک دن اہلِ مدینہ سے تمہارا معاملہ بگڑے گا' اگر ایسی صورت بن جائے تو مسلم بن عقبہ کو ان کی طرف بھیجنا کیونکہ میں ان کا خلوص جانتا ہوں۔

جب یزید خلیفہ بن گیا تو عبد اللہ بن حنظلہ اپنے ساتھیوں سمیت وفد لے کر آئے' یزید نے ان کی آؤ بھگت کی اور انعامات سے نوازا' وہ واپس آئے اور لوگوں کو یزید کے خلاف ابھارا' اس کے نقص بیان کئے' آپ نے اس کی بیعت توڑنے پر اُکسایا' سب نے آپ کی بات مان لی۔ یزید کو پتہ چل گیا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو اہلِ مدینہ کی طرف بھیجا'

انہوں نے مل کر اہلِ شام کے مقابلہ میں ڈٹ جانے کا اظہار کیا تو وہ خوف کھا گئے اور قتل و غارت سے باز آئے اور پھر جب لڑائی بھڑک اُٹھی تو انہوں نے عین مدینہ کے وسط میں "تکبیر" کی آواز سنی۔ وجہ یہ تھی کہ بنو حارثہ نے مدینہ کی ایک جانب سے شامی لوگوں کو اندر داخل کر لیا تھا جس کی وجہ سے اہلِ مدینہ نے جنگ ترک کر دی اور اپنے اہلِ وعیال کی فکر کے لئے مدینہ میں داخل ہو گئے' یوں اہلِ مدینہ شکست کھا گئے' بہت سے لوگ قتل ہو گئے اور پھر مسلم نے لوگوں سے یزید کی اس بات پر بیعت لی کہ وہ اس کے بے دام غلام ہیں' وہ ان کے جان مال اور اہلِ خانہ تک کا مالک ہے' جیسے چاہے کرے۔ انتہی۔

یعقوب بن سفیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی ہے کہ اس آیت کا مفہوم اس وقت سامنے آیا جب ۶۰ھ ہجری ابتداء دور تھا:

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا ۝

یعنی جب بنو حارثہ نے اہلِ شام کو واقعۂ حرّہ کے موقع پر اہلِ مدینہ کے خلاف اندر آنے دیا تھا۔ یعقوب کہتے ہیں کہ یہ واقعۂ حرّہ ۶۳ھ ہجری میں واقع ہوا تھا۔ الخ۔

کہتے ہیں کہ ایک عورت نے جب مسلم بن عقبہ سے اپنے بیٹے کے بارے میں بات کی اور کہا کہ میں آپ کی لونڈی ہوں اور میرا بیٹا قید میں ہے تو اس نے کہا کہ اس کا بیٹا فوراً اس کے سامنے لے آؤ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا اور کہا کہ اس کا سر اس عورت کو دے دو' پھر کہا' تم اتنے پر خوش نہیں ہو کہ تمہیں قتل نہیں کیا گیا اور تم اپنے بیٹے کے بارے میں بات کرنے لگی ہو؟ میں کہتا ہوں کہ مسلم کو مُسْـرِف (زیادتی کرنے والا) کہتے تھے کیونکہ اس نے بے تحاشا قتل و غارت کی تھی۔

واقدی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یزید مسرف (مسلم) کے پاس آیا' اسے اس نے بیماری کی حالت میں اس کام پر لگایا تھا' آ کر کہا: اگر تم بیمار نہ ہوتے تو میں تمہیں یہاں کا والی مقرر کر دیتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم پرخلوص ہو۔ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ یہ امارت تمہیں مجھے دینا ہوگی کیونکہ یہ سب میری کارگردگی ہے' میں نے خواب میں غرقد کا درخت دیکھا جو اپنی ٹہنیوں سمیت چیخ رہا تھا: اے عثمان! کے قاتلو! میں متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ درخت کہہ رہا ہے کہ "مسلم بن عقبہ کے ہاتھوں" میں اس کے قریب گیا اور اسے پکڑ لیا۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی ہے کہ عثمان کے معاملے کا میں ہی نگران ہوں' یہ لوگ ان کے قاتل ہیں۔

یہ سن کر یزید نے کہا کہ اللہ کی برکت سے تم ان کی طرف چلے جاؤ' ان کا معاملہ تمہارے سپرد ہے' دیکھو جب تم مدینہ پہنچو تو دیکھو' جو تمہیں مدینہ میں داخل ہونے سے روکے یا لڑائی کے لئے تیار ہو تو خوب تلوار چلاؤ' ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو اور تین دن تک خوب لوٹ مار کرو' زخمیوں پر وار کرو اور بھاگنے والوں کو قتل کرتے جاؤ' کسی کو نہ چھوڑو اور اگر تمہارے مقابلے پر نہ آئیں تو ابن زبیر کی طرف (مکہ) چلے جانا۔

ابن جوزی، جویریہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مسلم نے جب حرہ کے مقتولین کو دیکھا تو کہا: اگر اب بھی میں دوزخ میں داخل ہو جاؤں تو بڑا بد بخت ہونگا پھر بچے کھچے لوگوں کو قیدی بنایا اور تین دن تک کچھ کھانے پینے کو نہ دیا۔ادھر اس کے ساتھی حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ کو لے آئے، اور ان سے کہا کہ بیعت کر لو۔انہوں نے کہا کہ میں ابو بکر وعمر کے طریقے پر (چلنے والے کی) بیعت کروں گا، مسلم نے حکم دیا کہ ان کی گردن اُڑا دی جائے لیکن اسی دوران کسی نے کہہ دیا کہ یہ دیوانہ ہے تو اس نے انہیں جانے دیا۔

حرّہ میں مقتولین کی تعداد

مدائنی نے اہلِ مدینہ کے ایک بوڑھے شخص کے حوالے سے لکھا، اس نے بتایا کہ میں نے زھری سے پوچھا حرہ کے دن کتنے لوگ قتل ہوئے تھے؟ اس نے بتایا کہ سات سو نامور قریش، انصار اور مہاجرین قتل ہوئے، یہ سردار قسم کے تھے، ان کے علاوہ عام لوگ غلام، آزاد اور عورتیں دس ہزار تھے، یہ واقعہ ذوالحجہ کے تین دن رہتے تھے کہ ۶۳ھ ہجری کو پیش آیا۔

علامہ واقدی ''کتاب الحرہ'' میں لکھتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن جعفر نے بتایا کہ میں نے زھری سے پوچھا کہ اس دن کتنے لوگ قتل ہوئے تھے، اس نے بتایا کہ معتبر اور سردار لوگ قریش، انصار اور موالی کل سات سو تھے پھر ان مقتولوں کا شمار کیا تو میں نے سمجھ لیا کہ اس دن کوئی بھی قتل سے نہیں بچا پھر زہری نے بتایا کہ نامعلوم غلام، بچوں اور عورتوں میں سے دس ہزار سے زائد لوگ قتل ہو گئے، وہ لوگ حرہ میں ذوالحجہ کے تین دن باقی تھے کہ داخل ہوئے، ۶۳ھ ہجری تھا۔

میں کہتا ہوں کہ قرطبی نے کہا: ذوالحجہ کی دو راتیں رہتی تھیں پھر اقشھری نے ابو معشر اور واقدی کے حوالے سے بتایا کہ یہ بدھ کا دن تھا اور ذوالحجہ کی دو راتیں باقی تھیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات میں نے تو واقدی کی کتاب میں نہیں دیکھی، شائد ان کے قلم سے نکل گئی ہے واللہ اعلم۔

علامہ مجد نے ذکر کیا ہے کہ شامیوں نے بچوں تک کو قید کر لیا، عورتوں کی بے حرمتی کی چنانچہ ان عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد کو ''اولاد الحرۃ'' کہتے تھے۔وہ کہتے ہیں کہ پھر نامور لوگ یزید کی بیعت کے لئے بلائے گئے تو مسلم اس بات کے علاوہ کسی اور بات پر راضی نہ تھا کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں اور اس کی غلامی میں آ جائیں، جس نے لیت و لعل کیا، اس نے قتل کا حکم دیا۔اسی دوران اس کے ساتھی علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو حصین بن نمیر نے کہا: اے یمن والو! اپنے خالہ زاد کی بیعت کرو، چنانچہ اس کے ساتھ چار ہزار لوگ کھڑے ہو گئے، مسلم نے ان سے کہا، کیا تم نے اطاعت سے خلاصی کرا لی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اگر اس کے بارے میں پوچھتے ہو تو ہم کہیں گے، ہاں چنانچہ اس نے اس صورت میں بیعت کی کہ وہ یزید کا چچا زاد ہے۔انتہٰی۔

مدائنی ہی کے مطابق محمد بن عمر نے بتایا: مروان کے غلام ذکوان نے کہا کہ مسلم نے مدینہ میں لوٹ کھسوٹ کے

بعد ایک دوائی پی اور صبح کا کھانا مانگا جس پر طبیب نے کہا' جلدی نہ کرو کیوں کہ دواء کے کامل اثر سے پہلے تم نے کھانا کھا لیا تو تمہارا جانی خطرہ ہے۔اس نے کہا' تم پر افسوس ہے' میں زندگی چاہتا تھا تاکہ عثمان کے قاتلوں کو انجام تک پہنچا کر مطمئن ہو جاؤں' میں نے جو کچھ سوچا تھا' وہ پا لیا ہے تو اس وقت مجھے موت سے پیاری اور کوئی شے نہیں لگتی کیونکہ پاکیزہ ہو گیا' مجھے اس بات میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے گناہوں سے پاک کر دیا ہے کیونکہ میں نے ان پلیدوں کو قتل کر دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی یہ بات نہایت احمقانہ تھی (اللہ اسے تباہ کرے اور مزید بدبخت بنائے) کیونکہ اس سے تو وہ اور زیادہ مجرم بن گیا تھا۔

حرّہ کے دن قتل ہونے والے صحابہ کرام

حرہ کے دن ناحق قتل ہونے والے صحابہ میں سے ایک' حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل رضی اللہ عنہ تھے۔ ابنِ حزم کہتے ہیں کہ آپ کو آٹھ بیٹوں سمیت قتل کیا گیا۔عبداللہ بن زید قتل ہوئے جو حضورﷺ کے وضو کا طریقہ بتاتے تھے' معقل بن سنان اشجعی جو فتح مکہ میں شامل ہوئے تھے' وہ اس دن اپنی قوم کا جھنڈا تھامے ہوئے تھے' کسی نے اسی موقع پر کہا تھا:

"سنو! انصار تو قوم کے سرداروں پر روتے ہیں لیکن بہادر لوگ معقل بن یسار کو رو رہے ہیں۔"

ان مقتولوں میں محمد بن عمرو بن حزم انصاری بھی تھے' امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن غسیل اس دن کہہ رہے تھے:

"دور ہو وہ شخص جس نے فساد کا ارادہ کیا اور سرکشی دکھائی' میانہ روی سے ہٹ گیا اور اسبابِ ہدایت سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسی کو دور کرتا ہے جو بے فرمان ہو۔"

اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے' ان کے ساتھ ماں کی طرف سے ان کے بھائی محمد بن ثابت بن قیس بن شماس انصاری بھی شہید ہو گئے۔ان کے والد' بنو تمیم کے وفد آنے پر رسول اللہﷺ کی طرف سے بات چیت کرتے رہے۔

مسلم بن عقبہ' مروان بن حکم کو ہمراہ لئے مقتولین کا چکر لگا رہا تھا کہ عبداللہ بن غسیل کے پاس سے گذرا' ان کی انگشت شہادت کھڑی تھی۔یہ دیکھ کر مروان نے کہا: انہوں نے مر کر بھی انگلی اُٹھا رکھی ہے تو زندگی بھر کتنی مرتبہ اُٹھائی ہو گی۔

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ مروان نے عبداللہ بن حنظلہ غسیل کو انگلی اُٹھائے دیکھا' وہ خشک ہو چکی تھی' ان سے کہا اگر تم مرتے ہوئے اس سے اشارہ کر رہے ہو تو زندگی بھر کتنی مرتبہ تم نے اللہ سے دعا کی ہو گی اور گڑگڑائے ہو

گے۔اس پر ایک شامی نے کہا: اگر ایسا ہی ہے جیسے تم کہہ رہے ہو تو پھر تم لوگوں نے تو ہمیں اہلِ جنت کو قتل کرنے کے لئے بلایا ہے۔مروان بولا کہ انہوں نے مخالفت کی ہے اور الگ ہو گئے ہیں۔طبقات میں محمد بن سعد کہتے ہیں کہ مروان بن حکم' مسلم بن عقبہ کو اہلِ مدینہ کے خلاف بھڑکاتا رہا' یہ اس کا مددگار بن کر آیا تھا چنانچہ ان پر کامیاب ہوا اور مدینہ میں لوٹ مار ہوئی چنانچہ جب مروان یزید کے پاس گیا تو اس نے اس کا شکر ادا کیا اور اپنا قریبی بنا لیا۔

ابن جوزی حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں' فرمایا تھا کہ میں جب بھی نماز پڑھتا ہوں تو بنو مروان کے خلاف بددعا کرتا ہوں۔

انہی کی روایت ہے' فرمایا: مجھے پریشان کرنے والی بات یہ تھی کہ حرہ کی راتوں میں مسجد کے نبوی اندر میرے سوا اور کوئی نہ ہوتا تھا' اہلِ شام گروہ در گروہ داخل ہوتے تو کہتے کہ اس بڈھے دیوانے کو دیکھو۔جب بھی نماز کا وقت ہو جاتا تو قبرِ انور و اطہر سے اذان کی آواز سنائی دیتی' پھر اقامت ہوتی' میں آگے بڑھ کر نماز پڑھتا اور مسجد میں میرے سوا کوئی بھی نہ ہوتا۔

ابو قرہ کی روایت ہے کہ ہشام بن حسان نے بتایا کہ حرہ کے واقعہ کے بعد ایک ہزار بے خاوند عورتوں نے بچے جنے۔

مدائنی ہی سے ہے' خالد کندی نے بتایا کہ ان کی پھوپھی ام الہیثم بنت یزید کہتی ہیں کہ میں نے ایک قریشی عورت کو طواف کرتے دیکھا کہ اتنے میں اس کے سامنے ایک سیاہ بچہ آ گیا' وہ اس سے گلے ملی اور اسے چوما۔میں نے اس سے پوچھا: اے خدا کی بندی! اس سیاہ رنگ والے سے اتنا پیار کر رہی ہو؟ اس نے کہا یہ میرا بیٹا ہے' اس کا باپ حرہ کے دن مجھ سے ہم بستر ہوا تھا۔

ابوغزیہ انصاری بتاتے ہیں کہ اہلِ مدینہ رات کو مجلس لگاتے اور دیر تک جاگتے رہتے تھے اور جب دوسرے لوگ قتل ہو گئے تو وہ بھی قتل ہوئے جن میں سے ایک شخص بچ گیا' وہ اس کی مجلس میں گیا تو کسی کو محسوس نہ ہوا' پھر دوسری رات آیا تو یونہی کیا اور تیسری رات کو آیا تو یونہی کیا اور یہ شعر پڑھا:

"سنو! بہادر چلے گئے اور مجھے پیچھے چھوڑ گئے' اب میرے لئے یہی بات غم کی ہے کہ میں بہادروں کو یاد کر رہا ہوں۔"

چنانچہ مجلس میں سے کسی نے کہا:

"ان بہادروں کا ذکر چھوڑو کیونکہ وہ چلے گئے' مرنے سے پہلے اپنے آپ کو روؤ کیونکہ ہر جماعت کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ بکھر جایا کرتی ہے۔"

طبرانی میں ابو ھارون عبدی کا بیان ہے کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کی داڑھی کے بال گرے معلوم ہوتے تھے' میں نے پوچھا: کیا داڑھی سے کھیلا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا' نہیں بلکہ یہ اہلِ شام کے ظلم کی

نشانی ہے۔ وہ حرّہ کے وقت گھر میں گھس آئے اور سامان لوٹتے گئے پھر ایک اور گروہ آیا' گھر میں انہیں کچھ نہیں ملا تو افسوس کرنے لگے کہ اس گھر سے کیسے خالی ہاتھ چلے جائیں چنانچہ کہنے لگے کہ اس بڈھے کو لٹا دو اور پھر ہر ایک میری ڈاڑھی سے کچھ نہ کچھ بال نوچتا گیا۔

کیا مسلم بن عقبہ جل کر مر گیا تھا؟

محمد بن سعید نے بتایا کہ یزید جب حضرت ابن زبیر کے خلاف ہو گیا اور بیعت کی خواہش کی تو مسلم بن عقبہ مری کو بلایا (اسے فالج ہو چکا تھا) کہنے لگا کہ میرے باپ امیر المؤمنین نے ایام بیماری میں مجھ سے عہد لیا تھا کہ اگر اہلِ حجاز کی طرف سے کوئی واقعہ رونما ہو تو میں تمہیں ان کی طرف بھیجوں چنانچہ وہ مسئلہ بن گیا ہے۔ مسلم نے کہا' میں آپ کے حکم پر پورا اتروں گا' میرے ساتھ عہد کرو اور لشکر تیار کر دو۔ چنانچہ وہ مدینہ میں وارد ہوا اور تین دن تک قتل و غارت کرتا رہا پھر لوگوں سے یزید کی اس شرط پر بیعت کرنے کو کہا کہ وہ اس کے بے دام غلام ہیں خواہ وہ تم سے اللہ کی عبادت کا کام لے یا بے فرمانی کا' انہوں نے یہ بات مان لی البتہ ایک قریشی نے' جس کی والدہ اُم ولد تھی' یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ مسلم نے اسے کہا کہ یزید سے اطاعت و گناہ کی شرط پر بیعت کرو۔ اس نے کہا' میں اطاعتِ الٰہی کی شرط پر بیعت کر سکتا ہوں' اس نے اس شرط پر بیعت لینے سے انکار کر دیا اور اسے قتل کر دیا چنانچہ اس کی ماں نے قسم کھا لی کہ اگر مسلم کی زندگی یا موت میں مجھ سے ممکن ہوا تو اسے جلا دے گی۔

جب مسلم مدینہ سے نکلا تو اس کی بیماری اور بڑھ گئی چنانچہ وہ مر گیا' اس قریشی کی ماں اپنے کچھ غلام لے کر اس کی قبر پر گئی تو اس نے سرہانے کی طرف سے قبر کھودنے کو کہا' جب وہ سر تک پہنچے تو یکا یک دیکھا کہ ایک اژدھا اس کے گلے میں لپٹا ہوا ہے اور اس کا ناک پکڑے چوس رہا ہے۔ وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے اور کہنے لگے' اے بی بی' آؤ واپس چلیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے اس کے شر کا بدلہ دے دیا ہے' اسے بتایا تو وہ کہنے لگی: میں نے اللہ سے جو وعدہ کر رکھا ہے' اسے پورا کر کے رہوں گی۔ پھر کہنے لگی کہ اس کے پاؤں کی طرف کھو دو' انہوں نے کھودا تو دیکھا کہ ایک بڑا سانپ اس کے پاؤں پر لپٹا ہوا تھا۔ وہ ہٹ گئی اور دو نفل پڑھے اور عرض کی' الٰہی! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے تیری خاطر مسلم بن عقبہ سے اظہارِ ناراضگی کیا ہے تو آج مجھے اس سے بدلہ لے لینے دے۔ پھر ایک لکڑی پکڑ کر سانپ کی دم پر لگائی چنانچہ وہ سر کی پچھلی طرف سے کھسک گیا اور قبر سے نکل گیا۔ اس پر اس نے اسے باہر نکالنے کو کہا اور آگ میں جلا دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ واقدی کی کتاب الحرہ ہی میں ہے کہ جب مسلم کو ''ثنیۃ المشلل'' میں دفن کر دیا گیا تو اس وقت اُمّ ولد لشکر کے پیچھے تھی' کوئی دو یا تین دن کے فاصلے پر' اسی دوران اسے خبر ملی تو وہ وہاں پہنچی' اس نے اس کی قبر کھو دی اور مشلّل پہاڑی پر سولی چڑھا دیا چنانچہ اسے سولی پر لٹکا ہوا دیکھنے والے نے مجھے بتایا کہ اسے یوں پتھر برسائے

جاتے تھے جیسے ابو رغال کی قبر پر۔

عبد الرحمٰن بن حارث کہتے ہیں کہ بخدا میں نے اس کی قبر کھودی تھی تاہم جب وہ عورت اس کی لحد تک پہنچی تو دیکھا کہ ایک سیاہ سانپ منہ کھولے اس کی گردن پر لپٹا ہوا تھا چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گئی۔

ابن جوزی کہتے ہیں کہ جب ۶۴ھ ہجری آ گیا (اور مسلم اہلِ مدینہ کو قتل کرنے سے فارغ ہو گیا) تو مکہ کی طرف متوجہ ہوا' مدینہ پر روح بن زنباع کو اپنا نائب مقرر کر دیا پھر ابن زبیر کی طرف روانہ ہوا اور راستے ہی میں مر گیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ معاملہ عین اسی طرح ہوا جیسے حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جو بھی مدینے کے معاملے میں برا ارادہ کرے گا' اللہ جلد ہی اسے ہلاک فرما دے گا۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے مدینے سے جاتے ہوئے ہلاک کیا' اس کے پیٹ میں زرد پانی بھر گیا چنانچہ واقعۂ حرّہ کے تین دن بعد وہ ''قدید'' کے مقام پر مر گیا۔

طبری کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے تین راتوں بعد ''ھرشیٰ'' کے مقام پر مرا تھا' اس کی لاتعداد بیوقوفیوں میں سے یہ بھی تھی کہ مرتے وقت کہنے لگا: ''اے اللہ! جب سے میں نے لا الہٰ الا اللہ پڑھا ہے' نیکی کا اس کے علاوہ کوئی پسندیدہ کام نہیں کیا کہ اہلِ مدینہ کو قتل کیا ہے' اگر اب بھی میں دوزخ میں چلا گیا تو یہ بڑی بدبختی ہو گی۔''

اس کے بعد حصین بن نمیر سکونی کو بلا کر کہا کہ امیر المؤمنین نے میرے بعد تمہیں امیر مقرر کیا ہے لہٰذا جلد پہنچو اور ابن زبیر کی طرف جانے میں دیر نہ کرو پھر اسے حکم دیا کہ مکہ پر حملہ کے لئے منجنیقین گارڈ دینا اور اگر اہلِ مکہ بیت اللہ کی پناہ لیں تو ان پر تیر برسانا چنانچہ اس نے ۶۴ دن تک مکہ کا محاصرہ جاری رکھا جن میں سخت لڑائی ہوتی رہی اور بیت اللہ کو ۳ ربیع الاوّل بروز ہفتہ منجنیقوں سے نشانہ بنایا گیا' ایک آدمی کے تیر کی نوک پر شعلہ لگا جسے ہوا لے گئی اور یوں بیت اللہ جل گیا۔ اسی دوران انہیں خبر ملی کہ ربیع الآخر کے چاند دیکھنے پر یزید بن معاویہ مر گیا ہے۔ واقعۂ حرّہ اور اس کی موت کے درمیان صرف تین ماہ کا عرصہ گذرا تھا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ تین ماہ سے کم عرصہ گذرا تھا کیونکہ وہ ذبحہ اور ذات الجنب میں نصف ربیع الاوّل کو مرا تھا۔

اب قلعی پگھل چکی تھی' حالات تبدیل ہو چکے تھے' اہلِ مدینہ اور اہلِ حجاز' شامیوں کے مقابلے میں جرأت مند ہو گئے تھے۔ اب وہ اس قدر ذلیل تھے کہ جب بھی ان کا کوئی آدمی کسی کو اکیلا مل جاتا تو اس کے چوپائے کی لگام پکڑ کر اسے گرا دیا جاتا۔ ایسے حالات میں بنو امیہ نے ان سے کہا کہ ہمیں کسی طرح شام پہنچاؤ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ لشکر شام میں چلا گیا۔

یزید کے دور میں سب سے برے یہ تین کام ہوئے تھے' واقعۂ حرّہ' قتلِ حسین رضی اللہ عنہ اور بیت اللہ پر منجنیق کے ذریعے سنگ باری۔

حضرت عبد الرحمٰن بن سعید بن زید (یہ دس ان اصحاب میں شامل تھے جنہیں جنت کی بشارت ملی رضی اللہ

عنہم) نے کہا تھا:

"اگر تم حرۂ واقم میں ہمیں قتل کیا ہے تو ہم اسلام پر قتل ہونے والے پہلے لوگ ہیں، ہم نے بدر میں تمہیں تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود قتل کیا تھا، اب ہمارا سامان لوٹ لیا گیا تو اس میں زیادتی ہے۔"

اگر بیت اللہ میں پناہ لینے والا صحیح سالم نجات پا گیا تو ہر وہ شخص جو تم میں سے ہمارا نائب ہوگا، بڑا ہو گا۔"

اس شعر میں "بیت اللہ میں پناہ لینے والا" سے مراد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ واقعۂ حرہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جو حدیثِ بیداء میں مذکور ہے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"شام کی طرف سے ایک لشکر آئے گا جو مدینہ میں داخل ہوگا، وہ قتل و غارت کریں گے، عورتوں کے پیٹ پھاڑیں گے، وہ یہ کہیں گے کہ پیٹ میں حمل ہے لہٰذا اسے ابھی قتل کر دو کہ شر ختم ہو جائے اور جب وہ ذوالحلیفہ کے قریب بیداء کے بالائی حصے پر پہنچیں گے تو انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا، چھوٹے بڑے کا لحاظ نہ ہوگا۔"

ابوالمہزم کہتے ہیں کہ جب ابنِ ذبحہ کا لشکر آیا تو ہم نے کہا کہ شاید یہ وہی لوگ ہیں لیکن وہ یہ نہ تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک اطلاع کے مطابق یہ لشکر سفیانی ہوگا جسے وہ امام مہدی سے لڑنے کے لئے بھیجے گا۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ جب سے حضور ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو مسجد نبوی میں ایک دن کی نماز بھی ترک نہ ہو پائی تھی، صرف تین دنوں میں ایسا ہوا تھا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا، یومِ حرہ پر، حضرت مالک کہتے ہیں کہ تیسرا دن میں بھول گیا۔

ابن رشد کہتے ہیں، تیسرا وہ دن جس کے بارے میں امام مالک نے کہا تھا کہ وہ بھول گئے ہیں، محمد بن عبدالحکیم کے مطابق وہ تھا جس میں ابوحمزہ خارجی نکلا تھا وہ مروان بن محمد بن مروان بن الحکم کے دور میں نکلا، یہ بنوامیہ کا آخری خلیفہ تھا۔

ابوحمزہ کی مدینہ کو روانگی

خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں کہ ۱۳۰ھ ہجری کی ابتداء میں ابوحمزہ مدینہ کا ارادہ لے کر چلا اور مکہ میں اپنا نائب ابراہیم بن صباح حمیری کو بنایا۔ اپنے مقدمہ (لشکر کا اگلا حصہ) پر فلح بن عقبہ سعدی کو مقرر کیا۔ ادھر سے اہلِ مدینہ نکلے اور بروز جمعرات، صفر گذرنے میں نو دن باقی تھے، ۱۳۰ھ ہجری تھا کہ "قدید" کے مقام پر آمنے سامنے ہو گئے۔ فلح کی کمان میں

تیس ہزار گھوڑ سوار تھے' اہلِ مدینہ سے کہنے لگا: ہمارا راستہ چھوڑ دو' ہم ان کے پاس جانا چاہتے ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی' ہم تمہارے ساتھ لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ ان سے جنگ کرنے لگے اہلِ مدینہ شکست کھا گئے۔ ابوحمزہ ان کے پاس آیا تو علی بن حصین نے اسے کہا کہ اس قوم کی اتباع کرو اور ان کے زخمیوں کے بارے میں نرمی برتو کیونکہ ہر موقع کا حکم الگ ہوتا ہے' یہاں نرمی برتنا ہی بہتر ہے۔ اس نے کہا' میں ایسا نہیں کروں گا چنانچہ وہ مدینہ کو چلا گیا چنانچہ وہ صفر کی تیرہ راتیں باقی تھیں' پیر کا دن تھا کہ مدینہ میں داخل ہوا' اس کے مدینہ میں داخلے پر (واللہ اعلم) مسجد نبوی میں تین دن گذرنے کے باوجود کوئی بندہ نہ آیا۔ اس دن قریش کے تین سو آدمی قتل کئے گئے جبکہ آل زبیر میں سے بارہ آدمی مارے گئے' لوگوں نے قدید میں دلوں کو گھبرا دینے والی رونے کی ایسی آوازیں سنیں کہ کبھی نہ سنی تھیں' مدینہ میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں چیخ و پکار نہ ہوئی ہو' ایک رونے والی انہیں یوں رو رہی تھی:

"زمانے کو کیا ہو گیا اور مجھے کیا ہوا کہ "قدید" نے میرے بہادر فنا کر دیے لہٰذا اب میں باطنی طور پر
اور چپکے چپکے روتا رہوں گا اور ظاہری طور پر بھی رووں گا۔"

میں کہتا ہوں: خلیفہ بن خیاط نے ابوحمزہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے' اسے ذہبی نے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: عبداللہ بن یحییٰ اعور کندی' جسے طالب الحق کہتے تھے' (حضر موت اور صنعا کے حکمران) نے مکہ کی طرف ابوحمزہ خارجی اباضی کو بھیجا (جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے) چنانچہ مکہ و مدینہ کا امیر عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک خوفزدہ ہو گیا جس پر اہلِ مکہ نے اسے رسوا کیا۔ اس نے ابتدائی لوگوں کے ساتھ جاتے ہوئے مکہ چھوڑ دیا اور مدینہ کو روانہ ہو گیا جس کے نتیجے میں ابوحمزہ مکہ پر قابض ہو گیا اور جب وہ مکہ کا امیر بن گیا اور مقام "قدید" پر اس لشکر کے مقابلے میں آیا جسے عبدالواحد بن سلیمان نے اس سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا تو یہاں ابوحمزہ کامیاب ہوا اور پھر مدینہ کو چل پڑا اور مدینہ میں داخل ہو گیا اور وہاں بہت سے لوگوں کو قتل کیا جن میں چالیس لوگ بنو عبدالعزیٰ کے تھے۔ اس کے خلاف مروان نے لشکر تیار کیا جو وادی القریٰ میں فلج کے مقابلہ پر گیا جو ابوحمزہ کے لشکر میں مقدمہ پر تھا۔ دونوں فریق لڑے تو فلج اور اس کے بہت سے ساتھی قتل ہو گئے پھر انہوں نے مکہ میں ابوحمزہ کو جا لیا اور اسے بھی اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا پھر طالب الحق کی طرف گئے اور اسے بھی قتل کر دیا۔ انتہیٰ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں' اس میں یہ احتمال نہیں کہ جو کچھ تاریخ دانوں کی طرف سے مدینہ سے نکلنے کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ اس کا اس واقعہ سے تعلق ہو یا اس سے قبل والے واقعۂ بسر بن ارطاۃ سے تعلق ہو کیونکہ علامہ قرطبی نے کہا: ابوعمرو شیبانی کہتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو حضرت علی کے مددگاروں کو قتل کرنے کی خاطر بھیجا تو وہ چلتا ہوا مدینہ پہنچا اور حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دونوں بیٹوں کو قتل کر دیا' اہلِ مدینہ بھاگ کھڑے ہوئے اور حرہ بنو سلیم میں جا داخل ہوئے لیکن یہ بات دور کی ہے' قریبی وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا' واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۶

اس آگ کے ظہور کے بارے میں ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے ڈرایا تھا' وہ سرزمینِ مدینہ میں دکھائی دی اور جب وہ مدینہ کے قریب پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا۔

اس آگ کے بارے میں احادیث

مسند احمد میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ ساتھ تھے کہ ہم نے ذوالحلیفہ دیکھا' کچھ آدمی جلدی سے مدینہ کو واپس چلے گئے لیکن حضور ﷺ رات وہیں ٹھہرے' ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔صبح ہوئی تو آپ نے چلے جانے والوں کے بارے میں پوچھا آپ کو بتایا گیا کہ وہ جلد ہی مدینہ کو چلے گئے تھے۔آپ نے فرمایا کہ ''وہ عورتوں کی خاطر جلد مدینہ کو گئے ہیں اور یوں وہ انہیں اچھی طرح سے بلا سکیں گے۔'' پھر فرمایا: معلوم نہیں کہ یمن کے وراق پہاڑ سے آگ کب دکھائی دے گی جس کی روشنی میں بصریٰ کے بیٹھے اونٹوں کی گردنیں دن کی روشنی کی طرح دکھائی دیں گی۔

علامہ طبرانی نے حضرت حذیفہ بن اسد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں لکھا ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک آگ رومان (یا رکوبہ فرمایا) سے دکھائی نہ دے گی جس سے بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں گی۔

میں کہتا ہوں کہ ''رکوبہ'' جیسے کہ آگے آ رہا ہے' ورقان کے قریب ایک پہاڑی ہے' شاید وراق پہاڑ سے مراد یہی ہے' حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بکری نے رومان کا ذکر نہیں کیا اور شائد رومہ کنواں مراد ہے جو مدینہ میں ہے پھر بکری نے نقل کیا ہے کہ رکوبہ وہ شخص ہے جس نے مدینہ اور شام بنایا تھا۔عنقریب اس کا رد آ رہا ہے۔

یہ آگ بخاری و مسلم میں اس حدیث کے اندر مذکور ہے ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک حجاز میں آگ دکھائی نہ دے گی۔'' بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ''سرزمینِ حجاز میں آگ نظر آئے گی جس سے بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دکھائی دیں گی۔''

طبرانی نے مطابق حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے آئندہ کے بارے میں پوچھا: آپ نے فرمایا: ''حبس سیل'' کہاں ہے؟ ہم نے عرض کی کہ معلوم نہیں کہاں ہے؟ اتنے میں میرے قریب سے بنوسلیم کا ایک آدمی گذرا تو میں نے اس سے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ ''حبس سیل'' سے' میں نے اپنا جوتا منگوایا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی' یا رسول اللہ! آپ نے ہم سے حبسِ سیل کے بارے میں پوچھا تھا تو ہم نے عرض کیا تھا کہ ہمیں معلوم نہیں' اب یہ آدمی میرے قریب سے گذرا ہے تو میں نے اس سے پوچھا ہے' اس نے بتایا ہے کہ میرے اہل و عیال وہیں ہیں۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: تمہارے اہل و

عیال کہاں ہیں؟ اس نے عرض کی کہ حبس سیل میں ہیں۔آپ نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کو وہاں سے نکال لو کیونکہ عنقریب وہاں سے آگ نکلے گی جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی۔اور اس حدیث کو: ''عنقریب آگ حبس سیل سے نکلے گی جو کم رفتار اونٹ کی طرح چلے گی' دن کو چلے گی لیکن رات کو رُک جائے گی۔'' احمد اور ابو یعلیٰ نے بشیر سلمی سے روایت کیا ہے۔

مسند الفردوس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ملتی ہے: ''قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک حجاز کی وادیوں میں سے ایک وادی میں آگ نہیں چلے گی جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں دکھائی دیں گی۔

مدینہ جیسے حجازیہ کہلاتا ہے' یونہی یمانیہ بھی کہلاتا ہے

یہ آگ' جیسا کہ آگے ہم بیان کریں گے' مدینہ شریف میں دکھائی دی اور مدینہ کے حجازیہ ہونے میں کوئی اِشکال نہیں' رہا اس کا یمانیہ ہونا تو اس کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے واضح طور پر لکھا ہے' چنانچہ علامہ بیہقی ''المعرفۃ'' میں لکھتے ہیں: حضرت شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مکہ اور مدینہ یمانی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت امام شافعی نے ''اُمّ'' میں یہ حدیث بیان کی ہے: ''تمہارے پاس اہل یمن آئیں گے جو بڑے نرم دل ہوں گے۔'' پھر یہ روایت کی کہ ''نبی کریم ﷺ تبوک پہاڑی کے پاس ٹھہرے اور فرمایا: جو یہاں تک ہے' وہ شام ہے اور شام کی طرف اشارہ کیا اور جو یہاں تک ہے وہ یمن ہے' اور پھر مدینہ کی طرف اشارہ کیا۔''الام'' سے میں نے انہی الفاظ میں نقل کیا ہے اور مسندِ شافعی میں الفاظ یہ ہیں: جو یہاں تک ہے وہ شام ہے اور اشارہ شام کی طرف تھا اور جو یہاں تک ہے وہ یمن ہے' اس سے مدینہ کی طرف اشارہ فرمایا۔اس کی شرح میں ابن الاثیر کہتے ہیں کہ اس سے آپ کی غرض شام اور یمن کی حدود بیان کرنا تھا' چنانچہ آپ نے مدینہ کو یمن میں شامل کیا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ علامہ نووی نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مدینہ نہ یمانی ہے' نہ شامی بلکہ حجازی ہے۔فرمایا کہ اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں' شائد انہیں اس بات کا علم نہ تھا۔

رہا حبس سیل' تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لفظ حبس ہے' حاء پر پیش اور باء پر جزم ہے' یہ حرّۂ بنو سلیم اور سوارقیہ کے درمیان ہے' یہ آگ مشرق سے سوارقیہ کے راستے کی طرف سے آئی تھی جیسے آگے آ رہا ہے۔علامہ نصر کہتے ہیں کہ حبس سیل میں حاء پر زبر ہے یہ بنو سلیم کے دو حرّوں میں سے ایک ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اہلِ مدینہ اسے ''سد'' کا نام دیتے ہیں جو آگے آ رہا ہے اور علامہ یاقوت کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام ''سد'' اس آگ سے پہلے کا رکھا ہوا ہے کیونکہ انہوں نے اسے پایا نہ تھا' اس کے باوجود انہوں نے کہا کہ قناۃ کی اعلیٰ وادی سدّ کے قریب ہے جسے ''شظاۃ'' کہتے ہیں۔

تاریخ دانوں کے ہاں مدینہ شریف میں اس آگ کا دکھائی دینا مشہور ہے اور حد تواتر کو پہنچ چکا ہے' اس کا ظہور

اس مقصد کے لئے تھا جو آگے ہونے والا تھا یعنی اس سے مسلمانوں کو ڈرایا جائے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اسے "نذیر" ﷺ ہی کے شہر کے قریب دکھایا گیا' اس سے قبل ہولناک زلزلے آئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا۝

"اور ہم ایسی نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو۔"

اور فرمایا:

ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ۝

"اس سے اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو' اے میرے بندو! تم مجھ سے ڈرو۔"

اور جب یہ آگ ظاہر ہوئی جس کی حالت آگے آ رہی ہے' اہلِ مدینہ اس سے بہت ڈر گئے اور اپنے رحمت بھرے نبی کی خدمت میں درخواست کی چنانچہ اسے شمال کی طرف پھیر دیا گیا' یوں ان کا خوف زائل ہو گیا اور اُمت میں تربت حضور ﷺ کی برکت ظاہر ہوئی۔

مدینہ میں آگ کی حکمت

شاید خصوصی طور پر یہاں آگ دکھائی دینے کا مقصد (پہلے ہم بتا چکے کہ یہ "نذیر" کے ہاں ظاہر ہوئی) اس اُمت کے لئے رحمت تھا کیونکہ اگر یہ قہر بن کر اور اپنی عظمت والی شان دکھاتے ہوئے کہیں اور دکھائی دیتی تو پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اسے کوئی نہ موڑتا اور اس سے اُمت کا نقصان بہت ہوتا چنانچہ اس مقام پر دکھائی دی جہاں ڈرانے والے موجود تھے اور جب یہ کامل ہو چکی تو رحمت اس کے مقابلے میں آئی اور اسے سرد اور سلامتی والا بنا دیا۔اس کے علاوہ کئی اور بھید بھی تھے۔

مدینہ منورہ میں پہلا زلزلہ

مدینہ شریف میں پہلا زلزلہ اس وقت آیا جب جمادی الاولیٰ کا اخیر اور جمادی الاخریٰ آ رہا تھا' ۶۵۴ھ ہجری تھا' یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کیونکہ ہلکا سا تھا حالانکہ اس کے بعد اس کے جھٹکے کئی بار آئے اور اس میں تیزی منگل کے روز آئی جیسے کہ قطب قسطلانی نے بتایا' یہ زلزلہ اتنا عظیم اور واضح تھا کہ اسے ہر خاص و عام جان گیا تھا اور پھر جب بدھ کی رات' تین تاریخ تھی یا چار اور رات کا آخری تہائی حصہ تھا تو مدینہ میں شدید زلزلہ آیا جس سے سب لوگ خوفزدہ ہو گئے اور اس کی ہیبت کی بناء پر دل کانپ گئے یہ زلزلہ رات کے آخر تک چلتا رہا اور جمعہ تک جاری رہا' اس کی دھمک بجلی سے زیادہ تھی' زمین کانپ اُٹھی اور دیواریں ہلنے لگیں' رات کے علاوہ دن ہی دن میں کوئی اٹھارہ مرتبہ حرکت جاری رہی جیسے قسطلانی نے بتایا۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ آگ حجاز کے شہر مدینہ میں دکھائی دی' اس کی ابتداء بدھ کی رات عشاء کے بعد ہوئی'

جمادی الآخرہ کی تین تاریخ تھی اور ۶۵۴ھ تھا' یہ سلسلہ جمعہ کی دوپہر تک جاری رہا اور پھر رُک گیا' یہ قریظہ میں حرہ کی ایک جانب سے شروع ہوا' یہ عظیم شہر (مدینہ) میں دکھائی دی جس کے گرد دیوار تھی اور جس پر بالا خانے اور برج وغیرہ بنے ہوئے تھے' ایسے آدمی دیکھنے میں آئے جو اسے پیچھے ہٹا رہے تھے' وہ جس پہاڑی سے گذرتی' اسے ٹکڑے کر دیتی اور پگھلا دیتی اور پھر اس سارے کچھ سے سرخ اور نیلگوں رنگ کی نہر سی جاری ہو گئی اور اس کی آواز بجلی جیسی سنائی دیتی' اپنے آگے پتھر لئے تھی اور رکب عراقی کے درمیان تک پھیلی ہوئی تھی' اس کے آگے ملبے کی دیوار عظیم پہاڑ جیسی دکھائی دیتی تھی' وہ آگے بڑھتی مدینہ کے قریب پہنچ گئی لیکن اس کے باوجود مدینہ میں ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں' اس آگ کا جوش سمندر جیسا تھا۔

میرے ایک دوست نے بتایا کہ میں نے پانچ دن کی مسافت سے اسے ہوا میں چڑھتی ہوئی دیکھا اور پھر میں نے یہ بھی سنا کہ یہ مکہ اور بصریٰ کے پہاڑوں سے دکھائی دیتی تھی۔

علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تمام اہلِ شام کو اس آگ کے دکھائی دینے کا پتہ تھا۔

ابو شامہ نے قاضیٔ مدینہ سنان کی کتاب کا مشاہدہ کر کے بتایا کہ بدھ کی رات' تین جمادی الآخرہ کو رات کے آخری تہائی حصے میں مدینہ کے اندر ایک عظیم زلزلہ آیا جس سے ہم ڈر گئے اور وہ زلزلہ رات بھر جاری رہا اور پھر اس کے بعد یہ زلزلہ شب و روز میں تقریباً بارہ مرتبہ آیا (کچھ نے چودہ (۱۴) مرتبہ روزانہ لکھا ہے)۔

ابو شامہ کہتے ہیں' واللہ ایک مرتبہ زلزلہ آیا' ہم حجرہ کے گرد تھے کہ منبر کانپنے لگا اور ہمیں اس میں موجود لوہے کی جھنکار سنائی دینے لگی' علاوہ ازیں حرم شریف کی قندیلیں بھی اُلٹ پلٹ ہو گئیں۔

قاشانی نے مزید کہا: پھر تیسرے دن (جمعہ کو) ایک عظیم زلزلہ آیا' مسجد کے منبر ہلنے لگے اور چھت سے تیز آواز سنائی دی۔

علامہ قطب کہتے ہیں' پھر جمعہ کے دن دوپہر کو وہ آگ دکھائی دی اور اس کے مرکز سے فضاء میں سیاہ دھواں اُبھرتا دکھائی دیا جس نے آسمان پر ہر طرف اندھیرا کر دیا اور جب رات کی تاریکیاں چھا گئیں اور رات شروع ہو گئی تو آگ کے شعلے اُبھرتے دکھائی دیئے جس سے مشرق میں ایک عظیم شہر دکھائی دیا۔

جمعہ کے دن آگ کا دکھائی دینے سے حکمت پوشیدہ بات نہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ''تمہارے دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا ہوتا ہے' اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے' اسی دن ان کا وصال ہوا' اسی میں صور پھونکی جائے گی اور اسی میں کڑک سنائی دے گی لہٰذا اس دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ وہ درود میرے سامنے لایا جاتا ہے۔'' الحدیث۔

حدیثِ پاک میں یہ بھی ہے: سورج کے سبب چڑھنے والے دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا ہوتا ہے' حضرت آدم علیہ السلام اسی دن پیدا ہوئے' اسی میں زمین پر اُترے' اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی' اسی دن آپ فوت

ہوئے اور اسی دن قیامت برپا ہوگی' ہر جانور اس دن چیخ رہا ہوگا کہ اتنے میں قیامت سے ڈرتا ہوا سورج چڑھے گا البتہ جن و انسان کی کیفیت و حالت ایسی نہ ہوگی' اس میں ایک ایسی گھڑی ہوگی جسے مسلمان پائے گا تو نماز پڑھتے ہوئے اللہ سے جو دعا کرے گا' پوری ہوگی (رواہ ابو داؤد) یہ دن ایسا تھا جسے اللہ نے اس اُمت کے لئے بچا رکھا تھا' اسی دن ان کا دین مکمل کر دیا تھا چنانچہ اللہ کا ارادہ ہوا کہ اس دن لوگوں کو ڈرائے کہ انہیں اپنی طرف لے جا سکے چنانچہ یہ آگ عذاب و ناراضگی کی صورت میں دراصل رحمت تھی' اسی لئے اس سے دلوں میں خوف ہوا اور وہ دھڑکنے لگے' لوگوں نے یقین کر لیا کہ عذاب انہیں گھیر رہا ہے۔

قاضی سنان کہتے ہیں کہ میں امیر مدینہ کی طرف گیا (یہ عز الدین منیف بن شیحہ تھا) اور اس سے کہا کہ ہمیں عذاب نے گھیر رکھا ہے' بارگاہِ الٰہی میں دعا کیجئے' اس کے بندوں کی رہائی کرایئے اور اس عذاب سے انہیں بچایئے۔

قاشانی مزید کہتے ہیں کہ امیر نے ٹیکس معاف کر دیا پھر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا' رات مسجد میں گذاری یہ جمعہ اور ہفتہ کی رات تھی' تمام اہل مدینہ اس کے ہمراہ تھے حتیٰ کہ عورتیں اور بچے بھی ہمراہ تھے علاوہ ازیں باغوں میں سے ہر ایک حرم شریف میں آ گیا' لوگ عاجزانہ طور پر رو رہے تھے' سروں سے ننگے حجرہ شریف کے گرد جمع ہوئے' اپنے گناہوں کا اقرار کر رہے تھے' گڑگڑاتے تھے اور اپنے نبی ﷺ کی پناہ مانگتے رہے تھے۔

علامہ قطب کہتے ہیں کہ جب امیر مدینہ نے یہ معاملہ دیکھا تو مخالفتِ اسلام سے رُک گیا' عبرت حاصل کی اور اپنے کئے گناہوں سے باز آیا توبہ کی اور سب غلام آزاد کر دیئے' ظلم سے باز آیا' اہلِ مدینہ گناہوں پر ڈٹے رہنے اور کبیرہ گناہ کرنے سے رُک گئے اور مارے ڈر کے عاجزی و استغفار کرنے لگے' ان کا امیر قلعہ سے اُترا' اس کے ساتھ قاضی سنان اور بڑے لوگ تھے' وہ حجرہ شریف پر جا کر پناہ مانگتے ہوئے اور رات بھر بچوں اور عورتوں سمیت مسجد میں رہا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ان سے ہٹا کر شمالی کی طرف بھیج دیا اور یوں وہ اس خوف سے نجات حاصل کر گئے' وہ آگ اپنے مرکز پر چلی اور عظیم آگ کا دریا بن کر رواں ہوئی' وادیٔ احیلیین میں جاری ہوئی' اہلِ مدینہ نے اسے اپنے گھروں سے دیکھا' لگتا تھا کہ گویا ان کے پاس ہے اور پھر اپنے مقام سے شمال کی طرف چلی گئی اور مؤرخین کے مطابق تین ماہ تک رہی۔

آگ کتنی مدت رہی

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اسی آگ کے لئے الگ ایک کتاب لکھی' یہ آگ انہی کے دور میں دکھائی دی لیکن آپ چونکہ مکہ میں تھے' اسے نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے بتایا کہ اس کی ابتداء جمعہ کے دن ہوئی' جمادی الآخرہ کی چھ تاریخ تھی اور پھر بروز ہفتہ ۲۷ رجب تک سلگتی رہی' پھر بجھ گئی اور کل ملا کر ۵۲ دن تک جاری رہی لیکن علامہ قطب نے اس کے

بعد ذکر کیا ہے کہ آگ کچھ دن تک بجھنے کے بعد پھر جاری ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ کبھی یہ آگ بھڑکتی اور اور کبھی رُک جاتی تھی' ڈر لگتا رہتا کہ پھر شروع ہو جائے گی اگرچہ بجھ جایا کرتی تھی انتہٰی تو گویا مؤرخین نے جو کچھ لکھا ہے وہ مکمل بجھ جانے سے متعلق ہے۔ یہ دیر تک جاری رہی تھی کہ خوب مشہور ہو جائے تا کہ لوگ اس سے خوفزدہ رہیں اور اس کی عظمت دیکھ کر انہیں معلوم ہو جائے کہ اسی کے بارے میں حبیب حق نے انہیں ڈرایا تھا۔

آگ کی طاقت

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے ایک پختہ شخص سے سن کر بتایا کہ امیرِ مدینہ نے اس آگ کے بارے میں خبر لینے کے لئے کئی ایک گھوڑ سوار روانہ کئے لیکن کوئی بھی اس کے قریب نہ جا سکا' لوگ پیدل چل کر اس کے پاس گئے تو انہوں نے آ کر بتایا کہ اس کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرتے تھے اور وہ اس کا اندازہ نہ لگا سکے چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ خود روانہ ہوا اور اس نے بتایا کہ وہ اس کے قریب گیا لیکن جہاں چل رہی تھی وہاں نہیں پہنچ سکا کیونکہ وہ زمین سخت گرم تھی اور پہاڑ میخوں جیسے تھے جن کے نیچے آگ چل رہی تھی اور اس سے بلند ترین شعلے اُٹھ رہے تھے' اس نے دیکھا تو وہ بلند پہاڑ نظر آتی تھی اور یوں دکھائی دیتی تھی جیسے جمع شدہ ٹیلے ہوں اور جو چل رہے ہوں' وہ سمندری موجوں کی طرح پتھروں کی جھاگ نکال رہی تھی' اس کے شعلے آسمان کی ہر طرف دکھائی دے رہے تھے اور آسمان کے ہر طرف چونکہ چمک نہ رہی تھی تو دیکھنے والوں کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا سورج اور چاند کو گہن لگ گیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے روکا نہ جاتا تو وہ اپنے سامنے آنے والے حیوانات' نباتات اور پتھروں تک کو کھا جاتی۔ انتہٰی۔

علامہ جمال مطری نے کچھ اس کے خلاف لکھا ہے کیونکہ انہوں نے کہا امیر عز الدین منیف بن شیحہ امیرِ مدینہ کے غلام علم الدین سنجر عزّی نے بتایا کہ مجھے میرے آقا عز الدین نے اس آگ دکھائی دینے کے کچھ دن بعد ایک عربی شخص کے ہمراہ گھوڑوں پر روانہ کرتے ہوئے کہا کہ اس آگ کے قریب جانا اور دیکھنا کہ کوئی اس کے بہت قریب بھی جا سکتا ہے کہ نہیں کیونکہ لوگ اتنی عظیم ہونے کی وجہ سے اس کا خوف رکھتے ہیں لہٰذا میں اور میرا ساتھی قریب جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے' ہمیں گرمی معلوم نہیں ہوئی چنانچہ میں اپنے گھوڑے سے اُترا اور پیدل چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا وہ پتھر وغیرہ کھائے جا رہی تھی' میں نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ہاتھ لمبا کر کے اس تک پہنچا دیا' مجھے نہ ہی درد محسوس ہوئی اور نہ ہی گرمی' تیر میں پسینہ آ گیا لیکن اس کی لکڑی نہ جل سکی' پھر میں نے تیر موڑا اور اس کا پر آگ میں ڈالا تو وہ جل گیا لیکن لکڑی نہ جلی حالانکہ علامہ مطری اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ جہاں سے گذرتی ' پتھر اور پہاڑ کھائے جاتی تھی لیکن درخت نہیں کھاتی تھی کیونکہ ہر مخلوق پر حضور ﷺ کی اطاعت لازم کر دی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں' علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آگ اپنے راستے پر چلتی رہی اور آخر حرہ اور وادیٔ شظاۃ سے جا ملی' جو چیز بھی قریب آتی' اسے جلا دیتی اور طاقتور ہونے کی بناء پر اپنے قریب آنے والی ہر شے کو پگھلا دیتی' خواہ

وہ سبز درخت ہوتے یا پتھر وغیرہ ہوتے' اس کی مشرقی جانب پہاڑوں کے درمیان تھی' پہاڑ سامنے آنے پر رُک گئی اور شامی جانب (حرم کی طرف) ایک پہاڑ کے ساتھ لگی تھی جسے وعیرہ کہتے تھے جو اُحد پہاڑ کی مشرقی جانب کے قریب' آگے وہ شظاۃ تک چلی گئی تھی جس کے ایک کنارے پر وادئ حمزہ رضی اللہ عنہ تھی پھر وہ چلتی رہی اور حرم نبی کے سامنے آ کر بجھ گئی۔

علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ مجھے ایک بااعتماد آدمی نے بتایا کہ اس نے حرّہ کا ایک بڑا پتھر دیکھا جس کا کچھ حصہ حرم سے باہر تھا چنانچہ آگ اس کے باہر نکلے حصے تک گئی اور حرم میں واقع حصہ تک پہنچ کر بجھ گئی۔

کلام طبری کے مقابلے میں اس واقعہ پر اعتماد کر لینا بہت بہتر ہے کیونکہ مطری نے وہ آگ خود ملاحظہ نہیں کی تھی البتہ دوسرے لوگوں نے دیکھی تھی جبکہ علامہ قطب نے اسے دیکھا تھا اور پھر اس پر ایک تصنیف بھی کی تھی' علامہ مطری یہ کتاب نہیں دیکھ سکے۔ یہ معجزہ بڑا کامل ہے کیونکہ یہ حرم نبوی شریف میں داخل نہ ہوئی تھی کیونکہ یہ ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کے لئے تھی جبکہ آپ تو نبی الرحمہ تھے۔

آگ کی روشنی

ابو شامہ نے قاضی سنان حسینی کی کتاب دیکھ کر نقل کیا کہ آگ کا یہ سیلاب وادی شظاۃ کے ساتھ چلتا ہوا احد پہاڑ کے برابر آ گیا' قریب تھا کہ یہ آگ حرّہ عریض کے قریب ہو جاتی' لوگ بہت خوفزدہ تھے پھر اس کی وہ جانب مدہم پڑ گئی جو مدینہ سے ملتی تھی اور وہ حصہ جو عریض کے ساتھ ملتا تھا اللہ کی قدرت سے بجھ گیا اور پھر لوٹ کر مشرق کی طرف آ گئی۔ یہ واقعہ علامہ قطب کی تائید کرتا ہے اور اس کی علامات آج بھی اس کی تصدیق کر رہی ہیں۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ مجھے آگ خود دیکھنے والی ایک عورت نے بتایا کہ وہ مدینہ کی چھتوں پر رات کے وقت اس کی روشنی میں سوت کات لیتی تھیں۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے کہا: آگ کی روشنی قیعان کے باطنی حصے اور قلاع کے ظاہری حصے کے برابر آ گئی تھی اور حرم نبوی یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس پر سورج چمک رہا ہے بلکہ مدینہ کے تمام مکان اس کی روشنی سے چمک رہے تھے' شعلے مسلسل اسے روشن کئے ہوئے تھے' سورج کی زمین پر پڑنے والی روشنی بھی زنگ تبدیل کر گئی تھی اور شعلوں کے اُٹھنے کی وجہ سے اس کی روشنی میں سرخی تھی' چاند کی روشنی کم ہونے کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ اسے گہن ہو گیا ہے۔ زیارت کے لئے جانے والے بہت سے پیدل لوگوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے تین مرحلوں سے اس روشنی کو دیکھا تھا کیونکہ یہ بہت عظیم تھی' اور کچھ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے سنایہ کے پہاڑوں سے اسے دیکھا تھا۔

میں کہتا ہوں' ابو شامہ نے ''کتاب الشریف سنان'' میں لکھا دیکھا تھا کہ یہ آگ مکہ اور تمام جنگلوں سے دیکھی جا سکتی تھی اور اسے اہلِ ینبع نے بھی دیکھا تھا۔

ابو شامہ کہتے ہیں' مجھے ایک نہایت با اعتماد آگ دیکھنے والے نے بتایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آگ کی روشنی میں تیماء کے مقام پر کتابیں لکھی جاتی رہیں۔

علامہ مجد کہتے ہیں جب تک یہ آگ روشن رہی' سورج اور چاند یوں طلوع ہوتے رہے جیسے انہیں گہن لگا ہو۔

ابو شامہ کہتے ہیں کہ اس گرہن کا اثر ہمیں دمشق میں دکھائی دیتا تھا کیونکہ دیواروں پر چاند اور سورج کی روشنی کم سے کم دکھائی دیتی تھی' ہم اس صورت حال سے نہایت حیران تھے پھر ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس آگ کا اثر ہے۔ جو بھی شخص اس آگ کا ذکر کرتا' وہ آخر میں کہتا: اس آگ کی حالت ایسی تھی کہ اسے بیان کرنے کے لئے نہ تو انگلیوں کے پورے کام دیتے تھے اور نہ قلم' یہ حالت بیان و کلام سے باہر تھی چنانچہ اس کے دکھائی دینے سے نبی کریم ﷺ کا معجزہ ظاہر ہو گیا کیونکہ وہ کچھ ظاہر ہو گیا تھا جو آپ فرما گئے تھے اور وہ یہی آگ تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ سے پہلے اور پچھلے کسی دور میں ایسی آگ نہیں دیکھی گئی۔

کیا یہ آگ بصرٰی میں دکھائی دی تھی؟

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آگ کے بصرٰی میں دیکھنے کے بارے میں آ بتائے تو اس پر گفتگو کی تو ضرورت ہی نہیں ورنہ حدیث پاک میں تو اس کا ذکر زور دار طریقے سے آ چکا ہے کہ وہ یوں دیکھی گئی تھی چنانچہ یہ ذکر ابھی آیا ہے کہ لوگوں نے اسے تیماء میں دیکھا تھا اور پھر بصرٰی تو اس سے اتنا ہی دور ہے جتنا مدینہ۔

میں کہتا ہوں' قبل ازیں قرطبی سے بتایا جا چکا ہے کہ یہ بصرٰی کے پہاڑوں سے دیکھی گئی تھی پھر شیخ عماد الدین ابن کثیر کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس آگ کی وجہ سے بصرٰی میں اونٹوں کی گردنیں دکھائی دینے لگی تھیں چنانچہ انہوں نے کہا: مجھے صدر الدین قاضی القضاۃ حنفی نے بتایا کہ مجھے میرے والد شیخ صفی الدین' مدرس مدرسہ بصرٰی نے بتایا کہ انہیں کئی عربوں نے جو اس وقت بصرہ میں آگ دیکھنے والے موجود تھے' اس رات کی صبح کو بتایا جب یہ آگ روشن ہوئی تھی کہ انہوں نے اس آگ کی روشنی میں اپنے اونٹوں کی گردنوں کے پہلو دیکھے تھے جس سے ثابت ہوا کہ وعدہ اسی آگ کا تھا اور دور دراز کے علاقوں میں مدینہ کی اس آگ کے ظاہر کرنے میں مقصد و حکمت یہ تھی کہ لوگوں کو ڈرایا جا سکے تا کہ مکمل طور پر لوگوں کے دلوں میں ڈر پیدا ہو جائے جیسے اہلِ مدینہ سے ہوا تھا' اور اسی سلسلہ میں کسی نے کہا تھا:

"اے ہمارے جرائم پر پردہ ڈال کر تکالیف دور فرمانے والے پروردگار! ہمیں سختیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔

ہم اس بارے تمہیں بتا رہے ہیں کہ ہم میں یہ سختی اٹھانے کی ہمت نہیں' ہمارا یہ حق ہے کہ تمہیں اس بارے میں بتائیں۔

ایسے زلزلے تھے کہ سخت پتھر بھی ڈر رہے تھے حالانکہ زلزلوں سے ڈرنا پتھر کا کام ہی نہیں ہوتا۔

یہ کیفیت سات دن تک زمین کو لرزاتی رہی اور آخر کار وہ 'پھٹ گئی' یہ ایسا منظر تھا کہ اسے دیکھنے کی سورج کی آنکھ میں بھی ہمت نہ تھی۔

آگ کا ایک سمندر تھا جس پر پہاڑ اس کشتی کی طرح دکھائی دیتے تھے جس کا لنگر زمین پر ہو۔

وہ ایسے بھڑکتے شعلے برسا رہی تھی جیسے محل ہوں' لگتا تھا کہ یہ گویا بارش ہے جو موٹے قطرے برسا رہی ہے۔اس کی وجہ سے پہاڑوں میں شگاف پڑ گئے' وہ گویا گرج رہی تھی اور روشنی یوں کانپ رہی تھی جیسے کھجور کی شاخیں لہراتی ہیں۔

اسی کی وجہ سے فضا میں دھوئیں کے موٹے بادل چھائے تھے اور سورج یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اسے گہن لگا ہو۔

اس کے شعلوں کا چاند پر یہ اثر تھا کہ چودھویں روشن رات' روشنی کے بعد اندھی ہو گئی تھی۔

اس کے شعلوں نے آسمانی برجوں کو گھیر لیا تھا اور یہ معاملہ یہاں تک ہو گیا تھا کہ زمین کو جلا رہے تھے۔

ہم تیرے پوشیدہ عظیم نام کا واسطہ دیتے ہیں کہ اگر ہمارے گناہ بڑے ہیں اور دل سخت ہیں تو تو مہربانی فرما' ہمیں نعمتیں عطا فرما اور خوب راضی ہو جا کیونکہ یہ تیرا کرم ہوگا اور رحم فرما دے کیونکہ ہر شخص خطا کار ہے' اس لئے کہ وہ تیری پہچان نہیں رکھتا۔

قومِ نے یونس کو دیکھ لیا کہ جب وہ مان گئے تو تو نے ان سے عذاب اُٹھا لیا اور بے شمار نعمتیں دے دیں۔

جبکہ ہم تو تیرے اس مصطفےٰ ﷺ کے امتی ہیں اور انہی کی وجہ سے ہم اس بات کے دعویدار ہیں کہ تو ہمیں معاف فرما دے گا۔

یہ وہ رسول ہیں کہ اگر نہ ہوتے تو تیری راہ پر چلنے کے لئے ہمارے پاس کوئی واضح راہنمائی نہ ہوتی۔

لہٰذا تو رحم فرما دے اور ان پر اس وقت تک رحمتیں فرما کہ جب تک منبروں پر تیرا ذکر باقی ہے۔"

آگ کب دکھائی دینے لگی تھی؟

مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ آگ اس وادی کے سرے سے دکھائی دی جسے وادئ احیلیین کہتے ہیں۔علامہ بدر بن فرحون کہتے ہیں کہ یہ آگ وادئ احیلیین میں روشن ہوئی تھی' مدینہ کے مشرقی حصے سے شروع ہوئی' ارقیہ کا راستہ تھا جو مدینہ سے صبح تا ظہر تک کی مسافت پر تھا۔

علامہ قطب قسطلانی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے مشرق سے شروع ہوئی اور مدینہ سے کچھ فاصلے پر "قارع

الهیلاء'' مرکز تھا جو قباء کی مشرقی جانب بنو قریظہ کے مکانوں کے قریب تھا' یہ مقام قریظہ اور احیلیین کے درمیان واقع تھا' اس میدان سے بھڑکی اور پھیلتی ہوئی مشرق میں واقع احیلیین کے قریبی مقام تک چلی گئی' پھر بلند ہوئی' رُخ شام کی طرف تھا' یہ چلتی ہوئی اس مقام تک پہنچی جسے ''قرین الارنب'' کہتے تھے اور جو اُحد کے قریب تھا۔ وہاں پہنچ کر رُک گئی' بجھی اور دوسری طرف چلی گئی۔ انتھی۔

اس آگ کے فائدے کیا تھے؟

تاریخ دان کہتے ہیں کہ اس آگ نے شروع ہوتے ہی پتھروں اور پہاڑوں کو کھانا شروع کر دیا' یہ اس وادی میں تیز سیلاب کی طرح چلتی تھی جس کی لمبائی چار فرسخ (بارہ میل' اٹھارہ کلومیٹر)' چوڑائی چار میل اور گہرائی ڈیڑھ قد آدم جتنی تھی تقریباً (سات آٹھ فٹ) یہ زمین کے اوپر چلتی تھی' اس کی تپش سے پتھریوں پگھلتے تھے جیسے سکہ اور قلعی۔ آگ کا یہ سیلاب تھم گیا تو سرخی کے بعد سیاہ رنگت میں تبدیل ہو گیا۔ یہ پگھلے ہوئے پتھر وادی کے آخر میں حرہ کی انتہاء تک جمع ہوتے رہے اور آخر کار وعیرہ پہاڑ کی طرف وادیٔ شظاۃ کے وسط میں ٹوٹ پھوٹ گئے چنانچہ یہ وادی آگ سے پگھلے پتھروں کی دیوار بن جانے کی بناء پر بھر گئی یہ دیوار' دیوارِ ذوالقرنین جیسی نہ تھی' اسے کوئی بیان نہیں کر سکتا تھا نہ ہی کوئی انسان اور چوپایہ اس میں چلنے کی طاقت رکھتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آگ بجھنے کا (دیوار بن جانا) بڑا فائدہ ہوا کیونکہ رات کے وقت اس طرف بہت سارے فسادی آیا کرتے تھے کیونکہ وہاں عربوں کی کثیر تعداد موجود تھی چنانچہ مدینہ جانے میں انہیں سخت دشواری پیش آتی تھی۔

علامہ قسطلانی کہتے ہیں' مجھے بہت سے ان لوگوں نے اس بارے میں بتایا جو یہ کہتے تھے کہ اس آگ نے اصل زمین پر اس قدر پتھر چھوڑے جو اونچائی میں لمبے نیزے جتنے تھے۔

تاریخ دان کہتے ہیں کہ وادیٔ شظاۃ اسی کی وجہ سے بند ہو گئی تھی اور یہ سیلاب جب بہتا تو اس دیوار کے پیچھے آ کر بند ہو جاتا اور یوں دریا کی شکل بنا لیتا پھر لمبائی چوڑائی میں حد نگاہ تک دکھائی دیتا چنانچہ پانی کی کثرت کی بناء پر ۶۹۰ھ ہجری میں یہ نیچے سے پھٹ گئی تھی' یہ پانی وہاں پورے دو سال تک چلتا رہا۔ پہلے سال تو اس نے وادی کے دونوں کنارے بھر دئے تھے لیکن دوسرے سال یہ پانی کم ہو گیا۔ پھر دوبارہ ۷۰۰ ہجری کے پہلے عشرے میں پورا سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک چلتا رہا پھر تیسری مرتبہ ۷۳۴ ہجری کو اس میں شگاف پڑا کیونکہ اس وقت بھی حجاز میں بہت بارشیں ہوئی تھیں جس کی وجہ سے پانی دیوار کی دونوں جانب بلند ہو گیا تھا اور اس کی نچلی طرف وعیرہ پہاڑ اور اردگرد سے جا لگا تھا چنانچہ ناقابلِ بیان سیلاب آیا' اگر یہ سیلاب ہاتھ بھر اونچا ہو جاتا تو پانی مدینہ تک پہنچ جاتا۔ اہلِ مدینہ بقیع کے باہر دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور وہاں موجود ٹیلے پر کھڑے ہو کر اسے دیکھتے رہتے اور اس کی ایسی آواز سنتے جو دلوں کو گھبرا دیا کرتی۔ اللہ پاک ہے' وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

آگ والے سال میں رونما ہونے والے واقعات

یہ بات بڑے تعجب کی ہے کہ جس سال یہ آگ دکھائی' اسی سال مسجد نبوی میں بھی آگ لگ گئی اور وہ جل گئی تھی لیکن وہ آگ اس وقت بجھ چکی تھی جیسے آگے آ رہا ہے' ادھر دجلہ میں بہت سیلاب آیا تھا جس نے بغداد کا اکثر حصہ ڈبو دیا اور وزیر بغداد کا گھر بھی گر گیا تھا' یہ بھی انہیں ڈرانے کے لئے تھا تا کہ کسی طرح سنور جائیں پھر اگلے ہی سال میں ایک اور بڑی مصیبت پڑی کہ تاتاریوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا' خلیفہ معتصم قتل کر دیا گیا اور اس کے بعد عام مسلمانوں کو قتل کیا گیا چنانچہ یہاں تیس سے کچھ زائد دنوں تک تلوار چلتی رہی' کتب خانے نکال لئے گئے جنہیں گھوڑوں کے پاؤں تلے روند ڈالا تھا اور دیکھنے میں آیا کہ جانوروں کو چارہ ڈالنے کی جگہ تعمیر کرتے وقت کچی اینٹوں کی جگہ کتابیں استعمال کی گئیں' بغداد خالی ہو گیا اور سعید ذہلی کے مطابق بغداد کو آگ نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا' دارالخلافہ جل گیا' آگ بے شمار گھروں تک پھیل گئی' "قصور برانیہ" اور خلفاء کے قبرستان "ترب الرصافہ" کو جلا دیا' ایک قبر پر یہ شعر لکھا دیکھا گیا:

> "تم بطور عبرت دیکھنا چاہتے ہو تو بنو عباس کی ان قبروں کو دیکھو جن پر قیامت گذر گئی۔ شریف عورتوں کو حلال سمجھ لیا گیا کیونکہ زندہ لوگوں کو تو قتل کر دیا گیا تھا جبکہ مرے لوگوں کو جلا دیا گیا۔"

اس کے بغداد میں اکثر لوگ مر گئے اور وہ فنا ہو گیا اور اسی سال خلافتِ بنو عباس کا کام تمام کر دیا گیا یہ اللہ کی مرضی' جو چاہے' کرے۔

ایک شاعر نے آگ دکھائی دینے اور بغداد کے غرق ہو جانے کا حال بیان کیا ہے' ابو شامہ نے یہ تنبیہ کی ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی سال میں ہوئے تھے' چنانچہ کہا:

> "اللہ پاک ذات ہے' مخلوق میں ایک اندازے کے مطابق اسی کی مرضی چلتی ہے' جس سال عراق (بغداد) غرق ہوا' یقیناً اسی سال حجاز کی سرزمین جل گئی تھی۔"

اس آگ سے متعلق دیگر معلومات

علامہ مجد کہتے ہیں' اس آگ اور اس سے ملتا جلتا واقعہ وہ ہے جسے ابن جبیر نے بیان کیا ہے' انہوں نے بتایا کہ میں نے ان واقعات کی اطلاع دینے والے کو دیکھا تھا جس نے بتایا کہ بحیرہ روم میں دو جزیرے ہیں جن سے آگ ہمیشہ نکلتی رہتی ہے۔ اس نے بتایا: ہم نے وہاں سے دھواں اُٹھتے دیکھا' رات کے وقت سرخ آگ دکھائی دیتی جس کی باقاعدہ زبانیں تھیں اور وہ فضا میں چڑھ جاتی۔ وہ کہتے ہیں' ہمیں بتایا گیا کہ یہ آگ دو پہاڑوں کے درمیان سے نکلتی ہے جن سے آگ کا شدید قسم کا شعلہ بلند ہوتا تھا' کئی مرتبہ اس میں پتھر پھینکا گیا تو اس نے اسے سیاہ کر کے زور سے ہوا میں پھینک دیا' اس کی گہرائی کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔

علامہ مجد نے مزید بتایا کہ جزیرہ میں ابھرا ہوا پتھر‘ جسے ’’جبل النار‘‘ کہتے ہیں‘ بھی عجیب تھا ایک سال اس سے آگ نکلی گویا ایک سیلاب تھی‘ وہ جہاں سے بھی گذرتی‘ جلا دیتی اور آخرکار سمندر تک جا پہنچی اور پھر پانی پر تیرتی چلی جاتی اور دور جا کر بجھ جاتی۔

خالد بن سنان عبسی کا واقعہ

میں بتاتا چلوں‘ قریب قریب اس آگ سے ملتا جلتا ایک واقعہ وہ ہے جسے ابن شبہ نے ’’اخبارِ مدینہ‘‘ میں ذکر کیا ہے (یہ واقعہ انہوں نے خالد بن سنان عبسی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے‘ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کی بیٹی آئی تو آپ نے فرمایا: یہ اس نبی کی بیٹی ہے جس کی قوم نے اسے ذلیل کر دیا تھا) چنانچہ ابن شبہ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ: ’’سرزمینِ حجاز میں ایک آگ جلتی تھی جسے ’’نار الحدثان‘‘ (بنوعبس کی زمین میں پتھر ملا علاقہ) کہتے تھے‘ وہ اپنی روشنی کی وجہ سے اونٹوں کی آنکھوں کو آٹھ راتوں کی مسافت سے چندھیا دیتی تھی‘ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اس سے ایک گردن نکلتی اور زمین پر جا کر ہر شے کو کھا جاتی‘ پھر واپس اپنے مقام پر پہنچ جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف خالد بن سنان کو بھیجا‘ اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس آگ کو بجھا دوں جس نے تمہیں تکلیف میں ڈال رکھا ہے لہٰذا ہر قبیلہ میں سے ایک آدمی میرے ساتھ آؤ‘ یہ انہیں لیکر نکلے اور آگ کے قریب جا پہنچے پھر اس کے آگے ایک لکیر کھینچ دی اور کہا خبردار! اس سے آگے کوئی نہ نکلے ورنہ یہ جلا دے گی‘ میرا نام نہ لے کہ ہلاک ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے آگ کو مارنا شروع کر دیا‘ ساتھ یہ کہتے تھے کہ ’’بکھر جاؤ کل هدی للّٰه مودّا‘‘ چنانچہ وہ جہاں سے چلی تھی‘ وہیں پہنچ گئی‘ پھر وہ آگ کے پیچھے چلے اور حرہ کے درمیان اس جگہ جا پہنچے جہاں سے یہ نکل رہی تھی‘ چنانچہ خالد اس میں اُتر گئے۔

’’درۃ الغواص‘‘ میں ہے‘ دیکھا تو وہ کتوں کے پاس تھے جو اس آگ کے نیچے تھے‘ انہوں نے انہیں پتھر مارے اور آگ کو بھی مارا اور آخرکار اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں آگ بجھا دی۔

لوگوں کے ہمراہ ان کا ایک چچا زاد تھا‘ اس نے کہنا شروع کر دیا کہ خالد تو ہلاک ہو گئے‘ اس پر خالد باہر نکلے تو ان پر دو چادریں تھیں جو پسینہ سے شرابور تھیں‘ انہوں نے کہا کہ ابن راٸعہ معزی نے جھوٹ بولا تھا‘ بخدا میں نے اسے نکال دیا اور میرے کپڑے بھیگ گئے چنانچہ آج تک انہیں اس خالد کے ’’بنی‘‘ کہا جاتا ہے (بنو راعیہ معزی)۔

ایک اور روایت ہے کہ ان کی قوم پر ’’حرۃ النار‘‘ سے خیبر کی طرف آگ آ گئی‘ لوگ اس آگ کے درمیان گھر گئے‘ وہ دونوں طرف سے آئی تھی جس سے لوگ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ یہ آگ حرہ کے پہاڑ کے شگاف سے نکلی تھی جسے ’’حرۂ اشجع‘‘ کہا جاتا تھا‘ خالد نے انہیں کہا کہ میرے ساتھ کسی آدمی کو بھیج دو‘ آج میں اسے مکمل طور پر بجھا دوں گا چنانچہ ان کے ساتھ بھیڑ بکریوں کا چرواہا چل پڑا‘ وہ راعیہ کا بیٹا تھا‘ وہ اس مقام پر گئے جہاں سے آگ نکلی تھی۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ وہ آگ ایک کنوئیں سے نکل رہی تھی' پھر خالد نے چرواہے سے کہا' یہ میرے کپڑے پکڑے رکھو اور خود غار میں داخل ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے لوگوں میں چل کر آگ کے پاس آئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ اگر مجھے کچھ دیر ہو جائے تو میرا نام لے کر آواز نہ دینا چنانچہ وہ آگ وہاں یوں نکلی جیسے سرخ گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں۔خالد اس کے آگے آ گئے اور اسے ڈنڈے سے مارنا شروع کر دیا اور یہ الفاظ پڑھے: هَدْيًا هَدْيًا كُلُّ ذَهَب مُؤدى' ابن راعیہ معزّی نے گمان کیا کہ میں گیلے کپڑوں میں نہ نکلوں گا حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ گھاٹی میں چلے گئے اور کچھ دیر کر دی' ایک شخص بولا: اگر خالد زندہ ہوتے تو لازماً نکل آتے۔انہوں نے کہا کہ انہوں نے ہمیں اس بات سے روک رکھا ہے کہ ان کا نام لے کر آواز دیں۔ابن راعیہ نے کہا کہ ان کا نام لے کر آواز دو' بخدا اگر وہ زندہ ہوتے تو اب تک نکل کر تمہارے پاس ہوتے۔آخرکار انہوں نے اس کا نام لے کر آواز دی' وہ باہر نکلے تو سر تھام رکھا تھا' کہنے لگے: کیا میں نے تمہیں نام لے کر بلانے سے منع نہ کیا تھا؟ بخدا یقیناً تم نے مجھے قتل کر دیا ہے' بس مجھے اُٹھاؤ اور دفن کر دو اور جب تمہارے ہاں سے گدھے نکلیں گے تو ان کے ساتھ ایک دم کٹا گدھا ہو گا۔

ایک اور روایت میں یوں ہے: جب تم مجھے دفن کر دو اور تین دن گذر جائیں تو میری قبر پر آنا اور جب تمہارے سامنے کچھ گدھے آ جائیں اور ان کے آگے ایک گدھا ہو تو میری قبر کھول دینا کیونکہ میں کھڑا ہو جاؤں گا اور تمہیں قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر دے دوں گا چنانچہ وہ تین دن گذرنے پر اس کی قبر پر پہنچے اور گدھے ان کے سامنے آ گئے تو ارادہ کیا کہ قبر کھولتے ہیں لیکن ان کے گھر والوں میں سے کچھ نے اس بات سے منع کر دیا اور کہا: ہم تمہیں قبر کھودنے پر معاف نہیں کریں گے' یہ ہماری عزت کا سوال ہے' ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: یہ ہمارے لئے گالی بن جائے گی' چنانچہ انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔

ایک روایت میں خلید عبسی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں' انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے خالد بن سنان کو اپنی قوم بنوعبس کی طرف نبی بنا کر بھیجا جنہوں نے انہیں دعوتِ اسلام دی لیکن انہوں نے اسے جھٹلا دیا۔قیس بن زہیر نے کہا: اگر تم ہمارے لئے دعا کرو اور یہ حرّہ ہمارے لئے آگ بہائے تو ہم تمہاری اتباع کریں گے کیونکہ تم ہمیں آگ سے ڈراتے ہو اور اگر آگ نہیں بہے گی تو ہم تمہیں جھوٹا کہیں گے۔انہوں نے کہا کہ یہ بات تمہارے اور میرے درمیان ہے؟ انہوں نے کہا' ہاں۔کہتے ہیں کہ انہوں نے وضو کیا اور کہا: ''اے اللہ! میری قوم مجھے جھٹلانے والی ہے' یہ میری رسالت پر ایمان نہیں لا رہے جب تک تو ان کے لئے حرّہ میں آگ نہیں چلائے گا لہٰذا تو ان کے لئے یہاں آگ بہا دے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ سیلاب ان کے لئے کن کھجورا کے سر کی طرح ابھرا پھر بڑا ہوا اور پورے میل میں پھیل گیا اور ان کے لئے بہہ نکلا۔وہ کہنے لگے' اے خالد! اسے واپس کر دے کیونکہ ہم تم پر ایمان لاتے ہیں چنانچہ انہوں نے ڈنڈا پکڑا اور تین راتوں کے بعد اس کے سامنے آئے' اس میں داخل ہوئے اور ڈنڈے سے مارا پھر مارتے رہے اور واپس ہٹا

دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ربذہ اور اس کے درمیان تین راتوں تک اونٹوں کو اس کی روشنی میں چراتے رہے۔

تمیم داری رحمہ اللہ کی ایک کرامت

خالد کے بارے میں ابن شبہ نے ان کی قوم سے متعلق کئی اور خبریں بھی دی ہیں اور بیہقی نے دلائل النبوہ میں ''باب تمیم داری کی ظاہر ہونے والی کرامت جس میں حضور علیہ السلام کی عظمت اور آپ پر ایمان لانے والے لوگوں کے نام کی شان پائی جاتی ہے۔'' حضرت معاویہ بن حرمان اپنے مدینہ میں آنے کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا تھا: مومنوں میں سے بہتر کے پاس جاؤ اور اس کے پاس ٹھہرو۔ پھر بتایا: ایک دن حرہ کے مقام پر آگ دکھائی دی' حضرت عمر تمیم داری کے پاس پہنچے اور فرمایا: اس آگ کا انتظام کرو۔ انہوں نے عرض کی' اے امیر المؤمنین! میں کون ہوتا ہوں اور میری حیثیت کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اصرار کرتے رہے اور آخر کار وہ ان کے ساتھ چل پڑے' یہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے پیچھے ہولیا' وہ آگ کے پاس چلے گئے۔ حضرت تمیم آگ کو ہاتھوں سے ہانکنے لگے' آخر کار وہ ایک گھاٹی میں چلی گئی' آپ بھی اس کے پیچھے داخل ہو گئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''دیکھنے والا ایسے شخص کی طرح نہیں ہوتا جس نے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔'' تین مرتبہ فرمایا۔



تیسرا باب

مدینہ کے قدیم باشندے' آمدِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم' واقعاتِ ہجرت

اس کی بارہ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

طوفان نوح کے بعد یہاں کے باشندے' یہود کیونکر آئے' ان کے گھر اور عبیل کا یثرب میں داخلہ۔

حضرت کلبی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ کشتی نوح سے نکلنے والے لوگ بابل کی ایک طرف اُترے' یہ اسّی افراد تھے لہٰذا اس جگہ کا نام ''سوق الثمانین'' پڑ گیا۔

کہتے ہیں کہ بابل کی لمبائی دس دن کی مسافت اور بارہ فرسخ تھی۔ یہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور ان کی کثرت ہوگئی' نمروذ بن کنعان بن حام ان کا بادشاہ بن گیا' جب یہ بہت ہو گئے تو بکھر گئے اور یوں بہتر قسم کی بولیاں بولنے لگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے مندرجہ ذیل لوگوں کو عربی زبان سکھائی:

عملیق' طسم (لوذا بن سام کے بیٹے)' عاد' عبیل (عوص بن ارم بن سام کے بیٹے)' ثمود' جدیس (جاثق بن ارم بن سام کے بیٹے)' قنطور بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام۔

چنانچہ عبیل والے تو یثرب میں ٹھہرے' یثرب' ابن عبیل کا نام تھا پھر انہیں یہاں سے نکال دیا گیا تو یہ جحفہ میں جا ٹھہرے کیونکہ یہاں سیلاب آیا تھا جو انہیں بہا کر لے گیا تھا چنانچہ اس کا نام جحفہ رکھ دیا گیا۔ انہی میں سے ایک شخص نے بہہ جانے والوں کا مرثیہ لکھا:

''جودی پہاڑ کی آنکھ عبیل پر تھی' کیا مرنے والا وہ شخص واپس آیا کرتا ہے جس کی سفیدی سیاہی سے بدل جائے؟ انہوں نے یثرب کو آباد کیا' وہاں نہ تو پلیک کا درخت تھا' نہ کوئی چیخنے والا اور نہ ہی کوہان والا تھا۔ یہاں کی نرم زمین میں انہوں نے پانی کا انتظام کیا اور کثرت سے کھجور کے درخت لگا دیئے۔''

یثرب کا پہلا رہائشی

ابو القاسم زجاجی کہتے ہیں: لوگ بکھرے تو سب سے پہلے مدینہ میں آباد ہونے والا یثرب بن قاینہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا' اسی وجہ سے اس کا نام یثرب رکھا گیا۔

عمالیق کی مدینہ میں رہائش

علامہ یاقوت حموی کہتے ہیں: مدینہ میں سب سے پہلے کھیتی باڑی کرنے والے' جس نے کھجور کے درخت لگائے'

گھر بنائے اور ٹیلے تیار کئے اور ساز و سامان تیار کیا' یہ عمالیق تھے۔ یہ لوگ عملاق بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ یہ عمالیق کئی شہروں میں پھیل چکے تھے' وہ دو بحیروں' عمان اور حجاز تا شام و مصر میں بسیرا کئے ہوئے تھے' شام کے جبابرہ اور مصر کے فراعنہ (ظالم حکمران) انہی عمالیق میں سے تھے۔ ان لوگوں کا ایک گروہ بحرین و عمان میں رہتا تھا جسے ''جاسم'' کہتے تھے' ان میں سے بنو ھف اور بنو مطرویل مدینہ میں رہتے تھے' ان سب عمالیق کا بادشاہ الارقم بن الارقم تھا جو حجاز میں رہتا تھا۔

یہودیوں کا مدینہ میں داخلہ

علامہ رزین کے مطابق ابو المنذر رشرقی کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن عبد اللہ بن حنظلہ غسیل سے مدینہ کی بنیاد کے بارے میں سنا اور اس حدیث کا کچھ حصہ قریش کے ایک آدمی سے سنا جنہوں نے ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے سنا تھا اور چونکہ دونوں کی حدیثوں میں زیادہ تر اتفاق اور اختلاف کم تھا تو میں نے ان دونوں کو جمع کر دیا' دونوں نے بتایا: ہمیں معلوم ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا تو ان کے ہمراہ بنو اسرائیل کے کچھ لوگوں نے بھی حج کیا تھا اور جب ان کی واپسی کا پروگرام بنا تو وہ مدینہ پہنچ گئے' یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ یہ اس نبی کا شہر ہے جن کا ذکرِ خیر تورات میں یوں آیا ہے کہ وہ خاتم النبیین ہوں گے چنانچہ ان لوگوں میں سے کچھ نے یہ مشورہ کیا کہ وہ یہیں ٹھہر جاتے ہیں لہٰذا وہ بنو قینقاع کے گاؤں میں ٹھہر گئے پھر ان کے پاس عرب کے کچھ اور لوگ آ جمع ہوئے تو یہ اپنے پہلے دین پر آ گئے چنانچہ یہ وہ لوگ تھے جو مدینہ میں سب سے پہلے ٹھہرے تھے۔ کچھ تاریخ دانوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عمالقہ کے کچھ لوگ ان سے پہلے یہاں آباد ہو چکے تھے۔ میرے خیال میں یہ بات درست ہے۔

مدینہ میں مقیم لوگوں سے حضرت داؤد علیہ السلام کی جنگ

ابن زبالہ نے اہلِ مدینہ کے بوڑھوں سے سن کر یہاں سب سے پہلے ٹھہرنے والوں کے ذکر سے اپنی کتاب شروع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: ''قدیم زمانے میں صعل اور فالج نامی قبیلے مدینہ میں رہا کرتے تھے جن سے حضرت داؤد علیہ السلام نے جنگ کی تھی اور ان کی ایک ہزار کنواری عورتیں لے گئے تھے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیڑے مسلط کر دئے جو ان کی گردنوں میں پڑے تو وہ ہلاک ہو گئے' میدانوں اور پتھریلی جگہ پر انہی کی قبریں تھیں' جرف کی طرف یہی قبریں ہیں البتہ ان میں سے ایک عورت بچ رہی جس کا نام ''زھرۃ'' تھا' وہ اکیلی یہاں رہتی تھی۔ اس نے ایک آدمی سے اجرت طے کر لی اور کسی دیگر مقام پر جانے کا فیصلہ کر لیا' ابھی سوار ہونے ہی لگی تھی کہ کیڑوں نے اس پر بھی حملہ کر دیا۔ اس سے کہا گیا' لگتا ہے کہ حضرت داؤد نے تجھے بھی پکڑ لیا ہے۔ اس نے کہا: اسی کیڑے کی وجہ سے میری قوم ہلاک ہوئی تھی پھر کہا کہ کچھ جسم محفوظ رہ جاتے ہیں' مال دفن ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ زھرہ اور رانون میں ہوتا ہے۔ وہ مزید بتاتے ہیں کہ ان کیڑوں نے اسے ہلاک کر دیا۔

یہ بھی بتاتا چلوں کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے تھے اور انہی کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے رہے۔

ابن نجار نے گذشتہ اس قول: ''تاریخ دان کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم غرق ہونے پر سب سے پہلی آباد ہونے والی قوم صعل اور فالج تھیں اور پھر مختصر طور پر قصۂ داؤد کا ذکر ہے۔'' سے مراد یہی لوگ لئے ہیں۔

ابن نجار مزید لکھتے ہیں' مدینہ کے قدیم بوڑھوں نے بتایا تھا: یہاں ایک قوم اور بھی آباد تھی جنہیں بنو حنف' بنو مطراور بنو الازرق کہا جاتا تھا' یہ لوگ مخیض سے غراب الضائلہ اور وہاں سے احد پہاڑ کی ایک طرف قصاصین تک پھیلے ہوئے تھے' ان کے آثار وہاں اب بھی موجود ہیں۔

ابن زبالہ نے جماء امّ خالد (وادئ عقیق) کا ذکر کرتے ہوئے عثمان بن عبد الرحمٰن سے روایت کی' انہوں نے بتایا کہ ''جماء'' میں ایک قبر دیکھی گئی جس پر پتھر رکھا تھا اور کوئی تحریر تھی' پتھر اتارا گیا تو ایک یمنی شخص نے اسے پڑھا اس میں لکھا تھا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کے رسول سلیمان بن داؤد علیہا السلام کا رسول ہوں جسے اہلِ یثرب کی طرف بھیجا گیا تھا اور میں اس وقت شمال کی طرف تھا۔''

ابن زبالہ نے عمر بن سلیم الزرقی کے حوالے سے بھی لکھا ہے کہ: ہم جماء پر چڑھے تو وہاں ہم نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کی قبر دیکھی' اس کے قریب ہی سرہانے کی طرف دو پتھر پڑے تھے جن پر کچھ لکھا تھا جو پڑھا نہیں جا رہا تھا' ہم نے انہیں اُٹھا لیا' ان میں ایک زیادہ وزنی تھا لہٰذا اسے وہیں پھینکا اور دوسرا میں نے پکڑ لیا' وہ میرے ہی پاس رہا' میں نے اہلِ تورات یہودیوں کو دکھایا لیکن انہیں سمجھ نہ آسکا' پھر اہلِ انجیل نصرانیوں کو دکھایا تو وہ بھی نہ پڑھ سکے۔ یہ پتھر میرے پاس رہا تا آنکہ اہلِ ''ماہ'' میں سے دو آدمی مدینہ میں آئے' اس بارے میں ان سے پوچھا کہ تم اہل کتاب ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ میں نے وہ پتھر ان کے سامنے رکھ دیا' انہوں نے پڑھا تو لکھا تھا: ''میں اللہ کا ایک بندہ اسود ہوں' اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے مجھے قرینہ والوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا۔''

پھر دونوں بولے: ''ہم قدیم دور میں یہاں رہا کرتے تھے۔'' اس سلسلے میں باقی بیان ساتویں باب کی چوتھی فصل میں آرہا ہے۔

حجاز میں عمالیق کی تباہی

ابن زبالہ' حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں' انہوں نے کہا کہ عمالیق شہروں میں پھیل گئے تھے پھر مکہ' مدینہ اور پورے حجاز میں پھیل گئے' یہ بڑے سرکش تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تو انہوں نے شام پر چڑھائی کی اور وہاں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا' یہ کنعانی لوگ تھے۔

کچھ کہتے ہیں کہ انہوں نے شام کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور وہاں کے لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا پھر دوسرا لشکر

عمالیق کے لئے حجاز بھیجا اور حکم دیا کہ کسی سمجھدار پر پہل نہ کرنا' وہ لوگ چلے گئے' اللہ نے انہیں ان پر غلبہ دیا تو انہیں قتل کر دیا اور پھر ان کے بادشاہ ارقم بن ارقم تک پہنچے تو اسے بھی قتل کر دیا نیز اس کے خوبصورت جوان بیٹے کو قید کر لیا' قتل نہ کیا۔ کہنے لگے ہمیں تو حیاء آ رہی ہے' ہم اسے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جاتے ہیں اور ان کی رائے معلوم کرتے ہیں' وہ اسے اپنے ساتھ لے چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک لشکر پہنچنے سے پہلے ہی قبض کر لی گئی۔ جب لوگوں کو ان کے آنے کا پتہ چلا تو استقبال کو آئے اور پوچھنے پر انہوں نے فتح کی خوشخبری دی' پھر بتایا کہ ہم نے اس نوجوان کے علاوہ ان کا کوئی نہیں چھوڑا کیونکہ اس جیسا خوبصورت نوجوان ہم نے کہیں نہیں دیکھا چنانچہ اسے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس لئے لے آئے کہ ان کی رائے معلوم کر سکیں۔

اس پر یہودیوں نے کہا کہ یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ تم نے اپنے نبی کے حکم عدولی کی ہے' بخدا اب تم ہمارے شہروں میں کبھی بھی داخل نہ ہو سکو گے۔ اس پر لشکر والوں نے کہا: اگر تم نے ہمیں روک دیا ہے تو ہمارے لئے اس شہر سے بہتر اور کوئی شہر نہیں جس سے تم نکل آئے ہو۔

حجاز ان دنوں درختوں سے بھرا پڑا تھا اور پانی کی کوئی کمی نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ عمالقہ کے بعد یوں یہودی حجاز میں داخل ہو گئے۔

یہودی مدینہ میں کیونکر داخل ہوئے؟

روض الانف میں الوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ یہودیوں کے مدینہ میں داخلے کا سبب یہ ہوا کہ سرزمین حجاز سے عمالقہ ان پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے' یہ لوگ یثرب اور جحفہ سے لے کر مکہ تک کے علاقے میں آباد تھے چنانچہ یہودیوں (بنو اسرائیل) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت کی انہوں نے عمالقہ کی طرف لشکر بھیجا۔ اتنا لکھ کر ابو الفرج نے بھی اگلی بات اسی طرح لکھی ہے اور پھر کہا کہ اس سے بہتر واقعہ وہ ہے جسے طبری نے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل کا حجاز میں آنا اس وقت ہوا جب بخت نصر نے شام میں انہیں تباہ و برباد کر دیا اور بیت المقدس میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ انتہٰی۔

ایک عالم سے ابن النجار نے سن کر بتایا کہ ان کے علماء تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفات دیکھتے تھے اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ آپ اس سرزمین میں تشریف لائیں گے جہاں دو حرّوں کے درمیان کھجور کے بہت درخت ہوں گے چنانچہ وہ ایسے مقام کی تلاش کرنے شام سے چلے تھے اور جب تیماء کو دیکھا کہ اس میں درخت بہت ہیں تو ایک گروہ وہیں ٹھہر گیا' انہوں نے سمجھا کہ یہ خیبر ہے تو وہیں مقیم ہو گئے جبکہ ان میں سے سردار اور اچھے لوگ چلتے رہے' جب یثرب کو دیکھا کہ وہاں شور اور پتھریلی زمین ہے اور درخت بھی بہت ہیں تو کہنے لگے کہ عربی نبی ﷺ کا جائے ہجرت یہی ہو گا چنانچہ قبیلہ نضیر بطحان میں ٹھہر گئے۔ اس کے بعد ابن النجار نے قریظہ و نضیر قبیلوں کے مذینیب اور مہزور

میں آنے کا ذکر کیا ہے۔

علامہ یاقوت نے ایک یہودی عالم سے سنا' ان کے حجاز میں داخلے کا سبب یہ ہوا کہ جب شاہ روم بنو اسرائیل اور ملک شام پر غالب آ گیا تو اس نے حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے رشتہ مانگا' ان کے دین میں یہ تھا کہ یہ نصرانیوں سے شادی نہیں کیا کرتے تھے چنانچہ بنو ہارون ڈر گئے چنانچہ اس کی طرف تحفے بھیجے اور اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دی' وہ آیا تو انہوں نے اسے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا اور پھر بھاگ نکلے' حجاز جا پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے۔

بنو قریظہ کا خیال ہے کہ جب رومی لوگ شام پر قابض ہو گئے تو قریظہ' نضیر اور ھدل شام سے بھاگے اور حجاز میں موجود بنو اسرائیل کے پاس جانے کے لئے نکل پڑے۔ شاہِ روم نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے لیکن انہوں نے رومیوں کو ناکام کر دیا چنانچہ وہ حجاز اور شام کے درمیان ''ثمد'' جا پہنچے اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے' اسی وجہ سے اس جگہ کا نام ''ثمد الروم'' پڑ گیا' یہ نام آج بھی معروف ہے۔ خدا ہی جانے کہ ان میں سے کون سی کہانی صحیح ہے۔

ایک سیرت کے عالم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے پتہ چلا کہ جب بخت نصر کے آنے سے بنو اسرائیل بہت سی تکالیف پہنچیں اور وہ ذلیل و خوار ہو کر بکھر گئے' انہیں یہ بات معلوم تھی کہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ان کی کتاب میں بڑی تعریف موجود ہے پھر یہ بھی معلوم تھا کہ وہ انہی عرب بستیوں میں سے کھجوروں والے کسی مقام میں ٹھہریں گے لہٰذا جب وہ سرزمین شام سے چلے تو شام اور یمن کے درمیان موجود عربی بستیوں کو عبور کرتے گئے' انہوں نے یثرب کی نشانیاں دیکھیں تو کچھ لوگ وہاں ٹھہر گئے' وہ یہ اُمید لئے ہوئے تھے کہ حضرت محمد ﷺ سے ان کی ملاقات ہو گی تو ان کی اتباع کریں گے اور پھرتے پھراتے اہلِ تورات بنو ہارون میں سے ایک گروہ یثرب میں ٹھہر گیا' پھر وہ باپ قسم کے لوگ فوت ہو گئے' ان کا ایمان تھا کہ حضرت محمد ﷺ یہاں تشریف لائیں گے' اس لئے یہ لوگ اپنی اولادوں کو ابھارتے رہتے تھے کہ جب وہ آ جائیں تو ان کی اتباع کرنا' آخر ان کی اولادوں میں سے لوگوں نے آپ کا دور پا لیا تو آپ کا انکار کیا حالانکہ انہیں پہلے سے معلوم تھا۔ انہیں حسد یہ تھا کہ انصارِ مدینہ ان سے زیادہ حضور ﷺ کے قریب ہو گئے ہیں۔

ہم ابن زبالہ کے حوالے سے پہلے بتا چکے ہیں بنو اسرائیل کا لشکر حجاز کی طرف آ کر ٹھہر گیا تھا' اس کے بعد ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ جہاں ٹھکانہ ملا ٹھہرتے گئے' بہت سارے لوگ ''زھرہ'' میں رُکے جب کہ ان کی جائیدادیں ''سافلہ'' میں تھیں۔ (زھرہ نرم زمین کو کہتے ہیں جو ''حَرّہ'' اور ''سافلہ'' کے درمیان وہاں واقع تھی جو قف کے قریب تھی) اور ان کے اکثر لوگ ایسے مقام پر ٹھہرے تھے جسے یثرب کہتے ہیں' جہاں سیلاب کا پانی جمع ہو جایا کرتا تھا اور جو زغابہ کے ساتھ ملتا تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ یثرب بڑا طویل شور والا علاقہ تھا اور اس میں کچھ ایسی پسندیدہ چیزیں تھیں جس کے لئے مختلف شہروں سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے' وہ آتے جاتے اسی سیاہ اونٹ دیکھتے تھے اور یہ اونٹ دوسرے رنگوں والے اونٹوں

سے علیحدہ تھے۔

پھر محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ ان کے بعد بنو قریظہ' بنو ھدل و عمرو (خزرج بن صریح بن سبط بن یسع بن سعد بن لاوی بن جبر بن نحام بن عاذر بن عیرز بن طرون بن عمران علیہ السلام کے بیٹے) نضیر بن نحام بن خزرج بن صریح وغیرہ لوگ وہاں سے نکلے اور ان کے پیچھے چلتے ہوئے دو وادیوں پر عالیہ میں اُترے جنہیں مذینیب اور مہزور کہا جاتا تھا چنانچہ بنو نضیر تو مذینیب کے مقام پر آ ٹھہرے اور یہیں اپنی جائیدادیں بنا لیں چنانچہ یہ وہ پہلے لوگ تھے جنہوں نے (عالیہ میں) کنوئیں کھودے اور زمینیں آباد کیں۔ محمد بن کعب مزید بتاتے ہیں کہ ان کے بعد عرب کے کچھ قبیلے ان کے پاس آباد ہو گئے اور وہیں رہے' جائیدادیں بنائیں' قلعے تیار کئے اور مکانات تعمیر کر لئے۔

ابن زبالہ اور ابن شبہ نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع روایت لکھی ہے کہ:

"حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام حج کرنے تشریف لائے تو مدینہ سے ان کا گذر ہوا' دونوں ہی یہودیوں سے خوفزدہ ہوئے' چھپ کر وہاں سے نکل گئے اور اُحد پر جا ٹھہرے۔ حضرت ہارون علیہ السلام یہیں وصال فرما گئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے' قبر کھودی اور لحد تیار کر دی پھر فرمایا: اے بھائی تمہیں تو موت آ چکی۔ یہ سن کر حضرت ہارون علیہ السلام اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی لحد میں اتر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر مٹی ڈال دی۔"

میں کہتا ہوں کہ ابن شبہ کی سند میں کوئی الجھن نہیں البتہ انہوں نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا ہے جس کا نام نہیں بتایا لیکن ابن زبالہ ان کی اس سند پر اعتماد نہیں کرتے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہودی یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں داخل ہوئے تھے اور آپ کی حیات تک وہیں تھے' اسی لئے وہ واقعہ پیش آیا کہ وہاں سے گذرتے وقت ان سے ڈرے تھے۔ یہ بات اسی صورت میں سچی ثابت ہوتی ہے جب اس کی بنیاد گذشتہ واقعہ بنایا جائے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حج کے لئے آئے اور ان کے ساتھ بنو اسرائیل کے کچھ لوگ بھی تھے تو انہوں نے مدینہ کی اس جگہ میں حضور خاتم النبیین ﷺ کے شہر ہونے کی نشانیاں دیکھیں چنانچہ آپس میں مشورہ کیا کہ کچھ لوگ یہاں ٹھہر جائیں اور جو واقعہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے پیش آیا وہ ان کے دوسرے حج سے تعلق رکھتا ہے جو انہوں نے بعد میں کیا تھا۔

پھر روحاء کے مقام پر "عرق الظبیۃ" نامی مسجد کے بارے میں یہ حدیث ملتی ہے کہ:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام حج و عمرہ کے لئے بنو اسرائیل کے ستر ہزار لوگوں کو لے کر یہاں سے گذرے تھے۔"

ابن حجر نے اس مقام پر ایک غریب روایت عبد الملک بن یوسف کی "کتاب الانواء" کے حوالے سے لکھی ہے کہ: "بنو قریظہ کا خیال یہ تھا کہ وہ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔" یہ صرف ایک خیال ہی ہے

کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق تو بنو جذام سے تھا جو ایک مشہور قبیلہ تھا (ابن حجر اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بات بہت دور کی ہے)۔

علاوہ ازیں ابن زبالہ نے جو کچھ لکھا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ: عربوں کے جو لوگ انصار کے آنے سے پہلے یہودیوں کے ساتھ تھے' وہ بنو انیف تھے' یہ "بلی" کا ایک قبیلہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ بنو انیف عمالقہ کے ہی بچے کھچے لوگ تھے پھر بنو مرید "بلی" ہی کا ایک قبیلہ تھا پھر بنو معاویہ بن حارث بن بہثہ بن سلیم اور بنو جذماء' یمن کا ایک قبیلہ تھا پھر یہاں کے قلعے اہلِ مدینہ کی حفاظت کے لئے تھے اور ان کے وہ ہتھیار تھے جن کی بناء پر وہ دشمن سے حفاظت میں تھے۔ پھر وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں مدینہ کے قلعے گرانے سے روکا گیا ہے۔ پھر کہا کہ قباء میں بنو انیف کا لاوہ کے کنوئیں کے قریب ایک بھدّی آواز والا شخص رہتا تھا نیز دو قلعے بھی تھے جو ماشہ اور قائم نامی زمینوں کے درمیان تھے اور کچھ قلعے عذق نامی کنوئیں کے قریب تھے۔ ان کے شاعر نے کہا تھا:

"اگر کبھی قباء بولے تو وہ بتائے گی کہ ہم تو یہاں عاد اور تبع سے بھی پہلے آباد تھے۔"

مدینہ میں یہودیوں کے باقی لوگ

یہودیوں کے جو لوگ مدینہ میں باقی رہ گئے تھے (جب ان پر اوس وخزرج نے حملہ کیا تھا) وہ کافی تھے' ان میں سے بنو قصیص اور بنو ناغصہ' قباء میں بنو انیف کے ساتھ تھے اور قباء میں یہودیوں کا ایک آدمی تھا' کہتے ہیں کہ وہ بنو نضیر میں سے تھا' اس کے کچھ قلعے تھے اور اسے "عاصم" کہتے تھے' وہ شخص ثوبہ بن حصین بن سائب بن ابولبابہ کے گھر میں رہتا تھا اور اسی جگہ وہ کنواں بھی تھا جسے قباء کہا جاتا تھا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بنو ناغصہ' یمن کا ایک قبیلہ تھا' ان کے گھر شعبِ بنی حرام میں تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے ان کو مسجد فتح کی طرف منتقل کر دیا' انہی میں بنو قریظہ بھی تھے جو ان کے اس گھر میں رہتے تھے جو آج کل ان کے نام سے مشہور ہے' ان کے بھی وہاں قلعے تھے جن میں سے ایک قلعہ زبیر بن باطا قرظی کا تھا' وہ بنو قریضہ کی مسجد میں واقع تھا پھر کعب بن اسد کا قلعہ بھی تھا۔ اسے بلحان کہتے تھے کیونکہ اس کے پاس بہت سے درخت تھے' ایک شاعر نے اسی کے بارے میں کہا تھا:

"جسے تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی چاہئے تو بلحان کے بزرگ لوگوں کے پاس آئے"۔

بنو قریظہ کے ساتھ ان کے گھر میں ان کے بھائی بنو ھدل اور بنو عمرو تھے جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے' اس شخص کو ھدل اس وجہ سے کہتے تھے کہ اس کا ہونٹ لٹکا ہوا تھا' اس کی اولاد میں سے ثعلبہ و اسد تھے جو سعیہ کی اولاد تھے' پھر اسد بن عبید' رفاعہ بن سموائل' سخیت اور منبہ ھدل کے بیٹے تھے' انہی میں سے بنو نضیر تھے جو نواعم میں تھے نیز انہی میں سے کعب بن اشرف تھے' ان کے بہت سارے قلعے تھے جو فاضجہ میں واقع تھے پھر زقاق حارث کا قلعہ تھا' پھر بویلہ کا

قلعہ تھا' یہ سب کچھ ابن زبالہ نے لکھا ہے اور ابن عساکر نے واقدی سے لے کر بتایا کہ انہوں نے کہا: بنونضیر کے مکان غرس کی ایک جانب پر تھے۔

میں کہتا ہوں کہ بنونضیر ''نواعم'' میں تھے جن کے مکانات اور اراضی غرس اور صافیہ کی جانب تک پھیلی ہوئی تھی اور ان کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کی وہ زمینیں تھیں جو حقداروں میں صدقہ کی جاتی تھیں پھر ان کے کچھ مکانات ''جفاف'' میں تھے کیونکہ ''فاضجه'' وہیں واقع تھا۔

(مصنف) میں نے نواعم کی مشرقی جانب پتھریلی زمین میں قلعوں کے آثار دیکھے ہیں اور پھر مذینیب کے پاس ایک بستی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی انہی کے مکانات پر مشتمل تھی پھر اس کے قبلہ کی طرف ''دعہن'' کے مشرق میں بنوامیہ بن زید کے مکانات تھے جیسے آگے بتایا جا رہا ہے۔

انہی میں سے بنومرید تھے جو بنوخطمہ سے تھے اور ناعمہ میں ابراہیم بن ہشام تھے' ان کے بھی کچھ ٹیلے تھے جن کی وجہ سے یہ جانے جاتے تھے' اس میں ایک کنواں تھا پھر انہی میں بنوامیہ بن زید سے بنومعاویہ تھے اور انہی میں سے بنوماسکہ تھے جو مروان بن حکم کے صدقہ کی زمین کے قریب تھے' یہ زمین حضور ﷺ کی صدقات والی زمین کے قریب تھی' ان کے دو قلعے بھی تھے جو بستی میں قف کے اندر تھے' انہی میں سے بنوجحم تھے' یہ اس مکان میں تھے جسے بنوجحم کا مکان کہتے تھے' ان کے پاس زمین تھی جسے خفاقہ کہا جاتا تھا جو آج بھی مشہور ہے' ان میں سے ایک آدمی نے دورِ جاہلیت کے وقت ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا تھا' ہاتھ کٹے شخص نے کاٹنے والے سے کہا تھا کہ مجھے کوئی پٹی دو جس سے میں ہاتھ باندھ لوں' اس نے انکار کر دیا تھا۔

انہی میں سے بنوزعورا تھے جو حضرت ابراہیم بن نبی کریم ﷺ کی والدہ کے نزدیک والے پانی کے کمرے میں تھے' ان کے پاس والے قلعے بنوزعورا ہی کے تھے اور وہ قلعے جو حجاف کی زمین میں تھے' وہاں موجود ایک یہودی کے تھے۔ انہی قبیلوں میں بنوزید اللاّ تھے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی قوم تھی' یہ بنوغصینہ کے قریب تھے۔ انہی میں سے بنوقینقاع تھے جو بطحان کی پل کے انتہاء میں وہاں رہتے تھے جو ''عالیہ'' سے ملتا تھا' وہاں مدینے کے بازاروں میں سے ایک بازار بھی تھا' ان کے بھی دو قلعے تھے' ان کے متعلق یوں سمجھو کہ یہ پل کے آخر میں تھے' تم مدینہ سے عالیہ جا رہے ہو تو یہ پل گذر کر تمہاری دائیں طرف واقع تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ بنی قینقاع حضرت عبد اللہ بن سلام کا قبیلہ تھا' یہ بات ابن زبالہ کی گذشتہ روایت کے خلاف ہے لیکن حضرت ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

انہی لوگوں میں بنوحجر تھے جو پل کے قریب پانی پینے کے کمرے کے قریب تھے' ان کے بھی کچھ قلعے تھے جن

سے ان کی پہچان ہوتی تھی۔

انہی میں بنوثعلبہ اور اھل زھرہ تھے جو زھرہ میں سے تھے' یہ فطیون کا قبیلہ تھا' یہ ان کا وہ بادشاہ تھا جو مدینہ میں ان عورتوں سے حرام زدگی کرتا تھا جو ابھی تک اپنے شوہروں کے پاس نہ گئی ہوتی تھیں' ان کے بھی دو قلعے تھے جو اس چوڑے راستے پر واقع تھے جہاں سے حرہ کے نیچے اترتے تھے۔اس زھرہ کے مقام پر بہت سے یہود آباد تھے' یہ مدینہ کی بستیوں میں سب سے بڑی تھی' یہ جنگل میں رہتے تھے۔

ان میں سے وہ لوگ بھی تھے جو جوّانیہ کے مقام پر رہتے تھے۔یہ جگہ اُحد کے قریب ہے اور مدینہ کے شمال میں ہے جیسے آگے آ رہا ہے(ان کے دو اور قلعے بھی تھے جو بنو حارثہ بن حارث نے لے لئے تھے' دونوں کا نام صرار اور ریان تھا' اسی لئے نہیک بن سیاف نے کہا تھا:

"شاید صرار ہی ہے کہ جس کے کنوئیں بھرے رہتے ہیں اور ریان کے بارے میں سنتے ہیں کہ اس میں پانی پینے کی جگہیں بنائی جاتی ہیں"

پھر بنو حذماء (جن کا پہلے ذکر ہو چکا اور یہ یمنی تھے) بنوعبد الاشہل کے قبرستان اور ابن عراک کے محل کے درمیان رہتے تھے' پھر راتج کو منتقل ہو گئے۔

انہی میں سے بنوعکوہ تھے جو بنو حارثہ کی دائیں جانب تھے اور انہی میں سے بنومرابہ تھے جو بنو حارثہ کے شام والی جانب میں رہتے تھے' ان کا بھی قلعہ تھا جسے شبعان کہتے تھے' یہ ثمغ کے مقام پر تھا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے صدقہ کا مال تھا۔

انہی میں سے کچھ لوگ راتج میں رہتے تھے' یہ وہ قلعہ تھا جسے ناحیہ کہا جاتا تھا۔

انہی میں وہ لوگ بھی تھے جو شوط' عنابس' والج اور زبالہ میں رہتے تھے جو فاطمہ کے چشمے تک پھیل گیا تھا اور وہاں رسول اللہ ﷺ کی مسجد تعمیر کرنے کے لئے اینٹیں پکائی جاتی تھیں' ان اھل شوط کا ایک قلعہ تھا جسے شرعی کہا جاتا تھا' یہ ذباب سے چھوٹا تھا اور بنوجشم بن حارث بن خزرج کا ہو گیا تھا' یہ بنوجشم بنوعبد الاشہل کے بھائی تھے۔پھر اہلِ زبالہ کا بھی قلعہ تھا جو قناۃ سے جا ملتا تھا اور پھر وہاں کے ایک یہودی کے بھی دو قلعے تھے جنہیں بڑا شمار کیا جاتا تھا' ان کے سامنے وہ مسجد تھی جہاں اُحد کی طرف جاتے وقت رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔پھر اہلِ زبالہ کے دو قلعے تھے جو ابو الحمراء رابض کے چھوٹے کچے ٹیلے کے پاس تھے اور یہ دونوں سے نیچے تھا۔

انہی میں سے اھل یثرب تھے' یہ وہاں کے یہودیوں سے زیادہ تھے' یہ ہلاک ہو گئے تھے اور ان میں سے کوئی بھی نہ بچا تھا۔

میں کہتا ہوں' علامہ رزین نے علامہ شرقی سے نقل کیا ہے کہ یہودی بیس سے کچھ زیادہ قبیلے تھے' اور ان کے قلعے انسٹھ تھے' پھر انصار کے آنے سے پہلے عربوں کے آنے کے موقع پر ان کے تیرہ قلعے تھے۔ابن زبالہ نے ان میں سے

بہت کے نام ذکر کیے ہیں جنہیں ہم ذکر نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے زمانہ میں ان کی پہچان نہیں رہی۔

یہ ہے اوس وخزرج کے آنے سے پہلے اور حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد مدینہ میں رہنے والوں کا تعارف' (جسے ہم نے ذکر کر دیا ہے)۔

فصل نمبر۲

مدینہ میں انصار کے ٹھہرنے کا سبب' مآرب کا واقعہ اور سیلِ عرم غسّان

ابن زبالہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں یہودی ہمیشہ غالب رہے اور ان کا قبضہ رہا' یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ''سیل عرم'' کا معاملہ نہ ہوا' جس کے پانی کا قصہ اللہ نے بیان فرمایا ہے یعنی قصۂ اہل مآرب۔ یہ ''مآرب'' ملک سباء کی سرزمین تھی جو اللہ تعالیٰ کے قول بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ میں مذکور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ملک سب سے سرسبز اور ستھرا تھا (حالت یہ تھی کہ) ایک عورت گھر سے چلتی' سر پر ہاتھ سے بنا ہوا ٹوکرا ہوتا' وہ درختوں کے درمیان چلتی تو گرنے والے پھلوں سے بھر جاتا لیکن پھر وہ سرکش ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ سبا کی طرف تیرہ نبی بھیجے تا کہ انہیں اللہ کی دعوت دیں اور اس کی نعمتیں بیان کرتے چلے جائیں لیکن انہوں نے ان انبیاء کو جھٹلا دیا اور کہا کہ ہم پر تو اللہ کی کوئی رحمت نہیں ہوئی۔

علامہ مسعودی کہتے ہیں کہ ان کا طول بلد دو ماہ کی مسافت سے زیادہ تھا جسے کوئی تیز رفتار سوار طے کیا کرتا ہے اور یونہی ان کا عرض بھی اتنا ہی تھا' وہاں کی آبادی بہت تھی اور وہ لوگ متحد تھے' طاقتور تھے اور پھر ایسے تھے جیسے اللہ نے ان کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ:

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً (سورۂ سبا:۱۸)

''اور ہم نے کئے تھے ان میں اور ان شہروں میں جن میں ہم نے برکت رکھی'' یعنی شام کے شہروں میں سرِ راہ کتنے شہر۔''

یعنی وہ شہر راستوں کے ساتھ تھے جن میں وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے چنانچہ وہ اپنے شہروں میں امن سے رہتے تھے' عورت گھر سے چلتی تو زادِ راہ نہ لیتی' ایک شہر میں سوتی اور دوسرے میں قیلولہ (دوپہر کا سونا) کرتی اور یونہی شام پہنچ جاتی' انہوں نے کہا:

رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا (سورۂ سبا:۱۹)

''اے ہمارے ربّ! ہمارے سفر میں دُوری ڈال۔''

کیونکہ وہ نعمتوں پر تکبر کرتے تھے اور نعمتیں کھا کھا کر اُکتا چکے تھے' اس لئے کہا اگر ہمارے پھل دور ہوتے تو ہمیں ان کے کھانے کی خواہش ہوا کرتی' انہوں نے یہ تمنا کی کہ ان کے اور شام کے درمیان جنگل بنا دے تا کہ وہاں سواریوں پر جایا کریں اور کھانے پینے کو ساتھ لے جایا کریں' اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرما لی جیسے فرمایا:

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ۝ (سورۂ سبا:۱۹)

"تو ہم نے انہیں کہانیاں کر دیا اور انہیں پوری پریشانی سے پراگندہ کر دیا۔"

حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیانی وقت میں ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید بارش کا سیلاب مسلط کر دیا۔"عرم" شدید بارش کو کہتے ہیں اور کہتے ہیں اندھے چوہوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کی دیوار میں سوراخ کر دیا' وہ دیوار ہر طرف سے ایک فرسخ تھی (تین میل) جسے لقمان اکبر عادی نے بنایا تھا' حالانکہ اپنی طرف سے اس نے اسے زندگی بھر کے لئے بنایا تھا' یمن کے پانی وہیں جمع ہوتے اور پھر نہروں نالوں کی صورت میں شہری ضرورتوں کے مطابق بکھر جاتے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسے سبأ بن یشجب بن یعرب بن قحطان نے بنایا تھا اور اس سے ستر وادیاں چلائی تھیں لیکن وہ اسے مکمل کرنے سے پہلے فوت ہو گیا' بعد میں اسے حمیر کے بادشاہوں نے مکمل کیا تھا۔حمیر بن سبأ اور کہلان بن سبأ کی اولاد اس وقت یمن کی سردار تھی' ان کا بڑا اور آقا مدینہ کے انصار کا دادا تھا' جس کا نام عمرو مزیقیاء بن عامر ماء السماء بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازد تھا' یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا نام اسد بن غوث بن نبت' بن مالک بن زید بن کہلان بن سبأ بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا۔ ان کا یہی نسب ابن ہشام' ابن حزمؒ اور ابن الکلبی نے بھی بیان کیا ہے جیسے کہ ابن عبد البر نے نقل کیا ہے۔ان کے علاوہ ایک اور مؤرخ نے حارثہ اور امرئ القیس کے درمیان ثعلبہ کا نام بھی دیا ہے۔

انصار کہا کرتے تھے کہ عمرو کو مزیقیاء اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ روزانہ دو پوشاکیں پہنتا اور پھر اس بناء پر پھاڑ دیتا کہ کوئی اور اسے نہ پہن سکے۔اس کے باپ کو"ماء السماء" اس کی سخاوت کی وجہ سے کہا جاتا تھا اور اس لئے بھی کہ قحط کے موقع پر وہ بارش جیسی سخاوت کرتا تھا۔

اس عمرو مزیقیاء کا ایک بھائی تھا جو کاہن اور بے اولاد تھا' نام عمران تھا' عمرو مزیقیاء کی بیوی کا نام طریفہ تھا جو قبیلۂ حمیر سے تھی' یہ بھی کاہنہ تھی' عمرو سے اس نے تیرہ بچے جنے' ثعلبہ کو اسی نے جنم دیا تھا اور یہی وہ شخص تھا جس نے اور جس کے بھائیوں نے جرہم کو مکہ سے نکالا تھا اور یہی وہ شخص تھا جو ازد میں سے الگ ہو کر اس کے پاس رہا تھا جیسے رزین نے نقل کیا ہے۔علامہ رزین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ثعلبہ کا والد (عمرو بن عامر) ثعلبہ کے جرھم پر غالب آنے سے قبل ہی فوت ہو گیا تھا۔یہی ثعلبہ' اوس و خزرج کا باپ تھا۔طریفہ نے اس سے حارثہ کو بھی جنم دیا اور جیسے کہ آگے آ رہا ہے' یہ خزاعہ کا باپ تھا' دوسرے حضرات نے اور بھی لکھا ہے۔

اس عورت نے جفنہ کو بھی جنم دیا جو غسان کا والد تھا یہ سب ماء کے نام سے بلائے جاتے رہے اور اسی کے پاس رہے' اسے غسان کہتے تھے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ بنو مازن بن ازد بن غوث تھے۔

اس نے ایک لڑکا وداعہ بھی جنا تھا نیز ابو حارثہ' حارث' عوف' کعب' مالک اور عمران کو بھی جنم دیا تھا' ان سب کی اولاد ہوئی لیکن باقی تین کی اولاد نہ ہو سکی۔

غَسّان

ابن حزم کہتے ہیں کہ غسان یہ لوگ تھے: بنو حارث' جفنہ' مالک اور کعب جو عمرو مزیقیاء کے لڑکے تھے' یہ سب غسان کے حقیقی لڑکے تھے لیکن دوسری اولاد اس سے پانی نہیں پیا تھا (یہ حقیقی نہ تھی) چنانچہ غسان نہ تھے۔ عمرو بن عامر کے مآرب میں کئی محل تھے اور اتنی اراضی تھی کہ یہ اتنا کچھ کسی اور کے پاس نہ تھا۔

سیل العرم کی پہلی اطلاع

حضرت رزین نے لکھا ہے کہ سیلِ عرم (عظیم سیلاب) کے سلسلے میں مآرب کے مقام پر سب سے پہلا کام یہ ہوا تھا کہ عمران بن عامر نے اپنے علم کہانت سے دیکھا' اس کی قوم بکھیر دی جائے گی' ان کے سفروں میں دوری پیدا کر دی جائے گی اور ان کے شہر برباد کر دیئے جائیں گے' اس نے یہ بات اپنے بھائی عمرو بن عامر سے کی' وہ شش و پنج میں پڑ گیا' اسی دوران اس کی بیوی طریفہ ایک دن سوئی ہوئی تھی کہ اس نے خواب دیکھی' بادل ان کی ساری زمین پر چھا گیا ہے' اس سے وہ کانپ اٹھی اور سخت خوف زدہ ہو گئی' لوگوں نے اسے مطمئن کیا تو وہ کہنے لگی اے عمرو بن عامر! جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا ہے' اس نے تو میری نیند حرام کر دی ہے' میں نے ایک خوفناک اور کڑک والا بادل دیکھا ہے' وہ گھبرا دینے والا تھا جس شے پر اس کا سایہ پڑتا' وہ جلا کر رکھ دیتا اور اس کے بعد سخت خوف پیدا ہو جاتا۔ لوگوں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے مطمئن کیا تو وہ پرسکون ہو گئی۔

پھر عمرو بن عامر ایک باغ میں داخل ہوا' اس کے ہمراہ دو لونڈیاں بھی تھیں' طریفہ کو پتہ چلا تو وہ اس کے پیچھے گئی' وہ گھر سے نکلی تو راستے میں اسے تین چھچھوندریں دکھائی دیں جو اپنے پاؤں کے بل کھڑی تھیں اور ہاتھ آنکھوں پر رکھے تھے۔ طریفہ نے انہیں دیکھا تو اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زمین پر بیٹھ گئی' وہ چھچھوندریں چلی گئیں تو وہ تیزی سے نکلی' جب وہ اس باغ کی ندی کے قریب پہنچی جس میں عمرو موجود تھا تو پانی سے ایک کچھوا نکلا اور راستے کے عین درمیان میں زمین پر بیٹھ گیا' یہ دیکھ کر اس نے پیچھے مڑنے کا ارادہ کیا' ہاتھ ہلانا دشوار ہو گیا تھا' پھر اپنے آپ پر مٹی ڈالی اور اس کا پیشاب نکل گیا۔ یہ دیکھ کر وہ زمین پر بیٹھ گئی' اسی دوران وہ کچھوا پانی میں واپس چلا گیا تو وہ چلی اور اس باغ میں داخل ہوئی جہاں عمرو بن عامر موجود تھا' سورج سر پر آ چکا تھا اور گرمی زوروں پر تھی' درختوں کے پتے ہوا کے بغیر ہی کھڑکھڑا رہے تھے۔ وہ آگے گئی اور عمرو کے پاس جا پہنچی' اس نے دیکھ کر کہا: طریفہ آ جاؤ! وہ بولی: روشنی اور اندھیرے کی قسم' زمین

و آسمان کی قسم پانی گہرا ہو گا درخت تباہ ہو جائیں گے۔ یہ سن کر عمرو نے کہا: یہ تجھے کس نے بتایا ہے' کہنے لگی مجھے چھچھوندروں نے بتایا ہے کہ کئی سال سختی کے ہوں گے' بیٹا باپ کو مارے گا' کچھوا ہو گا جو مٹی خوب اڑائے گا اور پیشاب کرے گا۔ میں نے درخت دیکھے کہ ہوا اور بارش کے بغیر ان کے پتے ہل رہے تھے' اس نے پوچھا' تم اسے کیا خیال کرتی ہو؟ اس نے کہا' غم میں مبتلا کر دینے والی مصیبت ہے' یہ تو بڑے بڑے مصائب ہیں۔ اس نے کہا: اگر ایسا ہے تو تیرے لئے مشکلات ہیں۔ کہنے لگی ہاں لیکن اس میں عمرو کا کوئی حصہ نہیں' اس کے پاس سیلاب آئے گا۔

یہ سن کر اس نے اپنے آپ کو زمین پر دے مارا اور کہا' جو کچھ تم نے بتایا ہے' ایک بہت بڑا معاملہ ہے' اس کے بعد یہ قلیل ہو گا اور قلیل کو لے لینا چھوڑنے سے بہتر ہے۔ عمرو نے کہا: یہ جو تم بتا رہی ہو' اس کی علامت کیا ہو گی؟ اس نے کہا: جب تمہیں یہ دکھائی دے کہ چوہا دیوار میں گڑھا کھود رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے پتھر ہٹائے جا رہا ہے تو جان لینا کہ یہ مصیبت آ گئی ہے۔

عمرو یہ سن کر دیوار (بند) کی طرف گیا' دیکھا تو ایک چوہا اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے پتھروں کو ہلائے جا رہا تھا جنہیں ازد کے شیر جیسے پچاس آدمی بھی نہیں ہلا سکتے تھے۔ وہاں سے وہ طریفہ کے پاس آیا اور سارا معاملہ بتایا۔

پھر اس عمرو نے ایک خواب دیکھی کہ یہ سیلاب آ کر رہے گا اور کہا گیا کہ اس کی نشانی یہ ہو گی کہ کھجوروں کے گھاٹ میں کنکر نظر آئیں گے۔ اس نے جا کر دیکھا تو پہچان لیا کہ ایسا ہو گیا ہے' اب اس کے شہر جلد برباد ہو جائیں گے لہٰذا اس نے یہ بات چھپائے رکھی اور عہد کر لیا کہ سرزمین سبأ کی خاطر وہ اپنی ہر شے فروخت کر دے گا پھر خود اپنے لڑکوں کو لے کر یہاں سے نکل جائے گا' پھر خیال آیا کہ لوگ اسے برا جانیں گے لہٰذا کوئی حیلہ تلاش کرنے لگا چنانچہ اونٹ ذبح کرنے کو کہا تو ذبح کر دیا گیا اور بکریاں بھی ذبح کر دی گئیں' بہت کھلا لنگر پکا دیا اور تمام اہلِ مآرب کو بلا لیا' ان میں ایک یتیم بھی تھا جسے اس نے پالا تھا اور اس کی شادی کر دی تھی' اسے بلا کر رازدارانہ طور پر سمجھایا کہ جب میں لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کر دوں تو تم میرے پہلو میں آ جانا اور کسی بات میں جھگڑا شروع کر دینا' مجھے ترکی بہ ترکی جواب دیتے جانا' میں تم سے جیسا سلوک کروں' ویسے ہی میرے ساتھ تمہیں کرنا ہو گا۔

اب عمرو نے اس سے کوئی بات کی' یتیم نے اس کا ویسا ہی جواب دیا' اس پر عمرو نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور گالی دی' اس یتیم نے بھی ویسے ہی کیا' اس پر عمرو چلا اٹھا کہ ہائے ذلت' آج عمرو کا سارا غرور چور ہو گیا' عزت نہیں رہی' اس نے قسم کھا لی کہ اسے مار دوں گا' لوگوں نے منت سماجت کرنا شروع کر دی تو آخرکار اسے معاف کر دیا پھر کہنے لگا: بخدا میں ایسے شہر میں کبھی نہیں رہونگا جس میں مجھ سے یہ سلوک ہوا ہے' میں اپنا سارا سامان بیچ کر یہاں سے کوچ کر جاؤں گا' لوگوں نے اس کے غصے کو غنیمت جان کر سارا مال خرید لیا' زمین فروخت کر دی' اسے دیکھ کر ازد قبیلہ والوں نے بھی اپنی جائیداد بیچ ڈالی۔ جب کثرت سے بیع ہو گئی تو لوگوں نے اس بات کو برا جانا اور خریدنے سے رک گئے۔

جب عمرو کے پاس اپنے مال کی قیمت جمع ہو گئی تو اس نے شدید سیلاب کے بارے میں بتا دیا لہٰذا مآرب سے

بے شمار لوگ نکل پڑے، صرف وہی رہ گئے جن کی قسمت میں مرنا لکھا تھا۔

ابن ہشام نے بھی اپنی تاریخ میں ایسا ہی واقعہ لکھا ہے، کہا کہ ازد کہنے لگے، ہم عمرو بن عامر سے پیچھے نہیں ہٹیں گے لہٰذا انہوں نے اپنے مال بیچ دیئے اور وہاں سے نکل پڑے۔ کہتے ہیں کہ طریفہ، ثعلبہ کی بیوی تھی اور یہ قصہ اسی کا ہے، اسی کی وجہ سے اس نے مال بیچ دیا تھا۔

علامہ یاقوت لکھتے ہیں کہ عمرو بن عامر شدید سیلاب سے پہلے مر گیا تھا اور یہ ریاست اس کے بھائی عمران بن عامر کاہن کے ہاتھ آ گئی تھی، وہ نامرد تھا اور بے اولاد تھا اور یہی وہ شخص تھا جس کا قصہ طریفہ کاہنہ سے تعلق رکھتا ہے، ایک دن اس کے پاس آئی اور کہنے لگی: اندھیرے اور روشنی کی قسم، زمین و آسمان کی قسم! تمہاری طرف دریا جتنا پانی ضرور آئے گا، وہ تمہاری زمین کو چھوڑ دے گا تو اس پر ہوا نہ چلے گی اور باقی قصہ بتایا اور اسی نے اپنے مال بیچنے کے لئے حیلہ کیا تھا کہ بھتیجے حارثہ سے کہا، لوگ میرے پاس اکٹھے ہو جائیں تو فوراً میں تمہیں کوئی گناہ کی بات کہوں گا اور جب میں تمہارے سر پر ڈنڈا ماروں گا تو میری طرف آ کر مجھے تھپڑ مار دینا۔ اس نے کہا، یہ کیونکر ممکن ہے کہ بھتیجا اپنے چچا کو تھپڑ مار دے۔ اس نے کہا، بیٹے! یہ تمہیں کرنا ہوگا کیونکہ اس میں تمہاری اور تمہاری قوم کی بہتری ہے اور پھر یہ کہانی پوری بتائی اور کہا کہ ان کے وہاں سے نکل جانے کے بعد لمبا چوڑا سیلاب آیا، چوہوں نے دیوار خراب کر رکھی تھی، پانی کے سامنے کوئی روکاوٹ نہیں رہی تھی چنانچہ سیلاب نے بے شمار شہر غرق کر دیئے، تمام زمین میں کوئی شے باقی نہیں بچی تھی، صرف وہ کچھ بچا جو پہاڑوں پر تھا اور وہ مقامات بچے جو اس سے دور تھے مثلاً ذمار، حضر موت اور عدن، علاوہ ازیں ساز و سامان اور باغ وغیرہ برباد ہو گئے، یہ سیلاب ریت لے کر آیا اور اسے بچھا دیا، سیلاب دن بھر جاری رہا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سفر کا راستہ یوں لمبا کر دیا جیسے وہ چاہتے تھے۔

عمرو بن عامر نے اپنی قوم کو شہروں کے اوصاف بتائے

علامہ رزین لکھتے ہیں کہ عمرو بن عامر کاہن نے مآرب سے نکلتے وقت اپنی قوم سے کہا، میں شہروں کی وضاحت کرتا ہوں (جہاں جہاں تمہیں جانا ہوگا) پھر کہا: جو تم میں سے دور کا ارادہ رکھتا ہے، مضبوط اونٹ پاس ہیں اور ارادہ مضبوط ہے تو وہ مضبوط عمان محل کی طرف چلا جائے چنانچہ عمان میں ازد کے ہاں رہائش کر لی، پھر کہا: تم میں سے جو دور جانا نہیں چاہتا، اونٹ اتنے مضبوط نہیں، ارادہ بھی پکا نہیں تو وہ کرود کی گھاٹیوں میں چلا جائے (یہ ہمدان کی زمین تھی) یہاں جن لوگوں نے رہائش کی وہ بنو وداعہ بن عمرو بن عامر تھے، ان کا تعلق ہمدان سے ہو گیا۔ پھر کہا: تم میں سے جو بستیوں کی طرف کا ارادہ رکھتا ہے اور کمزور اونٹ رکھتا ہے، وہ شن کے مقام "شنی" میں چلا جائے، یہ میدان میں تھا چنانچہ یہاں ازد شنوءہ نے ٹھکانا کیا۔ پھر کہا: جو مضبوط جلد اور نظر والا ہے اور زمانے کی مشکلات پر صبر کر سکتا ہے، وہ بطن مرّ میں چلا جائے، یہاں خزاعہ چلے گئے، پھر کہا: جو پہاڑی چٹانوں کی طرف جانا چاہتا ہے، وہ پتھریلی زمین کی طرف چلا جائے

جہاں کھجوریں عام ہیں چنانچہ اوس وخزرج وہاں آباد ہو گئے۔ پھر کہا: جو تم میں سے جو شراب اور خمیر کا شوق رکھتا ہے' ریشم اور دیباج پسند کرتا ہے حکمرانی کا خیال کرتا ہے' وہ بصری اور سدیر کو چلا جائے (یہ شام کے اندر ہیں) اس میں آلِ جفنہ بن غسان جا ٹھہرے۔ پھر کہا: جو باریک کپڑے پسند کرتا ہے اور بہتر گھوڑے چاہتا ہے' رزق کے خزانے پسند کرتا ہے وہ عراق میں چلا جائے چنانچہ عراق میں جذیمۃ الابرش اور حیرہ والے غسانی چلے گئے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں عمرو بن عامر نے مدینہ میں سجع والی (ایک طرح کے الفاظ) کلام کی' الفاظ یہ تھے: جب لوگوں نے سنا تو عمرو بن عامر اپنے لڑکوں اور اپنے ازد کے ساتھیوں کو لے کر کسی جگہ ٹھہرنے کے لئے نکلا' وداعہ بن عامر ان سے الگ ہو گیا اور ہمدان میں ٹھہر گیا' عمرو پھر چل پڑا اور جب سراۃ و مکہ کے درمیان پہنچا تو ازد قبیلہ کے کچھ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور عمران بن عمرو بن عامر بھی وہیں رُک گیا' عمرو اپنے باقی لڑکوں کو لے کر چلا' بنو مازن کے ازدی لوگ بھی ہمراہ موجود تھے تو یہ لوگ ''ماء'' کے مقام پر ٹھہرے جسے غسان کہتے تھے' ان کا یہی نام مشہور ہو گیا۔ ان کے شاعر نے کہا:

''اگر تم پوچھو تو ہم ایک نیک گروہ ہیں جس کی نسبت آزد سے ہے اور پانی غسان ہے۔''

خزاعہ کا مکہ میں داخل ہونا

ابو المنذر شرقی کہتے ہیں کہ ''ماء غسان'' سے ''لحی'' الگ ہو گیا' اس کا نام ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن حارثہ تھا' وہ مکہ میں چلا آیا اور عامر جرہمی کی لڑکی سے شادی کر لی جو قبیلۂ جرہم کا بادشاہ تھا' اس سے عمرو بن لحی پیدا ہوا جس نے دین ابراہیم علیہ السلام میں تبدیلی پیدا کر دی چنانچہ اس نے اپنے لڑکے کا نام ''خزاعہ'' رکھا کیونکہ اس کا باپ غسان سے الگ ہو گیا تھا۔

دوسرے تاریخ دانوں نے اس کی مخالفت کی ہے چنانچہ ازرقی کہتے ہیں کہ عمرو بن عامر خود اور اس کی قوم روانہ ہو گئی' وہ جس شہر میں داخل ہوتے' اس کو شکست دیتے اور ان پر غالب ہو جاتے اور یوں چلتے چلاتے مکہ جا پہنچے (وہاں کے جرہم قبیلہ نے لوگوں کو تنگ کر رکھا تھا اور بیت اللہ کے لئے صرف بنو اسماعیل کا نام آتا تھا) ثعلبہ بن عمرو بن عامر نے اہل مکہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اے قوم! ہم اپنے شہر سے نکلے ہیں' ہم جس شہر میں بھی پہنچے ہیں لوگوں نے ہمارے لئے دروازے کھول دئے ہیں اور ہم ان کے ساتھ مل کر رہتے آئے ہیں پھر شام اور مشرق کی طرف ہم نے اپنے جاسوس بھیج رکھے ہیں' جہاں کے بارے میں ہمیں بتایا گیا کہ ماننے والے ہیں تو ہم ان سے مل گئے ہیں لیکن جرہم نے یہ بات نہیں مانی تو ثعلبہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ یہاں ہمارا ٹھہرنا ضروری ہے۔ اگر تم آنے دو گے تو میں تمہیں اچھا جانوں گا اور پانی و چراگاہ میں تم سے ہمدردی کروں گا لیکن اگر تم نے انکار کر دیا تو میں تمہارے روکنے کے باوجود یہاں ٹھہروں گا اور پھر تمہیں وہی کھانے کو ملے گا جو ہم سے زائد ہو گا اور پینے کے لئے گدلا پانی ملے گا' اگر لڑنا چاہو گے تو میں بھی لڑائی کروں گا اور اگر میں کامیاب ہو گیا تو تمہاری عورتیں گرفتار کر لوں گا' مردوں کو قتل کر دوں گا اور تم میں سے ایسا کوئی نہ

رہنے دوں گا جو حرم میں آ سکے۔

جرہم نے یہ بات نہیں مانی چنانچہ یہ تین دن تک لڑتے رہے' جرہم کو شکست ہوئی' صرف چند لوگ باقی بچے۔ثعلبہ مکہ میں ٹھہر گیا اور سال بھر کے لئے اردگرد کا علاقہ اپنے لشکر کے سپرد کر دیا۔ یہاں انہیں بخار آنے لگا۔اس سے قبل وہ بخار سے واقف نہ تھے۔انہوں نے طریفہ کاہنہ کو بلا بھیجا اور اس تکلیف کی شکایت کی۔اس نے کہا' جو تکلیف تمہیں پہنچی ہے' مجھے بھی پہنچی ہے۔

اس کے بعد ازراقی نے طریفہ کے مسجع یعنی بنائے سنوارے کلام کا ذکر کیا جو اس شہر سے تعلق رکھتا تھا' یہ وہ کلام نہیں تھا جو سبأ سے بکھرتے وقت عمران بن عامر نے پڑھا تھا' اس کے بعد' جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں' اس نے ہر گروہ کے بارے میں بتایا کہ وہ کہاں کہاں ٹھہرے تھے اور یہ بھی بتایا کہ اوس وخزرج (جو حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کی اولاد تھے' یہ انصار کہلائے) مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے تھے۔ پھر یہ بتایا خزاعہ الگ ہو کر مکہ میں ٹھہر گئے چنانچہ ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر وہیں ٹھہرا' اسی کو لحی کہتے تھے' مکہ کی حکمرانی اسے ملی۔ یہ قول بتاتا ہے کہ یہ لوگ مکہ سے بکھرے تھے اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ یہاں داخل ہونے والے کچھ لوگ یہاں سے بکھرے تھے۔

ثعلبہ بن عمرو کا مدینہ میں داخلہ

علامہ یاقوت حموی کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ یمن سے روانہ ہوئے تو ثعلبہ عنقاء بن عمرو مزیقیاءؒ بن عامر ماء السما بن حارثہ غطریف بن امرئ القیس بطریق بن ثعلبہ بہلول بن مازن راد بن غوث حجاز کی طرف چلا گیا اور ثعلبیہ و ذی قار کے درمیانی علاقے میں جا ٹھہرا' اس جگہ کا ثعلبیہ نام اسی کی وجہ سے پڑا تھا۔وہ یہاں اپنے اہل وعیال' اولاد اور پیروکاروں سمیت ٹھہر گیا۔ یہاں اس کی اولاد ہوئی اور جب بہت سے لڑکے ہو گئے اور ہاتھ مضبوط ہو گئے تو انہیں لے کر مدینہ کو چل پڑا' یہودی پہلے سے وہاں موجود تھے' انہوں نے بھی اسے اپنا وطن بنا لیا چنانچہ یہ لوگ قریظہ' نضیر' خیبر' تیماء اور وادی القریٰ کے درمیان ٹھہرے اور اکثر مدینہ میں مقیم ہوئے۔

فصل نمبر۳

ان کا نسب نامہ

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ یہ لوگ عمرو مزیقیاء کی طرف منسوب تھے اور عمرو قحطان کی طرف منسوب تھا۔

قحطانؒ کا نسب نامہ

ابن رزین نے شرقی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انصار کی اصل اوس وخزرج کے لوگ ہیں اور یہ دونوں ہی ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازد بن غوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سبأ بن یعرب

بن قحطان کی اولاد ہیں اور لگتا ہے نسخہ میں سے غوث کے بعد ''بن نبت'' کے الفاظ ساقط ہو گئے ہیں کیونکہ یہ نام مالک اور غوث کے درمیان آتا ہے جیسے پہلے ذکر ہو چکا۔ یمن کے تمام قبیلے اسی قحطان تک پہنچتے ہیں اور اس قحطان کے نسب میں اختلاف ہے چنانچہ اکثر کہتے ہیں کہ یہ عامر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ خود حضرت ھود علیہ السلام کا لڑکا تھا' کچھ کہتے ہیں کہ ان کا بھتیجا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ قحطان وہ پہلا شخص ہے جس نے عربی بولنا شروع کی تھی اور وہ بننے والے عربوں کا باپ تھا' رہے حضرت اسماعیل علیہ السلام تو وہ ان عربوں کے والد تھے جو باہر سے آ کر عرب بنے جبکہ خالص عرب اس سے پہلے موجود تھے جیسے عاد' ثمود' طسم' جدلیس اور عملیق وغیرہ۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قحطان وہ پہلا شخص ہے جسے کہا گیا: ''لعنت کرنے سے بچو اور صبح کو دودھ پیو۔''

حضرت زبیر بن بکار اس طرف گئے ہیں کہ قحطان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا' نسب یوں ہے: قحطان بن هَمَيْسَع بن تیم بنبت بن اسماعیل علیہ السلام بخاری نے انہی کے نام پر ایک باب باندھا ہے کہ: ''باب نسبة الیمن الی اسمٰعیل '' انہوں نے بخاری میں وہ حدیث درج کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے بنو اسلم سے خطاب میں فرمایا تھا کہ وہ بنو اسماعیل ہیں اور یہ اسلم' افصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن حارثہ بن امرئ القیس کا بیٹا تھا جس کا نسب بیان کیا جا چکا ہے چنانچہ پتہ چلا کہ یمن والے' بنو قحطان ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں اور صحیحین میں حضرت ھاجرہ رضی اللہ عنہا کے قصے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ظاہر مفہوم یہی ہے جس میں آتا ہے کہ ''اے بنو ماء! یہ تمہاری والدہ ہیں'' یہ بات آپ نے انصار سے گفتگو کرتے ہوئے فرمائی تھی کیونکہ ان کا دادا عامر جو عمرو کا والد تھا' اسی لقب سے مشہور تھا یا پھر حضرت ابو ہریرہ نے اس سے مراد سارے عرب لوگ لئے تھے کیونکہ اکثر یہ جنگلوں میں رہتے تھے جہاں بارش ہوتی۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ سارے عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہر ایک کو ''ابن ماء السماء'' کہتے ہیں کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ھاجرہ رضی اللہ عنہا کے فرزند تھے پھر آپ کی پرورش آبِ زمزم سے ہوئی تھی اور زمزم' آسمان ہی کا پانی ہے۔

حضرت عیاض نے اوّلیت اس بات کو دی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کا مقصد خصوصی طور پر انصار تھے جن کی نسبت ان کے دادا ''ماء السماء'' سے ہے۔ انتہٰی چنانچہ اس صورت میں تمام اھل یمن کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا صاف دکھائی دیتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میرا خیال بھی یہی ہے چنانچہ ابن عبد البر نے حضرت قعقاع بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اسلم اور خزاعہ کے لوگوں پر گذر ہوا' وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑھا کر

پیش کر رہے تھے' آپ نے فرمایا: تم اپنے آپ کو بنو اسماعیل کی اولاد کہا کرو۔'' جبکہ اسلم وخزاعہ کا نسب نامہ قبائل یمن میں گذر چکا ہے جو قحطان پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔اس کی تائید حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہما کے دادا منذر بن عمرو کے ان اشعار سے بھی ہوتی ہے:

''ہم بہلول عمرو بن عامر کے وارث ہیں اور حارثہ غطریف کے بھی جو بزرگی والے اور عظمت والے تھے' ہم آلِ ابن نبت بن مالک کی نشانی ہیں اور نبت بن اسماعیل سے ہماری شاخ چلتی ہے۔''

مخالف لوگوں نے اس کے کئی معنٰی نکالے ہیں لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے' تمام عرب حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور اگر یہ شرط پوری نہیں ہوتی تو وہ عرب جنہیں کفو ہونے میں شرعاً شرافت اور اولیت حاصل ہے وہ بنو اسماعیل ہیں اور امامت کے بارے میں ہمارے ایک ساتھی (شافعی) کا قول بتاتا ہے کہ اگر تمام شرائط پر کوئی قرشی پورا نہ اُتر سکے تو اس کی جگہ کنانی کو لاکھڑا کیا جائے گا' اگر ایسا نہ مل سکے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی آدمی لیا جائے گا اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو ہم کسی عجمی کو لے لیں گے' انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم باقی عربوں کو دیکھیں گے لیکن والی بنانے کے لئے آخرکار دیکھیں گے' اگر اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں کوئی نہ ملے تو جرہمی کو لیں گے کیونکہ بنو جرہم اصل عرب ہیں اور اگر جرہم سے بھی نہ مل سکے تو اولادِ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے لیں گے۔

یہ بات ''تہذیب'' میں مذکور بغوی کے قول کے مخالف ہے' انہوں نے کہا: اگر اولادِ اسماعیل میں سے کوئی نہ مل سکے تو عجمی شخص کو لیں گے چنانچہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے آخر پر جرہمی کو متولی بنایا جائے گا کیونکہ بہرصورت انہیں عجمیوں پر فضیلت حاصل ہے اور پھر یونہی عجمیوں میں سے بھی بعض کو دوسرے عجمی پر مقدم کیا جائے گا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان عربوں کے باپ ہیں۔جنہیں اشرف الانبیاء ﷺ کی وجہ سے شرف حاصل ہے اور یہ بات اس بارے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے' صرف عربی زبان بولنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا' علاوہ ازیں مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث ملتی ہے کہ فرمایا: ''سب سے پہلے عربی بولنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔'' البتہ بخاری شریف میں ہے کہ آپ نے عربی زبان جرہم کے ان لوگوں سے سیکھی تھی جو آپ کی والدہ کے ہمراہ یہاں آئے تھے۔

عربی زبان سب سے پہلے کس نے بولی؟

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جرہم اور قطورا وہ شخص ہیں جو قحطان کے بیٹے تھے اور جب بولیاں مل جل گئیں تو سب سے پہلے عربی انہی دو نے بولنا شروع کی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات اس شخص کی رائے کی بناء پر ہے جو کہتا ہے کہ تمام عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

اولاد سے نہیں ہیں۔

حضرت زبیر بن بکار نے نسب ناموں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علی کی حدیث بذریعہ حسن بیان کی ہے فرمایا:

''سب سے پہلے جس کی زبان سے عربی سنی گئی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔'' چنانچہ اس روایت کی قید سے گذشتہ اور بخاری میں پائی جانے والی حدیث کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے البتہ پہلی روایت کو واضح بیان ہونے کی بناء پر اولیت حاصل ہوگی' نہ یوں کہ خواہ کچھ بھی ہو اسے اول قرار دیا جائے' ہو سکتا ہے کہ اصل عربی جرہم سے سیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فصیح و بلیغ عربی بولی آپ پر الہام کر دی ہو' اب اگر یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ سارے عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نہیں ہیں تو شرف کا حق حضرت اسماعیل کے عربی بولنے کی وجہ سے ہوگا جس کی بناء پر بنو اسماعیل ممتاز ہوں گے۔''

ابن درید نے ''وشاح'' میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے عربی زبان یعرب بن قحطان نے بولی تھی' پھر اسماعیل علیہ السلام بولے تھے اور ابن ہشام نے شرقی سے نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا عربی بولنا' یعرب بن قحطان سے زیادہ فصاحت والا تھا' یونہی حمیر اور جرہم سے بھی زیادہ فصیح تھے اور یہ ساری گفتگو اس بات کے خلاف جاتی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ تمام عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

انصار کی والدہ اور اس کا نسب

علامہ کلبی کے مطابق انصار کی والدہ قیلہ بنت عمرو بن جفنہ تھی۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ ارقم بن عمرو بن جفنہ بن عمرو مزیقیاء کی بیٹی تھی۔ کچھ کہتے ہیں کہ کاھل بن عذرہ کی بیٹی تھی جن کا تعلق قضاعہ سے تھا اور اکثر کے نزدیک قضاعہ' بنو حمیر سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ انصار بنی قیلہ کے نام سے مشہور ہیں ایک شاعر نے انہی کے بارے میں کہا تھا:

''بہلول کہلانے والے قیلہ کی اولاد سے ہیں' خلط ملط کرنے والا کوئی بھی اس میں گڑ بڑ نہیں کر سکتا یہ لوگ مہمانوں کو کھانے کھلانے والے اور سرکش لوگوں کے لئے تیر تھے' یہ اپنے باپ دادا کے طریقوں پر چلنا ضروری سمجھتے تھے۔''

ہمارے اس گذشتہ بیان کے بعد کہ انصار کا اصل اوس وخزرج ہیں جو ثعلبہ بن عمرو کی اولاد سے تھے' علامہ رزین نے شرقی سے لے کر لکھا ہے کہ: ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ سے اوس وخزرج پیدا ہوئے اور ان کی والدہ قیلہ ہے' پھر اوس سے مالک پیدا ہوا اور مالک سے اوس کے سارے قبیلے پیدا ہوئے چنانچہ مالک سے عمرو' عوف اور مُرّہ پیدا ہوئے' انہیں اوس اللہ کہا جاتا ہے (اللہ کے خدمت گار)۔ یہ وہی جعادرہ تھے۔

میں کہتا ہوں کہ عنقریب اس کے خلاف قول آ رہا ہے اور اوس کے ان قبیلوں کا ذکر ہوگا جو ان سے بکھر گئے

تھے۔

علامہ خرائطی لکھتے ہیں کہ جب اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو کی موت کا وقت ہوا تو اس کی قوم اس کے پاس جمع ہو گئی' کہنے لگے: اللہ کا حکم آ پہنچا' آپ دیکھ ہی رہے ہیں' ہم آپ کو بوقت جوانی یہ کہتے رہے ہیں کہ کسی جوان عورت سے شادی کر لو دیکھو یہ آپ کا بھائی خزرج ہے' اس کے پانچ بیٹے ہیں جبکہ مالک کے بغیر آپ کا اور کوئی بیٹا نہیں۔اوس نے کہا: جس نے مالک جیسا بیٹا چھوڑا ہے' اس کا نام ختم نہیں ہو گا' جو شراب سے آگ پیدا کر سکتا ہے' اس میں یہ بھی طاقت کہ مالک کی بہت سی نسل پیدا فرما دے اور بہادر بندے پیدا فرما دے۔پھر وہ مالک کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے بیٹے! ''موت بہتر ہے' ذلت نہیں'' اور پھر سجع والی زبان میں دانائی کی باتیں بتائیں پھر یہ اشعار پڑھے:

''میں نے جنگوں کے دن قیدی دیکھے۔

میں نے لوگوں میں سے ملک والا کوئی نہیں دیکھا' اس کا شوق موت اور قبر کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

امید ہے کہ جس نے ثمود اور جرہم کو ہلاک کر دیا' عنقریب میرے پیچھے ایسی نسل پیدا کرے گا جو رہتی دنیا تک موجود رہے گی۔

اگر دنوں نے میری عمدگی کو بوسیدہ کر دیا ہے اور میرا سر سفید کر دیا ہے تو کیا ہوا' عمر کے ساتھ بڑھاپا آ ہی جاتا ہے۔

ہمارا عرش کی بلندی پر ربّ موجود ہے جو ہر خیر اور شر کو خوب جانتا ہے۔

کیا میری قوم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلا رہا ہے' اس میں وہی کامیاب ہو گا جو نیک بخت اور بھلائی والا ہو گا۔

آلِ غالب میں سے جب ایک شخص کو زمزم اور حجر کے درمیان مکہ میں بھیج دیا جائے' تو تم اپنے اپنے شہروں میں ان کی مدد کرنا کیونکہ مدد ہی میں بھلائی ہے۔''

یہ کہنے کے بعد فوراً فوت ہو گیا۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ بنو عامر بن عمرو بن مالک بن اوس سب کے سب عُمان میں تھے' ان میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ تھا لہٰذا یہ انصار میں سے نہیں ہیں۔

شرقی کہتے ہیں کہ اوس کے بھائی خزرج بن حارثہ کے پانچ لڑکے تھے' ان سے کئی خاندان بن گئے۔

میں کہتا ہوں کہ وہ خاندان یہ ہیں: عمرو' عوف' حبشم' کعب اور حارث' عنقریب آ رہا ہے کہ ان کے قبیلے کیسے پھیلے تھے۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ سائب بن قطن بن عوف بن خزرج کے پیچھے مدینہ میں کوئی شخص نہ تھا' یہ سب عمان میں تھے لہٰذا انصار نہیں ہیں۔ابن حزم نے کچھ ایسی ہی بات بنو حارث بن خزرج اکبر کے بارے میں بھی کی ہے جیسے آ رہا ہے

اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کچھ بنو جفنہ بن عمرو مزیقیاء مدینہ میں تھے اور انصار میں شمار ہوتے تھے' واللہ اعلم۔

فصل نمبر۴

اوس وخزرج کا مدینہ منورہ میں قیام' یہودیوں پر غلبہ اور تُبّع سے معاملہ

شرقی کہتے ہیں کہ اوس وخزرج جب مدینہ میں آئے تو اونچی نیچی جگہوں میں بکھر گئے' ان میں سے کچھ وہ تھے جو بنو اسرائیل کے ساتھ ان کے شہروں میں بس گئے اور کچھ ایسے تھے جو اکیلے جا ٹھہرے' وہ نہ تو بنو اسرائیل کے ساتھ ٹھہرے اور نہ ہی ان عربوں کے ساتھ جن کی بنو اسرائیل کے ساتھ دوستی تھی' بنو اسرائیل کے پاس دولت تھی' یہ بیس سے کچھ زیادہ قبیلے تھے' ان کے کئی شہر تھے جن میں انہوں نے قلعے بنا لئے تھے چنانچہ اوس وخزرج آئے تو ان کے درمیان اور آس پاس ٹھہر گئے۔

اوس وخزرج کی یہودیوں کے ساتھ رہائش

ابن زبالہ اہلِ مدینہ کے کئی بوڑھوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے بتایا: اوس وخزرج مدینہ میں رہائش رکھتے تھے' اموال' قلعے اور کھجوروں کے باغ یہودیوں کے پاس تھے' وہ تعداد اور قوت میں ان سے بڑھ کر تھے' جب تک اللہ کی مرضی تھی اوس' وخزرج ٹھہرے رہے اور پھر ان سے کہا کہ آؤ آپس میں ایک دوسرے کے حلی بن جائیں تاکہ سب ایک دوسرے سے امن میں رہیں اور مل کر غیروں کا مقابلہ کریں چنانچہ انہوں نے معاہدہ کیا' قسمیں کھا لیں اور ایک دوسرے سے مل کر معاملات چلانے لگے' یوں انہیں بہت سا عرصہ گذر گیا' اوس وخزرج کے پاس مال جمع ہو گیا' ان کی اراضی کافی ہو گئی اور تعداد بھی بڑھ گئی۔ جب قریظہ ونضیر نے ان کا یہ حال دیکھا تو اندیشہ ہوا کہ یہ لوگ ان کے گھروں اور مال پر غالب آ جائیں گے چنانچہ وہ برہم ہوئے اور وہ قسم توڑ دی جو ان کے درمیان ہوئی تھی حالانکہ قریظہ ونضیر تعداد میں اکثر تھے' انہیں کاہنان اور بنو الصریح کہا جاتا تھا' اسی لئے قیس بن خطیم ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ہماری یہ حالت ہے کہ جب کوئی قوم ہمارے ساتھ جنگ کا ارادہ کرتی ہے تو کاہنان ہماری خاطر گھوڑے تیار کرتے ہیں اور پکا عہد کر کے نکلتے ہیں۔

وہ ہماری کمزوری کو بھول جاتے ہیں اور اپنی طرف سے غمخواری کرتے ہیں' یہ بنو صریح پاک دامن اور بھلے لوگ ہیں۔''

یہودیوں کے سرکش بادشاہ فطیون کا قصہ

چنانچہ اوس وخزرج اپنے اپنے گھروں میں اس خوف سے ٹھہر گئے کہ یہ یہودی انہیں جلا وطن نہ کر دیں' آخر ان میں مالک بن عجلان سامنے آیا' یہ بنو سالم بن عوف بن خزرج کا بھائی تھا' اسے دونوں قبیلوں اوس وخزرج نے اپنا سردار بنا لیا' ادھر فطیون زھرہ میں یہودیوں کا بادشاہ تھا (یاقوت نے فیطون لکھا ہے) اوس وخزرج میں سے کسی عورت کی شادی ہوتی تو وہ دلہن اپنے شوہر کے گھر اس وقت تک نہیں بھیجی جاتی تھی جب تک بادشاہ کے پاس نہ جاتی' خاوند سے پہلے وہی اس کی عصمت کا پردہ چاک کرتا۔

ہوا یہ کہ مالک بن عجلان کی بہن اپنے ہی خاندان کے ایک شخص سے بیاہی گئی۔ابھی مالک اپنی قوم کو آواز دے ہی رہا تھا کہ اس کی بہن کپڑے پہنے بغیر نکلی' اہلِ مجلس نے اس کی طرف دیکھا تو مالک کو یہ بات اچھی نہیں لگی چنانچہ وہ اس کے پاس گیا' سخت ناراض ہوا اور تنبیہ کی۔اس نے کہا کہ جو کچھ کل میرے ساتھ ہوگا' وہ اس سے بھی برا ہے' مجھے میرے شوہر کے علاوہ کسی اور کے پاس بھیجا جائے گا۔

شام ہوئی تو مالک نے تلوار تھامی' فطیون کے پاس عورتوں کے بھیس میں پہنچا اور موقع پا کر اس کی طرف بڑھا اور اسے قتل کر دیا پھر اپنی قوم کے پاس آ گیا اور پھر خود اس نے اور اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے ایک آدمی کو اس شخص کی طرف شام میں بھیجا جو وہاں سربراہ تھا' اسے اپنا حال لکھ بھیجا اور شکایت کی کہ یہودی ہم پر غالب ہیں۔ایلچی رمق بن زید بن امرئ القیس تھا' یہ بنو سالم بن عوف بن خزرج میں سے ایک تھا' یہ نہایت بدصورت اور بلیغ شاعر تھا' وہ ایلچی گیا اور ابوجبیلہ کے پاس پہنچا' وہ بنو حبشم بن خزرج کے ان لوگوں میں شامل تھا جو یثرب سے شام پہنچے تھے۔کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ابوجبیلہ جفنہ بن عمرو بن عامر کی اولاد سے تھا' اسے شام میں حکومت اور عزت ملی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ پہلے آ چکا ہے کہ جفنہ کی اولاد غسان سے تعلق رکھتی تھی اور یہ لوگ شام میں بادشاہ تھے۔

جب ابن حزم نے بنو حبشم بن خزرج کا ذکر کیا تو بتایا کہ حبشم کا بن بیٹا غضب تھا' غضب کا مالک' مالک کا عبد حارثہ' عبد حارثہ کا حبیب' حبیب کا عبد اللہ اور عبد اللہ کا بیٹا ابوجبیلہ غسانی بادشاہ تھا جسے مالک بن عجلان نے یہودیوں کو قتل کرنے کے لئے بلایا تھا انتہی۔

یہ بات محل نظر ہے کیونکہ خزرج کے کسی قبیلے سے غسانی نہیں ہوا جیسے ابن حزم کی گذشتہ گفتگو سے پتہ چلتا ہے جو پہلے آ چکی اور مشہور وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا۔

کہتے ہیں کہ اس نے اپنے حالات کا شکوہ کیا اور یہودیوں کے غلبے کا بتایا' یہ بتایا کہ وہ ان سے خوفزدہ ہیں اور انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں یہ لوگ انہیں جلا وطن نہ کر دیں' پھر شعر بھی سنائے جس سے وہ بڑا متعجب ہوا' بلاغت' بدصورتی پر تعجب کرنے لگا پھر کہنے لگا کہ "ستھرا شہد ہے جو برے برتن میں ڈالا گیا ہے۔" چنانچہ رمق نے کہا: اے بادشاہ! انسان

سے دو چھوٹی سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زبان اور دل' اس نے کہا' تم نے سچ بولا اور پھر لشکر لے کر اوس و خزرج کی امداد کے لئے تیار ہوا۔(ابن زبالہ)۔

رزین' شرقی سے وہ بات نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مالک بن عجلان خود گیا تھا اور وہ جو فطیون کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ عورتوں کی بے حرمتی کرتا تھا' یہ معاملہ اوس و خزرج کے علاوہ دوسروں سے تھا جبکہ اس کے ارادے میں یہ تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا تو مالک بن عجلان نے اسے قتل کر دیا کیونکہ وہ کہتا تھا: فطیون نے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ جب تک عورت اس کے قریب نہیں جاتی' اپنے شوہر کے پاس نہیں جا سکے گی اور جب اوس و خزرج مدینہ میں رہنے لگے تو اس نے ان کے بارے میں بھی یہی ارادہ کر لیا چنانچہ مالک بن عجلان کی بہن نے بنوسلیم کے ایک شخص سے شادی کی' اسی دوران فطیون نے اس سلسلے میں آدمی بھیجا' اس کا بھائی مالک غائب تھا' وہ اسے تلاش کرنے چلی اور ایسے لوگوں کے پاس گئی جن میں اس کا بھائی موجود تھا' اس نے آواز دی تو بھائی نے کہا: بہن تم نے بہت برا کیا' تم نے مجھے آواز دی ہے' شرم نہیں آتی؟ اس نے کہا' جو مجھ سے ارادہ کیا گیا ہے وہ اس سے بھی بُرا ہے چنانچہ اس نے سب کچھ بتا دیا جس پر اس نے کہا: میں نمٹ لوں گا۔ بہن نے کہا کیسے؟ تو کہنے لگا: میں عورتوں کا بھیس بدل لوں گا' تمہارے ساتھ تلوار لے کر اس کے پاس چلا جاؤں گا اور اسے قتل کر دوں گا چنانچہ اس نے یہ کام کر دیا۔

پھر وہاں سے نکلا اور سیدھا شام کو چلا گیا اور ابو جبیلہ کے پاس پہنچا' ابو جبیلہ شام میں اس وقت سے ٹھہر گیا تھا جب دوسرے لوگ مدینہ میں ٹھہرے تھے۔ اب اس نے ایک عظیم لشکر تیار کیا اور چلتا ہوا یوں دکھائی دیا جیسے یمن جانے کا ارادہ ہو' مالک بن عجلان انہی میں چھپ گیا' وہ آیا اور ''ذی حرض'' میں رُکا' پھر اہلِ مدینہ اوس و خزرج کو بلا بھیجا' وہ آئے تو انہیں انعامات دئے' پھر بنواسرائیل کو بلا بھیجا (یہودیوں کو) اور کہہ دیا کہ جسے بادشاہ سے کسی عطیہ کی ضرورت ہو وہ خود بادشاہ سے ملے۔ یہ اس اندیشہ کے لئے کیا کہ کہیں وہ اپنے قلعوں میں بند نہ ہو جائیں اور پھر ان کو قابو کرنا مشکل ہو جائے۔ اس اعلان پر بنی اسرائیل کے بڑے بڑے لوگ سب کے سب اس کے پاس پہنچے' اس نے دعوت کی تو سب اکٹھے ہو گئے چنانچہ اس نے سبھی کو قتل کرا دیا۔ اب اوس و خزرج اہلِ مدینہ میں باعزت ہو گئے' بلوی شاعر مالک کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

''جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سننے کے لئے بنو سالم سے بلوی جماعت آ جائیں۔ کیا فطیون کے لئے تمہاری عورتوں کی عزت داؤ پر لگ چکی تھی' یہ حاکم کا حکم تو نہ تھا۔ آخرکار مالک نے اپنی بہن کی طرف سے اسے منہ کے بل دے مارا (قتل کر دیا)' وہ سرخ رنگ والی ہنس رہی تھی۔''

اس کے بعد علامہ رزین نے کئی اور شعر لکھے ہیں جنہیں ابو یزید بن سالم کی طرف منسوب کیا ہے' یہ بنو سالم بن عوف بن خزرج میں سے تھا' ان میں اس نے ابو جبیلہ کی تعریف کی ہے' لیکن ابن زبالہ نے ان اشعار کو رمق کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے:

"اوس وخزرج نے ابوجبیلہ سے اس وقت کہا جب وہ ان کی مدد کے لئے آیا تھا کہ اگر یہودیوں کو تمہارے ارادے کا پتہ چل گیا تو وہ اپنے قلعوں میں بند ہو جائیں گے اور تم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے، تم انہیں اپنی ملاقات اور عطیات کے بہانے بلاؤ' ان کے دل سے تمہارا ڈر نکل جائے اور وہ مطمئن ہو جائیں تو تم جو چاہو گے کر سکو گے چنانچہ اس نے ان کے لئے دعوت کی اور یہودیوں کے سرداروں' رئیسوں کو بلا بھیجا' وہ سب کے سب آ گئے' ان میں سے ہر ایک اپنے اہل و عیال اور خادموں کو عطیات کی غرض سے ساتھ لایا' ابوجبیلہ نے ان کے لئے ایک جگہ بنا کر کچھ آدمی کھڑے کئے تھے کہ جو بھی اندر آ جائے' اسے قتل کرتے جاؤ' وہ یوں کرتے گئے اور ان کے سرداروں کو بھی قتل کر دیا جس سے اوس وخزرج مدینہ منورہ میں عزت دار بن گئے اور پھر اپنے گھروں' جائیداروں اور قلعوں پر قابض ہو گئے' رمق نے ابوجبیلہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا:

"خوبصورت عورتوں کی طرف سے تم نے قرض نہیں اُتارا' ارادہ تمہارا بھی ہے اور ہمارا بھی' خوبصورت خواتین کے بارے میں تم پختہ ارادہ کر لو' ارادہ تمہارا بھی ہے اور ہمارا بھی۔"

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب مالک بن عجلان نے فطیون کو قتل کر دیا تو تبع اصغر سے ملنے کے لیے یمن کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر تبع کو اس بارے میں بتایا جو فطیون ان سے کر رہا تھا' اس پر تبع اصغر نے عہد کر لیا کہ جب تک وہ مدینہ میں جا کر یہودیوں کو رسوا نہیں کر دیتا' تب تک نہ تو کسی عورت کو ہاتھ لگائے گا' نہ خوشبو استعمال کرے گا اور نہ ہی شراب پئے گا اور پھر یونہی کیا۔

ابن قتیبہ نے اپنے معارف میں تبع بن حسان کا ذکر کیا ہے کہ: یہ تبع کہلانے والوں میں سے چھوٹا اور آخری تبع تھا۔ پھر یہ ذکر کیا کہ وہ شام کی طرف ہوا' وہاں کے بادشاہ غسان تھے جنھوں نے اس کی اطاعت کر لی' ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے بھائی حارث کی طرف ہوا' وہ مقام ہجر کی طرف مقیم تھا' چنانچہ اس کے پاس وہ لوگ آئے جو یثرب میں ٹھہرے تھے' یہ وہ لوگ تھے جو عمرو مزیقیاء کے ساتھ چلے تھے اور مدینہ میں یہودیوں کے حلیف بنے تھے (یعنی یہ انصار تھے) انہوں نے یہودیوں کی شکایت کی اور ان کی بری ہمسائیگی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے یہودیوں سے طے کردہ وہ شرائط توڑ دیئے ہیں جو یہاں آتے وقت ان سے طے کئے تھے اور رحم کا رشتہ ظاہر ہوا تھا' اس بات نے اسے ناراض کر دیا۔ چنانچہ وہ یثرب کی طرف ہوا اور اُحد کے دامن میں ٹھہر گیا' پھر یہودیوں کو بلا بھیجا' ان کے ساڑھے تین سو لوگ قتل کر دیئے اور مدینہ میں خرابی کا ارادہ کیا' اس پر ایک یہودی اُٹھ کھڑا ہوا جو اڑھائی سو سال کا تھا' کہنے لگا: اے بادشاہ! تم اس شہر کو برباد نہیں کر سکو گے۔ اس نے پوچھا' کیوں؟ تو یہودی نے کہا' یہ اس لئے کہ یہ جگہ بنو اسماعیل میں سے ہونے والے ایک نبی کی ہجرت کا مقام ہے جو اس مقام سے نکلے گا یعنی بیت الحرام سے۔ یہودی کی یہ بات سن کر تبع اس بُرے ارادے سے رُک گیا اور یہاں سے روانہ ہو گیا' یہ یہودی بھی ساتھ ہی تھا' اس کے علاوہ ایک اور

یہودی عالم بھی ہمراہ تھا' یہ دونوں زبردست عالم تھے' وہ مکہ پہنچا اور خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا پھر یمن روانہ ہوا' یہ دونوں عالم اس کے ساتھ تھے' تبع نے ان کا دین اپنا لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔

شاید مالک بن عجلان نے ملک غسان کی طرف توجہ کی تھی جہاں تبع اصغر موجود تھا چنانچہ دونوں میں امداد کا سلسلہ واقع ہوا تو کچھ لوگوں نے اسے تبع کی طرف منسوب کیا ہے اور کچھ نے ابو جبیلہ غسان کی طرف۔

کہتے ہیں کہ یہودیوں نے مالک بن عجلان پر اپنے گرجوں اور عبادت والی جگہوں میں لعنت کرنا شروع کر دیا' مالک کو اس بات کا پتہ چل گیا تو اس نے کہا:

''مین نے کیا جرم کیا کہ یہ یہودی لعنت کرتے ہیں' انہیں ذلیل کرنے سے موتیں آتی ہیں۔''

اہلِ سیرت لکھتے ہیں کہ ابو جبیلہ پھر شام کی طرف لوٹ گیا' اس نے حجاز اور اہل مدینہ کو ذلیل کرتے ہوئے اوس وخزرج کے لئے بنیاد تیار کر دی۔

علامہ مجد' علامہ یاقوت سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ تبع مدینہ میں تھا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ: یاقوت نے دلہنوں کی بے عزتی کا قصہ اُلٹ کر رکھ دیا ہے۔ علامہ مجد نے اسے یمامہ کا قصہ لکھا ہے اور اہلِ مدینہ میں سے تبع کے ساتھ وہ لوگ تھے جنہوں نے یہ گندی رسم یمامہ سے دور کی تھی۔ اس کے بعد علامہ مجد نے یاقوت کی عبارت لکھی ہے لیکن اس کا مضمون وہ نہیں جو اس نے ذکر کیا ہے بلکہ اس کا مضمون یہ ہے: جن کے ساتھ یمامہ میں رسوائی اور ذلت کا یہ کام کیا جاتا تھا' انہوں نے اس گندگی کو دور کرنے کا حیلہ کیا اور اس کو قتل کر دیا جو ان کے ساتھ معاملہ کرتا تھا اور یوں اس پر غالب ہو گئے' پھر ان میں سے ایک شخص بھاگا اور تبع سے جا ملا چنانچہ اس کے کہنے پر تبع نے اہلِ مدینہ کی امداد کی تھی۔ یہ بات ماننے میں نہیں آتی' ہم اسے علامہ مجد کی اتباع میں پیش کر رہے ہیں۔

علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ قبیلۂ طسم اور جدیس' لاوذ بن ارم بن لاوذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جو یمامہ میں ٹھہر گئے تھے اور وہاں کافی بڑھ گئے تھے اور پھر ان کا بادشاہ عملیق طمسی بن گیا تھا (یہ بڑا جابر اور ظالم تھا' اس نے جدیس کے بارے میں یہ ظالمانہ فیصلہ کیا تھا جو عورت اور اس کے شوہر سے تعلق رکھتا تھا' اس بارے میں عورت کے شعر کہے تھے جو اس تک پہنچ گئے تھے چنانچہ اس نے حکم دیا تھا کہ جدیس کی کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر اس وقت تک نہ جائے جب تک وہ خود اس سے برائی نہ کرے' جس سے پتہ چلا کہ یہ وہی تھا جو یہ بدترین کام کرتا تھا) اور جدیس والے اس سے ذلت میں ملتے تھے پھر وہ وقت آیا کہ ان جدیس کے سردار الاسود بن غفار کی بہن بیاہی گئی' یہ بڑا مضبوط تھا۔ جب عملیق کے پاس جانے کی رات آئی تو وہ باہر نکلی' لونڈیاں اس کے اردگرد تھیں کہ اسے عملیق کے پاس لے جائیں' وہ ساز بجاتے ہوتے کہہ رہی تھیں:

''عملیق کے پاس گندے لوگ دکھائے دیتے ہیں' کھڑی ہو جاؤ' سوار ہو کر صبح تک یہ عجیب کام کرو' تم اس سے ملنے جا رہی ہو جس سے نکاح نہیں ہوا' اس کے سامنے کوئی کنواری بھاگنے کا راستہ نہیں

پاتی۔''

پھر وہ عملیق کے سامنے پیش کر دی گئی' اس نے بے حرمتی کا ارادہ کیا' کہتے ہیں کہ وہ عورت بڑی طاقتور تھی لہٰذا اس نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا' اس کو اپنی بے عزتی کا خوف ہوا تو اس نے لوہے کی کوئی شے اس کی شرمگاہ میں مار کر اسے لہولہان کر دیا' وہ وہاں سے نکلی' اس نے اپنی بے عزتی کی بناء پر اپنی پچھلی طرف سے کپڑا پھاڑ دیا' خون بہہ رہا تھا چنانچہ وہ روتے ہوئے لوگوں کے اس مجمع میں پہنچی جہاں اس کا بھائی تھا' وہ یوں کہہ رہی تھی:

''جدیس والوں سے زیادہ کوئی ذلیل نہیں' کیا نئی نویلی دلہنوں سے ایسے کیا جاتا ہے؟''

اس سے اس کا بھائی طیش میں آ گیا' اس نے قوم کے اعلان کرنے والے کے پاس اسے کھڑا کیا تو وہ جدیس کو طعنہ دیتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے لگی جن میں اس نے یوں طعنہ دیا:

''کیا یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تمہاری نوجوان لڑکیاں کسی کے سامنے پیش کی جائیں' تم مرد ہو اور ریت کے ذروں جتنے ہو'

کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ جس رات لڑکی نے اپنے شوہر کے پاس جانا ہوتا ہے' اس دن وہ (کسی غیر سے) خون میں لت پت ہو جائے۔

اگر تم یہ واقعہ سن کر بھی غضب ناک نہیں ہوئے تو عورتیں بن جاؤ۔

اگر ہم مرد ہوتیں اور تم عورتیں ہوتے تو ہم اس ذلت پر کبھی آمادہ نہ ہوتیں۔

میں کہتی ہوں کہ یا تو خود مر جاؤ یا پھر اپنے دشمن کو مار دو اور اس آگ کی طرح ہو جاؤ جو موٹی لکڑیوں سے سلگائی گئی ہو۔

ورنہ اس سے الگ ہو کر دکھا دو اور دور کسی شہر کی طرف چلے جاؤ۔

ذلیل ہو کر رہنے سے تو موت بہتر ہے اور گم نام رہنے سے تو محتاجی بہتر ہے۔

چنانچہ اس کی طرف تلواریں اور نیزے لے کر چل نکلو۔

یوں اس نے اپنی قوم کو شرمندہ کیا تو جدیس والے غیظ و غضب سے بھر گئے اور مارے شرم کے انہوں نے گردنیں جھکا دیں' پھر اس بارے میں مشورہ کرنے لگے چنانچہ اسود (لڑکی کا بھائی) کہنے لگا' تم میری بات مانو کیونکہ بادشاہ ہر لحاظ سے تو غالب ہے (اس سے لڑنے کی ہم میں ہمت نہیں) میرا خیال ہے کہ میں بادشاہ کے لئے کھانا پکاتا ہوں اور پھر اسے اس کی قوم سمیت بلاؤں گا' جب وہ آ جائیں گے تو میں بادشاہ کو قتل کر دوں گا' اسی دوران تم میں سے ہر ایک کھڑا ہو جائے اور ان کے ایک ایک رئیس کو قتل کر دے' یوں باقی لوگوں میں طاقت نہ رہ جائے گی لیکن اسود کی بہن نے اس دھوکے بازی سے انہیں روک دیا اور کہا' تمہیں ان سے مقابلہ کرنا چاہئے' اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا کیونکہ وہ ظالم ہیں' لوگوں نے اس لڑکی کی بات نہیں مانی تو وہ کہنے لگی:

"دھوکا نہ کرو کیونکہ یہ ایک نقص ہوتا ہے' عیب آخر عیب ہی دکھائی دیا کرتا ہے' خواہ چھوٹا ہی ہو' میں کل کے بارے میں تمہارے بارے فکر مند ہوں' معاملات میں غور کیا جائے تو کوئی راہ نکل ہی آیا کرتی ہے۔

جنگ کی آگ ان کے مقابلے میں آ کر بھڑکاؤ' تم میں سے ہر ایک بہادر ہے' مجھے امید ہے کہ تم کامیاب ہو گے۔"

اس پر اُس کے بھائی نے مقابلے میں آنے سے گریز کی وجہ بتائی کہ وہ بادشاہ طاقتور ہے ہماری گردنیں اُڑا دے گا۔

چنانچہ اس اسود نے کھانا تیار کر دیا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی تلوار ننگی کر کے ریت کے نیچے دبا دی۔ بادشاہ بیٹھ گیا اور قوم بھی کھانا شروع کرنے لگی تو جدیس قبیلہ والے ان پر جھپٹ پڑے اور سب کو قتل کر دیا پھر دوسرے لوگوں کو بھی جا قتل کیا۔ اسی اثناء میں طسم قبیلہ کا ایک نوجوان بھاگا اور تبع سے جا ملا' یہ اسعد بن کلکیرب میں سے تھا' کچھ کہتے ہیں کہ حسان بن تبع حمیری کی اولاد سے تھا اور مدینہ میں رہتا تھا۔

طسم والے آدمی نے جا کر اس سے فریاد کی اور ایسے اشعار سنائے جن میں اس دھوکے کا ذکر تھا جو جدیس قبیلہ نے کیا تھا چنانچہ اس نے اس سے امداد کا وعدہ کر لیا لیکن پھر امداد نہ کی۔

زرقاء الیمامہ کا قصہ

دوسرے اشعار میں ہے کہ تبع اپنے لشکر لے کر مدینہ سے چلا اور جب وہ یمامہ سے ایک رات کی مسافت پر پہاڑ کے پاس پہنچا تو اسے اس طسمی شخص نے کہا' اے بادشاہ ٹھہر جاؤ کیونکہ میری ایک بہن ہے جو جدیس قبیلہ میں بیاہی ہوئی ہے' اس کا نام یمامہ ہے' وہ بہت تیز نظر کی مالک ہے' مجھے ڈر ہے کہ وہ ہمیں دیکھ لے گی تو یہ لوگ اس کے نام پر ہمیں ڈرائیں گے۔

تبع وہیں ٹھہر گیا اور ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ پہاڑ پر چڑھ کر انہیں دیکھے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں' پہاڑ سے اس کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا' وہ اسے نکالنے کے لئے نیچے جھکا تو یمامہ نے اسے دیکھ لیا' اس کی آنکھیں نیلگوں تھیں۔ وہ انہیں کہنے لگی کہ میں نے فلاں پہاڑ پر ایک آدمی دیکھا ہے' یقیناً وہ آدمی ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا کر رہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ یا تو وہ جوتا درست کر رہا ہے' یا مونڈھے کھجلا رہا ہے۔ ان لوگوں نے اسے جھٹلا دیا۔

اس کے بعد طسمی نے تبع سے کہا کہ رات کے وقت اس کی نظر اور تیز ہو جاتی ہے لہٰذا اپنے ساتھیوں سے کہو کہ درختوں سے ٹہنیاں کاٹ لو تا کہ اپنی حفاظت کر سکو' اس سے وہ شبہ میں پڑ جائے گی چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب وہ رات کے وقت یمامہ کے قریب پہنچ گئے تو اس نے ان کی طرف دیکھا تو کہنے لگی: اے جدیس قبیلہ والو! تمہاری طرف

درخت چلے آ رہے ہیں یا پھر حمیر قبیلہ کے اولین گھوڑے آ رہے ہیں' انہوں نے پھر اسے جھٹلایا' یوں صبح سویرے حمیر والے ان کے پاس پہنچ گئے تو اسود اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ جبل طئی کی طرف بھاگ گیا' یوں اہل مدینہ نے یمامہ کا قلع فتح کر لیا' صرف نیلگوں آنکھوں والی یمامہ کا قلعہ رہ گیا' تبع نے صبر سے کام لیا اور اسے فتح کر کے یمامہ کو قبضہ میں لے لیا' پھر اس سے پوچھا کہ تم نے انہیں کیسے دیکھا تھا؟ تو اس نے پہاڑ پر چڑھے شخص کا واقعہ سنا دیا۔ تبع نے اس آدمی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھا تو میری جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا اور پھر پاؤں میں کانٹا چبھ گیا تھا۔ چنانچہ یمامہ نے اس کا کانٹا نکال دیا اور تسمہ گانٹھ دیا۔ اس کے بعد تبع نے نظر میں اس قدر تیزی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں ایک سیاہ پتھر لیتی' اسے باریک کرتی اور سرمہ کے طور پر آنکھوں میں لگایا کرتی ہوں جس کی وجہ سے میری نظر تیز ہو گئی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یمامہ پہلی خاتون ہے جس نے اثمد پتھر کا سرمہ لگایا تھا۔ تبع نے اس کی آنکھیں نکالنے کا حکم دیا تاکہ دیکھ سکے کہ ان میں کیا ہے؟ اس نے دیکھا تو آنکھ کی تمام رگیں' اثمد سرمہ سے بھری تھیں۔ اس دن یمامہ کو برباد کر دیا گیا' تبع نے وہاں رہنے والوں کو قتل کر دیا اور کوئی ایک بھی نہ رہنے دیا تھا' اس کے بعد وہ مدینہ کو واپس آ گیا۔

یہ وہ مضمون ہے جو علامہ مجد نے علامہ یاقوت سے مختصر طور پر نقل کیا ہے اور اس میں قصہ مذکورہ کے الٹا ہونے کا کوئی معاملہ نہیں' یہ صورت تو مدینہ اور یمامہ دونوں سے بن سکتی ہے اور لگتا یوں ہے کہ قصۂ یمامہ قصۂ مدینہ کے بعد کا ہے۔

رزین نے شرقی سے نقل کی ہے کہ ابوجبیلہ جب اہلِ مدینہ کی امداد کر کے فارغ ہو گیا تو شام کی طرف چلا گیا' پھر آخری تبع کا دور آیا (یہ کرب بن حسان بن اسعد حمیری تھا اور تبع نامی تمام لوگ حمیر کی اولاد تھے) اس نے پہلے تبع نامی بادشاہوں کی طرح مشرق جانے کا ارادہ کیا اور مدینہ کی طرف گیا' وہاں اپنے بیٹے کو نائب بنا کر شام کو چلا اور پھر وہاں سے عراق کو گیا' یہ جب عراق پہنچا ہے تو مدینہ میں اس کا لڑکا دھوکے سے قتل کر دیا گیا لہٰذا وہ مدینہ میں تباہی کے ارادے سے واپس مڑا اور اُحد کے دامن میں ٹھہر گیا' وہاں اس نے کنواں کھدوایا اور پھر مدینہ کے بڑے شرفاء کو بلا بھیجا۔ جب ایلچی ان کے پاس پہنچا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ شخص ہماری قوم پر غلبے کا ارادہ کئے ہوئے ہے پھر احیحہ بولا' بخدا اس نے تمہیں خیریت سے نہیں بلایا' اس احیحہ کے پاس جنّوں کا سردار تھا چنانچہ وہ وہاں سے نکلے تو احیحہ بھی ان کے ساتھ نکلا' اس کے ساتھ ایک گانے والی' شراب اور ایک خیمہ تھا' اس نے خیمہ لگا دیا اور گانے والی کے ساتھ شراب بھی رکھ دی اور سب سے پہلے تبع کے پاس چلا گیا' اس سے بات چیت کی اور اسے پتہ چل گیا کہ یہ شریر ہے' پھر کہا کہ میرے ساتھی تمہیں ظہر تک ملنے آئیں گے۔ اس کے بعد اس نے خیمہ کی طرف چلے جانے کی اجازت مانگی تو اس نے اجازت دے دی۔ اس نے وہاں شراب پی اور گانے والی نے اشعار گائے۔ اس نے تھوڑی سی شراب پی تھی' اس کے ساتھی رات کے قریب آئے تو تبع نے ان کی دعوت کرنے کو کہا' جب آدھی رات ہوئی تو اس نے انہیں قتل کر دینے کا پیغام بھیجا' احیحہ کو پتہ چل گیا تو اس نے اس لونڈی سے کہا: میں گھر جاتا ہوں اور جب بادشاہ مجھے بلائے تو کہہ دینا کہ وہ

سو رہا ہے اور اگر پھر بھی اصرار کریں تو انہیں کہنا کہ احیحہ تو چلا گیا' اس نے اپنی لونڈی سے دھوکا کیا ہے۔

چنانچہ احیحہ اپنے قلعے میں محفوظ ہو گیا' انہوں نے تین دن تک اس کا محاصرہ کیے رکھا' صرف دن کو لڑائی کرتے' رات ہوتی تو وہ ان کی طرف کھجوریں پھینک کر کہتا کہ یہ تمہاری مہمان نوازی ہے لہٰذا تبّع کو اطلاع دے دو کہ وہ مضبوط قلعے میں ہے پھر اس نے حکم دیا کہ اس کی کھجوریں جلا دو چنانچہ تبع اور مدینے میں رہنے والے یہودیوں' اوس اور خزرج کے درمیان جنگ بھڑک اُٹھی اور وہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہو گئے۔

اب تبع کی طرف سے ایک شخص بنو عدی بن نجار کی طرف آیا' ان کے باغ میں داخل ہوا' کھجور کے درخت پر چڑھا اور اسے کاٹنے لگا' درخت والا نیچے اترا اور اسے قتل کر دیا پھر گھسیٹ کر کنوئیں میں گرا دیا۔

اس پر تبع کو بہت غصہ آیا اور اس نے بنونجار کی طرف گھوڑے دوڑائے' بنونجار نے ان کا مقابلہ کیا' ان دنوں ان کا رئیس عمرو بن طلحہ تھا' یہ بنو معاویہ بن مالک بن نجار کا بھائی تھا' تبع کے لشکر نے انصار کے قلعوں کو تیر کا نشانہ بنایا۔ جب اسلام آ گیا تو وہ تیر محفوظ تھا۔ اس لڑائی میں تبع کا گھوڑا چلایا تو اس نے قسم اُٹھائی کہ وہ اس وقت تک یہاں سے نہیں جائے گا جب تک مدینہ کو برباد نہیں کر دے گا' یہ اس کا ایک خیال تھا۔ اس کی یہ بات یہودی عالموں نے سن لی تو اس کے پاس گئے اور کہنے لگے:

> ''اے بادشاہ! یہ شہر حفاظت میں لے لیا گیا ہے' ہم اپنی کتابوں میں اس کا نام ''طیبہ'' دیکھتے ہیں' یہ اولادِ اسماعیل میں سے ایک نبی کی ہجرت گاہ بن رہا ہے اور حرم ہے' یہ اس کی رہائش گاہ ہو گی لہٰذا تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔''

تبع نے ان کی یہ بات سنی تو حیران رہ گیا اور اس کے بارے میں اپنی نیت تبدیل کر لی اور پھر اپنے لشکر کو حکم دیا تو انہوں نے آپس میں عہد و پیمان کر لئے۔ تبع کا وہ کنواں جو اس نے کھودا تھا' خراب ہو گیا' وہ بیمار ہو گیا تو بنو زریق میں سے ایک ''فکہہ'' نامی عورت اس کے پاس صاف پانی لے کر آئی جو اس نے رومہ نامی کنوئیں سے لیا تھا' پانی اسے اچھا لگا تو اس نے لذیذ سمجھ کر پی لیا۔

جب اس کی روانگی کا وقت ہوا تو اس سے کہا' اے فکہہ! جب ہم یہاں سے چلے جائیں تو جو کچھ ہم یہاں چھوڑیں گے' تمہارا ہو گا چنانچہ اس نے سب کچھ لے لیا اور اسے کسی چیز کی ضرورت نہ رہی۔ تبع یمن کا ارادہ لے کر روانہ ہوا' وہ یہودی دو یا تین عالم' جنہوں نے اسے مدینہ کی بربادی سے منع کیا تھا' اس کے ہمراہ تھے' تبع نے ان سے کہا تھا کہ کچھ دن میرے ساتھ رہو کیونکہ تمہاری گفتگو مجھے پسند آئی ہے' وہ راستے میں اسے اپنی کتاب کے بارے میں بتاتے رہے اور نبی کریم ﷺ کی باتیں سناتے رہے' تبع نے انہیں ساتھ ہی رکھا اور یمن پہنچ گئے۔ یہ پہلے وہ یہودی تھے جو سرزمین یمن میں داخل ہوئے تھے۔ تبع کی طرف سے خانہ کعبہ کو غلاف پہنانے کا قصہ تو پہلے گذر ہی چکا ہے۔

ہم ایک روایت میں پہلے بتا چکے ہیں کہ جب مالک بن عجلان نے یہودیوں کے بادشاہ کو قتل کر دیا تو تبع اصغر کو

ملنے کے لئے یمن کا ارادہ کر لیا' یہی وہ شخص تھا جس نے یہودیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی تھی اور شاید علامہ یاقوت کے اس قول کا مقصد بھی یہی ہے' کہا تھا: "یہودی ہی اہلِ مدینہ تھے کہ اسی دوران تبّع ان کے پاس آ گیا اور بنو عمرو بن عوف کو ان کے ہمراہ ٹھہرا دیا' لیکن علامہ مجد وغیرہ نے ابن اسحٰق کی کتاب "مبتدا" سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے اس گھر کے بارے میں کہا تھا جس میں مدینہ تشریف آوری کے موقع پر نبی کریم ﷺ ٹھہرے تھے کہ: یہاں سے گذرتے وقت تبع اول نے اسے بنایا تھا چنانچہ "ابتداء" میں کہا: اس کا نام قبان اسعد بن کلیکرب تھا اور اس کے ہمراہ چار سو عالم تھے' انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ یہاں سے کسی بھی صورت میں نکلیں گے نہیں۔
تبع نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک شخص محمد نام والا ہو گا' یہ اس کی ہجرت کا مقام ہے لہٰذا ہم یہاں ٹھہرے رہیں گے کہ شاید ان سے ملاقات ہو جائے چنانچہ تبع نے بھی ان کے ساتھ ہی رہنے کا ارادہ کر لیا پھر اس نے ان عالموں میں سے ہر ایک کے لئے مکان بنوایا' پھر ایک لونڈی خریدی' اس سے شادی کر لی اور اسے بہت سا مال دیا پھر ایک خط لکھا جس میں آپ پر اپنے اسلام لانے کا ذکر کیا تھا' اس خط میں یہ اشعار بھی تھے:

"میں احمد کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ مخلوقات کو پیدا فرمانے والے اللہ کے رسول ہوں گے' اگر ان کی تشریف آوری تک میں زندہ رہا تو ان کا وزیر بنوں گا اور چچا زاد ہوں گا۔"

پھر اس پر سنہری مہر لگا دی اور ان عالموں میں سے ایک بڑے کو دے دیا پھر اسے تاکید کی کہ اگر اسے نبی کریم ﷺ سے ملاقات کا موقع مل جائے تو ان کی خدمت میں پیش کر دے' ورنہ اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کو دیتا چلا جائے اور پھر حضور ﷺ کی تشریف آوری پر آپ کی رہائش کے لئے ایک مکان بھی بنا دیا چنانچہ تبع کے بنائے اس مکان کے مالک بنتے گئے اور آخرکار یہ مکان حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا' آپ اسی عالم کی اولاد میں سے تھے اور اہلِ مدینہ میں سے ہر ایک انہی عالموں کی اولاد تھا جنہوں نے حضور ﷺ کی مدد کی تھی۔ انتھٰی۔

علامہ مجد کے علاوہ دوسرے عالم نے اس مضمون میں اور اضافہ کیا کہ: "وہ خط جس میں یہ اشعار لکھے تھے' اس وقت حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جب نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تھے چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ تاریخ کی کتابیں انصار کے بارے میں ہمارے پہلے بیان پر اتفاق کرتی ہیں۔

علامہ سہیلی نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ تبع کے ایمان کا ذکر کیا ہے اور دو شعر بھی لکھے ہیں پھر یہ حدیث بھی لکھی ہے کہ "تبع کو برا بھلا نہ کہنا کیونکہ وہ ایمان لے آیا تھا۔"

پھر علامہ عبد الرزاق نے حضرت وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے جس کے بارے میں اسعد کو برا بھلا کہنے سے منع کیا تھا' یہ تبع ہی تھا۔ حضرت وھب بتاتے ہیں کہ یہ دین ابراہیم کا پیروکار تھا۔

حضرت احمد نے حضرت سہل بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ''تبع کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ اسلام لے آیا تھا۔'' طبرانی نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے جس کی سند سہل سے بھی بہتر ہے' البتہ عبد الرزاق نے جو حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت کی ہے کہ ''مجھے اس بارے میں علم نہیں ہو سکا کہ تبع لعنتی تھا یا نہیں'' تو اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں' آپ کا یہ ارشاد اس کے بارے میں علم سے پہلے کا ہے۔

علامہ مرجانی کہتے ہیں کہ کرب بن اسعد حمیری کا باپ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے سات سو سال پہلے ایمان لایا تھا۔ مرجانی کہتے ہیں کہ میں نے احمد کے ذکر کردہ یہ دو اشعار دیکھے ہیں' اس کا باپ اسعد تھا اور یہ وہی تبع تھا جس نے کعبہ پر غلاف ڈالا تھا۔ مرجانی نے یہ بات ابن قتیبہ کے بیان سے لی ہے پھر قتیبہ ہی کی جو روایت ''معارف'' میں میں نے دیکھی ہے' وہ یہ ہے کہ اسعد' کرب حمیری کا باپ تھا اور جو کچھ پہلے ذکر ہوا' اسی کے بارے میں تھا۔

ابن زبالہ نے لکھا ہے کہ جب تبع مدینہ میں آیا اور اسے برباد کرنے کا ارادہ کیا تو بنو قریظہ میں سے دو عالم آئے جن کے نام سمیت اور منبہ تھے' وہ کہنے لگے کہ اے بادشاہ! اس شہر سے ٹل جاؤ کیونکہ اس کی حفاظت ہو رہی ہے' یہ وہ شہر ہے کہ آخری زمانے میں بنو اسماعیل میں سے ایک نبی کی ہجرت کا مقام بنے گا جن کا نام احمد ہوگا۔ اسے یہ بات بہت پسند آئی' دونوں کو درست قرار دیا اور اہلِ مدینہ کو تکلیف دینے سے باز آیا۔

فصل نمبر ۵

اس فصل میں یہودیوں کی ذلت کے بعد انصار قبیلوں کے مکانات کا ذکر ہے' ان کے کچھ قلعوں کا بیان ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان میں جنگیں کیسے ہوئیں؟ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ان مسجدوں کے بارے میں پتہ چل سکتا ہے جن کا ان دنوں کسی کو علم ہی نہیں۔

دیکھئے' جو کچھ ابن زبالہ نے نقل کیا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو جبیلہ کی واپسی اور امداد کے بعد اوس و خزرج' مدینہ کے بالائی اور زیریں علاقے میں پھیل گئے' جائیدادیں بنا لیں اور اپنے اپنے قلعے تیار کر لئے چنانچہ بنو عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج اصغر اور بنو حارثہ بن حارث بن خزرج اصغر بن عمرو بن مالک بن اوس بن حارثہ' یہ دونوں گروہ اوس سے تعلق رکھتے تھے' یہ لوگ مشرق میں موجود پتھریلی جگہ میں دارِ بنو ظفر کی ایک طرف دارِ بنو عبد الاشہل میں ٹھہرے تھے۔ یہ بات علامہ مطری نے لکھی ہے لیکن جہاں تک مجھے پتہ چلا ہے کہ ان کے گھر بنو ظفر کے مکانات کے قریب اس طرف واقع تھے جو شام کی جانب ہے اور پھر یہ مکانات اس پتھریلی زمین تک پھیل گئے تھے جو آج کل ''وشم'' کے نام سے مشہور ہے اور اس کے اردگرد کے علاقے میں تھے بلکہ خندق کے بیان میں جو کچھ آگے آ رہا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ''شیخین'' کے قریب تھے۔ بنو عبد الاشہل نے قلعے بنائے تھے جنہیں ''واقم'' کہتے تھے اور اسی پورے علاقے کو ''واقم'' کہا جانے لگا' اس علاقے میں حضیر بن مالک کے کچھ قلعے تھے' ان میں سے ایک شاعر نے انہی کے متعلق کہا تھا:

""ہم نے پتھریلی جگہ میں ""واقم"" بنایا اور گارے سے اونچے مکان بنائے۔""

حضیر بن سماک کے ان قلعوں کو ""رعل"" کہا جاتا تھا اور اس کی وجہ وہ زمین تھی جو ""واسط"" کہلاتی تھی کیونکہ یہ بنو عبد الاشہل کی والدہ کا صخرہ کہلاتا تھا' اسی کے بارے میں ""بعاث"" کے موقع پر ایک شاعر نے کہا تھا: ""ہم بنو صخرہ ہیں جو رعل کے علاقہ والے ہیں"" علاوہ ازیں حضیر بن سماک کے اور قلعے بھی تھے' پھر بنو حارثہ نے قلعے بنائے جنہیں ""مُسَیَّر"" کہا جاتا تھا اور جب بنو حارثہ اپنے گھروں سے نکل گئے تو یہ بھی بنو عبد الاشہل کے قبضہ میں آ گئے کیونکہ بنو حارثہ ان مکانات کو چھوڑ کر حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت کے مغرب میں اس مقام پر آباد ہو گئے جو آج کل یثرب کے نام سے مشہور ہے تو یہ وہ جگہ ہے جہاں ان کے مکانات تھے جیسے کہ پہلے باب میں ہم مطری کی روایت بیان کر چکے ہیں تاہم علامہ واقدی اور ابن زبالہ وغیرہ کے کلام سے جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ جن مکانات میں وہ ٹھہرے رہے اور اسلام آنے پر وہیں رہائش رکھتے تھے یہ مکانات مشرقی حَرّہ بنو عبد الاشہل کی شام والی جانب میں تھے' پھر اس کی تائید خندق کے بیان میں اس بیان سے ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے ""شیخین"" کے آباد علاقے میں خط لگا دیا تھا جو بنو حارثہ کی ایک جانب واقع تھا (طبرانی)۔

علامہ مطری نے' جیسے کہ آگے آ رہا ہے' کہا ہے کہ ""شیخان"" مدینہ اور اُحد پہاڑ کے درمیان ہے اور یہ حرہ کے ساتھ جبلِ احد کی طرف جاتے ہوئے راستے کے مشرق میں ہے اور پھر اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مطری نے ذکر کیا ہے: نبی کریم ﷺ جنگ احد کے موقع پر صبح کو احد کی طرف تشریف لے جاتے وقت اسی مذکور شرقی راستے پر چلے تھے اور آگے آ رہا ہے کہ آپ رات کو ""شیخین"" میں ٹھہرے تھے۔

ابنِ قتیبہ کی ""معارف"" میں ابن اسحاق سے ہے کہ ""جب قریش رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لئے چلے تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان نکلے پڑے اور رات و دن کا باقی حصہ بنو حارثہ کے مکانوں میں گذارا' پھر اگلے دن وہاں سے چلے۔ یہاں ابن اسحاق نے عبد اللہ بن اُبَیّ کے مرتد ہونے کا ذکر کیا ہے' چنانچہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنو حارثہ کے مکانات ""شیخین"" اور اس کے اردگرد تھے۔ ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دن گذر کر مربع بن قیظ کے گھر گئے تھے اور یہ آئندہ بیان اُسی سے ملتا جلتا ہے' یہ مربع نامی شخص بنو حارثہ میں سے تھا۔ اور پھر ہم چوتھی فصل میں اس کی حرمت کے بارے میں اسماعیلی کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول بتا چکے ہیں کہ: پھر نبی کریم ﷺ بنو حارثہ کے پاس آئے اور وہ حرّ کے مقام پر تھے الخ جبکہ وہ مقام جس کا مطری نے ذکر کیا ہے' حرہ کے مقام پر نہیں ہے' وہاں وہ ہے جس کا ہم بیان کر چکے اور پھر یہ بھی احتمال ہے کہ بنو حارثہ کے کچھ مکانات اس مقام پر ہوں جن کا مطری نے بھی ذکر کیا ہے۔

ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ بنو حارثہ نے اس نئی جگہ پر کچھ قلعے بنائے جنہیں ریان کہا جاتا تھا' یہ مسجد بنو حارثہ کے پاس تھے' یہ مسجد مجذعہ بن حارثہ کی کہلاتی تھی۔ بنو حارثہ کے بنو عبد الاشہل کے مکانوں سے نکلنے کی وجہ وہ جنگ تھی جو ان

کے اور بنو عبد الاشہل کے درمیان ہوئی تھی' اس میں بنو ظفر نے بنو عبد الاشہل سے تعاون کیا تھا پھر بنو حارثہ نے انہیں شکست دے دی اور سماک بن رافع کو قتل کر دیا' بغاوت کرنے والا یہی تھا' اسے مسعود ابو محیصہ حارثی نے قتل کیا تھا' بنو حارثہ کامیاب ہوئے تو پہلے انہیں جلا وطن کر دیا' وہ بنو سلیم کی سرزمین میں چلے گئے' حضیر بن سماک بنو سلیم کی طرف گیا' بنو حارثہ سے لڑا اور کئی لوگ قتل کر دیئے' ان کا محاصرہ' ان کے ''مُسَیّر'' نامی قلعوں میں سخت ہو گیا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے' چنانچہ بنو عمرو بن عوف اور بنو خطمہ ان کی طرف گئے اور کہنے لگے کہ یا تو ان کا راستہ خالی کر دو' یا اپنے ساتھی کی دیت لے لو اور یا پھر ان سے صلح کر لو لیکن انہوں نے یہ بات پسند کی کہ انہیں وہاں سے نکال دیں چنانچہ بنو حارثہ خیبر کی طرف چلے گئے اور تقریباً سال بھر وہیں رہے پھر حضیر کے دل میں نرمی آئی تو صلح کے لئے تیار ہو گئے' دونوں طرف کے ثالث آئے اور ان میں صلح ہو گئی لیکن بنو حارثہ نے بنو عبد الاشہل کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا اور اس مقام میں ٹھہرے جو آج کل ان کے نام سے منسوب ہے اور بنو ظفر (یعنی کعب بن خزرج اصغر بن عمرو بن مالک بن اوس) اپنے اس مقام میں ٹھہرے جو ان کی مسجد کے پاس بقیع کی مشرقی جانب تھا' یہ مسجد' مسجدِ بغلہ کے نام سے مشہور تھی اور بنو عبد الاشہل کے قریب تھی۔

ابن حزم نے ''جمہرہ'' میں ذکر کیا ہے کہ بنو عمرو بن مالک بن اوس کے قبیلے یہ تھے: ''نبیت جن میں ظفر شامل تھا' حارثہ' بنو عبد الاشہل' بنو زعورا بن جشم بن حارث جو عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔ ابن زبالہ نے بنو زعوراء کو ان خاندانوں میں ذکر نہیں کیا بلکہ تمام انصار کے قبیلوں میں شامل نہیں کیا۔ البتہ ابن حزم کہتے ہیں کہ مالک بن تیہان اور بنو اوس بن عقیک وغیرہ اسی میں شامل تھے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ جشم کے ہاں عبد الاشہل پیدا ہوا' یہ بڑا قبیلہ تھا' زعوراء بھی قبیلہ تھا جنہیں اهل راتج کہتے تھے۔

قبیلۂ بنو عمرو بن عوف بن مالک بن اوس' قباء میں ٹھہرے' انہوں نے یہاں قلعہ بنایا جسے شنیف کہا جاتا تھا' یہ ابو سفیان بن حارث کے گھر کے قریب' مراء کی پہاڑوں اور بنو الموالی کی مجلس کے درمیان تھا جو بنو حنیعہ بن زید بن مالک بن عوف کی تھی اور ایک قلعہ عبد اللہ بن ابو احمد کے گھر میں تھا جو کلثوم بن ھدم کا کہلاتا تھا' یہ کلثوم' بنو عبید بن زید بن اطلم میں سے تھا جو بنو عبید بن زید بن مالک کا بھائی تھا اور ایک قلعہ وہ تھا جسے واقم کہا جاتا تھا جو احیحہ بن جلاح جحجبی کے نام پر قباء میں تھے اور پھر ان کے دادا رفاعہ بن زر بن زید بن امیہ بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف کی دیت کی وجہ سے بنو عبد المنذر بن رفاعہ ہو گیا تھا' اور بنو زید بن مالک بن عوف کی کھلی زمین میں چودہ قلعے تھے جنہیں ''صیاصی'' کہا جاتا تھا اور پھر مسجد قباء کے مشرق میں بھی مسکبہ کے مقام پر ان کا ایک قلعہ تھا اور ایک وہ قلعہ بھی تھا جسے ''مستظل'' کہا جاتا تھا' وہ غرس کنوئیں کے قریب تھا' یہ احیحہ کا تھا اور پھر ان کے دادا رفاعہ کی دیت کی وجہ سے بنو عبد المنذر کا ہو گیا پھر بنو جحجبا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف اس وقت قباء سے نکل گئے جب انہوں نے رفاعہ بن زر اور غنم کو قتل کر دیا تھا جو بنو عمرو بن عوف کے بھائی تھے چنانچہ ''عصبہ'' میں جا ٹھہرے' یہ مسجد قباء کے مغرب میں تھا۔ سعد بن عمرو

جحجبی نے بشر بن سائب سے کہا تھا: جانتے ہو کہ ہم ''عصبہ'' میں کیوں ٹھہرے ہیں؟ اس نے کہا' معلوم نہیں' اس نے کہا: اس لئے کہ ہم نے دور جاہلیت میں تمہارا ایک شخص قتل کر دیا تھا۔ اس پر بشر نے کہا۔ یہ بات امانت ہے' میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ہم میں سے ایک اور کو قتل کر دو' تم عیر کے پیچھے ہو یعنی اس پہاڑ کے پیچھے جو ''عصبہ'' کے مغرب میں ہے۔

پھر احیحہ بن جلاح نے عصبہ میں ایک قلعہ بنایا جسے ضحیان کہتے تھے اور وہ سیاہ رنگ کا قلعہ عصبہ میں تھا' اس کی چوڑائی اور لمبائی تقریباً ایک جیسی تھی' پہلے اس نے اسے چھوٹے چھوٹے سفید پتھروں سے بنایا تھا جو گر گیا تھا' اسے دور سے دیکھا جا سکتا تھا' احیحہ نے اسی کے بارے میں کہا تھا:

> ''میں نے نوعمروں کے لئے ایک قلعہ بنایا ہے' اگر آدمی کی عقل ساتھ دے' اس کا سرا لمبا تھا اور یہ سفید تھا' بلند تھا اور ایسے روشن تھا جیسے صاف کی ہوئی تلوار۔''

پھر انہوں نے اور بنو مجدعہ نے ایک قلعہ بنایا جسے ''ھجیم'' کہتے تھے' یہ اس مسجد کے قریب تھا جس میں نبی کریم علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی' یہ پہلے ذکر ہو چکا کہ بنو انیف یہودیوں کے ساتھ قباء میں تھے' یہ بنو انیف ''بلی'' کی ایک شاخ ہے' اسی وجہ سے ابن زبالہ نے ان کے مکانوں کا یہاں ذکر نہیں کیا اور عنقریب اس کا ذکر مطری کی ذکر کردہ مسجدوں میں آ رہا ہے' علامہ مجد نے بھی اسی کی پیروی کی ہے کہ بنو انیف بھی اوس ہی کی ایک شاخ ہے اور ان کے گھر بنو عمرو بن عوف اور عصبہ کے درمیان تھے۔ علامہ مطری نے انہیں اوس کی طرف منسوب کرتے وقت مغازی میں اہلِ سیرت کے قول کو سامنے رکھا ہے: اوس کے اتنے لوگ شہید ہو گئے تھے اور پھر ان میں کچھ بنو انیف بھی ذکر کئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوس کے حلیف تھے' اس لئے نہیں کہ یہ ان میں سے تھے۔ اس پر ابن اسحٰق نے تنبیہ کی ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ بدر میں اوس کے ساتھ سے کچھ زیادہ لوگ شامل ہوئے تھے چنانچہ بنو جحجبا کی ایک جماعت کا ذکر کیا' پھر کہا کہ ان کے حلیف لوگوں میں بنو انیف کے ابو عقیل تھے پھر اسے بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ کی طرف منسوب کیا لیکن مطری کے قول سے جو کچھ ہمیں پتہ چلا' وہ یہ ہے کہ ان کے گھر عصبہ اور قباء کے درمیان تھے اور ابن زبالہ سے ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے کچھ گھر بیر عذق اور اس کے اردگرد تھے اور پھر اس اراضی کے درمیان تھے جسے ''قائم'' کہا جاتا ہے اور یہ قباء میں مشہور جگہ ہے۔

بنو معاویہ بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف نکلے تو اپنے اس گھر میں ٹھہرے جو بقیع غرقد کے پیچھے انہی کے نام سے مشہور تھا اور جو کچھ خزرج میں بنو نجار کے گھروں کے بارے میں آ رہا ہے کہ حدیلہ' معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار کا لقب ہے' یہ اعتراض نہیں بن سکتا کیونکہ نام میں اشتراک پایا جاتا ہے لیکن ان کے لئے شہرت بنو معاویہ کو حاصل ہے اور یہ لوگ بنو حدیلہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں لیکن یہ بات مطری کے لئے شبہ کا باعث بن گئی چنانچہ انہوں نے مسجد بنو معاویہ (مسجدِ الاجابہ) کے بارے میں جو کہہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

> ''یہ بنو معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار کی مسجد ہے اور پھر بنو نجار کے گھروں کے بارے میں کہا کہ:

بنو حدیلہ' بنو معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار تھے اور ان کے گھر ''بُرحاء'' کے قریب تھے۔ پھر کہا کہ بنو دینار کے گھر بنو معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار کے درمیان تھے جو مسجد اجابہ اور دار بنو حدیلہ والے تھے چنانچہ پہلے تو انہوں نے یہ ذکر کیا کہ یہ وہی ہیں اور بعد میں انہیں الگ الگ بتا دیا اور درست بھی یہی ہے کہ یہ ایک دوسرے سے الگ ہیں اور بنو حدیلہ خزرج سے ہیں جبکہ بنو معاویہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اہلِ سیرت نے بھی دونوں کو الگ الگ بتایا ہے اور ان کو الگ الگ قبیلہ سے منسوب کیا ہے جیسے کہ ہم بتا چکے اور مسجد اجابہ' اوس کے قبیلہ بنو معاویہ سے منسوب ہے اور مطری نے جو کچھ اس بارے میں لکھا ہے' وہ ہے جو قاضی عیاض کی طرف سے انشاء اللہ بنو حدیلہ کے بیان میں آئے گا اور بنو معاویہ میں سے حاطب بن قیس بھی ہیں اور انہیں میں حاطب کی جنگ ہوئی تھی جیسے ابن حزم نے ذکر کیا ہے۔

بنو سمیعہ (یہ بنو لوذان بن عمرو بن عوف تھے) نکلے تو: ''رقاق ربیح'' کے قریب ٹھہرے اور یہیں انہوں نے اپنا قلعہ بنایا جسے ''سعدان'' کہتے تھے اور اس کا مقام ''ربع'' (وہاں کا ایک باغ) تھا جیسے ابن زبالہ نے بتایا اور شاید یہ وہی باغ ہے جو آج کل ''ربعی'' کے نام سے مشہور ہے ان بنو سمیعہ کو دورِ جاہلیت میں بنو الصماء کہا جاتا تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں بنو سمیعہ کا نام دے دیا۔

بنو واقف اور سلم' امرئ القیس بن مالک بن اوس کی اولاد تھے' یہ مسجد فضیح کے قریب ٹھہر گئے۔ یہ اور ان کی اولادیں یہیں رہے۔ بنو واقف نے قلعہ بنایا جسے ''زیدان'' کہا جاتا تھا' قیس بن رفاعہ نے اسی کے بارے میں کہا تھا:

''ان کے بعد (بنو واقف) میں خوشگوار زندگی کی امید کیسے کرسکتا ہوں اور ان کے بھی بعد جو اہلِ زیدان میں سے جا چکے۔''

بنو واقف وغیرہ کے لئے عام جگہ مسجد الفضیح کے قبلہ میں تھی اور ان کے قلعہ کی جگہ ''بیئر عائشہ واقفی'' وغیرہ تھی۔ پھر سَلَم اور واقف کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا چنانچہ بڑے واقف نے سلم کی آنکھ پر تھپڑ مار دیا (یہ بڑا بد خلق تھا) سلم نے قسم کھا لی کہ یہاں نہیں رہے گا لہٰذا وہ بنو عمرو بن عوف کے ہاں جا ٹھہرا اور پھر اس کی اولاد بھی یہیں رہی (انہی میں سے سعد بن خیثمہ بن حارث تھا) اور پھر ۱۹۹ھ ہجری میں یہ لوگ ختم ہو گئے۔

بنو سلم کا ایک قلعہ مسجد قباء کی مشرقی جانب تھا جیسے ابن زبالہ نے بتایا ہے جبکہ ابن حزم نے تمام بنو سلم کے ختم ہو جانے پر لکھا ہے کہ: دورِ جاہلیت میں ان کے جنگجوؤں کی تعداد ایک ہزار ایک تک پہنچ گئی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ اشرفیہ اور سابور نامی مشہور باغ کے نزدیک مسجد فضیح کے قبلہ کی طرف قلعوں کے آثار' شہر اور عظیم قلعے کے آثار اب بھی باقی ہیں' یہ بنو واقف کے مکانات تھے۔

بنو وائل بن زید بن قیس بن عامر بن مرہ بن مالک بن اوس اسی حویلی میں ٹھہرے جو ان کے نام سے مشہور ہے' انہوں نے قلعہ بنایا جسے ''موجا'' کہا جاتا تھا' اس کی جگہ مسجد بنو وائل میں تھی۔

بنو امیہ بن زید بن قیس بن عامر بن مرّہ بن مالک بن اوس اپنے ان گھروں میں ٹھہرے جو ان کے نام سے مشہور تھے جہاں ''کبا'' بھی تھا جس میں مذینیب کا سیلاب ان کے گھروں سے گذرتا تھا پھر یہ سیلاب اور بنو قریظہ کا سیلاب بنو خطمہ کے کھلے میدان میں مل جاتا تھا اور اسی سے وہ نتیجہ نکلتا ہے جو ابن زبالہ نے ''نواعم'' میں بنو نضیر کے گھروں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بنو امیہ بن زید کے گھر کے قریب تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں اور انصار میں سے میرا ایک ہمسایہ بنو امیہ بن زید میں تھے' یہ مدینہ کی بالائی جانب تھا' ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قلعہ بنایا جسے ''اطم عذق'' کہا جاتا تھا یہ ''کبا'' میں تھا جو بنو امیہ کی مسجد کے مقابلہ میں تھا' علاوہ ازیں ایک قلعہ آلِ رویفع کی حویلی میں تھا جو مسجد بنو امیہ کے مشرق میں تھی۔

بنو عطیہ بن زید بن قیس بن عامر بن مرہ بن مالک بن اوس، ''صفنہ'' کے مقام پر ٹھہرے تھے جو بنو جبلی کے اوپر تھا۔ صفنہ' جَـفُـنَـه کے وزن پر ہے' یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ سیلابوں کے پانی سے اوپر واقع تھا لہٰذا اس پانی سے سیراب نہ ہوتا تھا۔ اس میں انہوں نے قلعہ بنایا جس کا نام ''شاس'' رکھا۔ یہ شاس بن قیس (بنو عطیہ بن زید کے بھائی) کے نام پر تھا اور مسجد قباء کے کھلے میدان میں قبلہ کی طرف جاتے ہوئے دائیں طرف تھا۔

پھر وائل' امیہ اور عطیہ جو زید کے بیٹے تھے' انہیں ''جعادرہ'' کہا جاتا تھا۔ یہ نام اس لئے پڑا کہ جب یہ کسی کے ہمسائے بنتے تو اسے کہتے تھے **جعدر حيث شئت**' یعنی جہاں چاہو جاؤ' کوئی فکر کی بات نہیں' رمق بن زید نے کہا تھا:

''لونڈیوں کے درمیان ہماری ایک لڑکی ہے جو جعادر اور کسر کے درمیان' سامنے ہے۔
جب دو زیدوں میں سے یعنی زید بن مالک اور زید بن قیس کو بلاتے ہو تو اس کے پاس بڑی مدد آتی ہے۔''

کہتے ہیں کہ ''کسر'' امیہ' عبید اور ضبیعہ کو کہتے تھے' یہ زید بن مالک بن عوف کے لڑکے تھے' گویا انہیں سونے کے ٹکڑے کہا جاتا۔ اس شعر میں رمق شاعر نے کسر کا یہی معنٰی لیا ہے جیسے ابن زبالہ نے کہا لیکن علامہ رزین کہتے ہیں کہ ''جعادرہ'' سارے اوس قبیلہ کو کہتے ہیں کیونکہ شرقی کے مطابق اس نے کہا تھا: ''اوس کا لڑکا مالک تھا اور مالک ہی سے اوس کے تمام قبیلے پھیلے چنانچہ مالک سے عمرو' عوف اور مرہ پیدا ہوئے' انہیں ''اوس اللہ'' بھی کہا جاتا تھا اور ''جعادرہ'' یہی کہلاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن اسحاق سے جو روایت ساتویں فصل میں آگے آ رہی ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ اوس اللہ' بنو امیہ بن زید نیز وائل' واقف اور خطمہ تھے' واللہ اعلم۔

بنو خطمہ (یہ وہی عبد اللہ بن جشم بن مالک بن اوس تھا) اپنے اس گھر میں ٹھہرے جو ان کے نام سے مشہور تھا' وہاں انہوں نے قلعے بنائے اور کھجور کے درخت لگائے اور پھر ان سے قلعہ بنایا جسے "صمع ذرع" کہتے تھے' وہاں مکان کوئی نہ تھا' اسے انہوں نے ایسے بنا لیا تھا جیسے جنگ کے دوران بچاؤ کے لئے (عارضی) قلعہ بنا لیا جاتا ہے' یہ سب خطمہ کے لئے تھا۔ یہ بنو خطمہ کے قلعے "مہراس" کے پاس تھا۔ اس کا نام "صمع ذرع" اس لئے رکھا گیا کیونکہ یہ بنو خطمہ کے اس کنوئیں کے قریب تھا جسے ذرع کہا جاتا تھا۔ اور امیہ بن عامر بن خطمہ نے ایک قلعہ بنایا جو ابن ماجشون کی اراضی میں تھا جو ابان بن ابی حدیر کے صدقہ میں خرچ ہونے والی زمین سے ملتی تھی۔

میں کہتا ہوں' ظاہر یہ ہے کہ آج کل اسی کا نام "مجشونیہ" ہے کیونکہ اس کا اصل نام جیسے کہ صعیب کی قبر کے ذکر میں آیا' ماجشونیہ تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ بنو خطمہ کے مکانوں کا اب پتہ نہیں چلتا کہ کہاں تھے البتہ ظاہر یہ ہے کہ وہ مسجد شمس کی مشرقی جانب بالائی حصے میں تھے کیونکہ اوس کے تمام گھر وہیں تھے اور جو مدینہ کی طرف نچلا حصہ تھا وہاں خزرج کے مکان تھے۔

علامہ مطری کا قول وما سفل الخ (نچلا حصہ) محل نظر ہے اور جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ خزرج کے پہلے گھر کی اس طرف بنو حارث کے مکان تھے جیسے آگے آ رہا ہے' ان کے اوپر کی طرف بنو خطمہ تھے اور پھر آگے وادی بطحان اور وادی مہزور کے ذکر میں جو کچھ آ رہا ہے' وہ اس کی تائید کرتا ہے۔

یہ بنو خطمہ اپنے اپنے قلعوں میں بکھرے ہوئے تھے' کسی بڑے شہر میں ان کا کوئی گھر نہ تھا اور جب اسلام آ گیا تو انہوں نے مسجد بنائی اور ان میں سے ایک شخص نے مسجد کے قریب ایک گھر بنایا چنانچہ وہ ہر صبح اس سے خیریت دریافت کرتے' انہیں ڈر ہی رہتا کہ اسے درندہ کوئی نقصان نہ پہنچائے پھر وہ گھر میں کافی لوگ ہو گئے تو انہیں "غزّہ" کہنے لگے کیونکہ یہ بہت لوگوں کی وجہ سے شام کے غزہ جیسا تھا۔

اوس کے گھروں کے بارے میں گفتگو ہو چکی۔ اب خزرج کے گھروں کا بیان شروع ہوتا ہے۔

ابن زبالہ لکھتے ہیں:

بنو الحارث بن خزرج اکبر بن حارثہ (یہ بلحارث کہلاتے تھے) کا گھر مدینہ کے بالائی حصے میں مشہور تھا یعنی وادیٔ بطحان اور تربت صعیب کے مشرق میں' آج کل "بنی" کا لفظ اڑا کر اسے صرف "حارث" بولتے ہیں۔ انہوں نے وہ قلعہ بنایا جو بنو امرئ القیس بن مالک کا تھا پھر جشم اور زید (حارث بن خزرج کے بیٹے) جڑواں بھائی نکلے اور "سنح" میں جا ٹھہرے اور ابن حزم کے اس قول سے یہی مراد ہے: بنو حارث کی رہائش "سنح" میں تھی جو رسول اللہ ﷺ کی مسجد سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ انتہٰی۔

ابن زبالہ کہتے ہیں' انہوں نے قلعہ بنایا جسے "سنح" کہا جاتا تھا اور یہی اس جہت کا نام رکھ دیا گیا' کچھ لوگ

کہتے ہیں کہ اس کا نام "ریان تھا" اور سنح میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مکان اپنی بیوی بنت خارجہ بن زید کے ہمراہ تھا۔ یہ بات قاضی عیاض نے لکھی ہے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ وہ بنو حارث بن خزرج کے گھر تھے جو مدینہ کی بالائی جانب تھے' حضور ﷺ اور ان کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔ انتہی۔

تو گویا "سنح" بالائی حصے میں بنو حارث کے گھروں کے قریب تھا۔

پھر عتبہ بن عمر بن خدیج بن عامر بن جشم بن حارث بن خزرج نکلا اور شوط اور "کوم الکومہ" میں جا ٹھہرا جسے "کومہ ابی الحمراء" کہتے تھے' پھر سنح کی طرف آ گیا۔

بنو خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج چلے تو اس گھر میں ٹھہرے جسے "جرار سعد" کہتے تھے' یہ مدینہ کے بازار سے مل جاتا تھا۔

بنو ابجر (یہ خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج' یہ بنو حذرہ اور بنو خدارہ کے بھائی تھے) چلے اور اپنے اس گھر میں ٹھہرے جسے بنو خدرہ کہا جاتا تھا' یہاں انہوں نے قلعہ بنایا جسے "اجرد" کہا جاتا تھا' یہ وہ قلعہ تھا جس میں موجود کنوئیں کو "بصّــہ" کہا جاتا تھا' یہ مالک بن سنان کا تھا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے دادا تھے۔ پھر انجزم نے حارث بن خزرج اکبر کے بیٹے کا نام ذکر کیا جو خزرج بن حارث تھا اور یہ بتاتے ہوئے کہا کہ خزرج کا بیٹا کعب تھا چنانچہ اس کا ایک بیٹا غسان کے ہمراہ شام کی طرف چلا گیا' وہ انصار سے نہ تھا اور باقی جو رہ گئے' انہیں انصار کہا گیا۔

عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج الاکبر کے دونوں بیٹے سالم اور غنم اس گھر میں مقیم ہو گئے جو "دار بنی سالم" کہلاتا تھا' یہ مغربی حرہ (پتھریلی جگہ) کے کنارے' اس وادی کے مغرب میں تھا جس میں قبیلہ "رانونا" کی مسجد جمعہ واقع تھی۔ پھر انہوں نے کئی قلعے بنائے جن میں سے ایک "مزدلف" تھا' یہ مالک بن عجلان کا تھا۔ اسے مطری نے بیان کیا اور کہا کہ "مزدلف" وہ قلعہ تھا جسے عتبان بن مالک نے بنایا' یہ مالک بن عجلان سالمی کے نام پر تھا' مالک نے اسی کے بارے میں کہا تھا "میں نے جنگوں کی غرض سے مزدلف بنا دیا ہے۔"

انہی قلعوں میں سے ایک "شاخ" تھا' یہ قبلہ کی طرف سے بنو سالم کے گھروں سے باہر تھا۔

انہی میں سے "قواقل" کا قلعہ تھا' یہ وہی قلعہ تھا جو بنو سالم کے گھروں کی ایک طرف "عصبہ" کی طرف جا ملتا تھا' یہ بنو سالم بن عوف کا تھا' اس کا یہ نام رکھنا اس بات کو ترجیح دیتا ہے جو سید الناس کے بیٹے نے ذکر کیا ہے کہ قواقل' عوف کی اولاد میں' بنو غنم اور بنو سالم کہلاتے تھے' ان کے اس نام کی وجہ یہ تھی کہ جب یہ کسی کے پڑوس میں چلے جاتے تو اسے کہہ دیتے قوقل حیث شئت (بے فکر ہو کر جہاں چاہو چلے جایا کرو) ایک تاریخ دان نے ذکر کیا ہے کہ قواقل' بنو سالم بن غنم میں سے کچھ لوگ تھے اور یہ بنو الحبلی تھے اور جو ہم پہلے بتا چکے ہیں' ظاہر وہی ہے کیونکہ یہ اس بیان میں آ رہا ہے جہاں حضور ﷺ کے قباء سے مدینہ میں نکل آنے کا ذکر ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ عوف بن عمرو کی اولاد ایک قبیلہ سالم ایک غنم اور ایک عز تھا یہی قوقل تھا نیز ابن حزم نے ان کی اولاد میں سے عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن قوقل بن عوف بن عمرو تھے۔

پھر بنوغصینہ (بلی کا ایک قبیلہ اور بنو سالم کے حلیف) مسجد بنوغصینہ کے قریب ٹھہرے۔

بنوحبلی (حاملہ عورت کے لئے بولا جانے والا لفظ ہے) اس کا نام مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج الاکبر تھا' یہ لوگ اپنے مشہور گھر میں ٹھہرے جو قباء اور حارث بن خزرج کے دونوں بیٹوں کے گھر کے درمیان تھا جو بطحان وصعیب کی شرقی وادی میں تھا۔ مطری نے یونہی لکھا ہے۔ میرے خیال میں اس بیان کی سند وہ ہے جو اوس کے گھروں کے اس بیان میں ابن زبالہ سے گذری کہ: بنوعطیہ بن زید بن قیس' صفنہ میں ٹھہرے جو بنوالحبلی بالائی جانب تھا۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ بنوالحبلی کے مکانات بنوالنجار اور بنوساعدہ کے گھروں کے درمیان تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس بیان سے ہوتی ہے جو حضور ﷺ کے قباء سے مدینہ کی طرف نکلنے کے بارے میں ہے اور یونہی آپ کے عبد اللہ بن ابی کے قریب سے اس وقت گذرنے سے ہوتی ہے جب آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے تھے اور پھر اس سے بھی جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حبلی کا نام مالک بن سالم تھا جسے ابن زبالہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ حبلی' سالم بن غنم بن عوف کو کہتے ہیں' اسے حبلی اس لئے کہتے تھے کہ اس کا پیٹ بڑا تھا۔ انتہی ابن حبلی نے یونہی بتایا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ حبلی کا لفظ سالم پر بولا جاتا تھا جو مالک کا باپ تھا جس کا ذکر پہلے آچکا پھر یہ نام اس کے بیٹے کا ہو گیا حالانکہ یہ اس کا پوتا تھا اور اس وقت ابن زبالہ کا بنو عطیہ بن زید کے صفنہ میں ٹھہرنے کا گذشتہ بیان بنوالحبلی کے اوپر کی طرف ہونے پر محمول ہوگا' علاوہ ازیں سالم بن غنم کے گھر بنوسالم کے ہاں تھے کیونکہ ان کا بنوحبلی کے ان قلعوں میں ذکر ہوا ہے جو ابن حزم کے اس کلام کے موافق ہے کہ وہ بنوساعدہ کے گھر کے قریب اترے تھے کیونکہ ابن حزم نے کہا ہے کہ انہوں نے قلعے بنائے جن میں سے ایک ''مزاحم'' تھا جو بنوالحبلی کے گھروں کے عین درمیان میں تھا' یہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کا تھا۔ ان میں سے ایک قلعہ عمارہ بن نعیم البیاضی اور ابن زمانہ کی سرزمین میں تھا اور ایک قلعہ عین ان کے گھروں کے درمیان تھا انتہی۔

عنقریب بنوساعدہ کے گھروں کے بیان میں ''حماضہ'' قلعے کا ذکر آئے گا اور پھر اس کا ذکر بنو بیاضہ کے گھروں میں ہے جبکہ ابن حزم جیسے اہل سیرت اور نسب جاننے والوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ عبد اللہ بن ابی' بنوحبلی میں سے تھا جو خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ حافظ ابن حجر کو خلع کے بارے میں مذکور حدیث ثابت بن قیس بن شماس میں جو مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ عبد اللہ بن ابی' بنو مغالہ سے تھا جو بنونجار کی شاخ تھی' وہ نرا وہم ہی ہے ہاں اس کا گھر مسجد کے مغرب میں بنو مغالہ کے گھروں کے قریب ضرور تھا جیسا کہ ظاہر ہے' واللہ اعلم۔

بنوسلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن شاردہ بن تزید بن جشم بن خزرج اکبر' مسجد قبلتین سے مذاد کے درمیان ٹھہر گئے' یہ مذاد اس حرہ کی سند میں بنوحرام کا قلعہ تھا اور ان کے اس گھر کا نام ''خربی'' تھا۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس گھر کا نام طلحہ رکھا اور انہی سے علامہ زین مراغی نے بھی یونہی نقل کیا ہے جیسے کہ میں نے ان کے قلم سے لکھا دیکھا ہے لیکن شاید درست وہ ہے جسے علامہ مجد نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا نام "صلحہ" رکھا تھا انہوں نے اپنی قاموس میں کہا کہ خُوبلیٰ حبلیٰ کے وزن پر ہے' یہ بنو سلمہ کی ایک منزل (گھر) تھی جس کا نام تبدیل کر کے رسول اللہ ﷺ نے "صالحہ" رکھا تھا۔

بنو سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ' مسجد قبلتین سے لے کر ابن عبید دیناری کی زمین تک کے علاقے میں جا ٹھہرے' مسجد قبلتین انہی کی تھی' یہ ابن زبالہ نے لکھا ہے لیکن آگے مطری کی طرف سے جو ذکر کیا جا رہا ہے' وہ اس کے خلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ یہ بنی حرام کی تھی۔ انہوں نے قلعہ بنایا جسے "اغلب" کہا جاتا تھا' یہ اس نرم راستے پر تھا جس پر وہ پتھر پڑے تھے جن پر ماشکی رومہ سے بطحان کو آتے وقت آرام کیا کرتے تھے۔

ایک اور قلعہ تھا جسے "حیط" کہتے تھے اور مسجد قبلتین کے مشرق میں پتھریلی زمین کی بالائی جانب اس مقام پر تھا جہاں بنوسلمہ کی اراضی ختم ہو جاتی تھی۔ ایک اور قلعہ بھی تھا جسے "منیع" کہتے تھے اور جو مسجد قبلتین کی دائیں جانب پتھریلی زمین پر ابن ابان کی زمین میں سخت جگہ کی دائیں جانب تھا یا اس سے قریب تھا۔

بنو عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ' مسجد خربہ سے اس پہاڑ کے درمیان ٹھہرے جسے دو نخل کہتے تھے اور یہ جبل بنی عبید کہلاتا تھا' وہاں ان کے لئے مسجد الخربہ بنی ہوئی تھی۔ انہوں نے "اشق" نامی قلعہ بنایا جو مسجد خرابہ کے سامنے تھا۔ یہ براء بن معرور صخر بن حسان بن سنان بن عبید کے نام پر تھا اور پھر "اطول" نامی قلعہ تھا جو مسجد خربہ سے قبلہ کی طرف یا اس کی بائیں طرف تھا۔

بنو حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ' اس مسجد بنی حرام صغیر کے پاس ٹھہرے جو جابر بن عتیک اور معبد بن مالک کی زمین کے درمیان کھلی جگہ پر واقع تھی' یہ لوگ بنوسلمہ سے مذاذ کے قبرستان کے درمیان میں رُکے تھے۔

یہاں ان کا ایک قلعہ تھا جسے "ناحیہ" کہا جاتا تھا' انہوں نے "جاعس" نامی قلعہ بنایا' یہ جابر بن عتیک کی نرم زمین اور اس کنوئیں کے درمیان تھا جسے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بنوایا تھا اور یہ حضرت عمرو بن جموح کا تھا جو جابر بن عبداللہ عمرو کے دادا تھے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید یہ کنواں وہی ہے جس کے بارے میں ابن نجار نے لکھا ہے' یہ اس باغ کی طرف ہے جو مدینہ کی نچلی طرف مسجد فتح کے قریب تھا یعنی اس کے مغرب میں' اس جگہ کو "سیح" کہتے تھے جیسے مطری نے لکھا ہے واللہ اعلم۔

بنو مر بن کعب بن سلمہ (بنو حرام کے حلیف) نے قلعہ بنایا جسے "اخنس" کہا جاتا تھا' یہ سیاہ رنگ کا تھا جو بنوسلمہ میں اس باغ کی مغربی طرف تھا جو جابر بن عتیک کی تھی اور بنو عبید کے پہاڑ سے ملتی تھی' اسے ابن زبالہ نے ذکر کیا۔

علامہ مطری کے عند مسجد بنی حرام الصغیر سے یہ سمجھ آتا ہے کہ ان کی ایک بڑی مسجد بھی ہوگی' اس کا

ذکر سلع کی گھاٹی میں ان کے مکانوں میں آ رہا ہے اور پھر مسجدوں کے ذکر میں اس مسجد بنی حرام کا ذکر آ رہا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی کہ وہ میدان میں تھی' وہاں یہ بھی بتایا جائے گا کہ بڑی مسجد میں آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی۔

یہ سب مذکور لوگ بنوسلمہ کہلاتے تھے اور انہی گھروں میں رہتے تھے' ان سب کا اتفاق تھا اور ان کا بادشاہ امہ بن حرام تھا۔ یہ دیر تک ان پر حکومت کرتا رہا' آخرکار بنوعبید میں سے ایک بہت مالدار شخص مر گیا' اس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام "صخر" تھا' امہ نے ارادہ کیا کہ اس کے مال میں سے بہت سا حصہ لے کر بنوسلمہ میں تقسیم کر دے لیکن صخر کو یہ بات بہت بری لگی' اس نے بنوعبید اور بنوسواد کے ہاں اس کی شکایت کی اور کہا کہ اگر امہ نے ایسا کر دیا تو میں اسے تلوار سے اُڑا دوں گا۔ پھر ان سے کہا کہ اگر یہ ایسا کرے تو اسے منع کر دینا۔ انہوں نے اس کی بات مان لی چنانچہ جب امہ نے ایسا کیا تو صخر نے اس پر تلوار کا وار کر کے کندھے کی ایک رگ کاٹ دی' بنوعبید اور بنوسواد آڑے آ گئے۔ اس دوران امہ نے نذر مانی کہ جب تک وہ زندہ ہے' گھر کے سایہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھے گا جب تک بنوسلمہ' صخر کو قتل نہیں کر دیتے یا زندہ پکڑ نہیں لاتے' ایسی صورت میں وہ سوچنے لگا کہ کیا کرنا ہے پھر وہ مسجد فتح کی جرف سے ملنے والی بالائی جگہ پر دھوپ میں جا بیٹھا۔ اتنے میں لکڑیاں اٹھانے والی ایک لڑکی کا وہاں سے گذر ہوا تو اس نے پوچھا' اے میرے سردار! کیا ہوا' دھوپ میں کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے کہا:

> "میری قوم نے مجھے اپنا بادشاہ بنایا پھر میری خاطر صخر کو بلایا تو اس نے مجھے مارا ہے' میں نے قسم کھا لی ہے کہ جب تک صخر ان میں امن امان سے چلتا پھرتا اور سزا سے نہیں ڈرتا' میں دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے کسی گھر کی چھت کے سائے میں نہیں جاؤں گا۔"

وہ لڑکی چلی گئی اور جا کر ان لوگوں کو بتایا تو انہوں نے صخر کو باندھا اور اس کے پاس لے آئے اور پھر اس سے جو لینا چاہتا تھا' لے کر انہیں معاف کر دیا۔ یہ ایک واقعہ تھا جو بنوسلمہ میں پیش آیا۔

ابن شبہ کہتے ہیں' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بنوسلمہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے گھر بار بیچ کر آپ کے پاس نہ آ جائیں کیونکہ آپ کے اور ہمارے درمیان وادی پڑتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ثابت قدم رہو کیونکہ تم وہاں کی گویا میخیں ہو' یاد رکھو جو شخص بھی نماز کے لئے ایک قدم اُٹھاتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کا اجر لکھ دیتا ہے۔

یحییٰ بن عبداللہ بن ابوقتادہ سے بھی روایت ملتی ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے ساتھیوں (بنوسلمہ اور بنوحرام) نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ جمعہ کی نماز سے ہمیں درمیان میں آنے والا سیلاب روک دیتا ہے۔ اس وقت ان کے مکانات اس باغ اور زرعی زمین کے ساتھ ملتے تھے جو مسجد قبلتین اور مسجد خربہ کے درمیان میں تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا حرج ہے اگر تم پہاڑ کے پہلو کی طرف آ جاؤ (یعنی سلع پہاڑ) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' حرام تو گھاٹی میں

چلے گئے' جبکہ سواد اور عبید اس کے دامن میں آ گئے۔

میں کہتا ہوں کہ سلع پہاڑ میں بنو حرام کی گھاٹی اب بھی مشہور ہے' وہاں ان کے گھر اور مسجد کے آثار اب بھی موجود ہیں جو سلع کی مغربی جانب قبلہ کی راستہ سے مساجدِ فتح کی طرف چلنے والے کی دائیں طرف آتے ہیں اور مدینہ کی طرف جانے والے کی بائیں طرف ہیں پھر قریب ہی سلع کے مغرب میں سامنے قلعہ ''خل'' موجود ہے۔

ابن زبالہ اور یحییٰ' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بتاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بنو حرام اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے درمیان سیلاب حائل ہو جایا کرتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گھاٹی کی طرف بسا دیا۔انہیں وہاں رہنے والے اہلِ یمن کے سپرد کیا جنہیں ''ناغضہ'' کہتے تھے چنانچہ وہ وہاں سے اس گھاٹی کی طرف جا بسے جو مسجد کی نچلی طرف تھی' ان کے آثار و نشانات اب بھی وہاں دیکھے جا سکتے ہیں پھر بنو حرام نے کچھ پیسے جمع کر کے ایک رومی غلام خریدا' وہ پتھریلی جگہ سے پتھر لیتا' اس پر نقش و نگار بناتا اور یوں انہوں نے گھاٹی میں مسجد بنانا شروع کی جس میں لکڑی اور کھجور کی ٹہنیاں استعمال کیں۔حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اس پر پکی اینٹیں لگائیں اور چھت برابر ڈال دی اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد والی ساکھو کی لکڑی استعمال کی۔

میں بتاتا چلوں کہ آج بھی مسجد کے ٹوٹے پھوٹے ستون موجود ہیں اور اس گھاٹی میں مسجد کے نشانات دیکھے جا سکتے ہیں۔

عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج اکبر کے دونوں قبیلے بنو بیاضہ اور بنو زریق' بنو حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب' بنو عدارہ یعنی بنو کعب بن مالک بن غضب' بنو اللحم یعنی بنو معاویہ بن مالک بن غضب یہ سب لوگ' دارِ بنو بیاضہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ جگہ دار بنو مازن بن نجار کی طرف' مسجد جمعہ سے وادیٔ بطحان تک کے علاقے کے اندر دار بنو سالم بن عوف بن خزرج کے درمیان میں واقع تھی۔

میں بتاتا چلوں' میرے نزدیک اولیت اس بات کو ہے کہ ان سب کے گھر دار بنو سالم بن عوف سے شام کی جانب' دارِ بنو مازن سے قبلہ کی طرف' مغربی پتھریلی زمین میں پھیلے ہوئے تھے بلکہ ابن زبالہ کی کلام میں یہ بھی آتا ہے کہ ان کے گھر بنو ساعدہ کے گھروں تک پھیلے ہوئے تھے جیسے کہ ہم آگے بتائیں گے۔

انہوں نے اپنی آبادی میں قلعے بنا لئے تھے۔ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ ان کی آبادی میں انیس قلعے تھے پھر بنو امیہ بن عامر بن بیاضہ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ صرف ان کے تیرہ قلعے تھے' ان میں سے اسود نامی قلعہ فراس بن میسرہ کی زمین کے دائیں طرف پتھریلی زمین میں تھا' ایک ''عقرب'' نامی قلعہ شام کی طرف زرعی زمین پتھریلی زمین میں فقارہ پر تھا جسے رجالہ کہا جاتا تھا' ایک ''سوید'' نامی قلعہ حماضہ نامی باغ میں شام کی جانب تھا اور یہ اپنے مالک کے نام پر تھا' بنو ساعدہ کے گھروں کے بیان میں حماضہ کا ذکر آئے گا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی حماضہ تھا۔ان میں سے ایک ''لواء''

نامی تھا جو ''سرارہ'' کی حدود میں تھا' اس کے اور حماضہ کا احاطہ کرنے والی شامی دیوار کے کونے میں بیس ہاتھ کا فاصلہ تھا' کچھ قلعے وہ تھے جو سرارہ میں تھے اور یہ مقام سرارہ ابن ابی قلیع کی سرزمین سے حماضہ کے آخر تک کے علاقے کے درمیان تھا نیز لواء نامی قلعے سے اس دیوار تک کے درمیان میں تھا جنہیں ''بیوت بن حارثہ'' کہا جاتا تھا اور اس دیوار کے اندر کی طرف تھا جسے زیاد بن عبید اللہ نے سرارہ کے درمیان میں برکت السوق (اونٹ بیٹھانے کی جگہ) کے لئے بنایا تھا۔ یہ ابن زبالہ کا بیان ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ سرارہ مدینہ کے بازار کے قریب تھا اور پھر بنو ساعدہ کے گھر میں حماضہ کے ذکر سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ برکۃ السوق سے یہاں مراد وہ جگہ تھی جو بطحان اور رانونا کے سیلابی مقام سے ملتی تھی کیونکہ ابن شبہ نے رانونا کے سیلابی مقام کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ذی صلب سے ملتا تھا یعنی مسجد جمعہ والی جگہ سے ملتا تھا پھر سرارہ کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا اونٹوں کے بیٹھنے کی گہری جگہ تک چلا جاتا تھا اور آگے دو حصے بن جاتا تھا جیسے آگے آ رہا ہے۔

علامہ رزین نے لکھا ہے کہ سرارہ' بیاضہ اور حماضہ کے درمیان تھا۔ اس کے بعد ابن زبالہ نے باقی قلعوں کا ذکر کیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ سرارہ کے اردگرد بنو بیاضہ کے گھروں کی آخری حد تھی۔ زرین اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بنو حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج نے وہ قلعہ بنایا جو بنو بیاضہ کے گھروں کے بالکل قریب تھا اور جس کی نچلی طرف وہ پل تھا جو ذی ریش کے پاس تھا۔ رزین نے مزید بتایا کہ یہ سب بنو غضب بن جشم بن خزرج (جن کا اوپر ذکر ہوا ہے) بنو بیاضہ کے علاقہ میں رہتے تھے اور آپس میں اتفاق رکھتے تھے۔ پھر زریق بن عامر ہلاک ہو گیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو سنبھالنے کے بارے میں اُن کے چچا حبیب بن عبد حارثہ کے سپرد کر دیا۔ حبیب انہیں ہاتھوں سے کھیتی میں پانی ڈالنے پر لگائے رکھتا' وہ تنگ آ گئے تو انہوں نے چچا کو قتل کر دیا چنانچہ بنو حبیب' بنو زریق کے خلاف بنو بیاضہ کے حلیف بن گئے' بنو زریق کو ان کی کثرت سے فکر لاحق ہوئی' اس وقت بنو بیاضہ' بنو زریق سے زیادہ طاقت میں تھے چنانچہ وہ بنو بیاضہ کے علاقے سے نکلے اور اپنے مشہور ٹھکانے پر پہنچ گئے' یہ جگہ مصلّٰی میں موجود تھی مدینہ کی چار دیواری کے نشان آج بھی موجود ہیں اور وہ جگہ ذروان اور اس کے اردگرد مصلّٰی میں موجود ہے' وہاں انہوں نے قلعے بنا لئے' ان میں سے ایک قلعہ دار کبیر بن صلت کا تھا جو مصلّٰی میں ایک کونے پر تھا' ایک قلعہ ''ریان'' نامی تھا' جو آل سراقہ کی ''سقیفۃ الریان'' نامی ڈیوڑھی کے قریب تھا' بنو عمرو بن عامر بن زریق' بنو بیاضہ کے ہمراہ مقیم ہو گئے' ان کا قلعہ نچلے ساتھ ملنے والے بنو بیاضہ کے گھروں کے نزدیک' فراس بن میسرہ کی زمین میں شام والی جانب موجود تھا' یہ وہاں ٹھہرے رہے اور اس وقت تک ٹھہرے جب تک رافع بن مالک خود اور اس کا لڑکا اسلام آنے سے قبل وہاں سے چلے نہیں گئے چنانچہ وہ سنجہ کی جانب' اساس اور جانب سنجمیں اس جگہ ٹھہرے جہاں اسحاق بن عبید بن رفاعہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس رافع بن مالک کو ''کامل'' کہتے تھے کیونکہ دورِ جاہلیت میں کاتب (لکھنے والے) اور شاعر کو کامل کہا کرتے تھے۔ ان کے بعد باقی بنو عمرو بن عامر اس کے بعد وہاں سے گئے تھے چنانچہ انہوں نے بنو عوف بن زریق سے ان کے کچھ مکانات اور حقوق خرید

لئے اور بنو عوف بن زریق اسلام سے کچھ قبل شام کی طرف چلے گئے' ان کا خیال تھا کہ وہاں ان کے کچھ لوگ موجود ہیں' اب بنو بیاضہ اور بنو حبیب ایک عرصہ تک بنو زریق سے نہیں لڑے' ان کے ایلچی ایک دوسرے کی طرف جاتے رہے' بنو زریق ان دونوں گروہوں کو صلح صفائی اور ادائیگی دیت کے لئے پیغام بھیجتے رہے چنانچہ دونوں گروہوں نے ان کی بات مان لی اور جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا اور جو بھرا مشکیزہ انہوں نے دونوں گروہوں کی جانب بھیجا' اسے زقاق الدیہ کا نام دیا' بنو بیاضہ میں سے بنو مالک بن زید بن حبیب بن عبد حارثہ وہاں سے نکلے اور اس طرف جا ٹھہرے جو بنو زریق نے انہیں دیت میں دیا تھا' وہاں انہوں نے بنو المعلی بن لوذان کے لئے قلعہ بنایا' اب بنو بیاضہ میں بنو الصمہ بن حارثہ بن حارث بن زید بن حبیب باقی رہ گئے چنانچہ بنو المعلی بن لوذان جب تک اللہ کو منظور تھا' بنو زریق میں رہے۔

پھر عبید بن المعلّٰی نے حصن بن خالد زرقی کو قتل کر دیا' اس پر بنو زریق نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر خیال آیا کہ عبید کی طرف سے حصن بن خالد کی' اپنے مال میں سے دیت دے دیں کہ بنو المعلّٰی ان کے حلیف بن جائیں اور بنو بیاضہ سے حلیف ہونے کا تعلق توڑ لیں چنانچہ یونہی کیا' عامر بن زریق بن عبد حارثہ (زریق و بیاضہ کا والد) جب مرنے لگا تو اس نے اپنے لڑکے بیاضہ کو وصیت کی کہ جنگوں اور مخالفت کا سلسلہ بند کر دے نیز اس کے بھائی زریق کے بارے میں بھی وصیت کی کہ اسے بھی روکے' وہ بیاضہ سے چھوٹا تھا' اسی وصیت کے بارے میں ایک شاعر نے کہا تھا:

''عامر نے' بیاضہ کو صبر کرنے کی وصیت کی''

اوس اور خزرج سے کہا گیا کہ ان میں سے کم بھاگنے والے اور بار بار حفاظت کرنے والے بنو بیاضہ' بنو زریق اور بنو ظفر تھے' جب بھی اوس وخزرج کی جنگ میں سامنے آتے تو اوس وخزرج کے دوسرے خاندانوں کے مقابلے میں یہ قبیلے اعلیٰ شمار ہوتے تھے۔

رہے بنو عذارہ بن مالک بن غضب بن جشم تو یہ لوگ بنو مالک بن غضب کے مقابلے میں کم قبیلے والے تھے' یہ سخت قسم کی قوم تھی چنانچہ انہوں نے بنو مالک بن غضب کے قبیلوں بنو لین یا بنو اجدع میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا' مقتول کے وارثوں نے دیت لینے سے انکار کر دیا اور وہ بنو بیاضہ سے امداد لینے گئے کہ بنو عذارہ سے انہیں ان کے آدمی کا قاتل لے کر دیں چنانچہ بنو بیاضہ نے اس سلسلے میں بنو عذارہ سے بات کی لیکن بنو عذارہ نے قاتل دینے سے انکار کر دیا چنانچہ بنو بیاضہ نے ارادہ کر لیا کہ زبردستی قاتل لے لیں' اس پر وہ بنو بیاضہ کے گھروں سے نکلے اور بنو عمرو بن عوف کے پاس چلے گئے' انہیں اپنا حلیف بنایا اور ان سے اپنا قریبی تعلق پیدا کیا' بنو بیاضہ سے الگ ہو گئے پھر بنو عذارہ اور بنو عمرو بن عوف کے درمیان اسلام آنے سے ذرا پہلے کوئی معاملہ بن گیا جس پر انہوں نے اتفاق کر لیا کہ ان کے ہاں سے بنو زریق کے پاس چلے جاتے ہیں' بنو بیاضہ کی طرف واپس جانا انہیں پسند نہیں آیا چنانچہ وہ ان کے پاس آ گئے اور آنے کا سبب بتایا' وہ اچھے طریقے سے ملے اور ان کی رائے کو درست قرار دیا پھر ابو عبیدہ سعید بن عثمان زرقی کے پاس آئے' اس معاملہ کا ذکر کیا تو اس نے مرحبا کہا اور ان کی شرافت وعظمت کا ذکر کیا اور کہا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اپنے ماموؤں

کے پاس چلے جاؤ (یعنی بنو عمرو بن عوف) بنو زریق کی طرف نہ جاؤ کیونکہ تمہاری طبیعت میں سختی ہے اور بنو زریق بھی تمہاری طرح کے ہیں۔

وہ اس کی رائے پر بکھر گئے اور پھر اس وقت تک یونہی رہے جب تک مہدی نے انصار کے لئے ۱۶۰ھ میں حصہ مقرر نہیں کر دیا' چنانچہ وہ اپنا دیوان بنو بیاضہ کی طرف لے گئے' وہاں بنو مالک بن غضب کے دو خاندان تھے' جن کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ لین میں سے تھے یا اجدع سے' دور جاہلیت میں ان کے درمیان سلسلۂ وراثت موجود تھا' وہ اس معاملے میں جھگڑ پڑے اور جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اس معاملہ میں کسی بھی طرح درست راستے پر نہیں ہیں تو ایک دوسرے کو جنگ کی دعوت دے دی اور طے یہ کیا کہ وہ بنو بیاضہ میں موجود باغ میں داخل ہو کر وہاں جنگ کریں گے چنانچہ اس میں جا کر ہر طرف سے اسے بند کر لیا چنانچہ وہ اس میں اس حد تک لڑے کہ ان میں سے آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ رہ گیا' اس باغ کا نام ''حدیقۃ الموت'' پڑ گیا' بنو مالک کے پاس دورِ جاہلیت میں بنو زریق کے علاوہ ایک ہزار جنگجو تھے لیکن بنو اجدع میں سے کوئی بھی نہیں رہ گیا تھا البتہ بنو ''لین'' میں سے دو آدمی بچے تھے جو ختم ہو گئے اور ان کا کوئی شخص باقی نہ بچا۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ زید بن حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب (جس کے بیٹوں کا ذکر پہلے گذرا) کا ایک بھائی تھا جس کا نام عبد اللہ بن حبیب تھا' یہ شخص ابو جبیلہ غسانی کا لڑکا تھا جسے مالک بن عجلان نے مدینہ میں یہودیوں کو قتل کرنے کے لئے تیار کیا تھا جیسے ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں' واللہ اعلم۔

بنو ساعدہ بن کعب بن خزرجِ اکبر' چار مختلف مقامات پر بکھر گئے تھے چنانچہ بنو عمرو اور بنو ثعلبہ (خزرج بن ساعدہ کے بیٹے) دار بنو ساعدہ میں ٹھہرے جو مدینہ کے بازار اور بنو ضمرہ کے درمیان تھا' یہ مدینہ کے مشرق میں شام کی طرف تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ بنو ساعدہ کا شہر بضاعہ نامی کنوئیں کے قریب تھا اور یہ کنواں ان کے گھروں کے درمیان تھا۔ ابن زبالہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے ایک قلعہ بنایا جسے معرض کہتے تھے' یہ مسجد بنو ساعدہ کے سامنے والی آبادی میں تھا' یہ آخری قلعہ تھا جو مدینہ میں بنایا گیا' حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے تو وہ اسے بنا رہے تھے چنانچہ انہوں نے آپ سے اسے مکمل کرنے کی درخواست کی جس پر آپ نے اجازت دے دی۔ اس موقع پر ان میں سے ایک شاعر نے کہا:

''ہم نے تمام بنو بضاعہ کی طرف سے حمایت کی اور ایک قلعہ بنایا جس کا نام ''معرض'' تھا جو کافی بلند جگہ پر تھا''

پھر دارِ ابو دجانہ صغریٰ میں ایک قلعہ بنایا جو بضاعہ کے قریب تھا۔

بنو قشبہ (عامر بن خزرج بن ساعدہ) بنو حدیلہ کے قریب مقیم ہو گئے اور انہوں نے عمرو بن امیہ ضمری کے جھونپڑے کے قریب قلعہ بنایا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی رہائش بنو ضمرہ کے مشرق میں تھی اور مذکورہ جگہ اس سے پہلے

موجود تھی' واللہ اعلم۔

بنو ابو خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ (حضرت سعد بن عبادہ کا قبیلہ) اس مقام پر ٹھہرے جسے ''جرارِ سعد'' کہتے تھے (سعد کا کنواں) یہ وہی کنواں تھا جہاں سے آپ کی والدہ کی وفات پر لوگ پانی پیا کرتے تھے۔ابن زبالہ بتاتے ہیں کہ مدینہ کے بازار کی چوڑائی مسجد کے مصلّٰی (جائے نماز) سے لے کر سعد بن عبادہ کے کنوئیں تک تھی۔

میں کہتا ہوں' اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بازار سے ملا ہوا تھا' یا تو مشرق کی طرف سے جبکہ مصلّٰی کی حد مغرب کی طرف تھی' اس کی شہادت ملتی ہے کیونکہ آج کل یہ مشہور جگہ ہے جو اہلِ درب میں سویقہ کے نام سے یاد کی جاتی تھی جو بنو ساعدہ کے جھونپڑے میں تھی' سقیفہ کا نام اس جگہ پر بولنا صحیح ہے اور ایسے نہیں جیسے مطری نے کہا کہ یہ جگہ بئرِ بضاعہ کے نزدیک بنو ساعدہ کی بستی میں تھی کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہاں نہیں رہتے تھے' وہ تو اپنے قبیلے کے ہمراہ اپنے گھر میں رہا کرتے تھے اور یہ جھونپڑا آپ کے گھر کے قریب تھا۔

یا سعد کا یہ کنواں شام والی جانب سے بازار کے ساتھ ملتا تھا اور مصلّٰی قبلہ والی حد تھا۔یہ قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ پہلے بیان کردہ مشرقی جہت ہی میں بنو زریق کے گھر تھے۔ واللہ اعلم۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ یہاں انہوں نے قلعہ بنایا جسے ''واسط'' کہتے تھے اور پیچھے گذر چکا ہے کہ بنو خدارہ بھی حضرت سعد کے کنوئیں کے پاس ٹھہرے تھے تو گویا یہ ان کا گھر تھا اور خدارہ' جیسا کہ گذرا' بنو حارث بن خزرج کی شاخ تھے تو حضرت سعد بن عبادہ کی بیمار پرسی کی حدیث میں ان کا جو گھر مراد ہے' وہ بنو حارث بن خزرج میں تھا نہ کہ دار بنو حارث میں جو ان کے نام سے مشہور تھا' کیونکہ وہ بنو ساعدہ کے گھروں سے کافی دور تھا اور یہ قوم سعد میں سے نہ تھے ہاں کل کو خزرج کہہ دیتے تھے اور بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ کی اس حدیث ''کس چیز پر تمہاری گذرِ اوقات تھی؟ کے بعد فرمایا تھا کہ کھجور اور پانی پر' البتہ رسول اللہ ﷺ کے انصار میں سے ہمسائے تھے جن کے پاس عطیہ جات آ جایا کرتے تھے۔'' الحدیث۔

حافظ ابن حجر اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ آپ کے ہمسائے انصار میں سے یہ تھے: حضرت سعد بن عبادہ' حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حزم' ابو ایوب اور حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم تو حضرت سعد بن عبادہ کا بنو الحارث کے گھر میں ہونا بعید سی بات ہے کیونکہ وہ پڑوسیوں میں شمار تھے۔ابن حجر نے یہ روایت اُمّ مسلمہ سے بذریعہ ابن سعد لی ہے' جس میں حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ انصار رسول اللہ ﷺ کی ان مہربانیوں کا بہت دھیان رکھتے تھے جو آپ حضرت سعد بن عبادہ' سعد بن معاذ' عمارہ بن خرم اور ابو ایوب پر فرماتے تھے اور یہ اس لئے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے نزدیکی ہمسائیگی حاصل تھی۔انتٰہی۔

ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ کے دونوں لڑکے بنو وقش اور بنو عنان اس گھر میں ٹھہرے تھے جسے ''بنو

ساعدہ" کہا جاتا تھا نیز اسے "بنو طریف" بھی کہتے تھے۔ یہ حماضہ اور سعد کے کنوئیں کے درمیان تھا اور عنقریب شوط کے مفہوم میں آ رہا ہے کہ بنو ساعدہ کا ایک گھر مسجد رایہ سے شام کی جانب تھا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی گھر تھا۔ واللہ اعلم۔

بنو مالک بن نجار اپنے مشہور مقام میں ٹھہرے تھے چنانچہ بنو غنم بن مالک نے ایک قلعہ بنایا جسے "فویرع" کہا جاتا تھا اور اسی جگہ میں حسن بن زید بن حسن بن حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہم کا گھر تھا۔ میں بتاتا چلوں کہ یہ وہی گھر تھا جو حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس گھر کے سامنے تھا جو مدرسۂ شہابیہ کے قبلہ میں تھا جیسے ابن شبہ سے نقل آ رہی ہے۔

بنو مغالہ (یہ بنو عدی بن عمرو بن مالک تھے جبکہ مغالہ عدی کی ماں تھی) نے ایک قلعہ بنایا جسے "فارع" کہتے تھے۔ یہی وہ قلعہ تھا جو بنو طلحہ بن عبید اللہ کے گھروں کے سامنے تھا اور یہ جعفر بن یحییٰ بن خالد بن برمک کے گھر میں داخل ہوئے۔

علامہ زین مراغی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قلعہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے والد ثابت کا تھا' وہ اس گھر میں رہائش کے لئے داخل ہوئے جو باب الرحمۃ کے سامنے تھا اور جو عاتکہ کا گھر تھا۔ علامہ زین نے اسے اس بات سے نکالا ہے کہ عاتکہ کا گھر جعفر بن یحییٰ کے گھر ہی میں تھا لیکن ابن زبالہ اور یحییٰ کے کلام سے عنقریب مسجد کے دروازوں کے بیان میں یہ ثابت کیا جائے گا کہ عاتکہ کے گھر ہی میں جعفر بن یحییٰ کا گھر شامل تھا اور "فارع" نامی قلعہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تھا' وہاں ہم نے اس کی جگہ بتا دی ہے کہ یہ اس مذکور گھر (عاتکہ والا) کے شام والی طرف تھا اور یہ فارع نامی قلعہ وہ ہے جس میں یوم خندق پر رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں جبکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ ان کے پاس تھے اور پھر ابنِ صیاد والی مسلم کی حدیث میں ہے: "انہیں بنو مغالہ کے قلعے کے پاس پایا" قاضی عیاض رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ جب تم ہموار زمین کے آخر میں جا کر کھڑے ہو جاؤ تو مسجد نبوی کے سامنے بنو مغالہ کے گھر اس جگہ تھے جو تمہاری دائیں طرف ہو گی۔

بنو حُدیلہ (ابن زبالہ وغیرہ کے مطابق یہ معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار کا لقب تھا) نے ایک قلعہ بنایا' جسے "مشعط" کہتے تھے' یہ مسجد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی غربی جانب تھا اور پھر اسی جگہ ایک گھر تھا جسے "بیت ابی نبیہ" کہتے تھے۔ ابن زبالہ نے گذشتہ حدیث کے بعد یہ حدیث بھی لکھی ہے کہ "اگر وباء کسی جگہ موجود ہے تو وہ مشعط کے سائے میں ہے۔" ابنِ شبّہ نے بنو حدیلہ کے محل کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "اسے حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما نے بنایا تھا تا کہ قلعہ کا کام دے۔" ابن شبہ بتاتے ہیں کہ اس کے دو دروازے تھے۔ عام لوگوں کے گذرنے کا دروازہ بنو حدیلہ کی جانب موجود تھا اور دوسرا دروازہ محمد بن طلحہ تیمی کے گھر کے پاس مشرقی یمنی گوشے میں تھا اور اس کے درمیان بئیرِ حاء موجود تھا۔ انتہٰی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ مشارق میں بتاتے ہیں کہ "بئرِ حاء" اس جگہ تھا جو بنو حدیلہ کے محل کے نام سے مشہور تھی

پھر ابن اسحٰق بتاتے ہیں کہ بنو عمرو بن مالک بن نجار کو بنو حدیلہ کہتے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ بنو حدیلہ انہی کی ایک شاخ تھی جیسے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ معاویہ بن عمرو بن مالک کے باپ کا لقب تھا۔

میں بتاتا چلوں کہ یہ بنو حدیلہ، بنو معاویہ نہیں تھے جن کا قبیلہ اوس تھا اور وہ مسجد الاجابہ والے تھے جیسے کہ ہم بیان کر چکے، یہ وہم اس لئے پیدا ہوا کہ یہاں دو نام مشترک (ایک جیسے) آ گئے ہیں اس لئے مشارق میں علامہ قاضی کی قلم سے وہ کچھ نکل گیا جو عام علماء کے خلاف ہے چنانچہ انہوں نے کہہ دیا:

"زبیر کہتے ہیں کہ مدینہ میں جو کچھ بھی اس وقت تمہاری داہنی جانب آئے جب تم ہموار زمین کے آخر میں نبی کریم علیہ السلام کی مسجد کے سامنے کھڑے ہو تو وہ بنو مغالہ کے گھر ہوں گے اور اس کی سامنے والی طرف جو تمہاری بائیں طرف ہوں گے وہ بنو حدیلہ کے گھر ہوں گے، یہ بنو معاویہ ہیں اور یہ اوس قبیلہ کی شاخ ہیں۔"

علامہ جوہری کہتے ہیں کہ یہ انصار کی ایک بستی تھی۔ علامہ قاضی لکھتے ہیں، یہ انصار ہی کا ایک قبیلہ تھا، یہ جانب انہی کے نام منسوب تھی اور یہ بھی بنو حدیلہ تھے۔ حدیلہ ان کی ماں کا نام تھا۔ انتہٰی۔

زبیر سے ان کے علاوہ جس نے روایت لکھی ہے، ان کے مطابق بنو حدیلہ، بنو نجار میں سے تھے جو خزرج کی شاخ تھے جبکہ بنو معاویہ اوس میں سے تھے جو ان کے علاوہ تھے۔ اسے ہم زبیر کے شیخ ابن زبالہ کے حوالے سے بتا چکے ہیں اور ابن حزم نے "الجمهره" میں معاویہ کو اوس سے شمار کیا ہے جبکہ بنو حدیلہ کو خزرج سے شمار کیا ہے چنانچہ کہا: مالک بن نجار کا لڑکا معاویہ اور اس کی والدہ کا نام حدیلہ تھا، یہاں انہیں حدیلہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ قاضی کا یہ قول ہے کہ "وہ اوس میں سے تھے" لیکن قاضی نے جب ان کا یہ قول دیکھا "وہ بنو معاویہ تھے" تو ان کے ذہن میں آیا کہ وہ بنو معاویہ تھے جن کا تعلق اوس سے تھا اور یہ وہ سبب ہے جس کی بناء پر مطری کو یہاں دھوکا لگا چنانچہ ایک جگہ تو انہیں الگ الگ کہا۔ اور دوسری جگہ دونوں کو اکٹھا کر دیا حالانکہ یہ جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ مراغی کے مطابق احتمال یہ ہے کہ بنو معاویہ، بنو حدیلہ سے ایک قبیلہ یا شاخ ہوں جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

بنو مبذول (اصل نام عامر بن مالک بن نجار تھا) نے ایک قلعہ بنایا تھا جسے "سج" کہتے تھے، علاوہ ازیں ایک قلعہ آلِ حُیَیّ بن اخطب کی رہائش گاہ میں بنو مالک بن مبذول کا تھا پھر ایک اور قلعہ زبیر کے غلام سر جس کی رہائش گاہ میں تھا، یہ جگہ بقیع زبیر تک تھی اور قلعہ آلِ عبید بن نعمان (نعمان بن عمرو بن مبذول) کے لئے تھا اور بقیع زبیر (درختوں کا ذخیرہ) ان جگہوں پر ذکر کیا گیا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ان گھروں کے مشرقی جانب تھا جو گنبد خضری سے بنو زریق، بنو غنم اور بقال تک پھیلا ہوا تھا جیسے عنقریب آ رہا ہے۔

بنو عدی بن نجار اپنی اس مشہور رہائش گاہ میں جا ٹھہرے جو مسجدِ نبوی کے مغرب میں تھی جیسے مطری نے لکھا ہے اور وہیں وہ قلعہ تھا جو ان کی مسجد کے قبلہ کی طرف تھا پھر انہوں نے وہ قلعہ بنایا جسے "اطم زاہریہ" کہا جاتا تھا۔ یہ عورت

اس میں رہائش رکھتی تھی' یہ دار نابغہ میں اس مسجد کے قریب تھا جو اس حویلی میں تھی۔

بنو مازن بن نجار اپنے مشہور گھر میں رہے جو بئرِ بصہ کے قبلہ کی طرف تھا' آج کل اس جانب کو ابو مازن کا نام دیتے ہیں' یہ نام اہل مدینہ نے بدل کر رکھا تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ وہاں انہوں نے دو قلعے بنائے تھے جن میں سے ایک کا نام ''واسط'' تھا۔ میں کہتا ہوں کہ قبیلوں کے رہائش گاہوں میں جو کچھ آرہا ہے اس کے بارے میں ابن شبہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ بنو ماذن کی رہائش گاہیں مدینہ کے قبلہ کی طرف بنو زریق کی رہائش گاہوں کے قریب ہی مشرق میں واقع تھیں۔ واللہ اعلم۔

بنو دینار بن نجار بطحان کی پچھلی طرف اس مقام پر ٹھہرے جو ان کے نام سے مشہور تھا اور پھر انہوں نے ''منیف'' نام کا قلعہ بنایا' یہ ان کی اس مسجد کے قریب تھا جسے مسجد بنو دینار کہا جاتا تھا جیسے ابن زبالہ نے لکھا ہے۔ اس مسجد کے بارے میں مطری لکھتے ہیں کہ ''بنو دینار بن نجار کے گھر بنو حدیلہ اور مسجد الاجابہ والے بنو معاویہ کے گھروں کے درمیان تھے اور بنو حدیلہ کے گھر بئر حاء کے قریب تھے اھ۔

مجھے پتہ نہیں چل سکا کہ مطری نے یہ کہاں سے لے کر لکھا ہے اور جو ابن زبالہ نے لکھا ہے وہ ان امور کے بارے میں زیادہ قابلِ بھروسہ ہے جو ان کی مسجد کے بارے میں بیان ہوئے ہیں۔

ابن زبالہ کہتے ہیں: بنو دینار کا خیال ہے کہ اولاً وہ دارِ ابوجہم بن حذیفہ عدوی میں پہنچے تھے' وہاں ان کی ایک عورت رہتی تھی جس کے سات بھائی تھے' وہ ان کے کنوئیں کے کنارے کھڑی ہوئی جو ابوجہم کے گھروں میں تھا' اس کے پاس چاندی کی کنگھی تھی' وہ کنوئیں میں گر گئی تو چلاّ کر اس نے اپنے بھائیوں کو آواز دی چنانچہ ان میں سے ایک کنگھی نکالنے کے لئے کنوئیں میں اترا تو ڈوبنے لگا' اس نے دوسرے بھائی کو آواز دی اور یوں ساتوں داخل ہو گئے اور یکے بعد دیگرے مر گئے' بنو نجار کے یہ گھر تھے۔

علامہ مطری کہتے ہیں (بعد والوں نے انہی کی پیروی کی) کہ نابغہ کا وہ گھر جس کا بنو عدی کے گھروں میں ذکر ہو چکا' یہ مسجد الرسول علیہ السلام کے مغرب میں تھا' یہ بنو عدی بن نجار کی رہائش گاہ تھی' مسجد الرسول اور اس کے ساتھ ہی مشرق کی طرف بنو غانم بن مالک بن نجار کے گھر تھے اور بنو نجار کے گھر مدینہ اور اس کے گرد شمال سے مسجد الاجابہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ نجار' تیم اللہ بن ثعلبہ کو کہتے تھے۔ اسے نجاّر کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک آدمی کو مارا اور داغ دیا تھا چنانچہ اسے نجاّر کہا جانے لگا' یہ وہی نجار ہیں جن کے بیٹوں اور اولاد کے گھروں کے بارے میں نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا تھا ''گھروں میں سب سے بہتر بنو نجار کے اور پھر بنو عبد الاشہل کے گھر ہیں۔'' اور یہ لوگ قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''کیا میں تمہیں انصار کے گھروں کے بارے میں نہ بتا دوں؟ صحابہ نے عرض کی' ہاں بتا دیجئے تو فرمایا کہ یہ بنو عبد الاشہل کے گھر ہیں' یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہیں' صحابہ نے عرض کی کہ ان کے بعد اور کون ہیں؟ تو فرمایا پھر بنو نجار ہیں۔'' دونوں روایتوں کے راوی ایک ہیں' دونوں احادیث صحیح ہیں لیکن ان میں

اختلاف ہے، بنو نجار کی اوّلیت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ ہے جس میں اختلاف نہیں اور اس کی کئی احادیث سے تائید ہوتی ہے۔ یہ حضرات حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ماموں ہیں جو نبی کریم ﷺ کے جدِّ امجد تھے اور یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ ان کے پاس نازل ہوئے تھے جیسے آگے آ رہا ہے پھر اس مذکور روایت میں بنو عبد الاشہل کے بعد بنو حارث بن خزرج اکبر کا ذکر فرمایا اور پھر بنو ساعدہ کا اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ارشاد ہے: ''انصار کے سب گھروں میں بھلائی پائی جاتی ہے'' گویا یہ عظمت ان کے سب سے پہلے اسلام لانے کی وجہ سے تھی اور ان کی ان کوششوں کی وجہ سے تھی جو انہوں نے اسلام پھیلانے میں کی تھیں۔

ابن زبالہ انصار کے تمام گھر ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: بنو شطبہ شام سے آئے تو میطان میں ٹھہرے، وہ جگہ موافق نہ آئی تو ہٹ کر جذمان کے قریب چلے گئے پھر وہاں سے ''راتج'' کے پاس ٹھہرے چنانچہ یہ راتج کے تین قبیلوں میں سے ایک تھے، ابن زبالہ راتج کا ذکر یہودیوں کے گھروں میں کیا ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ راتج میں یہودی آباد تھے، راتج ایک قلعہ تھا جس کی وجہ سے وہ جانب راتج کہلائی اور پھر یہ جانب بنو جذماء کے لئے ہوگئی اور بعد میں ان اہلِ راتج کے لئے ہوئی بنو عبد الاشہل کے حلیف تھے۔

اس سے قبل ہم اہلِ راتج کے بارے میں بتا چکے ہیں کہ اہلِ راتج بنو زعوراء بن جشم کو کہتے ہیں جو عبد الاشہل بن جشم کا بھائی تھا پھر انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اہل راتج ہی میں سے بنو سعد بن مرہ بن مالک بن اوس تھے۔

علامہ مطری نے لکھا کہ راتج ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جو وادی بطحان کے مغربی جانب میں ہے اور اس کے ساتھ ہی چھوٹا سا ایک اور پہاڑ ہے جسے جبلِ بنو عبید کہتے ہیں۔ انتہیٰ۔

آگے اس کے بارے میں اختلاف کا ذکر آ رہا ہے نیز یہ بھی بتایا جائے گا کہ راتج ''مسجد الرایہ'' کی جانب میں ہے۔

فصل نمبر ۶

اوس و خزرج میں جنگِ بعاث

علامہ رزین نے علامہ شرقی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔کہ جب تک اللہ کو منظور تھا، اوس و خزرج مدینہ طیبہ میں اتفاق و اتحاد سے رہے اور پھر ان کے درمیان بہت سی جنگیں ہوئیں کہ ان سے زیادہ کسی اور قوم میں نہیں سنی گئیں اور نہ ہی اتنی طویل جنگیں کہیں ہوئیں۔

بعاث سے پہلے کی جنگیں

ان میں سب سے پہلی جنگ ''حربِ سمیر'' تھی جس کا سبب بنو ثعلبہ میں سے ایک مرد بنا جو مالک بن عجلان کا

حلیف تھا' اسے اوس کے ایک شخص نے قتل کر دیا تھا جسے سمیر کہتے تھے۔ پھر ان کے درمیان حربِ کعب بن عمرو ہوئی پھر یوم السرارہ (یہ بنو بیاضہ اور حماضہ کے درمیان ایک جگہ تھی) پھر جنگ یوم الدیک ہوئی (یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے) اور پھر یومِ بعاث تھی جو سب سے آخر میں ہوئی جس میں اوس وخزرج کے سردار اور رئیس قتل ہو گئے۔

میں بتاتا چلوں کہ اوس وخزرج کے درمیان کئی معرکے ہوئے جن میں سب سے مشہور یوم السرارہ تھا' یوم فارع تھا اور اوّل و دوم یومِ فجار تھا پھر حرب حضیر بن اسلت پھر حرب حاطب بن قیس اور آخر میں جنگ بعاث ہوئی چنانچہ علامہ خطابی کے قول: ''یومِ بعاث مشہور دن تھا جس میں اوس کی طرف سے خزرج کے خلاف سخت معرکہ ہوا اور یہ جنگ ابنِ اسحاق وغیرہ کے مطابق اسلام آنے تک ایک سو بیس سال تک جاری رہی'' کا مطلب یہ بنے گا کہ اوس وخزرج کی تمام جنگیں یوم بعاث سے پہلے ہوئیں اور اس کے بعد یہ سلسلہ رُک گیا ورنہ یہ بات ردّ کر دی جائے گی۔ آگے یومِ بعاث کی معین تاریخ کا ذکر آ رہا ہے۔

جنگِ بعاث کا سبب

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ پہلی تمام جنگوں میں اکثر خزرج کو اوس کے خلاف کامیابی ہوتی رہی' تنگ آ کر اوس بنو قریظہ کو حلیف بنانے چلے گئے' خزرج نے انہیں پیغام بھیج دیا کہ اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہماری طرف سے جنگ کا اعلان ہے۔ اس پر وہ بکھر گئے اور خزرج کو پیغام بھیجا کہ ہم ان کو حلیف نہیں بنائیں گے اور نہ ہی انہیں تمہارے سامنے لائیں گے چنانچہ خزرج نے یہود سے کہا: تم ہمیں ضمانت دو ورنہ ہم تم سے بے فکر نہیں رہ سکتے' انہوں نے ضمانت میں چالیس غلام بھیج دیئے جنہیں خزرج نے اپنے گھروں میں تقسیم کر لیا۔

جب اوس یہودیوں کی امداد سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے خزرج کے کچھ قبیلوں کو حلیف بنایا جن میں بنو عمرو بن عوف تھے' سب نے کہا: بخدا ہم صلح نہیں کریں گے بلکہ بدلہ لیں گے چنانچہ جنگ شروع ہو گئی' اوس میں بہت سے قتل ہوئے کیونکہ ان کی قوم نے انہیں ذلیل کیا۔ سعد بن معاذ اشہلی نکلا تو عمرو بن جموح حرامی نے اسے پناہ دی اور جب اوس نے دیکھ لیا کہ ان کا معاملہ گھاٹے میں ہے تو انہوں نے عہد کر لیا کہ مدینہ میں خزرج کے حلیف بن جائیں پھر مشورہ کیا کہ قریش کے حلیف بنیں چنانچہ انہوں نے عمرے کا ارادہ ظاہر کیا' سب میں یہ عہد تھا کہ حج وعمرہ کا ارادہ کرنے والے کو کچھ نہیں کہتے تھے اس لئے ان کے احوال کی حفاظت پر براء بن معرور مقرر ہوا' وہ مکہ آ گئے اور قریش کو حلیف بنا لیا۔ اس کے بعد ابو جہل آیا (پہلے موجود نہ تھا) تو اس نے حیلے بہانے سے یہ معاہدہ توڑ دیا۔

میں بتلاتا ہوں کہ ابن شبہ نے افلح بن سعید سے روایت کی ہے جو اس بات کے مخالف ہے کہ ابو جہل نے معاہدہ توڑنے میں کوئی دخل دیا تھا اور کسی حیلہ سے کام لیا تھا چنانچہ ابن شبہ نے کہا کہ خزرج کے جلا وطن کرنے پر اوس نکل کھڑے ہوئے تھے اور قریش مکہ کے پاس پہلے گئے' انہوں نے حلیف بنا لیا اور جب انہیں حلیف بنا لیا تو ولیدہ بن

مغیرہ نے کہا: بخدا جب بھی کوئی قوم کسی دوسری قوم کے پاس آتی ہے تو ان کا شرف وعزت گنوا دیتی اور ان کے گھروں کی وارث بن جاتی ہے لہٰذا اوس سے حلف نامہ توڑ دو۔ انہوں نے کہا کس بناء پر توڑ دیں؟ ولید نے کہا کہ قوم میں لحاظ ملاحظہ پایا جاتا ہے لہٰذا ان سے کہہ دو کہ ہمیں کوئی بات بھول گئی جسے ہم یاد نہ رکھ سکے تھے' ہم وہ لوگ ہیں کہ عورتیں گھر پر ہوتی ہیں لہٰذا کوئی انہیں دیکھ کر خوبصورت لگنے پر اسے قتل کر دے گا یا انہیں ہاتھ لگا دے گا چنانچہ جب انہوں نے اوس سے یہ بات کہی تو وہ نفرت کھا گئے اور کہنے لگے کہ یہ حلف توڑ دو چنانچہ قریش نے یہ حلف توڑ دی۔ انتہیٰ۔

ابھی یہ قسم پوری نہ ہو سکی تھی کہ اوس میں سے نَبِیْـــت خیبر کو چلے گئے (میں کہتا ہوں کہ اس عبیت کے لفظ سے ابن شبہ نے چند لوگ مراد لئے ہیں اور یہ بنو حارثہ تھے کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ لفظ ان پر بولا جاتا تھا اور ان کے علاوہ بنو عبد الاشہل' بنو ظفر اور بنو زعورا پر بولا جاتا تھا تاہم خیبر کو چلے جانے والے صرف بنو حارثہ تھے جیسے گذر چکا' ہاں ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کچھ اور مراد لیا ہو اور یہ لوگ سال بھر وہاں رہے' اس دوران وہاں ان کی ایک بڑھیا مر گئی تو انہوں نے کہا "سال بھر میں ایک بڑھیا کا مر جانا ایک معمولی حادثہ ہے۔" یہ ان کی طرف سے ایک کہاوت بن گئی۔

جب خزرج نے دیکھا کہ وہ اوس پر فتح پا گئے ہیں تو اپنے شعروں میں ان پر فخر جتلانے لگے عمرو بن نعمان بیاضی نے کہا: اے میری قوم! بیاضہ بن عمرو نے تمہیں بری جگہ پر لا کھڑا کیا ہے' بخدا میں اس وقت تک غسل نہیں کروں گا جب تک تمہیں بنو قریظہ اور نضیر کے ساتھ نہیں لا کھڑا کروں گا اور جب تک ضمانت والوں کو قتل نہیں کروں گا۔ ان کے پاس پانی کی کمی نہ تھی اور عمدہ کھجوریں بھی بہت تھیں' ان میں سے ایک آدمی نے خوبصورتی سے شعر پڑھے جن میں اوس کے خیبر کی طرف جلا وطن ہونے کا ذکر کیا اور یہ بھی کہ انہوں نے یہودیوں سے ضمانت لی تھی:

"اپنے حلیفوں کی طرف آؤ' ان کی عظمت خاک میں مل چکی۔ ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب دشمن کے مقابلے پر جاتے ہیں تو انہیں ایسی ضرب لگاتے ہیں جو دل دہلا دیتی ہے۔"

ان کی یہ بات بنو قریظہ اور نضیر تک پہنچ گئی، "صریح" کے لفظ سے یہی لوگ مراد ہیں کیونکہ یہ بنو الکاہن بن ہارون کی اولاد سے تھے اور پھر یہی بات مدینہ میں رہ جانے والے کچھ اوس کے لوگوں کے کانوں میں بھی پڑی چنانچہ وہ کعب بن اسد قرظی کی طرف گئے اور اسے خزرج کے مقابلہ میں حلف پر مجبور کیا چنانچہ اس نے یہ بات مان لی پھر انہوں نے بنو قریظہ اور نضیر سے قسمیہ معاہدہ کیا اور پھر یہ اطلاع خیبر میں جانے والوں تک پہنچا دی' وہ آ گئے تو خزرج نے قتل و غارت کی ٹھانی جس پر کعب بن اسد قرظی نے کہا کہ یہ صرف ایک رات ہے پھر نو ماہ ہیں' حلف پوری ہو جائے گی' انہوں نے اوس کی طرف پیغام بھیجا' ہماری طرف چلے آؤ اور اکٹھے ہو کر ہم ان کی طرف جاتے ہیں' خزرج عبد اللہ بن ابی کی طرف آئے اور کہنے لگے: تمہیں کیا ہوا کہ ضمانت والوں کو قتل نہیں کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں کبھی بھی ان سے دھوکا نہ کروں گا' تم تو باغی لوگ ہو' مجھے معلوم ہوا ہے کہ اوس کہتے ہیں: انہوں نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا ہے' بخدا یہ لوگ اس وقت تک نہیں مریں گے جب تک تم میں سے بہت سے لوگوں کو قتل نہ کر دیں گے۔ عمرو بن نعمان نے کہا: واللہ تمہاری ہوا

اکھڑ گئی ہے' اس پر اس نے کہا کہ میں تمہیں نہیں بلاتا' میں تمہیں قتل ہوتا دیکھ رہا ہوں' چار آدمی تمہیں چادر میں ڈال کر اٹھا لیں گے۔

بنو خزرج نے اکٹھ کیا اور عمرو بن نعمان کو اپنا رئیس بنا لیا (میں یہاں بتاتا چلوں کہ ابن حزم کے مطابق ان دنوں ان کا رئیس نعمان کا والد تھا یعنی رحیلہ بن ثعلبہ بیاضی' واللہ اعلم) اور بعاث کے مقام پر لڑے' یہ "قوری" کی بالائی جانب ایک مقام تھا' خزرج کو شکست ہوئی اور عمرو بن نعمان قتل ہو گیا' اسے اُٹھا کر لایا گیا تو ابی کے کہنے کے مطابق چار شخص اسے اُٹھا کر لائے۔ اس پر یہودیوں نے قسم کھائی کہ عبداللہ بن اُبی کا قلعہ گرا دیں گے۔

ابو عمر وراھب اوس والوں کے ساتھ تھا جبکہ ابی کی بیٹی جمیلہ اس کی بیوی تھی' حنظلہ غسیل کی ماں یہی تھی۔

جب یہودیوں نے عبداللہ کے گھر کا احاطہ کیا تو اس نے کہا: جہاں تک میرا معاملہ ہے' میں تو ان کے ساتھ نہیں بیٹھا تھا اور یہ جو میرے پاس لوگ ہیں' تمہاری ہی اولاد ہیں' میں نے ان میں سے ایک کو بھی قتل نہیں کیا۔ خزرج کو لوٹ لیا گیا' انہوں نے میری بات نہیں مانی۔ اس کے پاس بچ جانے والوں میں سے بڑی تعداد بنو نضیر کی تھی۔ انہوں نے سنا تو بہت خوش ہوئے چنانچہ انہوں نے اوس اور قریظہ سے انہیں پناہ دی' ان کی اولاد اور حلیف لوگوں کو چھوڑ دیا گیا' یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ خزرج کے حلیفوں نے حیلے بہانے سے انہیں واپس کر دیا۔

اس جنگ میں اوس کا رئیس حضیر تھا جسے "حضیر الکتائب" کہتے تھے' یہ اسید بن حضیر کا والد تھا' یہ یہیں قتل ہو گیا' خفاف بن ندبہ نے حضیر کا یہ مرثیہ لکھا:

> "مجھے خبر مل گئی تھی لیکن میں نے جھوٹ سمجھا' لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارا دوست مر گیا ہے' اے آنکھ حضیر الکتائب پر آنسو بہاؤ۔"

ادھر خزرج کا رئیس عمرو بن نعمان بیاضی تھا جیسے گذر چکا۔ کچھ کہتے ہیں کہ پہلے امداد خزرج کو ملی تھی پھر حضیر نے اوس کو حوصلہ دیا تو وہ مڑ آئے اور مدد حاصل کر لی۔

ابو الفرج اصفہانی نے ذکر کیا ہے: اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے قاعدے کے مطابق اصیل شخص کو حلیف کے بدلے میں قتل نہیں کرتے تھے چنانچہ اوس نے خزرج کے ایک حلیف کو قتل کر دیا' انہوں نے اسے قید کرنے کا ارادہ کیا پھر رُک گئے' یہی وہ وجہ تھی جس کی بناء پر ان کے درمیان جنگ ہوئی اور صحیح یہ ہے کہ جنگ بعاث ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی' بعض چار سال قبل لکھتے ہیں اور کچھ نے زیادہ عرصہ کیا ہے' یہی وہ جنگ ہے جس کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ملتی ہے: "یہ وہ جنگ بعاث ہے جسے اوس وخزرج کے اسلام لانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر برپا کیا تھا' آپ یہاں تشریف لائے تو ان میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا اور ان کے سردار قتل ہو گئے تھے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے وہ اکابر قتل ہو گئے تھے جو اپنی جہالت میں شدت کی بناء پر اسلام لانے والے

نہ تھے کیونکہ وہ تکبر والے تھے' کسی کے ماتحت ہونا نہیں جانتے تھے' ان میں سے صرف عبد اللہ بن ابی رہ گیا تھا جس کی کہانی مشہور ہے' یونہی ابو عامر راہب بچ گیا تھا جسے حضورﷺ نے فاسق کا نام دیا تھا۔

اہلِ سیرت لکھتے ہیں کہ رسول اللہﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو اس سے قبل اہلِ مدینہ کا سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا جو قبیلۂ خزرج سے تھا پھر بنوعوف بن خزرج اور پھر بنوالحبلی سے تعلق تھا' اس کی قوم میں اس سے بڑھ کر کوئی باعزت نہ تھا' اوس اور خزرج دونوں قبیلے اسلام لانے سے پہلے اور بعد' اس کے سوا کسی ایک شخص پر متفق نہیں ہوئے تھے حالانکہ اسی کے دور میں اوس کے اندر بھی ایک اچھا شخص موجود تھا جس کی اتباع ہوتی تھی' وہ ابو عامر بن صیفی بن نعمان تھا جو بنوضبیعہ بن زید میں سے ایک تھا' اسی کو ابوحنظلہ غسیل کہتے تھے' یہ راہب بن گیا تھا اور بالوں سے بنی گودڑی پہنا کرتا تھا۔ یہ دونوں شخص اپنی اپنی اس عزت کے باوجود بدبخت تھے' رہا عبد اللہ بن ابی بن سلول تو جب اس کی قوم اس کو چھوڑ کر اسلام لے آئی تو وہ کینہ سے بھر گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ رسول اللہﷺ نے اس سے حکومت چھین لی ہے اور پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم اسلام سے نہیں ہٹے گی تو مجبوراً اسلام لے آیا لیکن اندر سے پکا منافق اور کینہ سے بھرپور رہا اور یہی وجہ تھی کہ وہ منافقوں کا سردار ٹھہرا' منافق اسی کے پاس جمع ہوتے اور غزوۂ بنوالمصطلق کے موقع پر قرآن کے مطابق اسی نے کہا تھا:

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۝ (سورۂ منافقون: ۸)

"ہم مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے' وہ اس میں سے نکال دے گا' اسے جو نہایت ذلت والا ہے۔"

رہا ابو عامر تو اس کی قوم (اوس) جب اسلام لے آئی' وہ کفر پر ڈٹ گیا اور اپنی قوم سے الگ تھلگ ہو گیا' رسول اللہﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے تو وہ یہاں پہنچا اور کہا: یہ کیا دین ہے جسے تم لے آئے ہو؟ آپ نے فرمایا: یہ دین ابراہیم ہے جس میں اونچ نیچ نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا: دین ابراہیمی پر کار بند تو میں ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا اس سے کیا واسطہ؟ اس نے کہا: اے محمد! تم نے وہ کچھ اس دین میں داخل کر دیا ہے جو اس میں نہ تھا۔ آپ نے فرمایا' میں نے تو ایسا نہیں کیا' میں تو صاف ستھرا دین لایا ہوں۔ اس جھوٹے نے کہا: اللہ اس دین کو یہاں سے نکال دے اور یہ اکیلا رہ جائے۔ آپ نے فرمایا' ہاں جو جھوٹا ہو گا' وہ یونہی ہو گا چنانچہ وہ دشمن خدا اسلام چھوڑ کر مکہ کو چلا گیا۔ اس پر رسول اللہﷺ نے فرمایا: "اسے راہب نہ کہو بلکہ "فاسق" کہا کرو' اور جب آپ نے مکہ فتح کر لیا تو وہ طائف کی طرف چلا گیا پھر جب اہلِ طائف اسلام لے آئے تو اہلِ شام کے پاس چلا گیا تو وہاں جا کر ذلت' بے وطنی اور تنہائی کی موت مر گیا۔

کچھ تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ اوس و خزرج میں سے ایک بھی شخص ابو عامر سے بڑھ کر حضرت محمدﷺ کی تعریف نہیں کیا کرتا تھا' وہ یہودیوں سے پیار رکھتا اور رسول اللہﷺ کے بارے میں ان سے پوچھتا رہتا' وہ اسے آپ کے بارے میں بتایا کرتے پھر تیماء کے یہودیوں کی طرف گیا اور شام پہنچا' وہاں کے عیسائیوں سے اس بارے میں پوچھا

تو انہوں نے بتا دیا' وہاں سے واپس ہوا تو کہتا تھا کہ میں اعتدال والے دین پر ہوں پھر راہب بنا اور بالوں سے بنی گودڑی پہنی' ظاہر یہ کیا کہ وہ نبی کریم علیہ کے تشریف آوری کا منتظر ہے اور جب مکہ میں آپ کا ظہور ہو گیا تو آپ کی طرف نہیں گیا اور جب آپ مدینہ پہنچے تو حسد کرنے لگا اور باغی ہو گیا' راوی نے نبی کریم علیہ کے پاس اس کے جانے کا پہلے کی طرح ذکر کیا البتہ یہ بتایا کہ "رسول اللہ علیہ نے فرمایا تھا' یہ جھوٹا ہے' اللہ اسے تنہائی اور ذلت کی موت دے گا" اس نے کہا: آمین۔

پھر اس راوی نے اس کے مکہ کو چلے جانے کا ذکر کیا اور یہ بات بڑھائی کہ: وہ قریش کے دین کی اتباع کرتے ہوئے ان کے ساتھ رہا اور اپنا مذہب چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ وہ شخص تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے مطابق دیکھا گیا۔

فصل نمبر ۷

اوس وخزرج پر نبی کریم علیہ کی مہربانیوں کی ابتداء اور عقبۂ صغریٰ کا ذکر

پہلے ذکر شدہ جنگیں اوس وخزرج میں جاری تھیں کہ اللہ نے انہیں رسول اللہ علیہ کی تابعداری کا شرف بخشا اور وہ یوں کہ آپ عربوں کے اجتماع والے ہر موقع پر ان سے فرمایا کرتے کہ انہیں اپنے قبیلہ کی طرف لے چلیں' فرمایا: کوئی ایسا ہے جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے چلے؟ کیونکہ قریش نے مجھے کلامِ ربانی سنانے سے روک دیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ قوم میں ایسا شخص پہلے ہی ہوتا ہے جو ان کے حالات جانتا ہوتا ہے۔

ابن اسحاق نے بتایا کہ حضور علیہ نے کندہ' کلب اور بنو حنیفہ کے پاس جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا چنانچہ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان قبائل سے زیادہ آپ کے ساتھ برا پیش آنے والا اور کوئی نہ تھا۔ امام زہری کہتے ہیں کہ ہجرت سے قبل کے سالوں میں آپ مختلف قبیلوں کے پاس جانے کی خواہش فرماتے' قوم کے شریف لوگوں سے بات کرتے اور صرف ان سے اتنا چاہتے کہ آپ کی بات سنیں اور انکار نہ کیا کریں پھر فرماتے کہ میں تم میں سے کسی کو کسی کام کے لئے مجبور نہ کروں گا' میں صرف یہ کہوں گا کہ مجھے تکلیف پہنچانے والوں کو ذرا روک دیا کرو کہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا لیا کروں ورنہ وہ میری بات قبول نہیں کرتے۔

علامہ واقدی نے حضور علیہ کی طرف سے بنو عبس کو دعوتِ اسلام دینے کا ذکر کیا ہے' آپ عکاظ میں غسان اور بنو محارب کے گھروں کی طرف تشریف لے گئے' دین اسلام کی دعوت دیتے رہے' آپ عرب والوں میں سے جسے بھی ملتے اور دیکھتے' اسے اسلام کی دعوت دئے جاتے' ہوتے ہوتے آپ سوید بن صامت (اوس قبیلہ میں سے بنو عمر

بن عوف کا بھائی بند) کے پاس تشریف لے گئے (وہ چونکہ مضبوط اور بالوں والا تھا لہٰذا اسے "کامل" کہتے تھے) اور اسے دعوتِ اسلام دی' نہ تو اس نے نفرت کی اور نہ ہی دعوت قبول کی پھر یثرب کی طرف چلا گیا اور جلد ہی جنگ بعاث میں قتل ہو گیا۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ اس کی قوم کے کچھ کہا کرتے تھے کہ ہم نے اسے مرتے دیکھا تھا' وہ مسلمان ہو چکا تھا۔

پھر آپ ابو الحُیَسر انس بن رافع کے پاس مکہ پہنچے (وہ اپنی قوم بنو عبد الاشہل کے جوانوں میں شامل تھا جو حلیف بننا چاہتے تھے) اور انہیں دعوتِ اسلام دی۔ ان میں سے ایک جوان ایاس بن معاذ نامی نے کہا کہ بخدا یہ دین ہمارے پہلے دین سے بہتر ہے' اس پر ابو الحیسر نے اسے مارا اور جھڑکا' وہ خاموش ہو گیا اور اس کے بعد وہ حلیف نہ بن سکے اور اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے' یہ الیاس بن معاذ مر گیا تو لوگوں نے کہا کہ مسلمان مرا ہے۔

علامہ رزین نے یہی واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: پھر اوس قبیلہ والے آئے' وہ قریش کے حلیف بننا چاہتے تھے' رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں اپنی بات سننے کا فرمایا: ارشاد فرمایا کہ میری بات سنو! تم جس کام کے لئے آئے ہو' اس میں کیا بہتری دیکھتے ہو' پھر انہیں قرآن کی تلاوت سنائی اور حکم دیا کہ مجھ سے بیعت کر لو اور میری بات مانا کرو کیونکہ عنقریب تمہیں میرے پاس جمع ہونا ہے۔ یہ سن کر عمرو بن جموح نے کہا: اے میری قوم! تم جس کام کے لئے آئے ہو' اس سے یہ بہت بہتر ہے۔ لیکن انہوں نے اسے جھڑک دیا اور کہا: ہم اس غرض سے تو آئے ہی نہیں چنانچہ انہوں نے آپ کی بات نہ مانی اور واپس چلے گئے چنانچہ جنگ بعاث ہوئی۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ آپ اپنی بات سنانا چاہتے تو لوگ انکار کرتے' اسی دوران آپ نے اوس کے ایک گروہ کے بارے میں سنا کہ ان میں پچھلی نفرت بھڑک اٹھی ہے چنانچہ ان کے گھروں میں تشریف لے گئے' وہ پوچھنے لگے: تم کون ہو؟ آپ نے انہیں رشتہ داری بتائی اور اپنے بارے خبردار کیا' قرآن کی تلاوت فرمائی اور انہیں بتایا کہ تم میرے ننھیال ہو' میں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں مجھے بلاؤ اور مخالفت کرنے والوں کو ذرا روکو تاکہ میں اللہ کے احکام بتا سکوں۔ یہ سن کر ان میں سے کچھ لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دل میں کہا: بخدا یہ شخص سچا ہے' یہ تو وہی نبی ہے اہلِ کتاب جس کا ذکر کیا کرتے ہیں اور اسی کے نام کی برکت سے تمہارے خلاف فتح حاصل کیا کرتے ہیں' چنانچہ اوس قبیلہ والوں نے آپ کی آمد کو اچھا جانا اور آپ پر ایمان لے آئے' کہنے لگے: آپ تو اللہ کے رسول ہیں' ہم آپ کو خوب پہچانتے ہیں' آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کو سچا کہتے ہیں' آپ ہمیں حکم دیں' ہم آپ کی بے فرمانی نہیں کریں گے۔

حضور ﷺ ان کے پاس جانے آنے لگے تو انہیں اسلام کی سوجھ بوجھ آنے لگی۔ پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم کو اپنے اس دین کی دعوت دو۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ ہمارے ساتھ ان کے پاس تشریف لے چلیں جس پر

آپ نے فرمایا' ایسا اللہ کے حکم آنے پر کروں گا چنانچہ وہ اہلِ مدینہ میں اپنے اہلِ قبیلہ سے جا ملے اور پھر موسم میں آپ کی خدمت حاضر ہوئے پھر واقعۂ عقبہ ہوا۔

ابن زبالہ کا یہ بیان پہلے بیان کے مخالف ہے جس میں بتایا گیا تھا کہ اوس قبیلہ میں سے کچھ لوگوں نے آپ دعوت قبول نہ کی تھی۔

حاکم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت لکھی ہے' انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم فرمایا کہ اہل عرب کو تبلیغ فرمایا کریں۔ آپ منیٰ کو چل پڑے: میں اور ابوبکر ساتھ تھے۔ وہاں اہلِ عرب کی ایک مجلس میں پہنچے۔ ابوبکر آگے ہوئے' آپ نسب ناموں کے ماہر تھے' ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا' ہم ربیعہ ہیں۔

چنانچہ حاکم نے اس کے بعد ایک طویل حدیث لکھی ہے جس میں ان کے مڑنے کا ذکر کیا اور اخیر میں اسلام سے رُک جانے کا بیان کیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اوس و خزرج کی مجلس میں گئے' یہی وہ لوگ تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ''انصار'' کا نام دیا تھا کیونکہ انہوں نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور امداد کی تھی۔ فرماتے ہیں کہ تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے نبی کریم ﷺ سے بیعت کر لی تھی۔

عقبۂ اُولیٰ

ابن اسحاق' عقبۂ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ اس موسم میں نکلے جس میں انصار سے ملے تھے اور اسی موسم میں انہیں دعوتِ اسلام دی اور اپنا آپ ان پر پیش کیا جیسے ہر موسم کرتے رہتے تھے' چنانچہ عقبہ (گھاٹی) کے پاس تھے کہ خزرج کے ایک گروہ سے ملے اور پوچھا: کیا یہودیوں کے غلام ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ فرمایا: ذرا دیر بیٹھتے نہیں ہو' میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں؟ انہوں نے کہا' کیوں نہیں ضرور بات کیجئے چنانچہ وہ آپ کے پاس بیٹھ گئے' آپ نے انہیں اللہ کے بارے میں بتایا اور دعوتِ اسلام دی۔ اللہ نے ان کے اسلام لانے کا یہ بہانہ بنایا کہ یہودی ان کے شہروں میں تھے جو اہلِ علم و کتاب تھے' یہ لوگ مشرک تھے اور بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے' وہ ان شہروں میں ان سے جنگ کرتے' جب بھی ان کے درمیان کوئی معاملہ آ جاتا تو ان سے کہتے: ایک نبی کا زمانہ قریب ہے' ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب اس گروہ سے بات کی اور انہیں اللہ کی طرف بلایا تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: یہ بات جان لو کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق یہودی تمہیں بتاتے رہے ہیں لہٰذا ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں چنانچہ فوراً انہوں نے آپ کی بات مان لی (اسلام لے آئے) اور عرض کی: ہم اپنی قوم کو چھوڑ

رہے ہیں' ایسی کوئی قوم نہیں جن میں موجود دشمنی ان کی دشمنی جیسی ہو' اگر یہ آپ پر اکٹھے ہو جائیں تو انہیں آپ جیسا پیارا اور کوئی نہیں لگے گا۔

اس کے بعد وہ اپنے اپنے علاقے کو چلے گئے اور اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دینے لگے اور جب وہ آپ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو ان کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس کے گھر میں آپ کا ذکر نہ ہو رہا ہو۔

عقبہ اولیٰ میں شامل حضرات

ابن اسحاق کہتے ہیں' جہاں تک مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ پہلی مرتبہ آنے والے (عقبہ اولیٰ) کل چھ افراد تھے جن کا تعلق خزرج سے تھا' وہ یہ تھے: ابو امامہ اسعد بن زرارہ' عوف بن حارث' (یہ دونوں بنو غنم بن مالک بن نجار میں سے تھے) رافع بن مالک بن عجلان زرقی' قطبہ بن عامر بن حدیدہ' جابر بن عبد اللہ بن رباب اور عقبہ بن عامر بن نابی تھے (یہ تینوں بنو سلمہ میں سے تھے) لیکن موسیٰ بن عقبہ نے عروہ کے ذریعے زہری اور ابو الاسود سے روایت کی کہ وہ چھ حضرات یہ تھے: اسعد بن زرارہ' معاذ بن عفراء (عفراء ان کی والدہ تھیں اور باپ کا نام عمرو بن جموح تھا' یہ بھی بنو غنم بن مالک بن نجار تھے) رافع بن مالک' یزید بن ثعلبہ بلوی جو بنو غصینہ میں سے ان کے حلیف تھے' ابو الہیثم مالک بن تیہان اوسی' یہ عبد الاشہل بن جشم کے برادران میں بنو جشم کہلاتے تھے' عویم بن ساعدہ اوسی' یہ بنو امیہ بن زید سے تھے' یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں عبادہ بن صامت خزرجی تھے' یہ سالم بن عوف کے برادران بنو غنم میں سے تھے اور ذکوان زرقی تھے چنانچہ یہ کل آٹھ حضرات تھے۔ کچھ وہ حضرات ہیں جنہوں نے سات افراد گنے ہیں چنانچہ انہوں نے جابر بن عبد اللہ یا عبد اللہ بن زید کو شمار نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ پہلے سال میں صرف یہ دو حضرات اسلام لائے تھے' اسعد بن زرارہ اور ذکوان۔

ابن اسحاق دوسرے عقبہ یا پہلے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب اگلا سال آیا تو بارہ افراد آئے تھے پھر جابر بن عبد اللہ کے علاوہ پہلے حضرات کا ذکر کیا علاوہ ازیں ذکوان زرقی' عبادہ بن صامت' یزید بن ثعلبہ' عباس بن عبادہ بن نضلہ غنمی سالمی خزرجی' معاذ بن عفراء' ابو الہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے گھاٹی (عقبہ) کے پاس انہیں عورتوں جیسے طریقے پر بیعت فرمایا یعنی اس طرح بیعت فرمایا جیسے فتح مکہ کے بعد عورتوں سے بیعت لی تھی کہ:

عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا ۝ (سورۂ ممتحنہ: ۱۲)

"کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی۔"

ابھی جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا بلکہ توحید اور نماز کے علاوہ یہ سب کچھ فرض نازل ہونے سے پہلے ہوا تھا۔

حضورﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ انہیں دین سکھائیں اور اسلام

کی تعلیم دیں۔ وہ انہیں نماز پڑھایا کرتے تھے اور کہتے ہیں کہ آپ نے اس کے بعد حضرت مصعب کو ان کی طلب پر ان کی طرف بھیجا کہ وہ علم سکھائیں اور قرآن پڑھائیں چنانچہ انہیں "مُقْرِیء" کہا جاتا تھا' یہ وہ پہلے صحابی ہیں جنہیں ایسا کہا گیا۔

وہ گئے اور اسعد بن زرارہ کے پاس ٹھہرے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی طرف مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم کو بھیجا تھا' حضرت مصعب بن عمیر تو انہیں نماز پڑھایا کرتے کیونکہ اوس وخزرج میں سے کچھ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان میں کوئی دوسروں کو نماز پڑھائے چنانچہ انہوں نے انہیں جمعہ پڑھایا' اسلام میں یہ پہلا جمعہ تھا۔ دار قطنی میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہیں جمعہ پڑھائیں' انہوں نے جمعہ پڑھایا جس میں کل بارہ افراد تھے۔

علامہ زھری لکھتے ہیں کہ ابن اسحٰق کے نزدیک انہیں پہلا جمعہ پڑھانے والے ابو امامہ اسعد بن زرارہ تھے۔ ابو داؤد میں حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے' کہا کہ میرے والد جب جمعہ کی آواز سنتے تو اسعد بن زرارہ کے لئے استغفار کیا کرتے' میں نے اس بارے میں پوچھا تو کہا: یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نقیع الخضمات میں سب سے پہلا جمعہ پڑھایا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ اس دن کتنے لوگ تھے تو انہوں نے بتایا' چالیس افراد تھے۔

علامہ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ روایت زھری کی اس روایت کے خلاف نہیں جس میں مصعب بن عمیر کے انہیں جمعہ پڑھانے کا ذکر ہے جس میں بارہ افراد شامل ہوئے کیونکہ زھری کا مقصد یہ بتانا ہے کہ انہوں نے ان بارہ حضرات کے تعاون سے جمعہ قائم کیا تھا جنہوں نے گھاٹی میں بیعت کی تھی اور حضور ﷺ نے انہیں ان کے ساتھ ہی بھیج دیا تھا یا مسلمانوں کی کثرت ہونے پر انہیں ان کے پیچھے روانہ کیا تھا اور اسعد بن زرارہ انہیں میں تھے چنانچہ زھری نے جمعہ پڑھانے کو مصعب کی طرف منسوب کیا کیونکہ وہ امام بنے تھے لیکن کعب نے اسعد کی طرف منسوب کیا کیونکہ مصعب پہلے انہی کے پاس گئے تھے' انہوں نے ہی مدد کی تھی اور دعوتِ اسلام دینے کے لئے انصار کے گھروں تک وہی لے کر گئے تھے' بارہ افراد سے زھری کی مراد وہ لوگ تھے جو ان کے ساتھ نکلے تھے اور ان کے پشت پناہ تھے جبکہ کعب کا مقصد یہ بتانا ہے تمام غازی اتنے تھے لہٰذا کعب کا یہ قول متصل ہے جبکہ زھری کا منقطع ہے اھ۔

طبرانی نے حضرت عروہ سے ایک طویل مرسل حدیث لکھی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ اپنی طرف سے کسی آدمی کو بھیجیں جو لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دے کیونکہ وہ اس لائق ہو گا کہ اس کی بات مانی جائے چنانچہ رسول اللہ نے ان کی طرف بنو عبد الدار کے بھائی بند مصعب بن عمیر کو روانہ فرمایا' وہ بنوغنم کے اسعد بن زرارہ کے پاس پہنچے اور لوگوں کو دعوت دینے لگے اور اسلام پھیلانا شروع کر دیا' دعوتِ اسلام کا یہ سلسلہ وہ خفیہ طور پر کرتے تھے پھر اسعد بن زرارہ آئے' مصعب بن عمیر ساتھ تھے' یہ مرق کے مقام یا اس کے قریب پہنچے' وہاں بیٹھ گئے' ایک قبیلہ والوں کو پیغام بھیجا' وہ چھپ کر آئے' مصعب بن عمیر ان انہیں کچھ سمجھا رہے تھے اور قرآن کا

قصہ بیان کر رہے تھے کہ سعد بن معاذ کو کسی نے بتا دیا تو وہ ہتھیار پہن کر ان کے پاس پہنچا' نیزہ پاس تھا' آ کر ان کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: ایک غلام ہو کر ہمارے گھر میں آ گیا ہے' یہ ایک تنہا ذلیل اور پردیسی ہو کر ہمارے کمزور لوگوں کو باطل طریقے سے بے وقوف بنا رہا ہے اور انہیں دعوتِ اسلام دے رہا ہے' آئندہ تم دونوں ہماری طرف نہ آنا چنانچہ وہ واپس چلے گئے پھر دوبارہ وہ مرق نامی کنوئیں یا اس کے قریب آئے تو پھر سعد بن معاذ کو پتہ چل گیا۔ اس پر اس نے پہلے سے کم انہیں ڈانٹا۔ اسعد نے یہ نرمی دیکھی تو کہا: اے خالہ زاد بھائی! اس کی بات تو سنو! اگر یہ نامناسب بات کریں تو اچھے طریقے سے انکار کر دو اور اگر بہتر ہے تو اسے ماننے کی کوشش کرو۔ سعد نے کہا' یہ کیا کہتا ہے؟ اس پر مصعب نے یہ تلاوت کی:

حٰمٓ ○ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ (سورۂ زخرف: ۱ تا ۳)

''روشن کتاب کی قسم' ہم نے اسے عربی قرآن اُتارا کہ تم سمجھو۔''

یہ سن کر سعد نے کہا میں وہی سنوں گا جس کو جانتا ہوں' واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دے دی تھی' انہوں نے اپنی قوم میں جانے تک اسلام ظاہر نہیں کیا چنانچہ بنوعبد الاشہل کو بلایا اور بتایا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں اور کہا جو بھی چھوٹا بڑا اس میں شک کرے گا تو اسے اس سے زیادہ ہدایت کی بات بتانا ہو گی' بخدا یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کے سامنے گردنیں جھک جاتی ہیں۔ یہ سن کر آپ اسلام لے آئے اور دعوتِ اسلام دیتے' گنتی کے چند لوگوں کے علاوہ سب اسلام لے آئے چنانچہ اسلام کے گھروں میں سب سے پہلا یہ گھر تھا جو اسلام لے آیا۔ پھر بنونجار نے اسعد بن زرارہ پر سختی کی اور مصعب بن عمیر کو وہاں سے نکال دیا' وہ سعد بن معاذ کے پاس چلے گئے اور انہی کے سہارے دعوتِ اسلام دینے لگے اور پھر انصار میں سے کوئی گھر ایسا نہیں ہو گا جس میں سے کوئی اسلام نہ لایا ہو' ان کے اشراف لوگ اسلام لے آئے' عمرو بن جموح بھی اسلام لے آئے اور اپنے بت توڑ دئے' مسلمانوں نے بت پرستوں کو اسلام کی دعوت دی پھر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اھ۔

ابن اسحاق نے اپنے مشائخ سے سن کر کم وبیش یہی قصہ بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ: اسعد بن زرارہ' مصعب بن عمیر کو لے کر بنوعبد الاشہل اور بنوظفر کے گھروں کی طرف گئے اور بنوظفر کے ایک باغ میں مرق نامی کنوئیں پر پہنچے' وہاں بیٹھ گئے' اسلام لانے والے جمع ہو گئے اور جب سعد بن معاذ و اسید بن حضیر (یہ اپنی قوم بنوعبد الاشہل کے سردار تھے) نے سنا (یہ دونوں مشرک تھے) تو سعد نے اسید سے کہا: تمہارا باپ نہ رہے' آؤ میرے ساتھ ان دو شخصوں کی طرف چلیں جو ہمارے پاس آ کر ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں' انہیں ڈانٹتا ہوں اور اس بات سے روکتا ہوں کہ ہمارے گھروں میں آیا کریں کیونکہ اگر اسعد بن زرارہ رشتہ دار نہ ہوتے تو میں اکیلا ہی کافی تھا' وہ میرا خالہ زاد ہے۔

اسید نے اپنا نیزہ پکڑا اور ان دونوں کی طرف آیا' اسعد بن زرارہ نے جب دیکھا تو مصعب سے کہا کہ یہ اپنی قوم کا سردار ہے جو تمہارے پاس آ رہا ہے' اس کے پاس اللہ کی سچائی بیان کرنا۔ وہ دونوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور

گالیاں دیتا رہا' کہنے لگا: تمہیں کس چیز نے ہمارے پاس آنے پر مجبور کیا کہ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنا رہے ہو؟ جان کی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔ مصعب نے کہا: تم یہاں کچھ دیر کے لئے بیٹھ کر بات سن سکتے ہو؟ اگر ہماری بات پسند آئے تو مانو اور نہ پسند آئے تو نہ مانو۔ اس نے کہا بالکل ٹھیک کہا ہے اور پھر اپنا نیزہ زمین پر گاڑ کر ان کے پاس بیٹھ گیا' حضرت مصعب نے ان سے اسلام کے بارے میں بات کی اور کچھ آیات تلاوت کر دیں چنانچہ دونوں کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کہا تھا: بخدا ہم نے سعید کے بولنے سے قبل ہی اس کے چہرے پر اسلام کا اثر دیکھ لیا تھا چنانچہ وہ کہنے لگا:

> "یہ کتنا خوبصورت دین ہے اور کیا اچھا قرآن ہے! تم اس دین میں داخل ہونے کے لئے کیا کچھ کرتے ہو؟ دونوں نے کہا: پہلے غسل کر کے پاکیزہ ہو جاؤ پھر پاکیزہ کپڑے پہنو اور پھر اللہ کی گواہی دو پھر تمہیں نماز پڑھنا ہو گی' اسید اُٹھ کھڑے ہوئے' ان کے کہنے کے مطابق کیا اور پھر دونوں سے کہنے لگا کہ میرے پیچھے ایک اور شخص ہے' اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو اس کی قوم میں سے کوئی بھی اسلام لانے سے نہیں رہے گا' میں ابھی اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں' وہ سعد بن عبادہ ہے۔"

پھر اسید' سعد اور اس کی قوم کے پاس گئے' وہ اکٹھے بیٹھے تھے' سعد نے انہیں آتے دیکھا تو کہا' بخدا یہ اس رنگ میں نظر نہیں آ رہے جس میں یہاں سے گئے تھے چنانچہ جب اسید ان کی مجلس میں جا کھڑے ہوئے تو سعد کہنے لگا: کیا کر آئے ہو؟ اسید نے بتایا کہ میں نے دو آدمیوں سے بات کی تو بخدا ان پر خوف کا کوئی اثر نہ تھا' میں نے انہیں روکا تھا تو کہنے لگے' تم جیسے چاہتے ہو کریں گے' مجھے پتہ چلا ہے کہ بنو حارثہ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے گئے ہیں' انہیں پتہ چلا ہے کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے' وہ تمہیں شرمسار کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سن کر سعد اُٹھ کھڑا ہوا' سخت ناراض تھا اور تیزی سے اس کی جانب ڈرانے چلا جس کے بارے میں اسید نے بتایا تھا۔ اسعد نے اس کے ہاتھ سے نیزہ پکڑ لیا اور کہا بخدا تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پھر دونوں کی طرف گیا اور دیکھا کہ وہ مطمئن تھے تو اُسے پتہ چل گیا اسید کا مقصد یہ ہے کہ ان کی بات سنیں چنانچہ سعد ان کے پاس کھڑا ہو گیا اور گالیاں دیں پھر کہا اے ابو امامہ! بخدا اگر میری اور تمہاری رشتہ داری نہ ہوتی تو تم مجھ سے یہ امید نہ رکھتے' کیا اس چیز کے بارے میں ہمیں گھیرا ہے جو ہمیں ناپسند ہے' اسعد نے مصعب سے کہا تھا: اے مصعب! واللہ تمہارے پاس قوم کا سردار آ رہا ہے اگر وہ تمہاری بات مان لیتا ہے تو اس کی قوم میں تمہاری بات ماننے سے دو آدمی بھی پیچھے نہیں رہ جائیں گے' مصعب نے کہا تھا کیا کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سن سکتے ہو؟ اگر میری بات پسند آ جائے تو اسے قبول کر لینا اور اگر ایسا نہیں تو ہم قابلِ اعتراض بات نہیں کریں گے' سعد نے کہا: بات تو انصاف کی ہے اور پھر نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور بیٹھ گئے' انہوں نے اسلام لانے کو کہا اور قرآن کی تلاوت کی' وہ کہتے کہ بخدا ہم نے بات کرنے سے پہلے ہی ان کے چہرے پر اسلام کا اثر دیکھ لیا کیونکہ اس میں ایک خاص چمک اور تروتازگی تھی پھر دونوں سے کہا کہ اسلام لاتے وقت تم

کیا کرتے ہو؟ تو انہوں نے گذشتہ بات دہرا دی پھر عامر اپنی قوم کی مجلس میں گئے' اسید بن حضیر ساتھ تھے' ان کی قوم نے انہیں آتے دیکھا تو کہنے لگے: ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں جس صورت میں سعد گئے تھے' اس میں دکھائی نہیں دیتے۔ جب ان کے پاس آ ٹھہرے تو کہا: اے بنو عبد الاشہل! تم میرے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں' آپ کی رائے سب سے بہتر ہوتی ہے کہنے لگے: تمہارے مردوں اور عورتوں سے مجھ پر کلام اس وقت تک حرام ہے جب تک تم اللہ و رسول پر ایمان نہیں لاتے۔ وہ کہتے ہیں: رات ہوئی تو بنو عبد الاشہل کے گھروں میں کوئی مرد اور عورت ایسا نہ تھا جو اسلام نہ لے آیا ہو' پھر مصعب اسعد بن زرارہ کے گھر گئے' وہ ٹھہرے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے' انصار میں سے ایسا کوئی گھر باقی نہ رہ گیا تھا جس میں مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو گئی ہوں البتہ بنو امیہ بن زید' خطمہ' وائل اور واقف' یہ اوس اللہ تھے' سے کچھ لوگ رہ گئے تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو قیس بن صیفی بن اسلت ان میں موجود تھا' یہ ان کا شاعر تھا وہ لوگ اس کی بات سنتے اور مانا کرتے تھے' رسول اللہ ﷺ کی ہجرت تک اسلام سے دور رہا' بدر' اُحد اور خندق کے واقعات گذر گئے تو پھر یہ سب لوگ اسلام لے آئے۔

علامہ بخاری کی تاریخ اوسط میں ہے کہ اہلِ مکہ نے غائبانہ طور پر ایک آواز سنی تھی' ابھی سعد بن معاذ اسلام نہیں لائے تھے:

"اگر دونوں سعد اسلام لاتے ہیں تو مکہ میں حضرت محمد ﷺ کو کسی مخالف سے کوئی خطرہ نہ ہوگا۔
تو اسے اوس کے سعد تو مددگار ہو جا اور اے خزرج کے سعد ہدایت دینے والے (نبی) کی بات مان
لینا اور اللہ سے جنت الفردوس میں جانے کی آرزو ایک عارف کی طرح رکھنا۔"

آگے ان کے ایمان کا سبب کچھ اور بھی آ رہا ہے جسے رزین نے ذکر کیا ہے لیکن یہ زیادہ صحیح ہے' ابن اسحاق نے پہلی روایت میں حضرت عمرو بن جموح کے اسلام کا ذکر نہیں کیا بلکہ اسے دوسرے عقبہ میں جا کر ذکر کیا ہے جیسے آ رہا ہے ہاں اس کے بیٹے معاذ عقبہ میں موجود تھے۔

فصل نمبر ۸

عقبہ کبریٰ

کچھ علماء اسے عقبہ ثانیہ کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک یہ تیسرا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ پھر مصعب بن عمیر مکہ واپس آ گئے اور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور بیعت کی بناء پر کچھ مسلمان انصار اہلِ شرک قوم کے حج کرنے والوں کے ساتھ نکلے اور مکہ پہنچے' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایامِ تشریق میں عقبہ کا وعدہ کیا جب اللہ نے ان کے بارے میں جو ارادہ فرمایا انہیں عزت دی' اپنے نبی کی مدد کی' اسلام اور اہلِ اسلام کو غالب کیا' شرک اور مشرکوں کو ذلیل کیا۔

ابن اسحاق نے حضرت کعب بن مالک سے روایت کی' انہوں نے کہا کہ ہم اپنے حج کے لئے چلے تو ہماری قوم کے رشتہ دار ہمراہ تھے' ہم نمازیں پڑھتے اور دین سیکھتے رہے' ہمارے سردار اور بڑے براء بن معرور ساتھ تھے' انہوں نے کعبہ کی طرف نماز ادا کرنے کا طریقہ بتایا' ہم مکہ پہنچے' ہم نے اس سے قبل رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا چنانچہ آپ کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ حضرت عباس کے ساتھ مسجد میں ہیں' ہم آپ کے پاس پہنچ کر مجلس میں بیٹھے' براء نے آپ سے قبلہ کے بارے میں سوال کیا پھر حج کے لئے نکلے اور عقبہ کا وعدہ لیا' جب وہ رات آئی جس کا رسول اللہ ﷺ سے وعدہ گیا تھا' ہم نے اپنے ہمراہ آنے والے مشرکوں سے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا' ہمارے ساتھ حضرت جابر کے والد عبد اللہ بن عمرو تھے جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے' انہیں ہم نے اسلام کے بارے میں سمجھایا تو وہ فوراً مسلمان ہو گئے اور انہیں عظمت مل گئی۔

کہتے ہیں کہ اس رات ہم اپنی قوم کے ساتھ اپنے پڑاؤ میں سو گئے۔ رات کا تیسرا حصہ گذرا تھا کہ ہم وہاں سے آپ سے وعدہ کے مطابق پاؤں کھسکاتے اور چھپتے چھپاتے نکلے اور گھاٹی میں عقبہ کے نزدیک جمع ہوئے' ہم تہتر افراد تھے' دو عورتیں بھی ہمراہ تھیں: بنو مازن میں سے ایک ام عمارہ بنت کعب اور بنو سلمہ میں سے ایک اسماء بنت عمر بنت عدی تھیں۔

کہتے ہیں' آپ تشریف لائے تو حضرت عباس آپ کے ہمراہ تھے' انہوں نے کہا' تم جانتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ ہم سے ہیں' ہم ان کی حفاظت کرتے ہیں' وہ غالب ہوں گے' وہ صرف آپ کے پاس تشریف لائے ہیں لہٰذا اگر تم آپ سے اس معاملے میں پورا اترو گے جس کے لئے آپ نے تم کو دعوت دی ہے اور مخالفین سے آپ کی حفاظت کرو گے تو بس ٹھیک ہے انہوں نے کہا' ہم نے آپ کی بات سن لی' یا رسول اللہ! اب آپ بات کریں' آپ ہم سے اپنے اور اللہ کے بارے میں جو توقع رکھتے ہیں' ہم پورا کرنے کو تیار ہیں چنانچہ آپ نے بات شروع فرمائی' دینِ اسلام کی دعوت دی اور تلاوت کی پھر اسلام میں آنے کا شوق دلایا اور ارشاد فرمایا: میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت ویسے ہی کروں گے جیسے اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہو۔

فرماتے ہیں' اس پر براء بن معرور نے آپ کا ہاتھ مبارک تھام لیا اور عرض کی: ہاں یا رسول اللہ ہمیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا بنا کر بھیجا ہے' ہم آپ کی حفاظت ویسے ہی کریں گے جیسے اپنے سامان کی کرتے ہیں' یا رسول اللہ! آپ ہماری بیعت لیں' ہم جنگجو لوگ ہیں' ہمارا ایک حلقہ ہے جو عرصۂ دراز سے چلا آتا ہے۔ براء ابھی بات کر ہی رہے تھے کہ درمیان میں ابو الہیثم بن تیہان بولے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے اور ان یہودیوں کے درمیان تعلقات تھے جنہیں ہم کاٹ رہے ہیں' یہ فرمایئے' اگر ہم آپ کی مان لیتے ہیں اور پھر اللہ آپ کو غلبہ عطا فرماتا ہے تو آپ اپنی قوم میں جا کر ہمیں چھوڑ تو نہ دیں گے؟ اس پر آپ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا:

"تمہارا خون میرا خون ہے' میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہو گا' میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے"

جس سے تم جنگ کا ارادہ کرو گے میں اس سے لڑوں گا اور جسے تم کچھ نہ کہو گے میں بھی کچھ نہیں کہوں گا۔"

بارہ نقیب اور قبیلے

پھر فرمایا تم اپنے ہاں سے بارہ نقیب نکالو جو اپنی اپنی قوم کے معاملات سنبھال سکیں چنانچہ انہوں نے بارہ نقیب (ذمے دار) نکالے' نو تو خزرج سے تھے اور تین اوس سے' خزرج میں سے یہ تھے: اسعد بن زرارہ' یہ بنونجار کے نقیب تھے' سعد بن ربیع اور عبداللہ بن رواحہ' یہ بنوحارث بن خزرج کے نقیب تھے' رافع بن مالک بن عجلان' یہ بنوزریق کے نقیب تھے' براء بن معرور اور عبداللہ بن عمرو بن حرام' یہ بنوسلمہ کے نقیب تھے' عبادہ بن صامت' یہ دوسرے قبیلوں کے نقیب تھے لیکن طبرانی میں ہے کہ یہ خزرج میں سے بنوعدی کے نقیب تھے تو گویا تمام کے نقیب تھے' سعد بن عبادہ اور منذر بن عمر' یہ بنوساعدہ کے نقیب تھے۔ اوس میں سے اسید بن حضیر' یہ بنوعبدالاشہل کے نقیب تھے' سعد بن خیثمہ اور رفاعہ بن عبدالمنذر' یہ بنوعمرو بن عوف کے نقیب تھے۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ اہلِ علم ان میں ابوالہیثم بن تیہان کو تو شمار کرتے ہیں مگر رفاعہ کو شمار نہیں کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ یوں ابوالہیثم بنوعبدالاشہل کے دوسرے نقیب بنتے ہیں کیونکہ یہ انہی میں سے تھے علماء نے اس سلسلے میں وضاحت کی ہے۔

حضور علیہ السلام نے کئی قبائل پر نقیب مقرر کر دئے اور یہ روایت ملتی ہے کہ تمام نقیبوں پر آپ نے اسعد بن زرارہ کو مقرر فرمایا' مسجد نبوی زیرِ تعمیر تھی کہ آپ فوت ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اس پر بنونجار اکٹھے ہو کر رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ان کے بدلے میں کسی کو ان پر نقیب مقرر فرما دیں' آپ نے فرمایا: تم لوگ میرے ماموں لگتے ہو اور میں تم میں سے ہوں' میں تمہارا نقیب ہوں' آپ نے یہ مناسب نہ سمجھا تھا کہ ان میں سے کسی کو نقیب بنا دیں چنانچہ یہ بنونجار کی ایک ہی فضیلت تھی جسے وہ اپنے لئے شمار کرتے تھے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں مجھے عبداللہ بن ابوبکر بن حرام رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے مقرر کردہ نقیبوں سے فرمایا: "تم لوگ اپنی اپنی قوم کے نقیب اور ذمہ دار ہو بالکل ایسے ہی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری (مددگار) تھے۔" انہوں نے عرض کی' ہاں (یارسول اللہ)۔

عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ یہ لوگ جب بیعت کے لئے اکٹھے ہوئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ (بنوسالم بن عوف کا بھائی بند) نے کہا: اے خزرج والو! جانتے ہو کہ اس شخص کی بیعت تم کس بات پر کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ انہوں نے کہا تمہاری بیعت اس بات پر ہے کہ ہر سرخ و سفید (عرب و عجم) سے تمہیں (بوقت حکم) جنگ کرنا ہو گی' اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ اپنے مال لوٹ لئے جانے اور اپنے اشراف کے قتل ہونے پر ان کو چھوڑ دو گے تو آج

ہی سوچ لو' بخدا اگر تم نے ایسا کیا تو یہ دنیا و آخرت کی ذلت ہو گی اور اگر تم اس حکم کو پورا کر دکھاؤ گے جس کے لئے تمہیں دعوت دی گئی ہے جیسے میں ذکر کر چکا ہوں تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کی بھلائی کا باعث ہو گا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم وہی کر دکھائیں گے جو آپ کہیں گے' اگر ہم آپ کے حکم کے مطابق کر دکھائیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جنت ملے گی۔ اس پر انہوں نے عرض کی' یا رسول اللہ (ﷺ)! ہاتھ بڑھایئے' آپ نے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے بیعت کر لی۔

حضرت عاصم کہتے ہیں' حضرت عباس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کے گلے میں ذمہ داری مضبوط پر ڈال دی جائے لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ان کا مقصد اس رات تک کے لئے ڈھیل کرنا تھا' وہ ایہ امید لئے تھے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی آ جائے تو کام پکا ہو جائے۔

اوس و خزرج میں سب سے پہلے بیعت کس نے کی؟

ابن اسحاق کہتے ہیں' بنو نجار کا خیال تھا کہ ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن بنو عبد الاشہل کہتے تھے کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے ابو الہیثم بن تیہان تھے' اس سے قبل والی حدیث کعب میں ہے کہ یہ براء بن معرور تھے اور ان کے بعد دوسرے لوگوں نے بیعت کی تھی۔

مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ براء بن معرور پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے بیعت عقبہ کی تھی۔

حاکم نے اکلیل میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے بتایا کہ عبد اللہ بن رواحہ نے عرض کیا تھا: یا رسول اللہ! آپ اپنے پروردگار اور اپنے لئے جو چاہیں شرط لگائیں' آپ نے فرمایا: میں اللہ کے لئے یہ شرط لگا رہا ہوں کہ تم کو اس کی عبادت کرنا ہو گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنانا ہو گا اور اپنی ذات کے بارے میں میری یہ شرط ہے کہ تمہیں میرا دفاع اسی طرح کرنا ہو گا جیسے اپنا کرتے ہو۔ اس پر انہوں نے عرض کی' ایسا کرنے پر ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جنت ملے گی۔ انہوں نے عرض کی کہ یہ بیعت تو فائدہ مند ہے' نہ ہی ہم آپ کو اکھاڑیں گے' نہ ہی خود اکھڑیں گے چنانچہ یہ آیت اتری:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۝ (سورۂ توبہ:111)

"بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں' اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔"

اور گذشتہ حدیث کعب میں' شیطان کے چلانے کے بعد مذکور ہے کہ حضرت عباس بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا' آپ چاہیں تو کل ہی ہم اہل منیٰ کے

خلاف تلواریں اُٹھانے کو تیار ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بات کا حکم نہیں ملا لہٰذا تم اپنی اپنی قیام گاہوں کو چلے جاؤ چنانچہ ہم اپنے ٹھکانوں پر آ گئے اور رات کو سو رہے' صبح ہوئی تو قریش کے عظیم لوگ ہمارے ٹھکانوں پر آ گئے اور کہنے لگے: اے خزرج والو! ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم ہمارے اس ساتھی کو ہمارے درمیان سے نکال رہے ہو اور ہمارے خلاف جنگ کے لئے ان سے بیعت کر رہے ہو حالانکہ اللہ کی قسم عرب کا کوئی قبیلہ ہمارے لئے تم سے برا نہیں ہو گا اگر تم ہمارے درمیان جنگ بھڑکا دو' یہ سن کر ہم میں سے ہماری قوم کے مشرکوں نے قسم کھائی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی ہمارے علم میں ہے۔انہوں نے یہ بات سچی کی تھی کیونکہ انہیں اس کا علم نہیں تھا۔

حضرت کعب کے علاوہ اور حدیث میں ہے کہ یہ لوگ عبد اللہ بن اُبی کے پاس آئے تو اس نے ان سے کہا کہ یہ ایک بڑا کام ہے' میری قوم اسے پورا کرتے دکھائی نہیں دیتی اور جو میں جانتا ہوں' ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس سال جن مشرک انصار نے حج میں شمولیت کی' یہ پانچ سو تھے اور اہل عقبہ ستر افراد تھے۔

بیعت عقبہ کرنے والوں کی تعداد

ابن اسحاق کی ایک روایت یہ ہے کہ اوس سے گیارہ افراد نے بیعت کی تھی اور خزرج کے حلیف قبیلوں میں سے چار افراد نے بیعت کی جبکہ بنو حارث بن خزرج میں سے باسٹھ افراد تھے تو گویا ابن اسحاق نے خزرج میں ان کے چار حلیف بھی داخل کر دئے' ورنہ یہ تعداد تہتر سے بڑھ جاتی۔

علامہ رزین کہتے ہیں کہ اہل عقبہ ستر افراد تھے اور دو عورتیں بھی تھیں کیونکہ انہوں نے یہ حدیث عبادہ بن ثابت سے یونہی روایت کی ہے جیسے کعب کی گذشتہ حدیث چنانچہ بتایا کہ: عبادہ بن صامت نے کہا: ''اگلا سال آیا تو ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ستر افراد حاضر ہوئے نیز ہماری قوم کی دو عورتیں بھی شامل تھیں' رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مسجد شعب عقبہ میں آنے کا ارشاد فرمایا' یہ جگہ تم منٰی کی طرف جا رہے ہو تو تمہاری دائیں طرف آئے گی۔ہم آپ کی انتظار میں تھے کہ آپ تشریف لائے' ساتھ عباس بھی تھے' عباده نے کہا: اے گروہ خزرج! (یہ لفظ وہاں اوس و خزرج پر اکٹھا بولا جاتا تھا) یہ محمدؐ جیسا کہ تم جانتے ہو' ہم ہی سے تو ہیں اور جیسے کہ تمہیں پتہ چل گیا ہے' ہم نے ان کی حفاظت کرنی ہے' تو اگر تم کو یہ یقین ہے کہ ان کی حفاظت کر سکو گے تو ٹھیک ہے' کرو' ورنہ انہیں جانے دو کیونکہ اپنی قوم میں انہیں عزت و حفاظت حاصل ہے۔

یہ سن کر براء بن عازب کھڑے ہوئے اور کہا: ہم نے آپ کی بات سن لی ہے' ہم نے اس وقت تک ان کی طرف مکمل رجوع نہیں کیا جب تک ہمیں پتہ نہیں چل گیا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں لہٰذا یا رسول اللہ! آپ ہم سے بیعت لے لیں اور پھر اپنے اور اپنے پروردگار کے لئے جو چاہیں' ہم سے ضمانت لے لیں۔

اس پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے' حمد و ثناءِ الٰہی کی' اللہ کی طرف آنے کو فرمایا اور اسلام لانے کا شوق پیدا فرمایا۔ پھر فرمایا: میں اس شرط پر تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت اسی طرح کرو گے جیسے اپنی خواتین کی کرتے ہو۔ حضرت براء نے آپ کا ہاتھ مبارک تھام لیا اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں منظور ہے' اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے' ہم آپ کی حفاظت ویسے ہی کریں گے جیسے اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہیں' ہم کافی تعداد میں ہیں' ہمارے قلعے بھی ہیں اور ہم جنگی لوگ ہیں۔ اس پر ابو الہیثم بن تیہان اُٹھے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان گہرے رشتے ہیں' ہم قطع تعلق کر رہے ہیں تو کیا آنے والے وقت میں ایسا تو نہیں ہو گا کہ اللہ آپ کو فتح دیدے اور پھر آپ اپنی قوم میں چلے جائیں تو ہمیں چھوڑ دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' نہیں بلکہ تمہارا خون میرا ہی خون ہے' زندگی تمہارے ساتھ اور موت بھی تمہارے ساتھ ہو گی' جس سے تمہیں لڑنا پڑے' میں بھی ساتھ ہونگا اور جسے تم امن دو گے' میں بھی امن دیا کروں گا لہٰذا اپنے میں سے دس نقیب نکالو جو لوگوں پر نگہبان بن سکیں۔ چنانچہ انہوں نے خزرج سے نو اور اوس سے تین افراد نکالے۔

ابھی معاملہ چل ہی رہا تھا کہ شیطان چلا اُٹھا' کہنے لگا اے جباجب والو! (ان کے ٹھکانوں کے نام) کیا تم اپنے دین سے پھر جانا چاہتے ہو؟ یہ لوگ تمہارے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ عقبہ کی بدقسمتی ہے' اے اللہ کے دشمن! میں تم سے نمٹ لوں گا۔ (فرمایا) تم اپنے ٹھکانوں پر چلے جاؤ' اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ نے عرض کی' اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے' آپ چاہیں تو کل منیٰ میں ہم اپنی تلواریں لے کر حاضر ہو جائیں' آپ نے فرمایا: مجھے اس بات کا حکم نہیں ملا۔

علامہ رزین کہتے ہیں' یہ بھی بتاتے ہیں کہ قریش اور انصار کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلنے کے بارے گفتگو ہوئی' پھر قریش کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا تو وہ کہنے لگے: تمہارے ساتھ سال کے مہینے کے سوا نہیں نکل سکتے' عرب یہ نہ کہیں کہ تم ہم پر غالب آ گئے ہو۔ اس پر انصار نے کہا: اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی مرضی دیکھی جائے گی' ہم تو آپ کا حکم سنیں گے چنانچہ اللہ نے اپنے رسول پر یہ آیت اُتاری:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۝ (سورۂ انفال: ۶۲)

''اور اگر وہ تمہیں فریب دیا چاہیں تو بے شک اللہ تمہیں کافی ہے۔''

یعنی اگر کفار قریش آپ سے مکر کرنا چاہیں تو عنقریب اللہ ان کے مکر کا جواب دیدیگا چنانچہ انصار مدینہ کو واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ قریش کو ان کے نکل جانے کا پتہ چلا تو ان کے پیچھے چلے اور ان میں سے دو کو پکڑ لیا' وہ کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے چنانچہ انہیں مکہ لے آئے' یہ منذر اور عباس بن عبادہ تھے' جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ کو پتہ چلا تو انہوں نے رہائی دلا دی اور یہ اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

میں کہتا ہوں' علامہ رزین کے علاوہ کسی اور نے لکھا ہے کہ وہ دونوں آدمی منذر اور عباس بن عبادہ تھے' منذر نے تو اس قوم کو عاجز کر دیا اور نکل گئے لیکن سعد کو انہوں نے پکڑ لیا اور ان کے کجاوے کی رسّی کے ذریعہ ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے پھر اپنے ساتھ مکہ لے آئے' مارتے جاتے اور بالوں سے گھسیٹتے چلے جاتے تھے' ان کے بال بہت گھنے تھے' آخر جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ نے انہیں رہائی دلائی کیونکہ سعد' ان دونوں کے تاجروں کو پناہ دیتے اور ظالموں سے بچاتے تھے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

پہلے ان کے اسلام کا ذکر ہوا تھا' وہاں اس کے بعد رزین کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن جموح بنوسلمہ کے سرداروں میں شامل تھے' ان کا بیٹا معاذ عقبہ میں موجود تھا' عمرو کا اپنے گھر میں ایک بت موجود تھا جسے وہ پوجا کرتا تھا' یہ لکڑی سے بنا تھا اور اسے ''مناۃ'' کہتے تھے چنانچہ ان کا بیٹا معاذ' معاذ بن جبل اور بنوسلمہ کے کچھ نوجوان رات کو عمرو کے بت کے پاس آتے اور لے جا کر بنوسلمہ کے ایک گڑھے میں اوندھا پھینک دیتے جس میں گندگی بھری ہوتی تھی' صبح ہوتی تو عمرو کہتے' آج ہمارے خدا پر یہ زیادتی کس نے کی ہے؟ اور پھر تلاش کرنے چلے جاتے اور جب اسے دیکھ لیتے تو دھوتے اور خوشبو لگاتے پھر کہتے' بخدا اگر مجھے پتہ چل جائے تو میں ایسا کرنے والے کو ذلیل کر دوں گا' ایسا کئی بار ہوا تھا چنانچہ ایک دن اسے صاف کر کے خوشبو لگائی اور پھر تلوار لا کر اس پر لٹکا دی اور کہا: مجھے تو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ تمہارے ساتھ یہ حرکت کون کرتا ہے' اگر تم میں جرأت ہے تو اسے روکو' یہ تلوار تمہارے پاس موجود ہے!

عمرو سو گئے تو انہوں نے تلوار تو اتار کر رکھ دی' اس بت کے ساتھ رسّی سے ایک مردہ کتا باندھا اور بنوسلمہ کے ایک کنوئیں میں پھینک دیا جس میں گندگی پھینکی جاتی تھی۔ عمرو نے جب دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا' دیکھنے نکلے تو اس بری حالت میں پڑا تھا چنانچہ اس بارے میں مسلمان ہونے والے سے بات کی تو اسلام لے آئے اور پکے مسلمان ہو گئے پھر اس کے بارے میں کہا:

> ''اگر تو خدا ہوتا تو بخدا کتّے کے ساتھ کنوئیں میں اس طرح نہ پڑا ہوتا' خدا ہو کر تمہارے اس طرح گرے پڑے ہونے پر افسوس ہے۔
>
> ہر تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو بلند مرتبہ' احسان فرمانے والا' رزق دینے والا اور جزاء دینے والا ہے۔ وہی ہے جس نے مجھے قبر کی تاریکی میں پڑے رہنے سے پہلے بچا لیا ہے۔''

فصل نمبر۹

ہجرت مدینہ اور دارِ ہجرت کے بارے میں خواب

صحیحین میں ہمیں یہ حدیث ملتی ہے' آپ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ سے ہجرت کر کے ایسے مقام پر گیا ہوں جہاں کھجور کے درخت ہیں' میرے خیال میں یہ جگہ یمامہ تھی یا ہجر' دیکھا تو شہر یثرب تھا۔''

بیہقی میں صہیب سے روایت شدہ حدیث ہے کہ ''مجھے تمہاری ہجرت کا مقام دکھایا گیا' ایک دلدل والی زمین ہے اور دو پتھریلی جگہوں کے درمیان ہے' یا تو ہجر ہے یا پھر یثرب۔'' یہاں یمامہ کا ذکر نہیں فرمایا۔

ترمذی میں حضرت جریر کی حدیث ہے: ''مجھ پر وحی کی گئی کہ ان تین مقامات میں سے جون سے مقام میں ٹھہر گے وہ آپ کا مقامِ ہجرت ہوگا' مدینہ' بحرین اور قنسرین۔'' یہ حدیث غریب ہے اور محلِ نظر ہے کیونکہ یہ صحیحین کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں یمامہ کا ذکر ہے' رہا ھَجَر تو اسے مانا جا سکتا ہے کیونکہ یہ بحرین کے علاقہ میں ہے اور رہا قنسرین تو یہ شام میں ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صحیح بخاری میں دکھائے جانے والے مقامات کے بارے وحی میں' اس حدیث سے پہلے یا بعد اختیار دیا گیا ہو کہ جہاں چاہو رہو چنانچہ آپ نے مدینہ کو پسند فرما لیا ہو۔

ابن التین کہتے ہیں کہ پہلے آپ کو مقامِ ہجرت اس صورت میں دکھایا گیا جس میں مدینہ جیسی حالتیں تھیں لیکن پھر خاص صورت دکھائی گئی جس پر پتہ چل گیا کہ یہ مدینہ ہے۔

صحابہ کرام کو حکم ہجرت

حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اطلاع دے رکھی تھی لیکن مکہ میں ٹھہرے رہے اور انتظار یہ رہی کہ کب یہاں سے نکلنے کا حکم ہوتا ہے چنانچہ دو عقبوں کے درمیان کچھ لوگ ملے جن میں عبد اللہ بن اُم کلثوم بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے پہلے شخص حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوسلمہ عبد الاسد مخزومی تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حبشہ سے آئے تھے تو آپ کو سخت تکلیف دی گئی تھی چنانچہ واپسی کا پختہ ارادہ کر لیا پھر انہیں مدینہ کے بارہ نقیبوں کا قصہ معلوم ہوا تو وہ مدینہ کو روانہ ہو گئے' آپ صبح سویرے وہاں پہنچے تاہم عامر بن ربیعہ ان کے بعد رات کو پہنچے تھے پھر مصعب بن عمیر انصار سے نئے مسلمان ہونے والوں کو دیں سکھانے کے لئے متوجہ ہوئے جیسے بتایا جا چکا اور پھر عقبۂ اخیرہ کے بعد وہ مسلسل مکہ سے نکلتے رہے' یہ لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں نکل رہے تھے جن میں عمر بن خطاب اور ان کے بھائی زید' طلحہ بن عبید اللہ' صہیب' حمزہ بن عبد المطلب' زید بن حارثہ' عبیدہ بن حارث' عبد الرحمٰن بن عوف' زبیر اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم شامل تھے اور آخر کار مکہ میں آپ کے ہمراہ صرف حضرت علی بن ابو طالب اور صدیق رضی اللہ عنہما رہ گئے تھے' ابن اسحاق وغیرہ نے یونہی کہا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اہم لوگوں میں

سے اور کوئی نہ رہ گیا تھا کیونکہ یہ روایت ملتی ہے کہ مکہ میں سے نکلنے کی جس مسلمان میں ہمت تھی وہ حضورﷺ کے یہاں سے نکل جانے کے بعد نکل گئے تھے۔ نکلنے والوں کو ابو سفیان جیسے مشرکین نے واپس ہٹایا اور قید کر لیا چنانچہ اس طرح ان کے کئی آدمی آزمائش میں گھر گئے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت صدیق اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کے علاوہ بھی کچھ لوگ حضورﷺ کے ہمراہ تھے۔ قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے صحابہ کی قوت بڑھتی جا رہی ہے اور وہ ایک مقام پر جمع ہو رہے ہیں تو انہیں پتہ چل گیا کہ رسول اللہﷺ ان کے پاس چلے جائیں گے چنانچہ وہ "دار الندوہ" میں جمع ہوئے تا کہ حضورﷺ کے معاملے میں سوچ بچار کریں' ان میں ابو جہل بھی تھا۔ "وشاح" میں ہے کہ ابن درید کے خیال میں یہ پندرہ افراد تھے' ابنِ دحیہ کی "المولد" میں ہے کہ یہ سو افراد تھے' شیخ نجدی کی صورت میں شیطان وہاں پہنچا اور کہنے لگا: مجھے بھی اپنے پاس بیٹھنے دو' میں بھی کوئی بڑی رائے دوں گا چنانچہ انہوں نے بیٹھنے دیا چنانچہ ایک نے کہا کہ ہم اس شخص کو جانے دیتے ہیں' ایک نے کہا ہم اسے قید کریں گے اور مر جانے تک کچھ کھانے پینے کو نہ دینگے' ابو جہل بولا: میں تمہیں ایک بہترین رائے دیتا ہوں کہ پانچ قبیلوں میں سے ایک ایک کو ایک ایک تلوار دے دی جائے جس سے بیک وقت وہ اسے قتل کر دیں' اس کا قتل پانچ قبیلوں میں شمار ہو گا چنانچہ بنو ہاشم کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ اس پر بڈھا نجدی بولا کہ یہی رائے سب سے بہتر ہے' حضرت جبریل علیہ السلام نے حضورﷺ کو اس کی اطلاع دے دی چنانچہ یہ آیت اتری:

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ○

"اور اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔"

اس پر نبی کریمﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میرے بستر پر سو جاؤ اور میری چادر اوڑھ لو' تم سے ان کی کوئی بات اوجھل نہ رہنے پائے' یہ تمام امانتیں لوگوں کو واپس لوٹا دینا' کیونکہ کفار امانتیں آپ ہی کے پاس رکھا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے پھر آپ حضرت صدیق کے ہاں تشریف لائے اور انہیں اس بارے میں بتایا کہ انہیں ہجرت کا حکم ہوا ہے' انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں بھی ساتھ چلوں گا' انہوں نے اسی وجہ سے اپنے آپ کو یہاں روک رکھا تھا کیونکہ صحیح میں یہ ثابت ہے کہ نبی کریمﷺ نے جب اپنے صحابہ سے گذشتہ خواب کا ذکر کیا تو بہت سے لوگ مدینہ کو ہجرت کر گئے اور حبشہ گئے ہوئے لوگ وہیں سے مدینہ کو ہجرت کر گئے' حضرت ابو بکر نے بھی مدینہ جانے کی تیاری کر لی تھی جس پر نبی کریمﷺ نے فرمایا' آپ ٹھہریئے کیونکہ مجھے امید ہے کہ حکم آئے گا۔ حضرت صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا واقعی اُمید ہے؟ فرمایا' ہاں اُمید ہے چنانچہ

انہوں نے ساتھ جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو روکے رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے ہی مدینہ جا چکے تھے' حضرت ابوبکر کے سواری کی پاس دو اونٹنیاں تھیں جنہیں چار ماہ سے وہ درختوں کے جھڑے پتے کھلا رہے تھے جن میں سے ایک حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ فرمایا' قیمتاً لوں گا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ فرمایا: میں ایسی سواری پر سوار نہیں ہونگا جو میری نہیں ہے۔ ابوبکر نے عرض کی' یا رسول اللہ یہ آپ ہی کو پیش کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا' ایسے نہیں بلکہ اتنی قیمت میں خریدوں گا جتنے میں تم نے خریدی ہے' انہوں نے عرض کی کہ اتنے اتنے مال سے خریدی ہے۔ آپ نے فرمایا' میں اتنے ہی میں خریدتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی یہ آپ کی ہوئی۔

سواری اپنی خریدنے میں حکمت یہ تھی کہ ہجرت اپنے ہی مال سے کی جائے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جو اونٹنی آپ نے لی' وہ کان کٹی تھی اور بنو حریش کے اونٹوں میں سے تھی' علامہ واقدی کہتے ہیں کہ اس کی قیمت سو درہم تھی اور جو اونٹنی لی تھی اسے قصوی کہتے تھے اور وہ بنو قشیر کے اونٹوں میں سے تھی' وہ عرصہ تک زندہ رہی اور خلافتِ صدیق میں مر گئی۔ وہ کھلی پھرا کرتی اور کھاتی پیتی۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ اس کی قیمت آٹھ سو درہم تھی' ابوبکر نے اسے بنو قشیر کے اونٹوں میں سے خریدا تھا' نبی کریم ﷺ نے یہ قصوی اسی قیمت سے خریدی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ہجرت کا حکم اس فرمانِ الٰہی سے ملا تھا:

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ○

''اور یوں عرض کرو کہ اے میرے ربّ مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے۔''

حضرت ابوبکر (راہنمائی کے لئے) عبد اللہ بن اریقط کے پاس گئے' تہذیب ابن ہشام میں نام عبد اللہ بن ارقد ہے' ابن اسحاق میں ابن اریقد اور غنیۃ میں رقیط ہے جو کنانہ کی شاخ بنو دیل سے تھا۔ آپ نے اس سے کرایہ طے کر لیا' وہ بڑا ماہر راہنما تھا' راستہ خوب جانتا تھا لیکن کفر پر تھا۔ علامہ نووی کہتے ہیں کہ ہمیں اس کے اسلام کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ نے اسے کہا کہ تین دن بعد غار ثور پر آ جانا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لے آئے۔ یہاں حضرت علی حاضر ہوئے' قریش گھر کے دروازے پر آپ کو قتل کرنے کے خیال سے جمع ہو چکے تھے۔ ابوجہل نے کہا اس وقت تک قتل نہ کرنا جب تک پانچ قبیلوں کے لوگ اکٹھے نہ ہو جائیں۔ اس نے لوگوں سے کہا تھا: یہ محمد ہے جس کا خیال ہے کہ اگر تم اس کی اتباع کر لو تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے اور آخرت میں تمہیں جنت ملے گی جس میں سے پھل کھاؤ گے اور اگر تم نے اتباع نہ کی تو دنیا میں تمہیں قتل ہونا پڑے گا اور آخر میں جہنم جاؤ گے جہاں تمہیں جلا دیا جائے گا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا میں یونہی کہتا ہوں اور یونہی ہو گا تم ان میں سے ایک ہو' پھر مٹی کی مٹھی لی اور ان کے چہروں پر پھینک دی' ان کی آنکھیں بھر گئیں' کانوں سے سنائی نہ دیتا تھا' آپ نے ہر ایک کے سر پر خاک

ڈالی' مٹی ڈالتے وقت آپ نے سورۂ یٰسین کی اوّل آیت سے فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک پڑھا تھا اور یہ آیت پڑھی:

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًاo

"اور اے محبوب! تم نے قرآن پڑھا' ہم نے تم پر اور ان میں کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے' ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا۔"

پھر حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے چنانچہ اکٹھے ان کے جھونپڑے سے نکلے اور غار ثور پر پہنچے۔ مشرکین دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے تھے' دور کھڑا ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا دیکھ رہے ہو؟ کہنے لگے ہم محمد کو قتل کرنا چاہتے ہیں' اس نے کہا' اللہ تمہیں ذلیل و رسوا کرے' تمہیں پتہ نہیں چلا کہ وہ تو تمہارے سروں پر خاک ڈال کر جا چکے ہیں۔ ابوجہل نے کہا: کیا وہ تھا جس نے چادر اوڑھ رکھی تھی؟ ابھی ہم انتظام کرتے ہیں۔

صبح ہوئی تو حضرت علی بستر سے اُٹھے۔ ابوجہل نے کہا کہ اس خبر دینے والے نے صحیح کہا تھا چنانچہ قریش جمع ہوئے اور مختلف راستوں پر تلاش میں نکلے' پکڑ کر لانے والوں کے لئے انعام مقرر کر دیئے گئے' وہ تھک گئے لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔

موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے گذشتہ حدیث کی روایت میں بتایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر انہیں مغالطہ دینے کے لئے سوئے تھے جبکہ قریش مشورہ کر رہے تھے کہ بستر پر لیٹنے والے پر کون حملہ کر کے اسے باندھ دے گا' اسی حالت میں صبح ہو گئی' دیکھا تو حضرت علی تھے۔ انہوں نے آپ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا' مجھے علم نہیں اس پر انہیں یقین ہو گیا کہ آپ وہاں سے تشریف لے جا چکے ہیں۔

احمد نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ کے اس فرمان کی تفسیر بیان کی ہے جس میں لکھا ہے:

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْاo

"جب کافر آپ سے مکر کر رہے تھے۔"

آپ نے قریش کے مشورہ کا ذکر کر کے لکھا کہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ ﷺ کے بستر پر شب گذاری' آپ نکلے اور غار میں پہنچ گئے' مشرکین نے گھیرا ڈالے رکھا' وہ حضرت علی کو رسول اللہ ﷺ سمجھتے رہے یعنی وہ اس انتظار میں رہے کہ وہ اٹھیں تو ان سے وہ معاملہ کریں جس پر اتفاق کر لیا تھا' جب صبح ہوئی اور حضرت علی نظر پڑے تو اللہ نے ان کا مکر ان کے منہ پر مارا' وہ کہنے لگے: تمہارا ساتھی کہاں گیا؟ انہوں نے کہا' نہیں معلوم تو انہوں نے تلاش شروع کر دی۔ جب پہاڑ پر پہنچے تو راستہ بھول گئے' اور اوپر چڑھے اور غار کے قریب سے گذرے' غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا تھا' دیکھ کر کہنے لگے: اگر یہاں داخل ہوتے تو دروازے پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا۔

آپ تین دن تک وہاں ٹھہرے رہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے یہی کچھ لکھا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ غار کی طرف آپ کا نکلنا اس رات کے آخری حصے میں ہوا تھا۔ یہ واقعہ عقبہ سے دو ماہ اور چند راتیں بعد ہوا تھا۔ حاکم کہتے

ہیں کہ تین ماہ یا اس کے لگ بھگ گذرنے پر ہوا۔ابن اسحاق کے اس قول سے پتہ چلتا ہے پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ آپ نے کہا: آپ ربیع الاوّل کے پہلے دن نکلے تھے چنانچہ یہ واقعہ دو ماہ اور چند دن بعد کا بنے گا۔اموی نے بھی یہی لکھا ہے' کہتے ہیں کہ ربیع الاوّل کا چاند دیکھ کر نکلے تھے اور مدینہ پہنچے تو ربیع الاوّل کی بارہ راتیں رہتی تھیں چنانچہ اس بناء پر آپ ہجرت کے لئے جمعرات کو نکلے تھے یعنی اسی رات کے درمیان جیسے ہم بیان کر چکے ہیں۔محمد بن موسیٰ نے یہی ذکر کیا ہے لیکن حاکم کہتے ہیں' کہ متواتر حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ پیر کے دن چلے تھے۔حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ آپ پیر کے دن نکلے تھے۔

جس نے دو راتوں کا ذکر کیا ہے' شائد انہوں نے پہلی رات کا شمار نہیں کیا۔رہی حاکم کی یہ حدیث: ''میں اپنے ساتھی کے ساتھ ٹھہرا رہا'' یعنی ابوبکر کے ساتھ ''غار میں دس سے کچھ زیادہ دنوں تک' ہمارے پاس پیلو کے درخت کے پھل کے علاوہ کچھ کھانے کو نہ تھا'' تو وہ اس کے بارے میں کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ: ہم کفار سے چھپ کر غار میں ٹھہرے رہے اور راستہ میں بھی رہے تو یہ دس سے زیادہ دنوں کا عرصہ تھا لیکن ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ کوئی اور ہے کیونکہ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ عامر بن فہیرہ صبح وشام غار میں دودھ لے جایا کرتے تھے۔

نبوت کے بعد مکہ میں آپ کا قیام دس سے زیادہ سال تک رہا۔عروہ دس سال تک کہتے ہیں' ابن عباس پندرہ سال اور آپ کی دوسری روایت میں تیرہ سال ہے' آپ کے نکلنے کا حضرت علی اور حضرت ابوبکر کی آل کے علاوہ کسی کو پتہ نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر چل پڑے' عامر بن فہیرہ خدمت کے لئے ساتھ تھے۔وہ مکہ کی نشیبی جگہ' ساحل کے راستے پر عسفان کے نچلی طرف سے چلے اور ''مج'' کے راستہ کے سامنے لے آئے پھر ''قدید'' سے بنو کعب کی اُم معبد خزاعیہ کے خیموں سے نیچے اُترے۔اس کے بعد کی منزلوں کا ذکر ابن زبالہ نے کیا ہے۔اصل کتاب (اقتفاء الوفاء) میں ہم نے وضاحت کر دی ہے۔

علامہ رزین کہتے ہیں کہ قریش کئی دن تک پتہ لگاتے رہے کہ محمد ﷺ کہاں گئے؟ آخر انہوں نے ابوقبیس پہاڑ سے آواز سنی' کوئی کہہ رہا تھا: ''اگر دو سعد سلامت رہے تو محمد امن میں رہیں گے' انہیں کسی مخالف کا ڈر نہیں ہوگا۔'' اس پر قریش نے کہا: کاش ان کے بارے میں ہمیں پتہ چل جاتا! تو پھر وہی آواز آئی:

''اے اوس کے سعد' تو رکاوٹ والا بن جا اور اے سخی خزرجیوں کے سعد! ہدایت دینے والے کی بات مان لو اور جنت میں ان کے قریب اللہ کی طرف سے ٹھکانا بنا لو۔''

اس سے انہیں پتہ چلا کہ وہ مدینہ کی راہ پر چل نکلے ہیں۔

اُمّ معبد کا قصہ

میں کہتا ہوں کہ اس وقت یہ اشعار سنے گئے تھے' لوگوں نے ابوقبیس پہاڑ پر کسی کو کہتے سنا:

"اللہ تعالیٰ اُمّ معبد کے خیمہ میں قیلولہ کرنے والے دو ساتھیوں کو جزاء دے' جزاء دینا اسی کا کام ہے۔

وہ دونوں حق کی مدد سے چلے اور اسی کے نام پر پہنچے چنانچہ شام کو آنے والا محمد کا ساتھی بن گیا۔"

رسول اکرم ﷺ راستے میں اُمّ معبد کے ہاں سے گذرے اور اس سے دودھ مانگا اس نے عرض کی' دودھ تو نہیں ہے' ہم تو قحط میں گرفتار ہیں' آپ نے ایک بکری دیکھی تو نہایت کمزور اور لاغر تھی' فرمایا: یہ بکری میرے قریب کر دو' اس نے قریب کر دی' آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اس کے تھن چھوئے' بسم اللہ پڑھی اور دعا مانگی پھر فرمایا کہ کوئی برتن لاؤ' وہ برتن لائیں' آپ نے دودھ دوہا تو برتن بھر گیا' حضرت ابوبکر کو پینے کا حکم فرمایا' انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! پہلے آپ پیجئے' آپ نے فرمایا: پلانے والا آخر میں پیتا ہے پھر ابوبکر نے پیا' پھر دوہا تو رسول اللہ ﷺ نے پیا اور پھر دوہا تو اُمِ معبد نے پیا' اس کے بعد پھر دوہا تو اسے کہا کہ ابو معبد آئیں تو یہ انہیں دینا پھر دونوں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ ابو معبد آیا تو اُم معبد نے اسے سارا واقعہ سنایا اور دودھ پلا دیا' اسے پتہ چل گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ تھے' وہ سوار ہو کر پیچھے چلا' اس کی خواہش تھی کہ اسلام لے آئے اور کہتے ہیں کہ یہ گذشتہ شعر راستے میں اسی نے کہے تھے۔

علامہ شرقی لکھتے ہیں' مجھے معلوم ہوا کہ ابو معبد نے انہیں "بطن ریم" میں پا لیا تھا چنانچہ اس نے حضور ﷺ سے بیعت کی اور واپس چلا آیا۔

میں کہتا ہوں کہ رزین کے علاوہ کسی اور نے یہ اشعار ذکر نہیں کئے ہیں' یہ مکہ کی نچلی جانب ایسے قائل سے سنے گئے جس کا پتہ نہ چل سکا۔ جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعرِ رسول ﷺ نے یہ اشعار سنے تو ہاتف کے جواب میں کہا:

"وہ قوم بڑے گھاٹے میں پڑ گئی جن کے ہاں سے ان کے نبی چلے گئے اور جن کے پاس چلے گئے وہ پاکیزہ ہو گئے۔ آپ ایک قوم سے گئے تو وہ گمراہ ہو گئے اور ایسی قوم کے پاس گئے جو منور ہو گئے۔

اللہ نے انہیں گمراہی کے بعد ہدایت دی اور انہیں راہِ ہدایت دکھائی کیونکہ جو راہِ حق پر چلتا ہے وہ ہدایت پا لیتا ہے۔

وہ نبی تھے جو وہ دیکھتے تھے' ان کے گردو اسے نہیں دیکھتے تھے اور وہ اللہ کی کتاب ہر مسجد میں پڑھتے تھے۔

ابوبکر کو ان کے دادا کی برکت مبارک ہو آپ کی صحبت کی بناء پر' جسے اللہ نیک بخت کرتا ہے وہ نیک بخت ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابو بریدہ اور رسول اللہ ﷺ کا استقبال

ابوسلیمان خطابی کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ کے پاس پہنچے تو انہیں بریدہ اسلمی اپنی قوم بنو اسلم کے ستر افراد لے کر ملے۔ آپ نے پوچھا: کون ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ بریدہ ہوں' آپ نے ابوبکر سے فرمایا: ہمارا کام درست ہو گیا کہ اس میں ٹھنڈک آ گئی۔ پھر پوچھا کہ تم کس قبیلہ سے ہو؟ اس نے بتایا کہ بنو اسلم سے۔ آپ نے فرمایا' ہمارے لئے یہاں سلامتی ہے۔ پھر پوچھا کہ اسلم کی کونسی شاخ سے ہو؟ اس نے عرض کی' بنو سہم سے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا حصہ نکل آیا یعنی ہم نے کامیابی حاصل کر لی۔

علامہ ابنِ جوزی نے ''شرف المصطفیٰ'' میں بیہقی سے لے کر حضرت بریدہ تک یہ روایت ملائی ہے' بریدہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بدفالی نہیں لیتے تھے البتہ نیک فالی ضرور لیتے تھے۔ قریش نے اس وقت نبی کریم کو پکڑ کر لانے والے کے لئے سو اونٹ کا انعام رکھا تھا' جب آپ مدینہ کو چل پڑے تھے چنانچہ بریدہ رضی اللہ عنہ بنو سہم میں سے اپنے گھر سے ستر سوار لے کر سوار ہوئے اور نبی کریم ﷺ سے ملے تو آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی' بریدہ ہوں' آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے ابوبکر! ہمارے کام میں ٹھنڈک ہے اور درست ہو گیا۔ پھر پوچھا کس قبیلہ سے تعلق ہے؟ انہوں نے عرض کی' اسلم سے' اپنے ابوبکر سے فرمایا: ہم سلامتی میں آ گئے' پھر پوچھا کونسی شاخ سے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ بنو سہم سے۔ آپ نے فرمایا تمہارا حصہ نکل آیا۔ پھر حضرت بریدہ نے نبی کریم ﷺ نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا' میں محمد بن عبد اللہ رسولِ خدا ہوں۔ اس پر بریدہ نے کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ' چنانچہ بریدہ مسلمان ہو گئے اور آپ کے قریب بیٹھے سب لوگ مسلمان ہو گئے۔

صبح ہوئی تو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: آپ جھنڈا لئے بغیر مدینہ میں تشریف نہ لے جائیں چنانچہ اپنا عمامہ (پگڑی) کھولا اور پھر اسے نیزے پر باندھ کر آپ کے آگے چلے' عرض کی یا رسول اللہ! کس کے پاس ٹھہرنا ہے؟ فرمایا: میری یہ اونٹنی اللہ کے حکم کی پابند ہے۔ یہ سن کر حضرت بریدہ نے کہا: اس ذات کی حمد و ثناء ہے جس پر بنو سہم کے لوگ فرمانبرداری سے مسلمان ہو گئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اپنے سوار مسلمانوں کے ساتھ ملے' یہ لوگ تاجر تھے جو شام سے واپس آ رہے تھے' انہوں نے رسول اللہ اور حضرت ابوبکر کو سفید کپڑے پہنائے۔

یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت طلحہ شام سے واپس آئے تو ان کے پاس سفید کپڑے تھے جو انہوں نے حضرت ابوبکر کو تحفہ میں دینا تھے چنانچہ جب ملے تو انہیں دیدیئے۔ ان میں سے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر نے پہنے تھے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں' احتمال یہ ہے طلحہ اور زبیر میں سے ہر ایک نے دونوں کو بطور ہدیہ پیش کئے لیکن سیرت کی کتابوں میں صرف طلحہ کا ذکر ہے' بہتر یہی ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے' ابن ابو شیبہ کے پاس وہ روایت ہے جو اس کی تائید کرتی ہے ورنہ صحیح بخاری کی روایت سب سے صحیح ہے۔

فصل نمبر ۱۰

حضور ﷺ کا مدینہ میں داخلہ اور مسجدِ قباء کی بنیاد

مدینہ طیبہ ومنورہ میں لوگوں نے سن رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ یہاں تشریف لائینگے لہٰذا روزانہ وہ صبح سویرے پتھریلی زمین (حرہ) کی طرف چلے جاتے اور آپ کی انتظار کرتے' دھوپ آ جاتی تو واپس آتے' ایک دن وہ واپس ہوئے تو یہودیوں میں سے ایک آدمی نے کسی مقصد سے نظر دوڑائی' اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دیکھ لیا' وہ سفید رنگ کے کپڑے پہنے چلے آ رہے ہیں' یہودی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بلند آواز سے بولا: اے بنو قیلہ! (انصار) ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں "اے عرب کے لوگو!" یہ تمہارے اپنے ہیں۔(ایک روایت میں ہے کہ یہ وہی ہیں جس کی تم انتظار کیا کرتے ہو) چنانچہ مسلمانوں نے ہتھیار پہنے اور حرہ کی پچھلی طرف آپ کا استقبال کیا' آپ انہیں لے کر دائیں طرف مڑ گئے اور قباء میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں کلثوم بن ہدم کے پاس جا ٹھہرے۔کہتے ہیں کہ ان دنوں وہ مشرک تھا۔ابن زبالہ نے یہ بات یقین سے کہی ہے۔رزین کہتے ہیں کہ ایک کھجور کے سائے میں بیٹھ گئے اور پھر وہاں سے بنو عمرو بن عوف کے بھائی بند کلثوم کے گھر تشریف لے گئے پھر "اخبار مدینہ" میں محمد بن معاذ نے کہا کہ یعقوب اور عبدالرحمٰن بن یزید دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے حرہ میں نماز پڑھی پھر سوار ہوئے اور بیرِ غرس کے قریب عذق کے پاس اونٹنی بٹھائی' ابھی دھوپ نہیں آئی تھی' رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر میں فرق نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ دونوں کا لباس ایک جیسا تھا' لوگ ان کے لئے کھڑے تھے کہ اتنے میں ان کے پاس قلعے کی طرف سے دھوپ آ گئی جسے "شنیف" کہتے تھے' دھوپ دیکھ کر ابوبکر نے ذرا ڈھیل کر دی اور یوں معلوم ہوا کہ ابوبکر حضور ﷺ کو چلاتی دھوپ میں کھڑا کئے ہوئے ہیں' اسی دوران وہ کھڑے ہوئے اور اپنی چادر سے آپ پر سایہ کر دیا جس پر لوگوں کو آپ کا پتہ چل گیا' لوگوں نے حاضری شروع کر دی' آتے جاتے اور سلام لیتے جاتے۔

میں بتاتا چلوں کہ یہ خبر میں نے اس نسخہ میں نہیں دیکھی جسے ابن یحییٰ کے لڑکے نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے اور پھر ان کا "بیرِ غرس" کہنا غلطی ہے' شاید یہ لفظ "بیرِ عذق" ہے کیوں کہ قباء میں جہاں آپ ٹھہرے تھے وہ اس سے دور تھا البتہ عذق قریب تھا۔کچھ نے سعد بن خیثمہ کے پاس ٹھہرنے کا بتایا ہے۔

کتاب یحییٰ میں بھی محمد بن اسماعیل بن مجمع سے ہے' کہا: جب رسول اللہ ﷺ' ابوبکر اور عامر بن فہیرہ' کلثوم بن ہدم کے پاس ٹھہرے تو اس نے اپنے آقا سے کہا: اے نجیح! اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی طرف دیکھتے

ہوئے فرمایا: میں کامیاب ہو گیا' یا فرمایا: ہم کامیاب ہو گئے پھر فرمایا کہ ہمیں تازہ کھجوریں کھلاؤ' وہ اُم جرذان کا تھیلا لے آئے جس میں تازہ کھجوریں تھیں اور کچھ پھل تھے' کھجوریں سرخی یا زردی مائل تھیں۔آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ اُم جرزان کی کھجوریں ہیں' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اُم جرذان کے لئے برکت فرما۔

مدینہ میں تشریف آوری اور اس کی تاریخ میں علماء کا اختلاف

حاکم بھی کہتے ہیں کہ آپ کلثوم کے پاس ٹھہرے' ابن شہاب کا بھی یہی قول ہے۔کچھ کہتے ہیں کہ حضرت سعد کنوارے تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ اس کے گھر میں بیٹھا کرتے اور یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں: آپ اس کے ہاں ٹھہرے پھر ابن جوزی کی یہ روایت اس کی تائید کرتی ہے: کہ "نبی کریم ﷺ کلثوم بن ہدم کے پاس ٹھہرے تھے اور سعد کے پاس گفتگو ہوا کرتی' یہ جگہ "منزل العزاب" کہلاتی تھی پھر بخاری میں ہے کہ "لوگوں نے حرہ کے پیچھے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ انہیں دائیں طرف سے لے کر بنو عمرو بن عوف کے پاس پہنچے۔"

ایک روایت میں ہے کہ مدینہ کا بالائی (اوپر والا) حصہ اور "قباء عالیہ" شمار ہوتا تھا۔اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ کو اور آپ کے دین کو بلندی کا مقام حاصل ہو۔

اکثر علماء کے نزدیک آپ پیر کے دن تشریف لائے تھے۔ابن حجر اسی پر بھروسہ کرتے تھے' وہ لوگ بہت کم ہیں جو جمعہ کی تشریف آوری بتاتے ہیں۔میں کہتا ہوں کہ شاید اس شخص کی مراد یہ تھی کہ خود شہر مدینہ میں آمد جمعہ کے روز ہوئی۔یہ قول بھی ملتا ہے کہ پیر کی رات تشریف لائے کیونکہ مسلم شریف میں آپ نے "لیلًا" کا لفظ ذکر فرمایا۔ابن حجر کہتے ہیں کہ ان دونوں کو جمع کیا جا سکتا ہے' اور وہ یوں کہ آپ رات کو تشریف لائے اور صبح کو مدینہ میں پہنچے۔

میں کہتا ہوں یہ بات محلِ نظر ہے' آپ کی آمد ابن شہاب کے مطابق پہلی ربیع الاوّل کو ہوئی: کچھ آٹھ کو کہتے ہیں۔ابن اسحاق سے ہے کہ آپ مدینہ میں ماہ ربیع الاوّل کی دو راتیں گذرنے پر تشریف لائے' ابو معشر پیر کی رات بتاتے ہیں۔زہری کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ پیر کے دن سخت دھوپ کے وقت ربیع الاوّل کی بارہ راتیں گذرنے پر تشریف لائے۔

پیر کے دن کی عظمت

ابن جوزی کی "شرف المصطفیٰ ﷺ" میں ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ پیر کے دن حضور ﷺ کی ولادت ہوئی' پیر ہی کے دن اعلانِ نبوت فرمایا' اسی دن آپ نے حجرِ اسود اُٹھایا تھا' اسی دن مکہ سے ہجرت فرمائی' اسی دن آپ مدینہ میں تشریف لے گئے اور اسی پیر کے دن آپ کا وصال ہوا۔روضۃ الاقشہری میں ابن کلبی نے بتایا کہ آپ یکم ربیع الاوّل بروز پیر غار سے نکلے اور جمعہ کے دن بارہ ربیع الاوّل کو پہنچے' شرف المصطفیٰ میں تیرہ ربیع الاوّل لکھا ہے' ان دونوں میں اختلاف کو چاند کی تاریخ میں اختلاف پر اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ابو سعید کے پاس حضرت عمر کی یہ حدیث ہے

کہ: آپ بنو عمرو بن عوف کے پاس پیر کے دن ربیع الاوّل کی دو راتیں گذرنے پر تشریف لائے۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نصف ربیع الاوّل کو ہوا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ سات کو تشریف لائے۔ ابن حزم کا یقین ہے کہ آپ مکہ سے نکلے تو صفر کی تین راتیں گذری تھیں' یہ بات ہشام بن کلبی کے اس قول کے موافق ہے کہ آپ غار سے پیر کو نکلے اور ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ تھی۔ اگر یہ بات محفوظ ہے تو شاید قباء میں آپ کا آنا آٹھ ربیع الاوّل بروز پیر تھا اور اگر اسے آئندہ اس روایت سے ملا دیا جائے تو حضرت انس کے مطابق قباء میں آپ چودہ راتیں ٹھہرے جو اس سے نکال لی گئیں اور مدینہ میں داخلہ بائیس کو تھا لیکن کلبی کا یقین ہے کہ بارہ کو داخل ہوئے تھے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ وہاں آپ منگل' بدھ اور جمعرات کو ٹھہرے اور جمعہ کو نکلے' انہوں نے نکلنے کا دن شمار نہیں کیا۔ یونہی موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ آپ وہاں تین راتیں ٹھہرے تو گویا انہوں نے وہاں آنے اور وہاں سے نکلنے کا دن شمار نہیں کیا۔

بنو عمرو بن عوف میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ قباء میں بائیس دن ٹھہرے' بخاری میں ہے' حضرت انس فرماتے ہیں کہ وہاں چودہ راتیں ٹھہرے' حضرت عائشہ کے فرمان ''دس سے کچھ زیادہ راتیں'' سے بھی یہی مراد ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں تین راتیں ٹھہرے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ پانچ راتیں ٹھہرے بنو عمرو اس سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

حضور ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم فرمایا تو ربیع الاوّل میں ہجرت کے دن سے لکھی گئی لیکن مشہور یہ ہے' یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا تھا کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا کہ ہجرت نے حق و باطل میں فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ تاریخ لکھی گئی اور حضرت علی و عثمان رضی اللہ عنہما کے مشورہ پر ابتداء محرم سے کی گئی اور ہم اپنی اصل کتاب (اقتفاء الوفاء) میں اس کا سبب بیان کر دیا ہے۔

علامہ سہیلی نے یہ نئی بات بتائی ہے کہ صحابہ نے ہجرت کی تاریخ اللہ کے اس قول سے نکالی:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ (سورۂ توبہ: ۱۰۸)

''بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے اس کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے۔''

ہجرت سے تاریخ کا آغاز

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آپ یہاں پہنچے تو حضرت ابوبکر لوگوں سے ملاقات کے لئے کھڑے ہوئے' رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے' انصار میں سے آنے والے ابوبکر سے سلام لیتے تھے' حضور ﷺ پر دھوپ آ گئی' حضرت ابوبکر آگے بڑھے اور آپ پر اپنی چادر کا سایہ کیا جس سے لوگوں کو حضور کا پتہ چل گیا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خاموش بیٹھے تھے چنانچہ انصار میں جس نے حضور کو دیکھا نہ تھا وہ ابوبکر کو سلام کہتے اور جب ان پر دھوپ آ گئی تو ابوبکر آگے بڑھے کہ آپ پر کسی شے کا سایہ کر دیں۔

حضور ﷺ کے مکہ سے نکلنے کے بعد حضرت علی وہاں کچھ دن ٹھہرے۔ایک روایت یہ ہے کہ تین دن ٹھہرے اور لوگوں کی امانتیں واپس کیں' حضور ﷺ نے انہیں اسی لئے روکا تھا پھر وہاں سے چلے' آپ کے پاس قباء پہنچے اور کلثوم بن ھدم کے پاس ٹھہرے۔ ابن رزین بتاتے ہیں' حضرت علی نے بتایا: ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سویا تھا کہ اسی دوران ایک مرد نے کسی عورت کا دروازہ کھٹکھٹایا' وہ نکلی' کوئی شے اسے دی تو وہ چلا گیا پھر دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا اور جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو کہا یہ سہل بن حنیف تھے' ہر رات اپنی قوم کے بتوں کے پاس آتے ہیں' انہیں توڑتے ہیں اور انہیں لکڑیوں سے جلاتے ہیں' انہیں پتہ چلا ہے کہ اب میرے پاس کوئی لکڑی نہیں۔

عبد العزیز بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنو عمرو بن عوف کے پاس تشریف لائے' اوس و خزرج میں مخالفت چلی آتی تھی' خزرج ' اوس کے گھروں میں جانے سے ڈرتے اور اوس' خزرج کے گھروں میں جانے سے ڈرا کرتے تھے' اسعد بن زرارہ نے نبتل بن حارث کو بعاث کے دن قتل کر دیا تھا' حضور ﷺ نے پوچھا: اسعد بن زرارہ کہاں ہے؟ جس پر سعد بن خیثمہ' مبشر بن عبد المنذر اور رفاعہ بن عبد المنذر نے کہا کہ یا رسول اللہ! یوم بعاث پر اس نے ایک آدمی قتل کر دیا تھا اور جب بدھ کی رات آئی تو اسعد' مغرب و عشاء کے درمیان چادر اوڑھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے' آپ نے اسے دیکھا تو فرمایا: اے ابو امامہ! تم اپنے گھر سے یہاں آئے ہو حالانکہ تمہارے اور تمہاری قوم کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔ابو امامہ نے عرض کی مجھے آپ کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی لہٰذا میں چلا آیا پھر رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں سوئے' صبح ہوئی پھر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے سعد بن خیثمہ' رفاعہ اور مبشر (عبد المنذر کے لڑکے) سے فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو' انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ رکھ لیجئے' ہمارا پڑوس آپ کے قریب ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی اسے اپنے پاس رکھ لے' سعد بن خیثمہ نے کہا کہ وہ میرے پڑوس میں ہے پھر سعد بن خیثمہ اسعد بن زرارہ کے گھر گئے تو بن محاصرہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آئے اور عمرو بن عوف تک چلے گئے پھر اوس نے کہا یا رسول اللہ! ہم سب پڑوسی ہیں چنانچہ اس کے بعد اسعد بن زرارہ صبح و شام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔انتہٰی۔

قباء کے مقام پر کلثوم بن ھدم کا ایک پلاٹ تھا (جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں) رسول اللہ ﷺ نے ان سے لے کر وہاں مسجد کی بنیاد رکھ دی۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ کی روایت ہے کہ بنو عمرو بن عوف کے پاس آپ دس سے کچھ زیادہ راتیں ٹھہرے اور وہ مسجد بنائی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔عبد الرزاق نے عروہ کی روایت بیان کی ہے کہ جنہوں نے وہ مسجد بنائی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی' وہ بنو عمرو بن عوف تھے' ابن عائذ کے نزدیک ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی ہی حدیث ملتی ہے' ان کے الفاظ یہ ہیں کہ: آپ بنو عمرو بن عوف میں تین راتیں ٹھہرے رہے اور ان کے مکان کو مسجد بنا لیا اور اس میں نمازیں پڑھیں پھر بنو عمرو بن عوف نے اسے بنایا چنانچہ یہ وہ مسجد تھی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔

حکم بن عتبہ ''زیادات المغازی'' میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب قباء میں تشریف لائے تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ان کے لئے کوئی سایہ دار جگہ بنائی جائے کہ جاگیں تو سایہ میں بیٹھ سکیں اور نماز پڑھ سکیں' انہوں نے پتھر اکٹھے کئے اور مسجد قباء بنائی چنانچہ سب سے پہلے یہ مسجد بنی یعنی عام مسلمانوں کے لئے یا مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے لئے' چنانچہ یہ پہلی مسجد ہے جس میں ظاہراً آپ نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھائی اگرچہ اس سے قبل کئی اور مساجد بن چکی تھیں چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل دو سال سے وہاں رہ رہے تھے' ہم نے کئی مسجدیں بنائیں اور ان میں نماز پڑھا کرتے تھے' اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے قباء میں رہنے والوں اور انصار نے یہ مسجد بنا رکھی تھی جس میں نماز پڑھا کرتے تھے اور جب آپ نے ہجرت فرمائی اور قباء میں تشریف لائے تو اس میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھائی' کوئی نئی شے نہیں بنائی تھی یعنی شروع میں کچھ نہیں بتایا تھا پھر بتایا کہ آپ نے مسجد قباء بنائی اور قبلہ اس طرف رکھا جدھر آج کل ہے' آپ نے فرمایا تھا کہ جبریل بیت اللہ کی طرف منہ کر کے میرے امام بنے تھے۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس آیۂ مبارکہ سے مراد کونسی مسجد ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ○

تو جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے اور یہ حضور ﷺ کے اس فرمان کے مخالف نہیں جس میں آپ نے مسجد نبوی کے بارے میں فرمایا تھا: ''آیت میں تمہاری یہ مسجد مراد ہے'' کیونکہ دونوں ہی مسجدیں تقویٰ کی بنیاد پر بنی تھیں۔ وضاحت آگے آ رہی ہے۔

طبرانی میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جب اہل قباء نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے لئے مسجد بنا دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اُٹھ کر اونٹنی پر سوار ہو' حضرت ابوبکر اُٹھے' سوار ہونے لگے' اسے ہلایا لیکن وہ نہ اُٹھ سکی' آپ واپس آ کر بیٹھ گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھے' اسے ہلایا لیکن وہ نہ اُٹھی' آپ بھی واپس آ کر بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے پھر اعلان فرمایا کہ کوئی اُٹھ کر اس پر سواری کرے۔ اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُٹھ کھڑے ہوئے' ابھی آپ نے رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ اونٹنی اچھلی اور چل پڑی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دو اور جہاں رک جائے' وہاں مسجد تعمیر کرو کیونکہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔

طبرانی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے' فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو اپنے صحابہ سے فرمایا: آؤ میرے ساتھ چلو کہ اہلِ قباء کو سلام کر آئیں' وہاں تشریف لائے' سلام فرمایا تو انہوں نے مرحبا کہا پھر انہیں حکم فرمایا کہ اس حرّہ سے پتھر لے کر آؤ چنانچہ بہت سے پتھر جمع ہو گئے' آپ کے پاس چھوٹا سا نیزہ تھا' اس سے قبلہ کا نشان لگایا پھر ایک پتھر خود لے کر رکھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس پتھر کے ساتھ ہی ایک پتھر تم بھی رکھ دو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوبکر والے پتھر کے ساتھ ہی تم بھی ایک پتھر رکھ دو پھر حضرت عثمان سے فرمایا کہ اسی

کے ساتھ تم بھی ایک پتھر رکھ دو پھر دوسرے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا تم میں سے ہر ایک جہاں چاہے خط پر ایک ایک پتھر رکھتا جائے۔

مسجد قباء کب بنی؟

میں کہتا ہوں' حضرت جابر والی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنیاد حضورﷺ کی قباء میں تشریف آوری کے وقت نہیں رکھی گئی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حبشہ سے واپس آنے پر رکھی گئی ہوگی کیونکہ وہ اپنا دین بچانے کے لئے اپنی بیوی دخترِ رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر حبشہ چلے گئے تھے' سب سے قبل ہجرت آپ ہی نے کی تھی پھر دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف کی تھی لہٰذا ہوسکتا ہے کہ نبی کریمﷺ نے ان کی آمد پر بنیاد رکھی ہو اور پھر بعد میں اسے بنایا ہو ورنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو وہاں موجود ہی نہ تھے۔

اسی لئے سہیلی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے پتھر حضورﷺ نے رکھا' پھر ابوبکر نے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے لیکن حضرت عثمان کا ذکر نہیں کیا' پھر کہا کہ مدینہ آنے سے پہلے آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے اس میں نماز پڑھی انتھیٰ۔

عنقریب مسجدوں کے ذکر میں آ رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' میں نے رسول اللہﷺ' ابوبکر اور دیگر صحابہ کو دیکھا کہ ہم اپنے اپنے پیٹ پر پتھر اُٹھا کر لاتے تھے' رسول اللہﷺ نے بنیاد رکھی اور جبریل بیت اللہ کی طرف منہ کرکے امام بنے تھے۔ میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا جو حضرت عثمان کے حبشہ سے آنے کا مقرر وقت بتا سکے اور عنقریب مسجد مدینہ کی بناء میں ایسی اخبار آ رہی ہیں جن میں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان وہاں موجود تھے' اس میں بھی پہلی اور دوسری مرتبہ بنیاد رکھنے کا احتمال ہے۔

محب طبری کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کی حبشہ سے آمد ہجرت سے قبل یا بعد اور واقعۂ بدر سے پہلے معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ بات تو یقینی ہے کہ واقعۂ بدر پر آپ اپنی بیوی رقیہ دختر رسول کی بیماری کی وجہ سے جنگ میں شامل نہیں ہو سکے تھے' واقعۂ بدر تو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا جبکہ حبشہ سے ہجرت کرکے آنے والے اکثر صحابہ ہجرت کے ساتویں سال آئے تھے جیسے آگے آ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

طبرانی میں شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا کی روایت ہے' کہتی ہیں کہ جب رسول اللہﷺ کی آمد ہوئی' یہاں ٹھہرے اور مسجدِ قباء کی بنیاد رکھی تو خود میں نے آنکھوں سے سب کچھ دیکھا تھا' میں نے دیکھا کہ آپ پتھر اٹھاتے تو اس کی وجہ سے جھک جاتے اور میں نے پتھر کے سفید نشان آپ پیٹ یا ناف پر دیکھے تھے' اسی دوران کوئی آ جاتا اور عرض کرتا' میرے ماں باپ آپ پر قربان' یہ مجھے دیدیں' میں اٹھا لیتا ہوں مگر آپ فرماتے' نہیں' کوئی اور پتھر اُٹھا لاؤ اور یوں آپ نے بنیاد رکھ دی' آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جبریل کعبہ کی طرف سیدھ کرتے تھے۔ پھر کہتی ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ یہ

مسجد عین کعبہ کی طرف ہے۔

میں یہاں بتا دوں اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور صبح کی نماز کے دوران کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آ گیا تو آپ نے سب کو بتا دیا' اس وقت ان کے چہرے شام کی طرف تھے چنانچہ گھوم کر کعبہ کی طرف ہو گئے۔ اس میں احتمال یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو بیت اللہ دکھا رہے تھے تا کہ اس کے ذریعے بیت المقدس کی جانب کا پتہ چل سکے کیونکہ دونوں جانبیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھیں اور پھر انہیں یہ علم بھی تھا کہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آنے والا ہے یا یہ کہ ہجرت کرتے ہی آپ کو خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں جدھر چاہیں منہ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت حاصل تھی جیسے ربیع کہتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ حضرت جبریل نے امام بنتے وقت قبلہ کی طرف منہ کیا تھا' اسی دوران آپ کے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا مقصد یہودیوں کو اپنی طرف مائل کرنا تھا یا یہ ممکن ہے کہ اس وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم رہا ہو پھر یہ حکم بیت المقدس کی وجہ سے منسوخ ہو گیا ہو اور پھر یہ حکم بیت اللہ کی وجہ سے منسوخ ہوا ہو جیسے ابن العربی وغیرہ نے بتایا ہے کہ قبلہ دو مرتبہ منسوخ ہوا تھا۔

رہا طبرانی میں حضرت شموس رضی اللہ عنہا کہ یہ قول کہ آپ پتھر کو اٹھاتے جھک جاتے تھے' اسے علامہ محمد نے خطابی کی روایت سے اور لفظوں میں بیان کیا ہے چنانچہ کہا: شموس نے بتایا کہ حضورﷺ نے جب مسجد قباء تعمیر فرمائی تو پتھر پیٹ تک لاتے وقت جھکتے اور رکھ دیتے کوئی اور آگے بڑھ کر اسے اُٹھانے کی کوشش کرتا مگر نہ اُٹھا سکتا تو آپ فرماتے کہ اسے یہیں رہنے دو' کوئی اور اُٹھا لاؤ!

ابن شبہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مسجد قباء کی تعمیر ہو رہی تھی تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا تھا:

افلح من یّعالج المساجد

"مسجدیں بنانے والے کامیاب شمار ہوتے ہیں۔"

اس پر حضورﷺ نے فرمایا کہ **المساجدا** پڑھو۔

حضرت عبد اللہ نے پھر پڑھا:

ویقرأ القرآن قائما و قاعد

اس پر آپ نے فرمایا **وقاعدا** پڑھو۔

انہوں نے یہ مصرعہ پڑھا:

ولا یبیت اللّیل عنه راقد

آپ نے فرمایا **راقدا** پڑھو۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۱

شہرِ مدینہ میں داخلہ' ابو ایوب انصاری کے گھر میں رہائش' دیگر معلومات اور مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کا قیام

اہلِ سیرت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنونجار کو بلا بھیجا' وہ تلواریں جسم پر لگائے حاضر ہو گئے' یہ لوگ آپ کے ننھیال تھے کیونکہ حضرت ہاشم بن عبد مناف نے ان کی ایک خاتون سے شادی کی تھی' یہ سلمٰی بنت عمرو تھیں' ان سے ایک لڑکا ہوا' جب ہاشم فوت ہوئے اور وہ لڑکا جوان ہو گیا تو قریش کے کچھ لوگ اسے لے گئے اور اسے سب کو دکھایا' وہ خوب جوان ہوئے اور تیر انداز بن گئے' وہ کہا کرتے کہ میں قرشی ہوں' وہ انہیں لے کر آئے اور ان کے چچا عبد المطلب بن عبد مناف کو اطلاع دی' وہ انہیں لینے آئے اور اپنے پیچھے بٹھا کر مکہ میں داخل ہوئے' سفری کپڑے پہن رکھے تھے قریش نے کہا کہ یہ عبد المطلب ہیں چنانچہ یہی نام مشہور ہو گیا اور یہی وجہ تھی کہ بنونجار آپ کے ننھیال بنتے ہیں' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی تھی کہ امن و امان اور فرمانبرداری سے سوار ہو جایئے۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث ہے' بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبیلہ کے ہاں تشریف لائے جنہیں بنو عمرو بن عوف کہتے تھے اور ان کے ہاں چودہ راتیں ٹھہرے پھر بنونجار کو پیغام بھیجا تو وہ تلواریں تان کر آئے۔ امام بخاری نے دوسرے طریقے سے روایت لکھی اور کہا: نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور حرہ کی جانب ٹھہرے پھر انصار کو بلا بھیجا تو وہ حضور ﷺ اور ابوبکر کے پاس حاضر ہوئے' انہیں سلام کہا اور عرض کی امن و امان سے سوار ہو جایئے چنانچہ آپ سوار ہوئے اور ابو ایوب کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔

علامہ بخاری کی تاریخ صغیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے فرماتے تھے: میں اس وقت لڑکوں کے ہمراہ دوڑتا جاتا تھا جب وہ کہتے تھے کہ ''محمد آ گئے'' ہم بن دیکھے بھاگے جاتے تھے' اسی دوران آپ اور آپ کے ساتھی (ابوبکر) آ گئے' ہم مدینہ کی ایک جانب چھپ گئے' انہوں نے ایک دیہاتی آدمی کو بھیجا کہ ان کی آمد کی اطلاع دیدے چنانچہ پانچ سو انصار نے آپ کا استقبال کیا' وہ کہے جا رہے تھے کہ امن' امان اور اللہ کی اطاعت میں چلتے جاؤ الحدیث۔ اس میں اس واقعہ کو لپیٹ دیا گیا ہے' شائد ان کا ارادہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ابتداء میں اس وقت پیش آیا جب آپ قباء میں ٹھہرے تھے' رزین کی روایت بھی یہی بتاتی ہے کیونکہ انہوں نے حضرت انس سے روایت کی' آپ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں نو سال کا تھا' میں لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ کہتے سنتا تھا کہ ''رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔'' ہم باہر نکلے تو کچھ دکھائی نہ دیا' پھر اسی دوران رسول اللہ اور حضرت ابوبکر آ گئے چنانچہ ہم مدینہ کی ایک طرف ویران جگہ میں جا چھپے' انہوں نے ایک آدمی بھیجا کہ انصار کو ان دونوں کے بارے میں بتا دے چنانچہ کوئی

پانچ سو کے قریب انصار نے ان کا استقبال کیا اور حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ آج تک میں نے ایسا ہوتے نہیں دیکھا بخدا ہر شے روشن دکھائی دے رہی تھی' یہ دونوں حضرات کلثوم بن ہدم کے ہاں ٹھہرے۔ پھر بخاری نے مسجد قباء کی بنیاد کا ذکر کیا اور بتایا کہ آپ مدینہ کو روانہ ہوئے' آپ انصار کے جس گھر کے قریب سے گذرتے وہ آنکھیں بچھاتے جاتے۔ یہ روایت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ یہ معاملہ آپ کے مدینہ میں ابتداءً آنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ جمعہ کے دن قباء سے نکلے تھے۔

یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ آپ جب قباء سے دکھائی دئے تو بنو عمرو بن عوف جمع ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ ناراضگی سے نکلے ہیں یا ہمارے گھروں سے بہتر کی تلاش ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس بستی کا حکم ملا ہے جو اور بستیوں کو کھانے والی ہے لہٰذا اس اونٹنی کو جانے دو کیونکہ یہ حکم الٰہی پر چل رہی ہے چنانچہ آپ قباء سے نکلے' راستے میں انصار کے قبیلے ملے جو آپ سے امداد کا وعدہ کر رہے تھے' آپ فرما رہے تھے کہ اونٹنی کو جانے دو کیونکہ یہ حکم خداوندی کی پابند ہے' آپ بنو سالم کے پاس پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا' آپ نے وادی ذی صلب میں جمعہ کی نماز پڑھی۔

قلت کہتے ہیں کہ یہ وہ جمعہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں پڑھا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک آپ قباء میں ٹھہرے رہے' جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمارہ بن خزیمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرمایا: جب جمعہ کا دن آیا اور خوب چڑھ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری منگوائی' مسلمان جمع ہوئے اور ہتھیار پہن لئے' حضور ﷺ اپنی اونٹنی قصوی پر سوار ہوئے' لوگ دائیں بائیں اور پیچھے تھے' کچھ پیدل اور کچھ سوار تھے' انصار سامنے آئے' ان میں سے کوئی گھر ایسا نہ تھا جو یہ نہ کہہ رہا ہو: یا رسول اللہ! تشریف لایئے ہم تن من دھن قربان کرنے کو ہیں' آپ شاباش دیتے جاتے اور دعائیں فرماتے نیز فرماتے کہ یہ اونٹنی حکم خداوندی پر چل رہی ہے' اس کا راستہ چھوڑ دو چنانچہ آپ بنو سالم کے قریب سے گذرے تو عتبان بن مالک' نوفل بن عبد اللہ بن مالک بن عجلان سامنے آئے' وہ آپ کی سواری کی لگام تھام کر کہہ رہے تھے' ہمارے پاس قیام فرمایئے کیونکہ ہم کافی تعداد میں ہیں' ساز و سامان پاس ہے اور ہمارا ایک حلقہ موجود ہے' ہمارے پاس قوت ہے' باغات ہیں اور ہم ہر سوجھ بوجھ والے ہیں یا رسول اللہ اس سے قبل کوئی عرب یہاں آ کر مارے ڈر کے مارے پناہ لیتا تو ہم اسے کہہ دیا کرتے تھے' چلو جہاں چاہو پھرو۔ یہ سن کر حضور ﷺ تبسم فرماتے اور آپ فرماتے' راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔

پھر حضرت عبادہ بن صامت اور عباس بن صامت بن نضلہ بن عجلان سامنے آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے پاس ٹھہریئے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اونٹنی اللہ کے حکم پر چلی جا رہی ہے' جب آپ مسجد بنو سالم کے پاس پہنچے تو سب کو جمعہ پڑھانے کے لئے خطبہ دیا پھر دائیں طرف کا راستہ لیا اور بنو الحبلیٰ کے پاس پہنچے' ارادہ عبد اللہ بن اُبی کے پاس اتریں' اس نے دیکھا (وہ قلعے میں بیٹھا تھا) تو کہنے لگا: جاؤ ان لوگوں کے پاس جنہوں نے آپ کو بلایا ہے اور

ان کے پاس ٹھہرو۔اس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اس کی بات کا برا نہ منایئے' آپ تو ہمارے پاس تشریف لائے ہیں' قریش چاہتے ہیں کہ اسے اپنا حکمران بنا لیں لیکن یہ تو میرا گھر ہے' پھر آپ بنو ساعدہ کے ہاں سے گذرے تو سعد بن عبادہ' منذر بن عمرو اور ابو دجانہ نے عرض کی' یا رسول اللہ تشریف لایئے' آپ کو عزت' دولت' قوت اور مضبوطی ملے گی' ادھر حضرت سعد عرض کر رہے تھے کہ یا رسول اللہ! ہمارے اتنے وسائل تو نہیں البتہ دولت قوت موجود ہے' آپ نے فرمایا اللہ تم میں برکت کرے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راستہ دیدو کیونکہ میری اونٹنی اللہ کے حکم کی پابند ہے پھر چلتے گئے' آگے سعد بن ربیع' عبد اللہ بن رواحہ اور بشیر بن سعد ملے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم سے آگے تشریف نہ لے جایئے کیونکہ ہم کافی تعداد میں ہیں' دولت مند ہیں اور ایک حلقہ رکھتے ہیں۔آپ نے فرمایا: اللہ تمہیں برکت دے' اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو' کیونکہ یہ اللہ کے حکم پر چل رہی ہے' پھر بنو بیاضہ میں سے زیادہ بن لبید اور فروہ بن عمرو سامنے آئے' عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے پاس تشریف لایئے' ہمدردی و غمخواری ہو گی' عزت ہو گی' دولت موجود ہے' تعداد اور قوت حاصل ہو گی' یا رسول اللہ! ہم سوجھ بوجھ والے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ امرِ خداوندی پر چل رہی ہے۔پھر بنو عدی بن نجار کے پاس پہنچے' وہ آپ کے ماموؤں میں سے تھے' ان میں سے ابو سلیط اور صرمہ بن ابی انیس کھڑے تھے' دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ کے ماموں لگتے ہیں' رشتہ داری بھی ہے' تعداد بھی ہے اور ہمارے پاس قوت بھی ہے لہٰذا ہمارے پاس تشریف لایئے' ہم سے گذر کر آگے نہ جایئے' ہماری آپ سے رشتہ داری ہے اور ہم سے زیادہ کوئی بھی آپ کا قریبی نہیں ہے۔یہ سن کر فرمایا: راستہ دے دو کیونکہ اونٹنی اللہ کے حکم سے چل رہی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انصار میں سب سے پہلے بنو بیاضہ سامنے آئے تھے پھر بنو سالم پھر ابن ابی کی طرف مائل ہوئے پھر بنو عدی بن نجار کے پاس تشریف لے گئے اور آخر کار مالک بن نجار کے پاس پہنچے۔

قلت بنو عدی بن نجار کا یہ کہنا "ہم آپ کے ماموں ہیں" اس لئے تھا کہ وہ ماں کی طرف سے آپ کے قریبی تھے کیونکہ حضرت سلمی بنت عمرو' بنو عدی بن نجار سے تھیں جو آپ کے دادا عبد المطلب کی ماں تھیں پھر بخاری شریف میں حضرت براء کا یہ قول ہے: "نبی کریم ﷺ مدینہ میں آئے تو پہلے اپنے ناناؤں کے پاس ٹھہرے یا کہا کہ ماموؤں کے پاس ٹھہرے' جو انصار تھے۔" اس میں شبہ ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے بھائی بندوں بنو مالک بن نجار کے ہاں ٹھہرے تھے یا انہوں نے ارادہ کیا کہ بنو نجار کے علاقے میں ٹھہریں کیونکہ سب کے گھر قریب قریب تھے اور بنو عدی انہی میں سے تھے۔

حافظ ابن حجر مقدمہ میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ لوگ خزرج میں سے بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے' عبد المطلب کی والدہ ان میں سے تھیں جو حضور ﷺ کے دادا تھے' اس کا نام سلمٰی تھا چنانچہ یہ لوگ حقیقۃً دادے اور مجازاً ماموں تھے' شک راوی کی طرف ہے۔انتہی لیکن یہ صرف وہم ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں

پہلی مرتبہ قباء میں آنے اور مستقل طور پر دوسری مرتبہ آنے میں شبہ پڑا ہے جبکہ بنو عمرو ایسے نہیں جیسے ان کے بارے میں بیان ہوا ہے' شرح میں انہیں کچھ معلوم ہو گیا چنانچہ وہاں یونہی لکھا ہے جیسے ہم نے بیان کیا ہے' واللہ اعلم۔

علامہ رزین نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ قباء سے چلے' ان کے ساتھ ہتھیار لگائے انصار کے کافی لوگ تھے' تمام مہاجرین بھی ہمراہ تھے۔علامہ نے نمازِ جمعہ کا بھی ذکر کیا ہے' کہا: پھر آپ سوار ہو کر بنو الحبلیٰ کے پاس آئے' ارادہ فرمایا کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کے ساتھ جاتے ہیں' وہ اس وقت اپنے قلعوں میں بیٹھا تھا' کہنے لگا: ان کی طرف چلے جاؤ جنہوں نے آپ کو بلایا ہے۔اس پر سعد بن عبادہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ اسے منہ لگانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے ماننے والوں نے اکٹھ کر رکھا ہے کہ اس کو سربراہ بنا کر تاج پہنائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ حق صرف آپ کو بخشا ہے تو وہ نہایت تنگدل ہو گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ صحیح بخاری میں ہے اس کے متعلق حضرت سعد نے ایک قصہ بیان کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قیام کے بعد ان کی عیادت کی تھی اور سیرت کی کتابوں میں ابن اسحاق سے ہے کہ اس دن جمعہ تھا جب آپ رانونا میں تشریف لے گئے' یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ نے مدینہ میں پڑھایا تھا' کل لوگ چالیس تھے' کچھ نے سو لکھے ہیں' اسی دوران عتبان بن مالک بنو سالم میں سے کچھ لوگوں کے ہمراہ حاضر ہوا تھا' انہوں نے عرض کی تھی کہ یا رسول اللہ ہمارے پاس ٹھہر جایئے کیونکہ یہاں تعداد بھی ہے' سامان بھی ہے اور آپ کو حفاظت ملے گی لیکن حضور ﷺ نے فرمایا تھا' اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ کسی کے حکم پر چل رہی ہے چنانچہ انہوں نے راستہ چھوڑ دیا' وہ چلتی رہی اور جب بنو بیاضہ کے گھروں کے پاس پہنچی تو آپ سے زیاد بن لبید اور فروہ بن عمرو نے ملاقات کی' بنو بیاضہ کے کچھ لوگ ہمراہ تھے تو آپ نے انہیں وہ جواب دیا جو پہلے گذر چکا ہے چنانچہ انہوں نے راستہ چھوڑ دیا اور جب بنو حارث بن خزرج کے گھروں کے قریب پہنچے تو سعد بن ربیع' خارجہ بن زید اور عبید اللہ بن رواحہ سامنے آئے' بلحارث کے کچھ لوگ بھی ہمراہ تھے' آپ نے انہیں پہلے جیسا جواب دیا' انہوں نے راستہ دے دیا' اونٹنی آگے چلی اور جب بنو عدی بن نجار کے گھروں کے پاس پہنچی (وہ آپ کے قریبی ماموں تھے) تو سلیط بن قیس کچھ آدمیوں کے ہمراہ سامنے آیا' آپ نے انہیں پہلے والا جواب دیا اور پھر جب وہ بنو مالک کے گھروں تک پہنچی تو آپ کی مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئی پھر اچھلی اور تھوڑی دور چلی' رسول اللہ ﷺ نے لگام ڈھیلی کر رکھی تھی' اسے کسی طرف موڑتے نہ تھے' اونٹنی نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پہلے والی جگہ پر آ بیٹھی پھر وہاں سے حرکت کی' آواز نکالی اور گردن زمین پر رکھ دی چنانچہ آپ اس سے اُتر آئے۔ایک روایت میں ہے کہ جب وہ اپنی پہلی جگہ پر اچھلی تو حضرت ابو ایوب کے گھر جا بیٹھی پھر وہاں سے اُٹھی اور پہلی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ایک اور روایت میں ہے کہ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انشاء اللہ یہیں ٹھہروں گا۔

قصۂ بنو سالم بیان کر کے ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ آپ کی سواری چلی اور بنو بیاضہ کے گھروں کے برابر آ گئی۔پھر باقی قصہ بیان کر دیا پھر کہا: اونٹنی چلی اور جب بنو ساعدہ کے گھروں کے پاس پہنچی تو سعد بن عبادہ سامنے

آئے۔ پھر باقی قصہ بیان کیا اور کہا پھر چل پڑی اور جب بنو حارث بن خزرج کے گھروں کے سامنے پہنچی تو سعد بن ربیع سامنے آئے۔اس کے بعد باقی قصہ لکھا۔

یحییٰ نے ایک اور روایت میں لکھا ہے کہ آپ بنو سالم سے آگے چلے تو دائیں ہاتھ کو ہو لئے اور ابن ابی کے گھر پہنچے پھر وہاں سے چل پڑے' راستہ کھلا تھا' آپ سعد بن عبادہ کے ہاں پہنچے یہاں داہنی طرف سے بنو بیاضہ سامنے آئے پھر وہاں سے چلے اور بنو عدی بن نجار کے پاس آئے اور پھر بنو مازن بن نجار کے پاس تشریف لائے' ان کے بڑے لوگوں نے حاضری دی اور یوں مسجد کے دروازے تک جا پہنچے' یہاں بنو مالک بن نجار جمع تھے' وہ انتظار میں کھڑے تھے' آپ دکھائی دیئے تو اسعد بن زرارہ' ابو ایوبؓ' عمارہ بن حزم اور حارثہ بن نعمان حاضر ہوئے' عرض کی یا رسول اللہ خزرج جانتے ہیں کہ ان کے ہاں قیام زیادہ نہیں ہوا۔بتاتے ہیں کہ اونٹنی ان کے درمیان بیٹھ گئی جس سے وہ خوش ہو گئے پھر وہاں سے اُٹھی' ڈری ڈری لگتی تھی اور آواز نکال رہی تھی' انہیں یہ بات بری لگی' وہ اس کے ساتھ دوڑ رہے تھے' اونٹنی بئر جمل پر حبشی کی گلی تک پہنچی' وہاں بیٹھ گئی' نبی کریم ﷺ اوپر سوار تھے' لگام ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی۔ پھر کھڑی ہوئی اور پہلی جگہ آ گئی' اب تیز چلی تھی اور چلتے چلتے مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئی' گردن زمین سے لگا دی اور پاؤں پھیلا دیئے' حضرت ابو ایوب حاضر ہوئے تو لوگ اپنے پاس ٹھہرنے کی درخواستیں کر رہے تھے' ابو ایوب نے سواری تھامی اور اندر لے گئے' رسول اللہ ﷺ نے سواری کو بیٹھے دیکھا تو فرمایا: آدمی اپنی سواری کے ساتھ ہوتا ہے۔

علامہ رزین نے بنو سالم کے آپ کے سامنے آنے کا ذکر کیا ہے اور آپ کے اس فرمان کو ذکر کیا ہے کہ "اونٹنی کے راستے سے ہٹ جاؤ کیونکہ حکم کی پابند ہے" پھر کہا کہ آپ بنو بیاضہ کے پاس پہنچے تو یونہی فرمایا' پھر بنو ساعدہ کے ہاں پہنچے تو یونہی فرمایا پھر بنو حارث بن خزرج کے پاس پہنچے تو یونہی فرمایا' یونہی بنو عدی بن نجار کے پاس پہنچ کر فرمایا پھر چلتی رہی اور جب بنو مالک بن نجار کے گھروں تک پہنچی تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئی' وہ بیٹھی تو رسول اللہ ﷺ اس سے اُترے نہیں' اتنے میں اُٹھ کھڑی ہوئی' کچھ دور گئی' پیچھے مڑ کر دیکھا اور پہلی جگہ جا بیٹھی' اب رسول اکرم ﷺ اس سے اُتر پڑے اور پھر فرمایا' کونسا گھر نزدیک ہے؟ حضرت ابو ایوب نے عرض کی کہ میرا گھر اور یہ اس کا دروازہ ہے' ہم نے آپ کی سواری سے سامان اتار لیا۔اس پر فرمایا: آدمی تو اپنی سواری ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ اونٹنی جب ابو ایوب کے دروازے پر بیٹھی تو حضور ﷺ نے اُترنے کا ارادہ کیا' اس نے حرکت کی' حضرت ابو ایوب گرداگرد تھے' دیکھا تو بنو مسلمہ کے بھائی بند جبار بن صخر نے اسے چھڑی وغیرہ لگائی۔ اس پر ابو ایوب نے کہا: اے جبار! میرے گھر سے اسے اٹھانا چاہتے ہو؟ سنو! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا بنا کر بھیجا ہے' اگر اسلام نہ ہوتا تو میں تلوار سے تمہاری گردن اُڑا دیتا چنانچہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور سامان وغیرہ رکھ دیا جس سے ان کے گھر میں بہار آ گئی۔حضرت زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔

حاکم کے مطابق حضرت انس کہتے ہیں: انصار حاضر ہوئے اور عرض کی' یا رسول اللہ! ہمارے پاس تشریف لایئے'

آپ نے فرمایا: اونٹنی کو جانے دو کیونکہ یہ حکم کی پابند ہے چنانچہ وہ حضرت ابو ایوب کے دروازے پر جا بیٹھی۔

طبرانی میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ کی اونٹنی جعفر بن محمد بن علی اور حسن بن زید کے گھروں کے درمیان جا بیٹھی' لوگ حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ہاں ٹھہریئے' اونٹنی آپ کو لئے جا رہی تھی' وہ بیٹھی' پھر حرکت کی' وہاں لوگوں کے لئے ایک جھونپڑی تھی جس میں وہ چھڑکاؤ کر کے ٹھنڈک حاصل کرتے تھے' آخر آپ اونٹنی سے اُترے' سایہ دیکھا تو وہاں اُتر گئے' حضرت ابو ایوب حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا گھر سب سے زیادہ نزدیک ہے' اجازت ہو تو سواری ادھر لے جاؤں؟ آپ نے فرمایا' ٹھیک ہے چنانچہ وہ سواری کو لے گئے' اسی دوران ایک اور شخص آئے اور عرض کی' آپ میرے پاس تشریف لائیں' آپ نے فرمایا' سواری جہاں ہوگی' آدمی وہیں ہوگا پھر اس جھونپڑی میں آپ بارہ راتیں ٹھہرے اور مسجد کی بنیاد رکھی۔

قلت: جعفر بن محمد کا گھر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے ساتھ ہی تھا جبکہ حسن بن زید کا گھر مغرب کی طرف اس کے سامنے تھا' درمیان سے کھلا راستہ گذرتا تھا۔

ابن عائذ اور سعید بن منصور بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پہلے آپ کو لئے بیٹھ گئی تو لوگ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس قیام فرمایئے' فرمایا اسے چھوڑ دو' وہ اٹھی اور مسجد کے منبر کے پاس جا بیٹھی پھر اس نے حرکت کی' آپ اُتر آئے۔ اتنے میں حضرت ابو ایوب حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرا گھر سب سے قریب ہے' اجازت ہو تو میں سواری وہاں لے جاؤں' آپ نے اجازت دے دی تو انہوں نے اونٹنی گھر میں بٹھا دی۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ حضرت اسعد بن زرارہ نے اونٹنی کی لگام تھام رکھی تھی' وہ انہی کے پاس تھی۔ اشہری سے مالک نے نقل کی ہے کہ جب اونٹنی مسجد کی جگہ پہنچی تو بیٹھ گئی' آپ سواری پر تھے' آپ پر وحی کی سی حالت تھی پھر بغیر اُٹھائے اُٹھ کھڑی ہوئی اور تھوڑا سا چلی پھر پیچھے مڑ کر دیکھا اور پہلے مقام پر آ کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں وحی کی حالت ختم ہو گئی' آپ نے سامان اُتارنے کا حکم دیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب لوگوں میں یہ بحث چھڑی کہ یہ اونٹنی کہاں ٹھہرائی جائے تو آپ نے فرمایا تھا: میں عبدالمطلب کے ماموؤں کے پاس ٹھہروں گا اور انہیں یہ عزت دوں گا۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چل رہے تھے اور آخر ابو ایوب کے گھر کے پہلو میں اُترے' پوچھا یہاں ہمارے گھروں میں سے کونسا گھر قریب ہے؟ حضرت ابو ایوب نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ رہا میرا گھر اور یہ رہا دروازہ۔ فرمایا تو پھر جاؤ اور میرے دوپہر کو سونے کا انتظام کرو۔

ابن زبالہ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا چنانچہ آپ جہاں چاہتے تھے' اُترے' آپ نے خیال کیا کہ سب انصار کے درمیان میں اُتروں۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ بات آپ کے اس فرمان کے مخالف نہیں جس میں فرمایا تھا کہ "اونٹنی کو جانے دو کیونکہ یہ حکم کی پابند ہے۔" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دے رکھا تھا کہ جیسے چاہیں کریں۔

آپ کی مدینہ آمد پر اہلِ مدینہ کی خوشی

اہلِ مدینہ آپ کے مدینہ میں تشریف لانے پر نہایت خوش تھے چنانچہ بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے حدیث ملتی ہے کہ: ''اہلِ مدینہ کو جتنی خوشی آپ کی آمد پر ہوئی' میں نے آج تک ایسی خوشی نہیں دیکھی۔ابو داؤد نے لکھا ہے کہ حبشہ والے آپ کی آمد پر خوشی سے نیزوں کے کرتب دکھاتے تھے۔علامہ رزین لکھتے ہیں کہ بچیاں مکانوں کی چھتوں پر یہ گا رہی تھیں:

''آج وداع کی پہاڑیوں میں سے نکل کر ہم پر چودھویں رات کا چاند چڑھ آیا ہے' تو جب تک اللہ کی طرف دعوت دینے والا کوئی موجود ہے' ہم پر لازم ہے کہ اللہ کا اس پر شکرادا کرتے رہیں۔''

ایک روایت میں یہ بھی ہے:

''اے ہماری طرف رسول اللہ بن کر آنے والے! آپ ایسا حکم لائے ہیں جسے ہمیں ماننا ہوگا۔''

ادھر ہر طرف لڑکے اور لڑکیاں خوشی سے یہ نعرے لگاتے پھرتے تھے کہ:

''رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔''

''شرف المصطفیٰ'' میں لکھا ہے کہ جب اونٹنی حضرت ابو ایوب کے دروازے پر بیٹھ گئی تو بنونجار کی بچیاں گھروں سے نکل آئیں' وہ یوں دف بجاتے ہوئے یوں پڑھ رہی تھیں:

''ہم بنونجار کی لڑکیاں ہیں! اے محمدؐ! آپ کی تشریف آوری بڑی باعثِ برکت ہے۔''

یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ انہوں نے عرض کی' ہاں یا رسول اللہ! اس پر فرمایا تو مجھے بھی تم سے محبت ہے' تین مرتبہ فرمایا۔ایک روایت میں ہے''اللہ جانتا ہے کہ مجھے تم سے پیار ہے۔'' یہی بات حاکم نے بھی لکھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکلے تو وہاں کی ہر شے تاریکی میں ڈوب گئی اور جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں کی ہر شے روشن ہوگئی۔ابن ماجہ سے یوں لکھا ہے: ''جب وہ دن آیا جس میں رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو مدینہ کی ہر شے میں ایک چمک سی آ گئی اور جب آپ کا وصال ہوا تو یہاں کی ہر شے اندھیرے میں ڈوب گئی۔'' پھر داؤد نے لکھا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حبشی خوشی سے اپنے نیزوں کے کرتب دکھانے لگے' میں نے اس دن جیسا اچھا اور روشن دن نہیں دیکھا' اس دن ہر شے چمک دمک رہی تھی الحدیث۔

اسی میں ابوخیثمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں بھی وہاں موجود تھا چنانچہ میں نے اس دن جیسا خوشیوں بھرا اور روشن دن کبھی نہیں دیکھا۔

یحییٰ کی روایت میں عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے

تو جلدی سے لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں دیکھتا رہا' میری نظر آپ کے چہرے پر پڑی تو یقین آ گیا کہ یہ جھوٹے نہیں ہیں' آپ نے سب سے پہلی بات یہ کی کہ: اے لوگو! سلام کہتے رہا کرو' کھانا کھلاتے رہو' صلہ رحمی کرتے رہو' لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھا کرو' بڑے مزے سے جنت میں چلے جاؤ گے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ابو رافع کو مکہ بھیجا' انہیں پانچ سو درہم اور دو اونٹ دئے چنانچہ وہ ان خواتین و حضرات کو لے کر مدینہ پہنچے' حضرت فاطمہ و اُمّ کلثوم (آپ کی صاحبزادیاں) حضرت سودہ (بیوی) اُمِ ایمن (زید بن حارثہ کی بیوی) اسامہ بن زید کو آپ کے پاس لائے' ادھر حضرت عبد اللہ بن ابوبکر ان کے ساتھ ابوبکر کے اہل و عیال لے کر چلے جن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں' ان کی بہن حضرت اسماء (زوجۂ زبیر) اور ان کی والدہ اُمّ رومان رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھیں اور جب یہ مدینہ پہنچے تو انہیں حارثہ بن نعمان کے گھر ٹھہرا دیا گیا۔ رزین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے عبد اللہ بن اریقط کو زید بن حارثہ کے ہمراہ بھیجا تاکہ حضرت عائشہ' ان کی والدہ اُمّ رومان اور عبد الرحمٰن کو لے آئیں کہتے ہیں کہ جب وہ روانہ ہوئے تو طلحہ بن عبید اللہ بھی آ گئے چنانچہ وہ بھی ساتھ ہو گئے اور یہ سب مل کر مدینہ پہنچے۔

ابن اسحاق نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی' انہوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ میرے ہاں ٹھہرے تو نچلی منزل میں قیام فرمایا جبکہ میں اور اُمّ ایوب اوپر تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تو اوپر رہوں اور آپ نیچے لہٰذا آپ اوپر تشریف لے آئیں' ہم نیچے آ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا' اے ابو ایوب! میرے اور اہل کے لئے نیچے رہنا بہتر ہے' وہ بتاتے ہیں کہ پھر آپ نچلے مکان میں ٹھہرے رہے جبکہ ہماری رہائش اوپر رہی' ایک دن پانی کا برتن ٹوٹ گیا ہیں اور اُمّ ایوب اُٹھے' چادر پکڑی' اس کے علاوہ کوئی چادر بھی نہ تھی' اس خوف سے ہم نے پانی خشک کرنا شروع کیا کہ کہیں آپ پر نہ پڑے اور آپ کو تکلیف پہنچے۔

قلت: ایک عالم نے لکھا ہے کہ یہی وہ وجہ تھی جس کی وجہ سے بعد میں آپ اوپر کے مکان پر ٹھہرے تھے۔ صحیح مسلم میں ابو ایوب سے ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو ایوب کے پاس ٹھہرے' نیچے کی منزل میں قیام فرمایا' ابو ایوب اوپر تھے' ایک رات ابو ایوب کو خیال آیا کہ ہم تو نبی کریم ﷺ کے اوپر رہتے ہیں چنانچہ وہ ایک طرف ہو گئے اور یونہی رات گذاری پھر آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا' نیچے آسانی ہے' انہوں نے عرض کی' میں ایسے جھونپڑے میں نہیں ٹھہروں گا جس کے نیچے آپ ٹھہرے ہوں چنانچہ آپ اُوپر تشریف لے گئے اور ابو ایوب نیچے آ گئے۔

پہلے ہم فصل نمبر ۴ میں بتا چکے ہیں کہ یہ مکان تبع اوّل نے یہاں سے گذرتے وقت بنایا تھا تاکہ نبی کریم ﷺ جب یہاں تشریف لائیں تو اس میں ٹھہریں چنانچہ کئی لوگ اس کے مالک بنتے رہے اور آخر یہ مکان حضرت ابو ایوب کی ملکیت میں آ گیا۔ حضرت ابو ایوب اس عالم کی اولاد سے تھے جنہیں تبع نے اپنا خط دیا تھا۔

ابن عساکر نے تبع کے حالات میں اس مکان کا ذکر کیا ہے' حضورﷺ اسی میں ٹھہرے تھے' یہ گھر مغیرہ بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام نے ابو ایوب کے غلام ابن فلح سے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا اور اسے صدقہ کر دیا تھا۔ یہ مکان مسجد مقدس کی مشرقی جانب تھا جیسے مسجد کے گرد گھروں میں اس کا ذکر آ رہا ہے' پھر اسے ملک مظفر شہاب الدین غازی بن ملک عادل سیف الدین ابوبکر بن ایوب بن شادی نے خریدا اور چاروں مذاہب میں تعلیم کے لئے مدرسہ بنا دیا' اس کے اوپر اس نے دفتر بنائے تھے۔ دمشق میں بھی ان کی وقف جائیداد تھی' مدینہ طیبہ میں کھجور کا باغ تھا' یہ سب کچھ وقف کر دیا گیا۔ یہاں بہت سی کتابیں موجود تھیں جو مختلف ہاتھوں میں چلی گئیں اور یہ مدرسہ معطل ہو کر رہ گیا۔ یہاں سلطان کے دفتر تھے۔ مدرسہ کے دو صحن تھے ایک بڑا اور ایک چھوٹا' مغربی چھوٹے ایوان میں چھوٹا سا خزانہ تھا اور جو حصہ قبلہ کی طرف تھا اس میں محراب تھا' علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہی وہ جگہ تھی جہاں حضورﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔

اس گھر میں حضورﷺ سات ماہ تک رہے اور مکان بنا لینے تک یہیں قیام فرمایا۔

علامہ رزین لکھتے ہیں کہ آپ حضرت ابو ایوب ؓ کے ہاں ربیع الاوّل سے اگلے سال صفر تک مقیم رہے' دولابی کہتے ہیں کہ ایک ماہ ٹھہرے تھے' زید بن ثابت کہتے ہیں کہ جب حضورﷺ حضرت ابو ایوب کے گھر میں ٹھہرے تو وہاں کوئی ہدیہ نہیں آیا' جو سب سے پہلا ہدیہ آیا وہ پیالہ تھا جس میں گندم کی روٹی' گھی اور دودھ تھا' زید کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیا اور عرض کی یا رسول اللہ یہ پیالہ میری والدہ نے بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ انہیں برکت دے پھر اپنے صحابہ کو بلایا اور سب نے اسے کھایا' ابھی میں دروازے ہی پر کھڑا تھا کہ ایک اور بڑا پیالہ آیا' غلام اسے ڈھانپ کر لایا' میں نے ابو ایوب کے دروازے پر کھڑے کھڑے دیکھنے کے لئے کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ اس میں شوربہ والی روٹی تھی' وہ رسول اللہﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ بنو مالک بن دینار میں سے ہر رات ہم تین چار آدمی آپ کے دروازے پر رہا کرتے جو باری باری کھانا اٹھایا کرتے تھے' آخر کار آپ حضرت ابو ایوب کے گھر سے منتقل ہو گئے' اس گھر میں آپ کا قیام سات ماہ تک رہا' ہر رات سعد بن عبادہ اور اسعد بن زرارہ کی طرف سے بلاناغہ پیالہ آیا کرتا۔

کتاب یحییٰ ہی میں ہے کہ اُمّ ابو ایوب سے پوچھا گیا کہ حضورﷺ کو کونسا کھانا سب سے زیادہ پسند تھا؟ کیونکہ آپ تمہارے یہاں ہی تو مقیم تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کے فرمانے پر کھانا تیار کیا گیا ہو اور نہ ہی یہ دیکھا کھانا آنے پر آپ نے اس کا عیب نکالا ہو۔

ابو ایوب نے مجھے بتایا کہ ایک رات میں نے اس پیالے سے کھانا کھایا جو حضرت سعد بن عبادہ نے بھیجا تھا' وہ سالن سا تھا۔ ابو ایوب کہتے ہیں' میں نے رسول اللہﷺ کو دیکھا کہ ہنڈیا سے اولاً آپ کھاتے' ابھی کسی اور نے نہ کھایا ہوتا' ہم آپ کے لئے ہنڈیا تیار کر دیتے تھے پھر ہم ھریس نامی کھانا تیار کرتے' وہ آپ کو بہت اچھا لگتا اور رات کے کھانے پر آپ کے پاس پانچ سے سولہ افراد تک کھانا کھاتے' جتنا کھانا ہوتا' اتنے آدمی کھاتے۔

اسی کتاب یحییٰ میں ہے' حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں کہ انہوں نے اچھے طریقے سے کھانا پکایا جس میں سبزیاں (پیاز' تھوم' گندنا) تھیں اور جب آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے ناپسند فرمایا' ارشاد فرمایا' تم اسے کھا لو کیونکہ میں تمہارے جیسا نہیں' مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے میرے صاحب جبریل تکلیف ہو گی۔

رزین کے مطابق جب آپ حضرت ابو ایوب کے ٹھہرے تو سال میں سے کوئی ایسی رات نہ گذری جب حضرت سعد بن معاذ کے گھر سے کھانے کا پیالہ نہ آیا ہو' پھر اور لوگوں کی طرف سے بھی کھانا آتا رہا' وہ باری باری بھیجتے۔ ابو ایوب کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا اور اس میں تھوم ڈال دیا' حضور ﷺ نے اس سے نہیں کھایا' مجھے اندیشہ ہوا' نیچے اُتر کر میں نے پوچھا' یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا: میں اللہ سے راز و نیاز کی باتیں کیا کرتا ہوں' اس لئے اسے اچھا نہیں جانتا' تم کھا سکتے ہو۔ آپ کہتے ہیں' میں نے عرض کی یا رسول اللہ! جسے آپ پسند نہیں فرماتے' میں بھی پسند نہیں کرتا۔

انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ قائم کر دیا گیا

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار میں ایک تحریر لکھی جس میں یہودیوں سے مصالحت کی اور معاہدہ کیا' انہیں ان کے دین پر برقرار رکھا' ان کی جائیدادیں انہی کے پاس رہنے دیں اور ان کے لئے کچھ شرطیں رکھ دیں جبکہ ان میں بھائی چارہ بنا دیا جہاں تک ہمیں معلوم ہے' آپ نے فرمایا تھا: اللہ کی خاطر بھائی بھائی بن جاؤ' پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔

قلت: یہ بھائی چارہ آپ کے مدینہ میں تشریف لانے کے پانچ ماہ بعد ہوا تھا' کچھ آٹھ ماہ لکھتے ہیں' اس وقت آپ مسجد بنا رہے تھے' کچھ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ہوا تھا اور کچھ بعد میں ہوا بیان کرتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ بھائی چارے کی ابتداء مدینہ میں ہوئی' پھر جیسے جیسے لوگ اسلام لاتے گئے اور یہاں آتے گئے' یہ سلسلہ جاری رہا۔ کہتے ہیں کہ بھائی چارہ والے کل افراد نوے (۹۰) تھے' ہر گروہ میں سے پینتالیس پینتالیس لوگ لئے گئے' کچھ سو کہتے ہیں۔ آپ نے ان میں بھائی چارہ' حق' غم خواری اور وراثت کی بناء پر قائم فرمایا تھا' وہ اسی حال پر رہے تا آنکہ یہ آیت اُتری۔

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ (سورۃ انفال: ۷۵)

(اور رشتہ داریاں بن گئیں)

علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو مہاجرین میں بھائی چارہ بنایا اور پھر مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم فرمایا۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ بھائی چارہ دو مرتبہ قائم کیا گیا' ہجرت سے پہلے مکہ میں قائم فرمایا' یہ صرف مہاجرین میں تھا چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر میں قائم فرمایا پھر قائم فرماتے گئے' آخر میں حضرت علی رہ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ تم اس بات پر خوش نہیں ہو گے کہ میں تمہارا بھائی بن جاؤں؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیوں نہیں میں تو بہت خوش ہوں۔ فرمایا تو سن لو کہ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو اور دوسری مرتبہ وہ بھائی چارہ قائم فرمایا جو مہاجرین و انصار میں تھا' جیسے گذرا۔ حضرت حسن کے اس قول سے یہی بھائی چارہ مراد ہے کہ وراثت بھائی چارہ کی حلف کی بناء پر تھی پھر وراثت کی آیت سے یہ وراثت منسوخ ہو گئی۔

ابو داؤد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کو ہمارے گھر میں حلیف بنایا۔ اب رہی یہ حدیث کہ ''اسلام میں حلف نہیں'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حلیف بننے سے وراثت نہیں چلتی' حلف اس چیز پر ہوتی ہے جس سے شریعت منع کر دے۔ رزین مہاجرین وانصار میں بھائی چارے کا ذکر چھوڑ گئے' انہوں نے ابو حاتم سے نقل کر کے لکھا: '' پھر آپ نے اپنے صحابہ میں بھائی چارہ قائم فرمایا اور ان میں سے ایک کو دوسرے کی دعوت کرنے کو فرمایا اور پھر فرمایا: تمہارے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم جنت کے اعلیٰ محلوں میں ہو گے' نیز حضرت علی سے فرمایا: میں نے صرف اپنے لئے تمہیں آخر میں رہنے دیا' تم میرے بھائی ہو اور میرے علم کے وارث ہو' تم جنت میں میرے ساتھ ہو گے' میری بیٹی بھی ہمراہ ہو گی۔

بھائی چارے کے اس قصے کا ذکر حاکم نے کیا ہے چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر کے بھائی چارے کا ذکر کیا ہے اور دیگر لوگوں کی مؤاخاۃ کا ذکر کیا ہے پھر بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ میں تو بھائی چارہ قائم فرما دیا' میرا بھائی کون ہو گا؟ فرمایا: تمہارا بھائی میں ہوں۔

بھائی چارے کے انکار پر ابن تیمیہ کا رد

ابن تیمیہ نے ابن مطہر رافضی کے مہاجرین میں بھائی چارے کا ذکر کرنے پر اس کا رد کیا ہے خصوصاً حضرت علی سے نبی کریم ﷺ کے بھائی چارے کا چنانچہ وہ کہتا ہے: ''بھائی چارہ تو نرمی اور الفت پیدا کرتا ہے جس کا مہاجرین میں کوئی معنیٰ نہیں۔'' لیکن ابن تیمیہ کا یہ قول تو حضور ﷺ کے واضح فرمان کا رد ہے اور وہ اس میں موجود حکمت سے غافل ہے' دیکھئے ان حضرات میں کچھ لوگ مالی اور قبیلہ کے لحاظ سے دوسروں پر قوی تھے اور یہ نرم رویہ رکھنا ممکن ہے' حضور ﷺ حضرت علی کے ساتھ بچپن ہی سے نرمی فرماتے تھے اور یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ حاکم اور ابن عبد البر نے بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا تھا حالانکہ وہ دونوں مہاجرین میں سے تھے۔

یہودی اوس و خزرج میں فساد پیدا کرتے تھے

نبی کریم ﷺ کی برکت سے اوس و خزرج دونوں قبیلوں میں بھائی چارے کا سلسلہ چلتا رہا' ایک دن شاس بن قیس (یہ یہودی بڈھا تھا اور مسلمانوں سے شدید بغض و حسد رکھتا تھا) اوس و خزرج کے ایک گروہ کے ہاں سے گذرا' وہ

باتیں کر رہے تھے' اس نے جاہلیت کی عداوت کے بعد ان میں اس طرح کی محبت و الفت دیکھی تو جل گیا۔ کہنے لگا: ان شہروں میں بنو قیلہ کافی رہتے ہیں اور ان کے ہوتے ہمیں قرار کہاں' چنانچہ اس نے ایک یہودی نوجوان سے کہا جو اس کے ساتھ تھا کہ تم ان کے پاس بیٹھ جاؤ اور جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دو' اس میں جو کچھ ہوا تھا' بیان کرو اور اس میں پڑھے گئے فخریہ شعر پڑھو چنانچہ اس نے یہ کام کر دیا جس پر وہ لوگ آپس میں جھگڑنے لگے اور اپنا اپنا فخر جتلانے لگے پھر دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی اچھل پڑا' یہ اوس بن قیظی اور جبار بن صخر تھے' ان میں بڑھ چڑھ کر باتیں ہوئیں' ایک نے دوسرے سے کہا' چاہو تو ابھی مزہ چکھا دیں' وہ سب لوگ غصے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان حرہ میں مقابلہ ہو گا چنانچہ وہ اس طرف چل پڑے۔

یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی' آپ مہاجرین کو لے کر ان کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: اے گروہِ مسلمین! اللہ سے خوف کرو' کیا میرے ہوتے جاہلیت کے کام کرنے لگے ہو؟ اللہ نے تمہیں راہِ اسلام دکھائی ہے اور مسلمان بنا دیا ہے' اس اسلام کی برکت نے جہالت کے کام تم سے دور کر دیئے ہیں اور کفر سے تمہیں بچا لیا ہے' تمہارے اندر الفت پیدا فرمائی ہے۔

یہ سن کر انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو شیطان کا بہکاوہ تھا اور دشمن کی چال تھا چنانچہ وہ رونے لگے اور پھر اُٹھ کر ایک دوسرے کے گلے لگے اور پھر اکٹھے حضور ﷺ کے ہمراہ سنتے اور اطاعت کرتے واپس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنِ خدا شاس بن قیس کی بھڑکائی آگ سے انہیں بچا لیا چنانچہ فرمانِ الٰہی نازل ہوا:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ○ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ○ (سورۂ آل عمران: ۹۸'۹۹)

"تم فرماؤ! اے کتابیو! اللہ کی آیتیں کیوں نہیں مانتے اور تمہارے کام اللہ کے سامنے ہیں' تم فرماؤ! اے کتابیو! کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اسے جو ایمان لائے' اسے ٹیڑھا کیا چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔"

اور اللہ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا اور انہیں اپنے کئے کے بارے میں بتایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (الٰی) كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ○ (سورۂ آل عمران: ۱۰۰ تا ۱۰۳)

"اے ایمان والو! اگر تم کچھ کتابیوں کے کہنے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر چھوڑیں گے اور تم کیونکر کفر کرو گے' تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول تشریف لایا اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا' اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا

اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بَیر تھا' اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا' اللہ تم سے یونہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ۔''

حُیّی بن اخطب اور اس کا بھائی ابو یاسر عرب میں شدید قسم کے یہودی تھے' حضور ﷺ کی خصوصیات سے حسد کرتے تھے' دونوں کی کوشش ہوتی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اسلام سے ہٹائیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت اُتاری:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم (تا) حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (سورۃ البقرہ:۱۰۹)

''بہت کتابیوں نے چاہا' کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں' اپنے دلوں کی جلن سے' بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے تو تم چھوڑو اور درگذر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اپنے والد اور چچا ابو یاسر کو ساری اولاد میں سے پیاری تھی' میں ان کے لڑکوں کے ہوتے انہیں ملتی تو وہ مجھے ہاتھوں ہاتھ لیتے اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے تو میرے والد اور چچا صبح سویرے اندھیرے ہی میں ان کے پاس گئے اور سورج کے غروب ہونے تک واپس نہیں آئے' واپس آئے تو تھکے تھکے تھے اور نرم رفتار سے چل رہے تھے' میں پہلے کی طرح خوشی سے ان کی طرف گئی لیکن بخدا دونوں میں سے ایک نے بھی میری طرف توجہ نہیں کی' وہ غمگین دکھائی دیتے تھے' میں نے چچا سے سنا' میرے والد سے کہہ رہے تھے'' کیا یہ وہی ہے؟'' اس نے کہا ہاں بخدا وہی ہے' پھر پوچھا اسے خوب جانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں' پھر پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نے کہا جب تک زندہ ہوں' اس سے دشمنی رکھوں گا چنانچہ دونوں کے جسم پھٹ گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۲

ہجرت کے سالوں میں آپ کے نمایاں کام

یہ مضمون علامہ رزین نے تاریخ ابو حاتم سے مختصراً بیان کیا ہے جس میں میں نے کچھ نفیس چیزیں نمایاں کر کے شامل کر دی ہیں چنانچہ ان کے اوّل میں ہیں ''قلت'' اور آخر میں ''واللہ اعلم'' لکھتا جاؤں گا۔

نبی کریم ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال تک رہے' اس پر اجماع ہو چکا ہے جیسے علامہ نووی نے

بتایا ہے۔

پہلا سالِ ہجرت۔(واقعات)

اس کے بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آپ نے اس میں مسجد قباء وغیرہ تعمیر فرمائی تھی۔ابو حاتم کہتے ہیں کہ اسی میں مسجد نبوی تعمیر ہوئی' مسجد کی تعمیر جاری تھی کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا چنانچہ بقیع میں دفن ہونے والے سب سے پہلے مسلمان آپ ہی تھے۔

(قلت)اس روایت سے پتہ چلا کہ مہاجرین میں سے بقیع میں اوّلاً دفن ہونے والے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے اس سے دونوں نقلیں جمع ہو سکتی ہیں اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ حضرت اسعد بن زرارہ سے بھی پہلے فوت ہوئے تھے اور نبی کریم ﷺ کی آمد کے بعد انصار میں سب سے پہلے فوت ہونے والے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ دوسرے سالِ ہجرت میں فوت ہوئے تھے (واللہ اعلم)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل فوت ہوئے انہوں نے وصیت کی تھی کہ انہیں کعبہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے' رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی (یہ آپ کی خصوصیت ٹھہری ورنہ حنفیوں کے نزدیک ایسا جائز نہیں) انصار مرد و زن حضور ﷺ سے قرب کے لئے ہدیہ جات پیش کیا کرتے' لیکن حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اس پر افسوس کیا کرتیں کیونکہ ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں چنانچہ اپنے بیٹے انس کو لائیں اور عرض کی یا رسول اللہ!۔کیا انس آپ کی خدمت کر سکتا ہے؟ فرمایا' ہاں۔

(قلت) صحیح بخاری میں جو کچھ حضرت انس سے روایت ہے' وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو خادم پاس نہ تھا چنانچہ ابو طلحہ نے مجھے ہاتھ سے پکڑا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کی' یا رسول اللہ! انس نہایت سمجھدار ہے آپ کی خدمت کیا کرے گا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر میں آپ کی خدمت میں لگ گیا۔الحدیث۔ان دونوں روایتوں کو جمع یوں کیا جا سکتا ہے کہ ان کی والدہ خدمت میں پہلے لائیں اور پھر حضرت ابو طلحہ انہیں لے کر حاضر ہوئے کیونکہ وہ ان کے ولی اور گہرے رشتہ دار تھے اور اس میں لغزش موجود ہے کیونکہ ابو طلحہ کا انہیں خدمت میں لانا غزوۂ خیبر کے موقع پر تھا جیسے حدیث کے الفاظ سے سمجھ آتا ہے۔(واللہ اعلم)۔

پھر جب آپ کو مدینہ میں تشریف لائے ایک ماہ گذر چکا تو مقیم کے لئے دو رکعت (فرض) بڑھائی گئیں۔

(قلت) سہیلی کہتے ہیں کہ یہ اضافہ ہجرت کے لگ بھگ ایک سال بعد ہوا لیکن اکثر علماء اس طرف ہیں کہ مکمل نماز شروع ہی سے نازل ہو چکی تھی (واللہ اعلم)۔

اسی سال میں آپ کے صحابہ کو بخار ہوا تو آپ نے دُعا فرمائی کہ اسے جحفہ کی طرف بھیج دیا جائے اور پھر فرمایا: ''الٰہی! مدینہ ہمیں محبوب فرما دے۔'' اور پھر اپنے صحابہ میں بھائی چارہ قائم فرمایا جیسے گذر چکا پھر ولید بن مغیرہ مکہ

میں مر گیا' اسی سال میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی' ان کی والدہ ہجرت کے بعد آئیں اور شوال کو قباء میں انہیں نفاس آیا چنانچہ ہجرت کے بعد یہ اسلام میں پہلے مہاجر شخص تھے جو مدینہ میں پیدا ہوئے اور ان کے پیٹ میں سب سے پہلے جانے والی شے حضور علیہ السلام کا لعاب مبارک تھا جو آپ نے ان کے منہ میں ڈالا تھا۔

(قلت) ان مساجد کے ذکر میں جن کا مقرر مقام معلوم نہیں' سعد بن خیثمہ کے گھر کے قریب مسجد کے بارے بتاتے ہوئے ذہبی لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ دوسری ہجری کو پیدا ہوئے۔ (واللہ اعلم)۔

رسول اللہ علیہ السلام نے اپنے چچا زاد عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب کو ساٹھ مہاجرین پر مقرر کرتے ہوئے جھنڈا باندھ کر دیا تھا' ان میں ایک بھی انصار نہ تھا۔ یہ وہ پہلا جھنڈا تھا جو دورِ اسلام میں باندھا گیا' اسی میں حضرت سعد بن ابو وقاص نے تیر پھینکا چنانچہ یہ پہلا تیر تھا جو دورِ اسلام میں پھینکا گیا' وہ ابوسفیان بن حرب کے ساتھ الجھے تھے' کچھ کہتے ہیں عکرمہ بن ابوجہل سے لڑے تھے' وہ رابغ کے نشیبی علاقے میں سولوگوں کے ہمراہ تھا' اسے ودان بھی کہتے ہیں چنانچہ مشرکوں میں سے مقداد بن عمرو بن اسود اور عتبہ بن غزوان مسلمانوں سے آ ملے تھے۔

دورِ اسلام میں باندھا جانے والا پہلا جھنڈا

(قلت) ابوالاسود نے اپنے ''مغازی'' میں حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام جب ابواء کے مقام پر پہنچے تو عبیدہ بن حارث کو ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ بھیجا تھا پھر قصہ بیان کیا چنانچہ یہ دوسرے سال کا واقعہ ہے۔ اہلِ سیرت نے یہی کچھ لکھا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

پھر آپ نے چچا حضرت حمزہ کے لئے جھنڈا باندھا تھا' ان کے ساتھ تیس مہاجرین تھے (کچھ کہتے ہیں کہ انصار میں سے تھے) تاکہ وہ قریش کے لشکر کا مقابلہ کر سکیں چنانچہ آپ ابوجہل کے مقابلے میں آئے' اس کے ہمراہ تین سو سوار تھے' ان کے درمیان مجدی بن عمرو آ گئے' یہ دونوں طرف کا حلیف تھا چنانچہ وہ بغیر لڑے واپس چلے گئے' ان دنوں حضرت حمزہ کا جھنڈا اُٹھانے والے ابومرثد تھے۔

(قلت) کچھ نے حضرت حمزہ کے اس دستے کو عبیدہ کے دستے سے پہلے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت حمزہ کا جھنڈا اسلامی دور میں باندھا جانے والا پہلا جھنڈا تھا لیکن ابن اسحاق نے پہلے دستے کو اوّل قرار دیا ہے اور کہا کہ ان دونوں کا معاملہ مشکل نظر آتا ہے' نبی کریم علیہ السلام نے دونوں ہی کا ساتھ دیا تھا۔ ابوعمرو کہتے ہیں کہ دورِ اسلام میں سب سے پہلا جھنڈا عبداللہ بن جحش کے لئے باندھا گیا تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ دستہ دوسرے سال میں نکلا تھا (واللہ اعلم)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی

نبی کریم علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہم بستری فرمائی تو ان کی عمر نو سال کی تھی جبکہ نکاح' ہجرت

سے تین سال قبل مکہ میں ہوا تھا' تب ان کی عمر چھ سال تھی۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

(قلت) حضورﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد کیا تھا اور کچھ حضرات کہتے ہیں کہ پہلے کیا تھا اور ان سے ہم بستری مکہ میں کی تھی' (حضرت عائشہ سے ہم بستری نویں ماہ کے آخر میں ہوئی) کچھ آٹھ ماہ بعد بتاتے ہیں اور کچھ اٹھارہ ماہ بعد بتاتے ہیں یعنی جب آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لے آئے تھے (اس وقت کے بعد) واللہ اعلم۔

پھر آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لئے جھنڈا باندھا تو یہ بیس آدمی تھے' وہ ذوالقعدہ میں قریش کے دستے کا مقابلہ کرنے چلے تھے چنانچہ وہ پیدل چلے' دن کو چھپ جاتے اور رات کو چلا کرتے' سعد کے لئے جھنڈا اُٹھانے والا مقداد بن عمرو تھا لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ دیکھا پھر ابو قیس بن اسلت اسلام لانے کے لئے آیا' اسے ابن ابی بن سلول مل گیا اور کہا کہ ابھی رُک جاؤ اور دیکھو کیا ہوتا ہے' وہ واپس ہوا اور حالتِ کفر میں مر گیا۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

(قُلْتُ) حضورﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت شدہ حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ حضورﷺ کی تشریف آوری سنتے ہی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر آنے سے پہلے حضرت عبد اللہ بن سلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر اپنے گھر واپس چلے گئے پھر حضورﷺ نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: گھر جاؤ اور ہمارے لئے قیلولہ کرنے کا انتظام کرو۔ انہوں نے عرض کی' اللہ کی برکت سے دونوں ہی چلے آیئے یعنی آپ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں عرض کی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی کریمﷺ تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: میں گواہی دے رہا ہوں کہ آپ اللہ کے خاص رسول ہیں اور آپ حق دین لے کر تشریف لائے ہیں' یہودی یہ جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار اور سردار کا بیٹا ہوں' ان سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ علم والے کا بیٹا ہوں تو آپ میرے بارے میں یہودیوں سے پوچھئے' انہیں میرے اسلام لانے کی خبر نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں اسلام لے آیا ہوں تو وہ میرے بارے میں وہ کچھ کہیں گے جو میرے اندر موجود نہیں چنانچہ رسول اللہﷺ نے انہیں بلا بھیجا' وہ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے یہودیو! تم برے لوگ ہو' اللہ سے ڈرو' اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں' تمہیں یقین ہے کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں اور تمہارے پاس سچا دین لے کر آیا ہوں لہٰذا تم اسلام لے آؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو کچھ جانتے ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عبد اللہ

بن سلام کی تم میں حیثیت کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں، ہم سب سے زیادہ علم والے اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ فرمایا بھلا یہ بتاؤ کہ اگر وہ اسلام لے آئیں (تو تم کیا کہو گے) انہوں نے کہا بخدا ایسا نہیں ہوسکتا، آپ نے تین مرتبہ دہرا کر کہا تو ہر بار انہوں نے یہی جواب دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: اے ابنِ سلام ذرا باہر آیئے! وہ باہر آئے اور کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو، اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں، تمہیں یقین ہے کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں اور سچا دین لے کر آئے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نکال دیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ سے کچھ سوال کئے اور جب آپ نے جواب دیدئے تو وہ اسلام لے آئے، اسی روایت میں یہودیوں کا گذشتہ قصہ موجود ہے اور یہ بھی ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آئے اور کلمۂ شہادت پڑھا تو وہ کہنے لگے: وہ تو شرارتی ہے اور شرارتی کا لڑکا ہے اور خامیاں نکالتے گئے۔ اس پر انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ، مجھے ان سے یہی اندیشہ تھا۔

یہودیوں کے عالموں نے حسد اور سرکشی کی بناء پر نبی کریم ﷺ سے دشمنی شروع کر دی جن میں حیی بن اخطب، ابو رافع اعور، کعب بن اشرف، عبد اللہ بن صوریا، زبیر بن باطا، شمویل اور لبید بن اعصم وغیرہ پیش پیش تھے پھر ان میں سے کچھ لوگ منافقانہ طور پر اسلام لے آئے اور اوس وخزرج میں سے بھی کچھ منافق ان سے مل گئے۔

اسی سال حضرت عبد اللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ کو اذان کا طریقہ دکھایا گیا۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ یہ دوسرے سال کا واقعہ ہے جب حضور ﷺ نے اپنے صحابہ سے نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی خاطر مشورہ فرمایا تھا کیونکہ اس سے قبل انہیں نماز کی خاطر اکٹھا کرنے کے لئے ایک شخص آواز لگایا کرتا تھا کہ **اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ** (واللہ اعلم)۔

دوسرا سالِ ہجرت (واقعات)

جب محرم کی دس تاریخ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا: فرمایا کہ ہم یہودیوں کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ تعلق والے ہیں۔ پھر اسی سال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نکاح فرمایا۔

(قلت) یہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ رجب میں ہوا جبکہ انہوں نے ذوالحجہ میں ہم بستری کی تھی جیسے آگے آ رہا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال تھی۔ اٹھارہ سال بھی لکھتے ہیں اور کچھ کا خیال ہے کہ اُحد کے بعد شادی کی تھی۔ (واللہ اعلم)۔

پھر اسی سال حضور ﷺ غزوہ کے لئے ''ابواء'' تک چلے۔ یہ مقام ودان سے مدینہ کی طرف چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔

(قلت) چونکہ ابواء اور ودان قریب قریب ہیں' اس لئے اسے غزوۂ ودان کہا گیا (واللہ اعلم)۔

آپ نے مدینہ پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا تھا۔آپ کے جھنڈا بردار حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ تھے پھر آپ لڑے بغیر واپس تشریف لے آئے' آپ مجدی بن عمرو ضمیری کو ذمہ دار بنا کر واپس تشریف لائے تھے۔اس کے بعد آپ دوسو افراد لے کر ''رضوی'' کی طرف تشریف لے گئے' جھنڈا اُٹھانے والے حضرت سعد بن ابووقاص تھے۔اس مرتبہ بھی آپ لڑے بغیر واپس تشریف لے آئے تھے۔

(قلت) یہ غزوۂ ''بواط'' تھا' رسول اللہ ﷺ قریش کے تاجروں کی نیت سے بھی نکلے اور ''رضوی'' کے قریب ''بواط'' تک پہنچے۔ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس مرتبہ آپ نے مدینہ پر اپنا نائب سائب بن عثمان بن مظعون کو مقرر فرمایا تھا' واقدی کے مطابق سعد بن معاذ کو مقرر کیا تھا (واللہ اعلم)۔

پھر کرز بن جابر فہری مدینہ کی طرف حملہ آور ہو کر آیا تو رسول اللہ ﷺ مہاجرین کو لے کر اس کے پیچھے روانہ ہوئے' جھنڈا بردار حضرت علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہہ تھے' آپ نے مقامِ بدر تک اس کا پیچھا کیا لیکن کرز کہیں نظر نہ آیا۔یہ بدر اولیٰ کہلاتا ہے۔

(قلت) اس واقعہ کو ابن اسحاق نے عشیرہ سے کچھ راتیں بعد ذکر کیا ہے۔(واللہ اعلم)۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ دے کر بھیجا' یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ماہ حرام میں بارہ کی تعداد میں ہوتے ہوئے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔عتبہ بن غزوان اور سعد بن ابو وقاص نے اپنے سواریاں گم کر لیں چنانچہ ان سے پیچھے رہ گئے اور دس لوگ چلے گئے' وہ قریش کی ایک جماعت سے لڑے' ان میں عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ بھی شامل تھا جس نے فدیہ دے دیا تھا' حکم بن کیسان اسلام لے آئے اور انہوں نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا۔

(قلت) ابن اسحاق نے اس کا ذکر العشیرہ کے بعد کیا ہے' یہ لوگ نخلہ تک گئے تھے جو مکہ سے ایک دن رات کے فاصلے پر تھا' قریش کا ایک قافلہ ان کے قریب سے گذرا' وہ طائف سے چمڑا اور کشمش لئے آ رہے تھے' یہ مذکورہ لوگ اس میں شامل تھے' رجب کا آخری دن تھا' انہوں نے دو قید کر لئے اور عمرو کو قتل کر دیا پھر قافلے کو بھگا دیا۔یہ دورِ اسلام میں پہلا مال غنیمت تھا۔(واللہ اعلم)۔

پھر رسول اللہ ﷺ عشیرہ کی طرف تشریف لے گئے' معاملات بنو مدلج کے سپرد کئے اور واپس تشریف لے آئے۔

(قلت) آپ قریش کے لشکر کا راستہ روکنے نکلے تھے' کچھ دن کی تاخیر ہو گئی تھی۔ابو سلمہ بن عبد الاسد کو نائب مقرر فرمایا تھا۔(واللہ اعلم)۔

کعبہ کی طرف توجہ

ابو حاتم کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کی طرف توجہ کرنا پسند فرماتے تھے‘ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی‘ یا رسول اللہ! کاش آپ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے چنانچہ آپ نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ (تا) وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ○ (سورۂ بقرہ:۱۴۴)

”ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور تمہیں ہم پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے‘ ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو‘ اپنا منہ اسی طرف کرو۔“

یہ ظہر کا وقت تھا‘ منگل کا دن‘ شعبان کا نصف اور ہجرت کا دوسرا سال تھا۔

(قلت) اس کے بعد والے باب میں تیسری فصل کے اندر اس کے بارے میں اختلاف کا ذکر آ رہا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

پھر اسی سال شعبان میں روزے فرض ہوئے چنانچہ سب نے روزے رکھے اور جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے عاشوراء کے روزے کا نہ تو حکم فرمایا اور نہ ہی روکا۔

پھر اسی سال رمضان میں غزوۂ بدر ہوا‘ تاریخ ۱۲ رمضان تھی‘ کچھ کہتے ہیں کہ جمعہ کا دن اور سترہ تاریخ تھی اور یہ بھی کہتے ہیں ۲۴ تاریخ کی صبح تھی۔ مسلمان تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے۔

(قلت) زیادہ صحیح قول دوسرا (۱۷ رمضان) ہے۔ اس میں انصار حضور ﷺ کے ہمراہ چلے تھے‘ اس سے قبل وہ کسی جگہ نہیں نکلے تھے‘ ان کے ہمراہ تین گھوڑے تھے‘ مشرکوں کی تعداد ایک ہزار تھی اور کچھ کہتے ہیں ساڑھے نو سو تھے‘ ان کے پاس سو گھوڑے تھے‘ یہ بدر ثانی تھا۔ (واللہ اعلم)۔

پھر عمیر بن عدی خطمی نے انصار کی ایک عورت عصماء کو قتل کر دیا‘ یہ یزید خطمی کی بیوی تھی‘ یہ اپنے برے اشعار پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو ستاتی تھی: اسے قتل کر کے وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: ”اس میں دو بکریاں نہیں بھڑیں گی۔“

(قلت) ”اکتفاء“ میں لکھا ہے کہ یہ عصماء اس وقت منافق بنی جب ابو عفک قتل ہوا‘ اس نے ایسے شعر کہے کہ جن میں اسلام اور اہل اسلام کو برا بتایا اور انصار کو اس بات پر ملامت کی کہ وہ حضور ﷺ کی اتباع کرتے تھے۔ عمیر اسے قتل کر کے اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تو لوگ اس کے بارے میں بہت کچھ کہنے لگے۔ اس کے پانچ آدمیوں سے کچھ بیٹے تھے چنانچہ کہا کہ اے بنو خطمہ! میں نے مروان کی بیٹی قتل کر دی ہے یعنی عصماء کو قتل کیا ہے چنانچہ جس سے جو

ہوسکتا ہے' کر لے۔وہ بنواسلم سے اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے اور اس دن اسلام کی عظمت دیکھ کر ان میں سے کئی آدمی اسلام لے آئے۔انتہیٰ۔

ابن سید الناس نے ابن سعد سے جو کچھ لکھا ہے' وہ یہ ہے کہ انہوں نے عمیر کے عصماء کو قتل کرنے کے بعد کہا:
پھر شوال میں سالم بن عمیر کا دستہ ابوعفک یہودی کی طرف ہوا' ابوعفک بنوعمرو بن عوف میں سے ایک بڈھا تھا جو ایک سو بیس سال کی عمر کو پہنچ چکا تھا' وہ لوگوں کو اشعار کے ذریعے حضورﷺ کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا جس پر سالم بن عمیر نے (جو بدر میں شریک ہوئے) کہا تھا مجھ پر لازم ہے کہ ابوعفک کو قتل کر دوں یا اس کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں۔ابن سعد نے اس کے قتل کو ذکر کیا۔

یہ روایت اکتفاء کی روایت کے مخالف ہے جس میں ابوعفک کا قتل عصماء کے قتل سے پہلے ہے اور ابن سعد نے بھی ذکر کیا ہے کہ عصماء کا قتل رمضان کی پانچ پر ہوا تھا۔

یہ عمیر نابینا تھے' رسول اللہﷺ نے ان کا نام ''بصیر'' رکھا تھا۔کہتے ہیں کہ بنوخطمہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والے یہی تھے' وہ اپنی قوم کے امام اور قاری تھے' انہیں ''قاری'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔(واللہ اعلم)۔

پھر اسی سال رسول اللہﷺ نے عید الفطر سے دو دن قبل فطرانہ کے بارے میں لوگوں کو آگاہ فرمایا تھا۔

(قلت) یہ بھی کہتے ہیں کہ شوال کی یکم کو آپ نے آگاہ فرمایا تھا پھر نماز عید الفطر پڑھائی۔اسی سال مال میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔بعض کہتے ہیں کہ تین ہجری کو فرض ہوئی' کچھ چوتھی ہجری کو بتاتے ہیں' کچھ ہجرت سے بھی پہلے بتاتے ہیں اور پھر یہ جاری ہوگئی۔(واللہ اعلم)۔

پھر اسی سال غزوۂ بنی قینقاع شوال میں واقع ہوا تھا۔

(قلت) پہلے گذر چکا ہے کہ نبی کریمﷺ نے یہودیوں سے معاہدہ کیا ہوا تھا' ان کے تین گروہ تھے بنوقینقاع' بنونضیر اور بنوقریظہ' ان سب نے باری باری معاہدہ توڑ دیا' سب سے پہلے معاہدہ توڑنے والے بنوقینقاع تھے چنانچہ نبی کریمﷺ نے جنگ بدر کے بعد شوال میں ان سے جنگ کا ارادہ کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' وہ حکم کے تابع ہو گئے' آپ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو عبد اللہ بن ابی نے انہیں چھڑانے کی درخواست کی' وہ اس کے حلیف تھے چنانچہ آپ نے اس کے سپرد کر دیئے اور پھر مدینہ سے انہیں اذرعات کی طرف نکال دیا۔

''اکتفاء'' میں ان کے معاہدہ توڑنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ عرب کی ایک عورت تجارتی سامان لائی اور بازار قینقاع میں بیچ دیا اور وہاں ایک ڈھلائی کرنے والے سنار کے پاس بیٹھ گئی' لوگوں نے چاہا کہ وہ اپنا چہرہ کھول دے لیکن اس نے انکار کر دیا' ڈھلائی والے سنار نے اس کے کپڑے کا ایک کونہ پکڑا اور اس کی پیٹھ کی طرف باندھ دیا اور جب وہ اُٹھی تو اس کی شرمگاہ ننگی ہوگئی' وہ ہنس پڑے جس پر وہ چلائی۔اس پر ایک مسلمان اس سنار پر جھپٹا اور اسے قتل کر دیا' یہودیوں نے مسلمان سے سختی کی اور اسے قتل کر دیا چنانچہ یہودیوں اور مسلمانوں میں ٹھن گئی' رسول اللہﷺ نے انہیں

گھیرے میں لے لیا اور وہ تابع ہوئے۔

یہ روایت بھی ملتی ہے کہ ابن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! میرے غلاموں کے بارے میں اچھا سلوک کرو' پھر منہ پھیر لیا اور کہا: چار سو بغیر زرہ اور تین سو زرہ والے ہیں جنہوں نے مجھے سرخ و سفید سے روکا ہے' تم انہیں ایک ہی دن میں کاٹ دو گے' بخدا میں موت سے خوفزدہ ہوں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں لے لو۔

مغلطائی غزوۂ قینقاع میں کہتے ہیں: حاکم نے کہا کہ یہ اور بنونضیر ایک تھے اور غور نہ کرنے والا شبہ میں پڑ جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہ بات ذکر کرنے کے بعد کہ معاہدہ توڑنے والے پہلے لوگ یہی تھے' کہتے ہیں کہ ان سے آپ نے جنگ کی پھر بنونضیر سے کی۔ حاکم نے عجیب بات کر ڈالی' ان کا خیال ہے کہ بنوقینقاع اور بنونضیر کو ایک ہی وقت میں نکالا گیا حالانکہ اس پر اتفاق نہیں ہے کیونکہ بنونضیر کو عروہ کے مطابق بدر کے چھ ماہ بعد نکالا گیا تھا یا ابن اسحاق کے مطابق اس سے بھی بہت عرصہ بعد نکالا گیا' واقدی نے ذکر کیا ہے کہ بنوقینقاع کو شوال دو ہجری میں نکالا گیا تھا یعنی جنگ بدر کے ایک ماہ بعد' اس کی تائید ابن اسحاق کی روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمان ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بدر میں نقصان پہنچایا تو یہودیوں کو بنوقینقاع کے بازار میں اکٹھا کیا اور فرمایا: اے یہودیو! اس سے قبل ہی اسلام لے آؤ کہ تم سے وہ سلوک ہو جو قریش سے ہوا ہے' وہ کہنے لگے: وہ تو لڑنا نہیں جانتے تھے' ہم سے لڑو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ مردوں سے جنگ ہوئی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ .... لِّاُولِي الْاَبْصَارِ○ (سورۂ آل عمران: ۱۲' ۱۳)

''فرما دو کافروں سے' کوئی دم جاتا ہے کہ تم مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت ہی برا بچھونا' بے شک تمہارے لئے نشانی تھی دو گروہوں میں جو آپس میں بھڑ پڑے' ایک جتھا اللہ کی راہ میں لڑتا اور دوسرا کافر کہ انہیں آنکھوں دیکھا' اپنے سے دونا سمجھیں اور اللہ ہی اپنی مدد سے زور دیتا ہے جسے چاہتا ہے' بے شک اس میں عقلمندوں کے لئے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قینقاع سے تین تلواریں اور دو زرہیں قبضہ میں لے لیں' ایک کا نام ''فِضّہ'' اور دوسری کا ''سعدیہ'' تھا۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی جو انہوں نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہنی تھی۔ (واللہ اعلم)۔

غزوۂ سویق

(قلت) اسے سویق اس لئے کہا گیا کہ اکثر یہ (ستو) مشرکین کی خوراک تھی' مسلمانوں نے یہ ستو مالِ غنیمت کے طور پر لے لئے تھے کیونکہ ابوسفیان دو سو یا صرف چالیس سوار لے کر نکلا تھا۔ یہ لوگ عریض کے مقام پر پہنچے اور کھجور

کے درخت جلا دیئے' انصار میں سے ایک شخص اور اس کے نوکر کو قتل کر دیا' حضورﷺ اس کی تلاش میں نکلے' ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے بھاگتے وقت بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے بورے پھینک دیئے جنہیں مسلمان آتے وقت اُٹھا لائے' اس کے بعد ابوسفیان نے قسم کھا لی تھی کہ جب تک وہ حضرت محمدﷺ سے لڑائی نہ کرے گا' جنابت سے غسل نہیں کرے گا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور خیال کیا کہ اس کی قسم پوری ہوگئی۔(واللہ اعلم)۔

اسی سال حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے' یہ ماہ ذوالحجہ تھا چنانچہ مدینہ میں سب سے پہلے فوت ہونے والے مہاجر یہی تھے۔ پھر اسی سال آپ نے نماز عید پڑھی پھر اسی سال مینڈھے کی قربانی کی اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہم بستر ہوئے۔

(قلت) علامہ نووی کہتے ہیں کہ ذی الحجہ میں اسی سال حضرت رقیہ بنت رسول رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا لیکن اہلِ سیرت لکھتے ہیں کہ ان کا وصال اسی سال رمضان میں ہوا تھا۔(واللہ اعلم)۔

تیسرا سالِ ہجرت

یہ ہجرت کا تیسرا سال تھا کہ حضورﷺ نے فرمایا: ''کعب بن اشرف سے کون نمٹے؟'' حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا: میں یہ کام کرتا ہوں اور پھر اسے قتل کر دیا۔

(قلت) ابن اشرف' اصل میں عربی تھا' نبھان کے علاقے سے تھا۔ ابن اسحاق یہی بتاتے ہیں۔ اس کا باپ مدینے میں آیا تو بنونضیر کی مخالفت کی' عزت پائی اور ابوالحقیق کی لڑکی سے شادی کی جن سے کعب پیدا ہوا' بھرے جسم کا شاعر تھا اور واقعۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی برائیاں بیان کرتا رہتا تھا' مکہ کو گیا اور اہل مکہ کو اشعار سنائے' قریش میں سے اہل بدر سے تعلق رکھنے والے مشرک روئے' وہاں وہ مطلب بن ابو وداعہ سہمی کے گھر ٹھہرا' عاتکہ بنت ابوالعیص بن امیہ یہیں تھی' حسان نے اس کی اور اس کی بیوی عاتکہ کی ہجو کی وہ مدینہ واپس لوٹ آیا اور مسلمانوں کی عورتوں کے حسن کی باتیں کرنے لگا' رسول اللہﷺ کی برائی کرتا اور قریش کو آپ کے خلاف بھڑکاتا۔

کہتے ہیں کہ اس نے کھانا تیار کیا اور یہودیوں کو تیار کیا کہ نبی کریمﷺ کو چھوڑ دیں' وہ آئے تو انہیں دلیری دکھائی' پھر آپ کو بلا بھیجا تو جبریل نے آپ کو بتایا' آپ واپس تشریف لے گئے اور فرمایا: کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا' یہ سن کر محمد بن مسلمہ کچھ ساتھیوں کو لے کر نکلے' اس کے ساتھ حیلہ کیا اور رات کو اسے قتل کر دیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کو حکم دیا کہ کچھ لوگوں کو لے کر جائے تاکہ اسے قتل کر دیں۔(واللہ اعلم)۔

غزوۃ الکدر

پھر اسی سال آپ نے غزوۃ الکدر میں شرکت فرمائی' حضرت علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہہ جھنڈا اُٹھائے ہوئے تھے' کسی سے مقابلہ نہ ہوا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔

(قلت)حضورﷺ اس غزوہ کے لئے تیار ہو کر تشریف لے گئے' حضرت سباع بن عرفطہ کو اپنا نائب بنایا۔کچھ کہتے ہیں کہ ابن اُمّ مکلثوم کو نائب بنایا' آپ کدر کے مقام پر پہنچے اسے "غزوہ قرقرہ" کہتے ہیں' نجران بھی کہا جاتا ہے۔کسی سے مڈبھیڑ نہ ہو سکی۔(واللہ اعلم)۔

غزوۂ انمار

اسی سال غزوۂ انمار کے لئے تشریف لے گئے' دعثور آپ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ درخت کے نیچے سوئے ہوئے ہیں' آپ بیدار ہوئے تو وہ سر پر تلوار تانے کھڑا تھا' کہنے لگا: تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا' اللہ! اس پر اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی' رسول اللہﷺ نے پکڑ کر فرمایا: اب بتاؤ تمہیں مجھ سے کون چھڑا سکتا ہے؟ اس نے کہا' کوئی نہیں۔آپ نے فرمایا: یہاں سے نکل جاؤ' وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہوا کہ محمد مجھ سے بہتر ہیں۔اس پر حضورﷺ نے فرمایا ہاں' میرا حق یہی ہے۔بنوغطفان آپ سے ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔

غزوۂ ذی امر

(قلــــت)یہ غزوۂ ذی امر ہے' حاکم نے اسے غزوۂ انمار کا نام دیا ہے' کچھ نے اسے اعرابی غورث نام دیا ہے۔کہتے ہیں کہ یہ ذات الرقاع میں ہوا تھا' ہوسکتا ہے کہ یہ غزوہ متعدد بار ہوا ہو' ابو حاتم ایک ہی غزوہ قرار دیتے ہیں لہٰذا انہوں نے ذات الرقاع کا ذکر نہیں کیا' کچھ کے نزدیک یہ کھجور کے درختوں میں ہوا لہٰذا انہوں نے اسے ذکر نہیں کیا۔(واللہ اعلم)۔

غزوۂ القردہ

(قلت)قَرْدَہ' نجد کے چشموں سے ایک چشمہ تھا' قریش جنگ بدر کے بعد اس راستہ پر چلنے سے ڈرتے تھے جس پر چل کر وہ شام کو جاتے تھے' وہ عراق کے راستے پر چلے' ان کے اس لشکر میں ابوسفیان بن حرب تھا' اس کے پاس بہت سی چاندی تھی' یہ ان کی بڑی تجارت کا مال تھا۔(واللہ اعلم)۔اس کے بعد غزوۂ اُحد ہوا۔

غزوۂ اُحد

(قلت)جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ غزوۂ اُحد شوال ۳ھ ہجری کو ہوا' چند ایک نے ۴ھ ہجری بتایا ہے۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ شوال کی گیارہ تاریخ کو ہوا' سات تاریخ بھی کہتے ہیں' آٹھ بھی کہتے ہیں' نو بھی کہتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ نصف شوال کو ہوا تھا۔مالک کہتے ہیں کہ بدر کے ایک سال بعد ہوا۔اس میں زیادہ وقت بتایا ہے کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ بدر کی جنگ رمضان میں ہوئی تھی تو یہ ایک سال اور ایک مہینہ بھی پورا نہ ہوا تھا لہٰذا مالک نے کہا کہ ہجرت کے اکتیس ماہ بعد ہوا تھا۔

واقعۂ اُحد کا سبب یہ تھا کہ جب بدر میں اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کو قتل کر دیا اور باقی لوگ واپس مکہ پہنچ گئے' ابو سفیان ان کا تجارتی مال لے کر پہنچا تو قریش نے ابوسفیان اور قافلے میں جن جن لوگوں کا مال تھا' ان سے بات کی کہ تعاون کرو تو ہم نبی کریم ﷺ سے جنگ کرتے ہیں' چنانچہ انہوں نے حامی بھر لی۔

کہتے ہیں کہ ان کا یہ مال پچاس ہزار دینار تھا چنانچہ اس نے قافلہ والوں کو اصل مال واپس کر دیا اور نفع الگ کر لیا' انہیں دینار کے مقابلے میں دینار نفع ہوتا تھا۔اس نفع سے انہوں نے لشکر کی تیاری شروع کر دی اور اپنے ماتحت قبیلوں کو بھی اس جنگ کے لئے تیار کرنے لگے چنانچہ وہ اپنی اپنی ٹولیاں لے کر نکلے' ان کے تابعدار بنو کنانہ اور اہلِ تہامہ والے بھی ان کے ساتھ ہو لئے' انہوں نے عورتیں بھی ساتھ لے لیں تا کہ یہ لوگ بھاگ نہ سکیں چنانچہ ابوسفیان (ان کا قائد) ہند بنت عتبہ کو لے کر چلا یونہی دوسرے سربراہوں نے اپنی عورتیں ہمراہ لیں' جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی نامی حبشی کو حکم دیا کہ لوگوں کے ساتھ چلے اور اسے کہا کہ اگر تو محمد کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعمہ بن عدی کے بدلے قتل کر دے تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔

وہ روانہ ہوئے اور مدینہ کے سامنے وادیٔ قناۃ کے پہلو میں عینین پہاڑ کے قریب آ ٹھہرے۔وادیٔ قناۃ عینین پہاڑ کے پیچھے ہے جو اس کے اور اُحد کے درمیان ہے کیونکہ عینین اُحد کے سامنے تھا چنانچہ وہ مدینہ کی طرف عینین کے سامنے ٹھہر گئے' اس کے مغرب میں بیرِ رومہ تھا لہٰذا یہ مطری کے قول کے خلاف نہیں ہو گا جو آگے آ رہا ہے۔

ابن عقبہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان اپنی جماعت کو لے کر بیر جماوین کی طرف سے نمودار ہوا اور یہ لوگ اس وادی کے درمیان اُترے جو اُحد کی طرف تھی۔

جو مسلمان بدر میں شامل نہ ہو سکے تھے انہیں اس کا افسوس تھا' وہ جنگ کرنا چاہتے تھے۔اسی دوران حضور ﷺ کو ایک خواب آئی' رات جمعہ کی تھی۔صبح ہوئی تو فرمایا: رات کو میں نے خواب دیکھی ہے کہ ایک گائے ذبح کر دی گئی' اللہ خیر فرمائے گا' میں نے دیکھا کہ میری تلوار ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے یا فرمایا کہ اسے دندانہ پڑ گیا ہے' یہ میرے خیال میں اچھی نہیں' یہ دونوں مصیبتیں ہیں اور پھر میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے ایک مضبوط زرہ پہن رکھی ہے' پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے۔صحابہ نے تعبیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ گائے تو وہ خون خرابہ ہے جو ہمارے درمیان ہو گا (صحابہ شہید ہوں گے) مینڈھا' کبش الکتیبہ ہے (طلحہ بن ابوطلحہ کو کہتے تھے) اور مضبوط زرہ مدینہ ہے لہٰذا رک جاؤ' لوگ اگر گلیوں میں چلے جائیں تو ہم چھتوں کے اوپر سے ان پر تیر برسائیں گے۔

ابنِ اسحاق نے بھی نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے کہا' یا رسول اللہ! آپ مدینہ میں ٹھہریں ان کے پاس نہ جائیں' بخدا مدینہ سے جو بھی نکل کر دشمن کے سامنے جائے گا' قتل ہو گا اور جو یہاں آئے گا اسے ہم قتل کر دیں گے لہٰذا انہیں رہنے دیجئے لیکن صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم عرصہ سے اس دن کی انتظار کر رہے تھے' اکثر صحابہ نے مدینہ سے نکلنے کا مشورہ دیا۔آپ نے نماز جمعہ پڑھائی اور واپس تشریف لا کر ہتھیار منگوائے' انہیں پہنا اور دشمن کے مقابلے میں

نکلنے کا اعلان کرا دیا جس پر رائے دینے والوں کو شرمساری ہوئی' انہوں نے عرض کی آپ یہیں ٹھہریں جیسے ہمیں فرمایا ہے۔آپ نے فرمایا کہ ایک نبی جب ہتھیار پہن لیتا ہے تو اس کے لئے یہ مناسب نہیں ہوتا کہ لڑے بغیر واپس آ جائے چنانچہ آپ اپنے ایک ہزار صحابہ کو لے کر چل پڑے' مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔علامہ مطری کہتے ہیں کہ مدینہ میں یوم اُحد کو مشرکین کا داخلہ جمعہ کے دن ہوا تھا' وہ مزید بتاتے ہیں کہ ابن اسحاق بدھ کا دن بتاتے تھے۔

مطری کہتے ہیں کہ یہ لوگ وادیٔ عقیق میں رومہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں جمعہ پڑھایا اور پھر آپ صحابہ کو لے کر مشرقی حرہ کی طرف چلے جسے حرۂ واقم کہتے تھے' رات شیخین میں گذاری' یہ مدینہ اور جبل اُحد کے درمیان اُحد کو جاتے ہوئے حرہ کے ساتھ مشرقی حرہ پر واقع تھا' پھر ہفتہ کی صبح اُحد کی طرف چلے۔انتہی۔

علامہ اقشہری نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین نیزے منگوائے اور ان پر تین جھنڈے باندھے' بنو اوس کا جھنڈا اسید بن حضیر کو دیا' بنو خزرج کا حباب بن منذر بن جموح کو دیا' بعض کا خیال ہے کہ سعد بن عبادہ کو دیا تھا' مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا' کچھ کے خیال میں مصعب عمیر کو دیا تھا۔حضرت عبد اللہ بن اُم کلثوم کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا اور پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے' کمان گلے میں لٹکائی اور ہاتھ میں نیزہ پکڑا۔مسلمانوں میں سے سو لوگوں کے پاس زرہیں تھیں' دونوں سعد آگے آگے چلے یعنی سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ' لوگ آپ کی دائیں بائیں جانب تھے۔آپ چلتے ہوئے جب شیخین پہنچے (یہ دونوں قلعے تھے) تو ایک خوبصورت دستہ دیکھا جن سے آواز بلند ہو رہی تھی۔آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ لوگ ابن ابی یہودی کے حلیف ہیں۔آپ نے فرمایا' ہمیں مشرکوں کی مدد کی ضرورت نہیں اور جب وہ باغ شوط تک پہنچے تو عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھی لے کر الگ ہو گیا۔انتہی۔

اکتفاء میں ہے کہ مخیریق یہودیوں کا عالم تھا' اس نے اس دن یہودیوں سے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ حضرت محمد کی مدد کرنا تم پر لازم ہے' انہوں نے ہفتہ کے دن کا بہانہ کہہ سنایا (کہ اس میں لڑنا حرام ہے) مخیریق نے کہا: یہاں ہفتہ کا بہانہ نہیں چلے گا پھر اپنی تلوار پکڑی' ہتھیار باندھے اور رسول اللہ ﷺ سے آ ملا' آپ کی طرف سے لڑا اور شہید ہو گیا۔اس نے پہلے کہہ دیا تھا کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو میرا مال حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا' وہ جیسے چاہیں اسے استعمال میں لائیں۔حضور ﷺ نے اسی کے بارے میں فرمایا تھا: مخیریق یہودیوں میں سے بہترین شخص ہے۔انتہی۔

طبرانی نے کبیر اور اوسط میں ابو حمید ساعدی کی روایت لکھی کہ نبی کریم ﷺ اُحد کے دن نکلے اور جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے تو بہت اچھا لشکر دیکھا۔پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے عرض کی: یہ عبد اللہ بن ابی ہے جو بنو قینقاع میں سے چھ سو یہودی غلام لئے آ رہا ہے۔پوچھا: کیا یہ مسلمان ہیں؟ عرض کی گئی: نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: انہیں کہہ دو کہ واپس چلے جائیں کیونکہ مشرکین کے خلاف ہم مشرکین سے مدد نہیں لیں گے۔

اقشہری نے اپنی گذشتہ کلام کے بعد لکھا ہے کہ اس مقام (شیخین) پر حضور ﷺ کے سامنے کچھ لوگ آئے'

آپ نے انہیں لوٹا دیا' اس موقع پر حضرت بلال نے اذانِ مغرب دی چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھائی' رات وہیں گذاری' اس رات پہرے کے لئے پچاس آدمی دے کر حضرت محمد بن مسلمہ کو مقرر کیا جن کا کام یہ تھا کہ لشکر کے گردا گرد چکر لگاتے رہیں' آپ سحری کے وقت میں وہاں داخل ہوئے' مشرکوں کو دیکھ رہے تھے' راستہ دکھانے کے لئے ابوخیثمہ حارثی تھے' وہ بلند مقام تک لے پہنچے' نماز کا وقت ہو چکا تھا آپ نے ہتھیاروں سمت صفیں باندھ کر صحابہ کو نماز پڑھائی۔

اقشہری کہتے ہیں' مجاہد' کلبی اور واقدی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے پیدل اُحد تک پہنچے اور اپنے صحابہ کی صفیں لڑائی کے لئے درست کرنا شروع فرما دیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُحد کی طرف چلے اور جب باغ شوط پر پہنچے تو عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھی لے کر الگ ہو گیا' ایک اور روایت میں ہے کہ تہائی لشکر کو الگ کر لیا تھا۔ابن ابی نے آپ پر الزام لگایا کہ انہوں نے دوسروں کی بات مانی ہے' میری نہیں مانی' ابن عقبہ کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ سات سو آدمی رہ گئے' جب ابن ابی واپس مڑا تو مومنین کے دو گروہوں کے ہاتھ لگا' یہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے (ایک ان سے لڑنا چاہتا تھا اور دوسرا نہیں) علامہ اقشہری لکھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ سات سو لوگ رہ گئے' ساتھ اپنا ایک گھوڑا تھا اور ایک ابو بردہ بن نیار کا تھا۔(واقدی) لیکن ابن عقبہ کی آئندہ روایت میں مسلمانوں کے ہاں گھوڑے کا ذکر نہیں ہے۔

اکتفاء میں ہے کہ ابن ابی کے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہونے کے بعد آپ چل پڑے اور حرّۂ بنو حارثہ اور ان کی اَملاک کے قریب سے گذرے تو فرمایا: کوئی ایسا شخص ہے جو ہمیں قریبی راستے سے لے جا کر دشمن تک اس جگہ پہنچا دے جہاں ہم سے پہلے کوئی نہ پہنچے؟ یہ سن کر ابوخیثمہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! میں لئے چلتا ہوں چنانچہ وہ حرّۂ بنو حارثہ اور ان کی اراضی کے درمیان سے چلتے ہوئے مربع بن قیظی کے باغ تک چلے گئے۔یہ شخص منافق اور اندھا تھا' جب اسے حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی آہٹ سنائی دی تو کھڑا ہو گیا اور ان کی طرف مٹی پھینکی اور کہنے لگا: اگر تم رسول اللہ ہو تو میں تمہیں اپنے باغ میں داخل نہیں ہونے دونگا۔صاحبِ اکتفاء نے ذکر کیا کہ اس نے مٹی کی مٹھی بھری اور کہنے لگا: واللہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرا وار خالی نہیں جائے گا تو میں تمہارے چہرے پر وار کرتا۔صحابہ اسے قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے قتل نہ کرو کیونکہ جیسے یہ آنکھوں سے اندھا ہے یونہی دل کا بھی اندھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ آگے چلے اور اُحد کی گھاٹی میں جا اُترے' اُحد آپ کے لشکر کی پشت پر تھا۔اقشہری نے بھی لکھا ہے کہ اُحد پچھلی طرف تھا اور مدینہ سامنے تھا جبکہ جبلِ عینین بائیں طرف تھا۔ابن عقبہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اُحد کے نیچے صفین درست کیں جبکہ مشرکین نے شور زمین میں اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

مشرکین کے گھوڑسواروں پر (جو سو تھے) خالد بن ولید مقرر ہوا تھا' مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا' مشرکین

کا جھنڈا طلحہ بن عثمان کے ہاتھ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں پر حضرت عبد اللہ بن جبیر کو مقرر فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ القشیری کے مطابق انہیں جبلِ عینین پر مقرر کیا۔ اکتفاء میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے امیر سے فرمایا کہ دشمن کے گھوڑے ہم سے ہٹائے رکھنا' ہماری پچھلی طرف سے آنے نہ پائیں خواہ ہم کامیاب ہوں یا ناکام' قریش تین ہزار کی تعداد میں تھے' ان کے ہمراہ سو گھوڑے تھے جو انہوں نے ایک طرف کئے تھے چنانچہ لشکر کی دائیں طرف کے گھوڑ سواروں پر خالد بن ولید کو مقرر کیا ہوا تھا اور بائیں طرف عکرمہ بن ابو جہل کو مقرر کیا تھا۔

اوس قبیلہ میں سے ابو عامر راہب مکہ کی طرف نکل گیا تھا' وہ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور کرتا تھا' وہ اپنی قوم کو کہا کرتا تھا کہ اگر وہ اپنی قوم سے ملے گا تو پوری قوم میرے ساتھ ہو جائے گی جنگ شروع ہوئی تو سب سے پہلے وہی آگے آیا' وہ مکہ کے غلاموں وغیرہ میں کھڑا تھا' اس نے آواز دی کہ: اے گروہ قریش! میں ابو عامر ہوں۔ انہوں نے کہا: اے فاسق! تیری مراد پوری نہ ہو' حضور ﷺ نے اسے فاسق نام دیا تھا حالانکہ اسے دورِ جاہلیت میں راہب کہتے تھے۔ جب اس نے سنا تو کہنے لگا کہ میرے بعد میری قوم بگڑ گئی ہے پھر شدید لڑائی شروع ہوگئی اور مسلمانوں نے ان پر پتھر برسائے۔ انتہٰی۔

بزاز نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُحد کے دن اپنی تلوار سامنے کی اور فرمایا: کون ہے جو اس کا حق ادا کرے؟ حضرت ابو دجانہ اُٹھے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں لے کر اس کا حق ادا کروں گا آپ نے تلوار انہیں دے دی' چنانچہ وہ نکلے تو میں پیچھے تھا' وہ جس طرف بھی جاتے چیرتے پھاڑتے جاتے اور یوں وہ پہاڑ کے دامن میں عورتوں کے پاس جا پہنچے' ہندہ ان کے ہمراہ تھی اور وہ یہ اشعار گا رہی تھیں:

"ہم (عزت میں) گویا پروین ستارے ہیں' ہم قالینوں پر چلنے والی ہیں' ہماری گردنوں میں موتی ہیں اور مانگ میں ہم نے کستوری لگا رکھی ہے۔
تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی اور تمہارے راستے میں فرش لگائیں گی۔ تم پیچھے مڑو گے تو ہم تم سے ایسے دور ہو جائیں گی جیسے رقیب ہوتے ہیں۔"

یعنی وہ اپنے مشرک جنگیوں کو اُبھار رہی تھیں۔ حضرت زبیر کہتے ہیں کہ ابو دجانہ (پہلوان) نے ان پر حملہ کر دیا' انہوں نے کھلے میدان میں آواز دی لیکن کسی نے ان کی فریاد نہ سنی' وہ پیچھے ہٹ گئے تو میں نے پوچھا: میں نے تمہیں تلوار سے وار کرتے دیکھا ہے' میں تعجب کرتا رہا لیکن تم نے عورت کو قتل نہیں کیا۔ ابو دجانہ نے کہا: وہ اس لئے کہ اس نے آواز دی لیکن کسی نے اسے جواب نہیں دیا (بات نہیں مانی) چنانچہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ایسی عورت کو رسول اللہ ﷺ کی تلوار سے قتل کروں جس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

الاکتفاء میں ہے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ عبد اللہ بن جحش کی تلوار اُحد کے دن ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کھجور کے گچھے کی لکڑی دے دی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی' وہ اس سے لڑتے رہے' اس تلوار کا نام

عرجون پڑ گیا وہ نسل بہ نسل اب تک چلی آ رہی تھی اور ترکی کی خواہش پر دو سو دینار میں بیچ دی گئی۔

بزاز بریدہ کی روایت سے کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اُحد کے دن کہا: اے اللہ! اگر محمد حق پر ہے تو اسے زمین میں دھنسا دے چنانچہ حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔

ابن اسحاق بتاتے ہیں کہ مشرکوں کے جھنڈا بردار اُحد میں ایک ایک کر کے قتل ہوتے گئے' وہ نو افراد تھے۔ایک روایت ہے کہ گیارہ تھے جن میں سے آخری بنو طلحہ کا غلام تھا۔

ابن عقبہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے جھنڈا بردار مصعب بن عمیر تھے (بنو عبد الدار کے بھائی بند) انہوں نے طلحہ بن عثمان کو دعوتِ جنگ دی جو بنو عبد الدار سے تھا اور اسے قتل کر دیا پھر مسلمانوں نے مشرکین پر حملہ کر دیا اور انہیں بھگا دیا' ادھر سے مشرکین کے گھوڑ سواروں نے حملہ کیا تو تین مرتبہ انہیں تیر اندازوں نے نشانہ بنایا چنانچہ مسلمان مشرکین کے لشکر میں جا گھسے اور انہیں خوب لوٹا۔جب مسلمانوں کے تیر اندازوں نے دیکھا تو اپنا مقام چھوڑ دیا اور لشکر میں آ گھسے' خالد اور اس کے ساتھیوں نے انہیں یوں کرتے دیکھا تو گھوڑوں پر سوار ہو کر ان پر حملہ کر دیا اور انہیں چکنا چور کر دیا' اسی دوران کسی نے چلا کر کہا کہ محمد (علیہ السلام) قتل ہو گئے' اپنے پیچھے دیکھو! اس پر مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو لاعلمی میں قتل کرنے لگے' ایک گروہ بھاگ کھڑا ہوا اور سب تتر بتر ہو گئے' آپس میں قتل و غارت شروع ہو گئی' جب انہوں نے ہوش سنبھالی تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام صحیح سلامت ہیں اور ان کے پیچھے سے بلا رہے ہیں چنانچہ کچھ صحابہ بھاگ کر آپ کی طرف آ گئے' آپ گھاٹی میں تھے' آپ اپنے ساتھیوں کو تلاش فرما رہے تھے کہ اس دوران مشرکین سامنے آ گئے' انہوں نے آپ کے چہرہ پر تیر برسا کر خون آلود کر دیا اور سامنے کے دانت مبارک توڑ دیئے' آپ گھاٹی سے اوپر چڑھے' حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما ہمراہ تھے' کچھ کہتے ہیں کہ آپ کے ہمراہ انصار کی ایک جماعت تھی جن میں سہل بن بیضاء اور حارث بن صمہ شامل تھے۔مشرکین مسلمانوں کو قتل کیئے جا رہے تھے ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ رہے تھے' شرمگاہیں کاٹ رہے تھے اور پیٹ چیر رہے تھے' اُن کا خیال تھا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام اور آپ کے اکابر صحابہ کو قتل کر دیا ہے چنانچہ اسی بنا ابوسفیان نے بڑے فخر سے کہا: اُعْلُ هُبَلِ (ھبل اونچے ہو جاؤ) جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں نعرہ بلند کیا اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ (اللہ تعالیٰ اعلیٰ اور بہت عزت والا ہے) مشرکین کو اپنے سامان کی فکر پڑی تھی۔

رسول اللہ علیہ السلام اور قتلِ اُبی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ شکست اور آپ کے بارے میں قتل کی خبر مشہور ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ کو حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے پہچانا تھا۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام آنکھوں سے پہچان لیا جو خود کے نیچے روشن دکھائی دے رہی تھیں چنانچہ میں نے زور دار آواز لگائی کہ اے مسلمان ساتھیو! خوشیاں مناؤ' ادھر دیکھو رسول اللہ علیہ السلام تو یہ موجود ہیں' اس پر آپ نے اشارہ فرمایا کہ چپ رہو' مسلمانوں کو آپ کے بارے میں علم ہوا تو بھاگ

کر آپ کی طرف آئے' حضورعلیہ ﷺ ان کے ساتھ ہو لئے' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت حارث بن صمہ اور بہت سے مسلمان ہمراہ تھے۔ جب آپ گھاٹی کی طرف ہوئے تو ابی بن خلف نے انہیں پا لیا' وہ کہہ رہا تھا: محمد کہاں ہیں' اگر بچ گئے ہیں تو نہ بچیں' صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی اس کا کام تمام نہ کر دے؟ فرمایا' رہنے دو اور جب وہ قریب ہوا تو آپ نے حارث بن صمہ سے نیزہ پکڑا' ایک دیکھنے والے نے دیکھ کر کہا: جب آپ نے نیزہ پکڑا تو وہ آپ کے سامنے آیا' آپ نے اس کی گردن پر نیزہ مارا تو وہ گھوڑے سے کئی بار دائیں بائیں جھکتا ہوا نیچے آ گرا۔ یہ ابی بن خلف مکہ میں آپ سے ملاقات پر کہتا تھا کہ "اے محمد! میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسے روزانہ آٹھ دس سیر جوار کھلاتا ہوں' میں اس پر بیٹھ کر تمہیں قتل کروں گا۔" آپ فرماتے کہ انشاء اللہ تجھے میں ہی قتل کروں گا چنانچہ جب وہ قریش کے پاس گیا' اس کی گردن میں کوئی زیادہ زخم نہیں تھا البتہ خون بہہ رہا تھا' کہنے لگا کہ واللہ! محمد نے مجھے قتل کیا ہے۔ انہوں نے کہا واللہ! تمہارا دل قابو میں نہیں رہا' یہ زخم تو معمولی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ انہوں نے مکہ میں مجھے کہا تھا کہ تجھے میں قتل کروں گا' بخدا اگر یہ مجھ پر تھوک بھی دیں گے تو مر جاؤں گا چنانچہ جب اسے مکہ کی طرف لے جا رہے تھے تو راستے ہی میں "سرف" کے مقام پر مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دن فرمایا تھا: اس شخص پر اللہ کا عذاب سخت ہے جسے اللہ کے رسول نے قتل کر دیا ہے۔ اہلِ دوزخ اللہ کی رحمت سے دور رہیں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں: اُحد کے دن مشرکین کو واضح شکست ہوئی تو ابلیس چیخ اُٹھا کہ اپنے پیچھے دیکھو چنانچہ ان کے پہلے پچھلوں کی طرف پلٹے اور لڑنے لگے حذیفہ نے نظر اُٹھائی تو اچانک باپ کو دیکھا چنانچہ آواز دی' میرے باپ کو بچاؤ۔ آپ فرماتی ہیں کہ انہوں نے دیر نہیں کی اور اسے قتل کر دیا' حذیفہ نے کہا' اللہ تمہاری بخشش فرمائے۔

اقشہری نقل کرتے ہیں کہ اس دن ابوسفیان نے حرب کے بنوعبد الدار سے کہا: تم لوگوں نے بدر کے دن جھنڈا ضائع کر دیا تھا جس کی وجہ سے جو کچھ ہوا سو ہوا تم نے دیکھ ہی لیا لہٰذا اَب جھنڈا ہمیں دے دو' ہم سنبھال لیں گے۔ اس کا مقصد انہیں جنگ کے لئے اُبھارنا تھا اور انہیں ثابت قدم کرنا تھا' اس پر وہ غصہ میں آ گئے اور اسے برا بھلا کہا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ مشرکین کا جھنڈا کس کے پاس ہے؟ تو بتایا گیا کہ بنوعبد الدار کے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کام ہمارے کرنے کا ہے' مصعب بن عمیر کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کی' یا رسول اللہ! حاضر ہوں' فرمایا: جھنڈا پکڑ لو چنانچہ جھنڈا انہیں دیدیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عثمان بن طلحہ پر حملہ کیا جو مشرکین کا جھنڈا اُٹھائے تھا' اس کے ہاتھ کاٹ دئے اور مونڈھے سے ازار بند تک کاٹ ڈالا چنانچہ ان کے جھنڈا بردار یکے بعد دیگرے قتل ہوتے گئے' مشرکین کی شکست واضح ہو چکی تھی' ان کی عورتیں بددعائیں کر رہی تھیں' مسلمان ان پر ہتھیار چلا رہے تھے' انہوں نے مالِ غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔

جب تیر انداز مسلمانوں نے دیکھا تو ان کی ایک جماعت آگے بڑھی اور پہاڑ کا درہ خالی کر دیا چنانچہ خالد نے

ساتھیوں کی مدد سے دوبارہ حملہ کر دیا' عکرمہ بھی اس کے پیچھے تھا' انہوں نے باقی تیر اندازوں پر حملہ کر دیا اور انہیں قتل کر دیا نیز ان کے امیر عبد اللہ بن جبیر کو بھی قتل کر دیا۔ اب مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں اور ابلیس نے چلا کر کہا کہ محمد قتل ہو گئے حالانکہ آپ اپنے مقام پر ثابت قدم تھے' تیر کمان سے تیر برسا رہے تھے جن سے وہ بکھر گئے نیز آپ پتھر برسا رہے تھے' آپ کے ساتھ چودہ افراد کا ایک جتھا تھا' یہ سب مہاجرین تھے ان میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے اور ان کے علاوہ سات انصار بھی تھے اھ۔

امام نسائی کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے بتایا: جب اُحد کے دن لوگ پیچھے بھاگے تو حضور علیہ السلام بارہ انصاریوں میں موجود تھے جن میں طلحہ بھی تھے۔

طبرانی میں سدی سے ہے کہ اس دن صحابہ بکھر گئے چنانچہ کچھ تو مدینہ کو چلے گئے' کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے لیکن رسول اللہ علیہ السلام ثابت قدم تھے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ ابن قمیئہ نے آپ کو پتھر مارا جس سے ناک مبارک زخمی ہوا اور سامنے کے رباعیا دانت شہید ہو گئے' چہرہ پر زخم آیا جس نے آپ کو بوجھل کر دیا چنانچہ تیس صحابہ پلٹ کر آپ کے پاس آئے اور آپ کا دفاع کرنے لگے' طلحہ اور سہل بن حنیف نے حملہ کیا' طلحہ نے تیر پھینکا تو اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ پہاڑ کی طرف بھاگنے والے ایک شخص نے کہا: کاش کوئی ابن ابی کے پاس جانے والا ہوتا جو ابوسفیان سے ہمیں امن لے دیتا' اس پر انس بن نضر نے کہا: اے قوم! اگر محمد زندہ نہیں رہے تو ان کا خدا تو یقیناً زندہ ہے' وہ تو قتل نہیں ہوا چنانچہ وہ پہلے کی طرح لڑائی کرتے رہے اور پھر اس کے قتل کا قصہ بیان کیا۔

رسول اللہ علیہ السلام نے پہاڑ پر جانے کا ارادہ کیا تو آپ کے ایک صحابی نے آپ کو تیر مارنے کا ارادہ کیا جس پر آپ نے بتایا کہ میں تو رسول اللہ ہوں۔ مسلمانوں نے جب سنا تو وہ بہت خوش ہوئے' آپ کے اردگرد جمع ہوئے اور اسی دوران دُوسرے لوگ بھی پلٹ آئے۔

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اُحد کے دن میں نے حضور علیہ السلام کی دائیں اور بائیں جانب دو آدمی دیکھے جن کے لباس سفید تھے اور وہ آپ کی طرف سے شدید لڑائی کر رہے تھے جنہیں نہ تو میں نے اس سے قبل دیکھا اور نہ ہی بعد میں دیکھا تھا (بخاری و مسلم) مسلم شریف میں ہے کہ وہ جبریل اور میکائیل علیہما السلام تھے لیکن مجاہد کہتے ہیں کہ فرشتے نہ تو اس دن لڑے' نہ ہی اس سے قبل اور نہ ہی بعد میں البتہ یوم بدر پر خوب لڑے تھے۔ علامہ بیہقی کہتے ہیں کہ جب قوم اس دن حضور علیہ السلام کے فرمان پر عمل نہ کر سکی تو فرشتے ان کی طرف سے نہ لڑے کیونکہ لوگوں نے آپ کے فرمان پر عمل نہ کیا تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ کی بناء پر مسلمانوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ پانچ ہزار نشان والے فرشتوں کے ذریعے ان کی مدد فرمائے گا اور اس نے یہ وعدہ پورا فرما دیا لیکن جب انہوں نے حکم رسول ماننے میں کوتاہی کی' اپنا ٹھکانہ چھوڑ دیا' تیر اندازوں نے عہد توڑ دیا اور دنیوی مال کا لالچ کیا تو اللہ تعالیٰ

نے ان سے فرشتوں کی مدد روک دی' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۞ (سورۂ آل عمران: ۱۵۲)

"اور بے شک اللہ نے تمہیں سچ کر دکھایا اپنا وعدہ جبکہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کرتے تھے۔"

چنانچہ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور انہیں فتح ہوتے دکھا دی لیکن جب وہ کوتاہی کر بیٹھے تو فتح کے بعد مصیبت نازل ہو گئی۔

ابن سعد کے مطابق حضور ﷺ کے ہمراہ سات انصار اور سات قریش رہ گئے تھے۔ اور مسلم شریف میں حضرت انس سے ہے کہ آپ سات انصاریوں اور قریش کے دو آدمیوں طلحہ اور سعد کے درمیان رہ گئے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ کے سامنے والے رباعیا دانت مبارک ٹوٹ گئے اور چہرہ پر زخم آیا' چہرے سے خون بہہ رہا تھا' آپ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: ایسی قوم کیونکر نجات حاصل کر سکتی ہے جنہوں نے ربّ کی طرف بلانے والے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگ دیا' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ۞ (سورۂ آل عمران: ۱۲۸)

"یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں۔"

ابن اسحاق کے مطابق حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اپنے بھائی عتبہ کے علاوہ کسی شخص کے قتل کی حرص پیدا نہیں ہوئی اور اس کی وجہ وہ کردار تھا جو اس نے حضور ﷺ کے بارے میں انجام دیا۔

ابن ہشام حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ عتبہ بن ابو وقاص (سعد کے بھائی) ہی وہ شخص تھا جس نے آپ کے رباعیا نچلے دانت مبارک توڑے تھے' عبد اللہ بن شہاب نے آپ کے چہرے پر زخم لگایا تھا' عبد اللہ بن قمیئہ نے آپ کے رخسار پر زخم کیا تھا چنانچہ خود کے دو گول ٹکڑے رخسار مبارک میں چبھ گئے تھے' حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ چہرے مبارک سے خون چوس لیا تھا اور نگل گئے تھے جس پر آپ نے فرمایا تھا کہ دوزخ تمہیں کچھ نقصان نہ دے سکے گا۔

حضور ﷺ کی ایذاء رسانی پر کفار کو مصائب

ابو امامہ کہتے ہیں کہ ابن قمیئہ نے اُحد پر رسول اللہ ﷺ کو تیر مارا تو آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا اور دانت مبارک ٹوٹ گئے' اس پر اس نے کہا: یہ پکڑو' میں ابن قمیئہ ہوں! رسول اللہ ﷺ نے چہرۂ انور سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: اللہ تمہیں ذلیل کرے' تمہیں کیا ہو گیا ہے! اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑی ہرن مسلّط کر دیا جس نے اس کے ٹکڑے کر دئے۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ جس شخص نے آپ کے دانت توڑے' وہ سعد کا بھائی عتبہ تھا' اس کی نسل میں سے جو بھی

بچہ سوجھ بوجھ والا ہوتا تو اس کے منہ سے بدبو آتی یا دانت ہی نہ ہوتے اور یہ چیز اس کی اولاد کے لئے پہچان بن گئی۔

ابن جوزی بحوالہ محمد یوسف فریابی کہتے ہیں' انہوں نے بتایا کہ جس نے آپ کے دانت مبارک شہید کئے ان کی اولاد میں جو بچہ بھی ہوتا' اس کے رباعیا دانت نہ اُگتے۔

مسلمانوں کی شکست کا ایک سبب

کہتے ہیں' مسلمانوں کو شکست اس بناء پر ہوئی کہ ابن قمیہ لیثی نے حضرت مصعب بن عمیر کو قتل کیا تھا' وہ جب ہتھیار پہن لیتے تو نبی کریم ﷺ کی طرح دکھائی دیتے' اس نے قتل کے وقت یہ خیال کیا کہ محمد کو قتل کر دیا ہے چنانچہ وہ قریش کے پاس آیا تو بتایا کہ اس نے محمد کو قتل کر دیا ہے' ان میں دلیری پیدا ہو گئی اور شیطان چیخ اُٹھا کہ محمد قتل ہو گئے۔ مسلمانوں نے سنا تو وہ بکھر گئے اور شکست سے دوچار ہوئے اور کوئی کسی کی حفاظت نہ کر سکا لیکن اصل بات یہ ہے کہ شکست کا سبب تیر اندازوں کی حکم عدولی تھی اور یہ بات اسی چیز کی تائید تھی جبکہ اس معاملہ میں (ارادۂ الٰہی کے علاوہ) اصل یہ بات تھی کہ انہوں نے بدر میں فدیہ لے کر کافر چھوڑ دئے تھے چنانچہ ترمذی نسائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ جبریل امین اُترے اور کہنے لگے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیجئے' قتل کر لیں یا فدیہ لے لیں' انہوں نے کہا کہ ہم فدیہ لیتے ہیں' کہتے ہیں کہ اس کی دلیل موجود ہے کیونکہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے بدر کے دن یہ تکلیف اُٹھائی کہ ان کے ستر افراد شہید اور ستر ہی قیدی بنے' اس میں یہ بھی ہے کہ مشرکین نے اُحد کے دن مسلمانوں کے ستر افراد قتل کئے چنانچہ حدیثِ براء کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم اس دن مشرکین سے لڑے' حضور ﷺ نے تیر اندازوں کی ایک جماعت بٹھائی تھی جن پر عبد اللہ بن زبیر کو امیر مقرر کیا تھا' انہیں فرمایا تھا کہ یہاں سے ہٹنا نہیں' اگرچہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ ہم ان پر غالب آ گئے ہیں پھر بھی تم یہیں رہنا اور اگر یہ معلوم ہو کہ ہم شکست کھا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا لیکن ہم جب لڑے تو بھاگ گئے' میں نے دیکھا کہ ان کی عورتیں کپڑے اُٹھائے بھاگی جا رہی تھیں' پنڈلیاں ننگی تھیں اور پازیب نظر آ رہے تھے' مسلمانوں نے کہنا شروع کر دیا' غنیمت غنیمت! اس پر عبد اللہ نے کہا' حضور ﷺ نے عہد لیا تھا کہ یہ جگہ نہ چھوڑنا لیکن وہ نہیں مانے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے موڑ دئے چنانچہ ستر لوگ قتل ہو گئے۔

مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذریعے بدر کے قصے میں حضرت عمر سے روایت ملتی ہے کہ فرمایا: اُحد کا دن آیا تو مسلمانوں کے ستر افراد قتل ہوئے اور وہ بھاگے' نبی کریم ﷺ کے رباعیا دانت مبارک ٹوٹ گئے' سرِ انور پر خود کا حلقہ چبھ گیا اور خون بہہ کر چہرے پر آ گیا چنانچہ یہ آیت اُتری:

أَوَلَمَّآ أَصَٰبَتۡكُم مُّصِيبَةٞ قَدۡ أَصَبۡتُم مِّثۡلَيۡهَا ۝ (سورۂ آل عمران: ۱۶۵)

"کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے کہ اس سے دونی تم پہنچا چکے ہو۔"

رباعیا دانت سے مراد وہ دانت مبارک ہے جو ثنایا سفلیٰ اور ناب کے درمیان تھا' اس کا کچھ حصہ ٹوٹا تھا' جڑ سے نہیں اکھڑا تھا۔ مسلم شریف میں ہے کہ'' مسلمان بھاگے'' اس کا مطلب ہے کچھ لوگ بھاگے تھے یا ان کے بھاگنے کا مقصد ہے کہ وہ بکھر گئے اور ان کے تین گروہ ہو گئے' ایک گروہ تو وہ تھا جو شکست کھا کر مدینہ کے قریب گئے اور پھر جنگ ختم ہونے پر بھی واپس نہیں لائے' یہ چند لوگ تھے' انہی کے بارے میں یہ آیت اُتری:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۝ (سورۂ آل عمران: ۱۵۵)

''بے شک وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔''

ایک گروہ وہ تھا جو حضور ﷺ کے قتل کا سن کر حیران ہو گیا' آخر انہوں نے سوچا کہ اپنا بچاؤ کریں یا آپ کی امداد کی بناء پر لڑائی جاری رکھیں تا آنکہ قتل ہو جائیں' یہ لوگ اکثر تھے اور ایک گروہ وہ تھا جو آپ کے ساتھ تھا اور پھر دوسرے گروہ میں تھوڑے تھوڑے لوگ یہ سن کر واپس آتے گئے کہ آپ زندہ ہیں۔ رہا گنتی کا فرق تو اس بارے میں جس نے موقع پر جو دیکھا' بیان کر دیا۔

ابو یعلیٰ کی طرف سے حضرت عمر کی گذشتہ حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ جب اُحد کا دن آیا تو انہیں بدر کے دن فدیہ لینے کی وجہ سے سزا ملی چنانچہ ان میں سے بھی ستر افراد مارے گئے۔

الاکتفاء میں ہے کہ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا چنانچہ وہ سمیت لڑنے لگے' جب لڑائی سخت ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ اس دن انصار کے جھنڈے تلے تشریف لے گئے اور حضرت علی کو پیغام بھیجا کہ جھنڈا آگے لے چلیں' وہ آگے بڑھے اس نے کہا میں ابو القصم ہوں' انہیں ابو سعد بن ابو طلحہ نے آواز دی کہ اے ابو القصم! کیا تمہیں کو مبازرہ (جنگی دعوت) کرنے کی ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا' ہاں چنانچہ انہوں نے دونوں طرف کی صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر اعلان کیا اور پھر ایک دوسرے سے دو دو ہاتھ کئے' حضرت علی نے اسے ضرب لگائی اور پچھاڑ دیا' پھر واپس مڑ آئے اور قتل کی کوشش نہ کی' ساتھیوں نے پوچھا کہ قتل کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا' میں اس کی بے پردگی کی وجہ سے ہٹ گیا ہوں' ذی محرم ہونے کا لحاظ آ گیا اور میرے دل میں آیا کہ اللہ نے اسے مار دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابو وقاص وہ شخص ہیں جنہوں نے اسے (ابو سعد) قتل کیا تھا۔

طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ حضرت علی' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا' یہ لو تلوار' یہ برے شخص کی نہیں ہے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم اچھی طرح لڑتے ہو تو حضرت سہل بن حنیف اور ابو دجانہ بن حرشہ بھی اچھی جنگ لڑتے ہیں۔

الاکتفاء میں خود کے دو ٹکڑوں کا آپ کے رخسار میں چبھ جانے کا ذکر ہے اور پھر آپ اس گڑھے میں گرے جسے ابو عامر راہب نے اس لئے کھدوایا تھا کہ بے علمی میں مسلمان اس میں گر جائیں' اسی وقت حضرت علی نے ہاتھ

مبارک پکڑا اور طلحہ نے اُٹھا کر سیدھا کھڑا کر دیا جبکہ حضرت ابو سعید خدری کے والد آپ کے چہرۂ پاک سے خون چوس لیا تھا' حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے دو حلقوں میں سے خود کا ایک حلقہ رخسار سے نکال دیا جس سے آپ کا دانت مبارک گر گیا پھر دوسرا نکالا تو دوسرا دانت بھی گر گیا۔ حضرت سعد بن ابو وقاص نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں تیر چلائے' سعد کہتے ہیں کہ میں تیر چلاتا تو آپ مجھے اور تیر پکڑاتے وقت فرماتے: میرے ماں باپ تم پر قربان' چلاتے جاؤ!

اسی دن حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل گئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے دستِ مبارک سے اسے وہیں رکھ دیا چنانچہ وہ دونوں آنکھوں میں سے خوبصورت دکھائی دینے لگی' عبد الرحمٰن بن عوف کے منہ میں تکلیف تھی تو اسے درست فرما دیا اور پھر بیس سے زیادہ ہی زخم تھے جن میں سے ایک پاؤں میں تھا آپ نے اس کا علاج کیا۔

جب حضور ﷺ گھاٹی تک پہنچے' صحابہ کرام ہمراہ تھے' آپ ابھی گھاٹی ہی میں تھے کہ قریش کی طرف سے آواز بلند ہوئی کہ ''پہاڑ کا دھیان کرو' اس پر آپ نے کہا: الٰہی! انہیں ہم پر غالب نہیں آنا چاہئے' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے مہاجر ساتھی لڑنے لگے اور لڑتے لڑتے انہیں پہاڑ سے نیچے گرا دیا' حضور ﷺ ایک پتھر اُٹھانے لگے تو ہمت نہ ہو سکی' بدن بوجھل ہو گیا تھا' زرہیں دو تھیں' اتنے میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ نیچے بیٹھے اور آپ کو اپنے پر سوار کر کے اس پر بٹھا دیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طلحہ جنتی ہو گئے۔ اس دن آپ نے بیٹھ کر نماز ظہر پڑھی کیونکہ آپ کو زخم لگا تھا جبکہ مسلمانوں نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی تھی۔

صحیح بخاری میں حدیث براء میں ہے کہ ابو سفیان نے (واپس مڑتے وقت) کہا تھا: ''ہمارا عزّیٰ ہے تمہارا نہیں ہے'' اس پر آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب دو۔ صحابہ نے عرض کی' کیا جواب دیں؟ تو فرمایا: کہو ''ہمارا آقا تو اللہ ہے' تمہارا آقا کوئی نہیں۔''

اسی میں یہ بھی ہے کہ اُحد کے دن ابو سفیان نے اوپر سے دیکھ کر کہا: ''کیا محمد قوم میں موجود ہے؟'' آپ نے فرمایا: جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ اس نے پھر آواز دی: ''کیا ابو قحافہ موجود ہے؟'' فرمایا: جواب نہ دو۔ اس نے پھر پوچھا کہ ''کیا ابن الخطاب ہے؟'' جب اسے کسی نے جواب نہیں دیا تو کہنے لگا: لگتا ہے کہ یہ سب قتل ہو گئے ہیں کیونکہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ برداشت نہیں کر سکے چنانچہ فرمایا: اے دشمنِ خدا! جھوٹ بک رہے ہو' اللہ تعالیٰ نے تمہاری ذلّت کا سامان کر رکھا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے ابو سفیان کو جواب دے دیا تو وہ کہنے لگا: عمر! ادھر آؤ' حضور ﷺ نے عمر سے فرمایا: دیکھو تو سہی' کتنے پانی میں ہے' آپ گئے تو ابو سفیان کہنے لگا: عمر! میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں سچ بتاؤ کہ ہم نے محمد کو قتل کر دیا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا: نہیں تو! اس وقت وہ تمہاری گفتگو سن رہے ہیں۔ اس نے کہا: تم میرے نزدیک ابن قمیئہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔ پھر کہنے لگا: آج کا دن بدر کے دن کا جواب سمجھو' بخدا میں نہ اس پر راضی ہوں اور نہ ہی خوش' نہ ہی میں نے حکم دیا اور نہ ہی روکا۔

جب ابو سفیان اور اس کے ساتھی واپس ہونے لگے تو اس نے آواز دی: آئندہ سال موسمِ بدر میں تمہارا ہمارا مقابلہ رہا۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اسے کہہ دو کہ ہمیں تمہارا یہ چیلنج قبول ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ ان لوگوں کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ کیا کر رہے ہیں اور کہاں جانا چاہتے ہیں؟ اگر وہ گھوڑوں کو الگ رکھ کر اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں تو سمجھ لینا کہ وہ مکہ کو جا رہے ہیں اور اگر گھوڑوں پر سوار ہو کر اونٹوں کو ساتھ لئے چلتے ہیں تو مدینے جانے کا ارادہ ہو گا۔ بخدا اگر وہ مدینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو میں ان کے پیچھے چلتا ہوں اور ان کا مقابلہ کروں گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ گئے تو دیکھا کہ وہ گھوڑوں کو ساتھ لئے اونٹوں پر سوار ہیں اور مکہ کی طرف رُخ کئے ہوئے ہیں۔

لوگ مقتولوں کو دیکھ کر گھبرائے اور اپنے ساتھیوں کی تلاش میں پھیل گئے۔ پانچویں باب کی چھٹی فصل میں ان کے بارے میں تفصیل آ رہی ہے۔ مسلمان اپنے مقتول لوگوں کو دیکھ کر روتے تھے اور منافق خوش ہوتے تھے' یہودیوں کا کھوٹ کھل چکا تھا اور منافق ہر طرف دکھائی دیتے تھے۔

جنگ اُحد میں حکمتیں

علماء کہتے ہیں کہ جنگ اُحد میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

☆ ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو بتانا مقصود تھا کہ برائی کی اخیر بری ہوتی ہے اور روکے ہوئے کام کرنے میں شامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ تیر اندازوں سے یہ کوتاہی ہو گئی تھی۔

☆ خود انبیاء علیہم السلام کی آزمائشیں ہوتی رہی ہیں جس میں آخرکار وہی کامیاب ہوتے ہیں۔

☆ منافق ظاہر ہو گئے اور مسلمانوں کو پتہ چل گیا تھا کہ دشمن ان کے اندر بھی ہو سکتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے جنت میں وہ انعامات رکھے ہیں جو عمل کرنے سے نہیں مل سکتے' اسی وجہ سے یہ جنگ ان انعامات تک پہنچنے کا سبب بنا دی۔

☆ ایک یہ کہ شہادت کا مرتبہ اللہ کے دوستوں کا اعلیٰ مرتبہ ہوتا ہے چنانچہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے شہید ہونے کا موقع عطا فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ خود ان کی شہادت کی گواہی دے سکیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُحد کی عظمت بتانے کے لئے قرآنِ کریم میں سورۂ آلِ عمران کے اندر ساٹ آیتیں نازل فرمائیں۔

ابن ابی حاتم' حضرت مسعود بن مخرمہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا' میں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ مجھے یومِ اُحد پر اپنے ساتھ بیتے واقعات تو بتلاؤ تو انہوں نے کہا: سورۂ آل عمران میں ایک سو بیس آیتیں پڑھ لو' سب

کچھ پتہ چل جائے گا جو یہاں سے شروع ہوتی ہیں:

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (تا) اَمَنَةً نُّعَاسًا ۝

(سورۃ آل عمران: ۱۲۱ تا ۱۵۴)

ابوعزّہ جمحی کا قتل

واقعۂ اُحد کے بعد رسول اللہ ﷺ دشمن کو ڈرانے کی غرض سے نکل کر حمراء الاسد تک تشریف لے گئے' اسی دوران ابوعزہ جمحی سامنے آ گیا' حضور ﷺ نے بدر کے دن اس پر یہ احسان فرمایا تھا کہ فدیہ لئے بغیر چھوڑ دیا تھا اور اس سے قسم لے لی تھی کہ کسی اور کو نہ بتائے وہ شاعر تھا' صفوان بن امیہ نے اسے کہا' تم شاعر ہو لہٰذا زبان ہی سے ہماری مدد کرو وہ مجبور کرتا رہا اور آخر کار یہ ان کے ساتھ چلا گیا۔ جب حضور ﷺ نے اسے پکڑا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے چھوڑ دیجئے' فرمایا: بخدا اب تم مکہ نہیں دیکھ پاؤ گے' تم کہتے ہو کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ دھوکے میں رکھا' پھر حضرت زبیر سے فرمایا کہ اس کی گردن اُڑا دو چنانچہ انہوں نے اُڑا دی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے فرمایا تھا: مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈنگ نہیں کھایا کرتا؛' اسے عاصم بن ثابت اس کی گردن اُڑا دو چنانچہ انہوں نے اُڑا دی۔

شراب حرام کر دی گئی

اسی سال میں شراب خوری حرام کر دی گئی' یہ بھی کہتے ہیں کہ آئندہ سال حرام ہوئی' حضرت حافظ ابن حجر کہتے ہیں' لگتا یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ۸ھ میں حرام ہوئی۔

اسی سال حضور ﷺ نے حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا' صحیح یہ ہے کہ شعبان میں ہوا تھا' یہ بھی کہتے ہیں کہ آئندہ سال ہوا تھا جبکہ حضرت زینب بنت خزیمہ اُم المساکین سے رمضان میں نکاح ہوا تھا' وہ آپ کے پاس دو یا تین ماہ ٹھہریں یا آٹھ ماہ تک ٹھہریں اور پھر وصال فرما گئیں۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت بھی اسی سال نصف ماہ رمضان میں ہوئی اور اس کے پچاس راتیں بعد آپ کی والدہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاملہ ہو گئیں۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ واللہ اعلم۔

چوتھا سالِ ہجرت

اس سال کے ماہ محرم میں واقعۂ بیرِ معونہ پیش آیا۔

(قلت) بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بنو رعل' ذکوان' عصیّہ اور

بنولحیان آئے' ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہیں' انہوں نے اپنی قوم کی اصلاح کے لئے مدد مانگی چنانچہ حضورﷺ نے اس غرض سے ستر انصاری روانہ فرما دیئے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ انہیں ہم ''قراء'' کہتے تھے۔ دن کو وہ لکڑیاں اکٹھی کرتے اور رات کو نوافل پڑھتے' وہ انہیں لے چلے۔ جب بیرِ معونہ پر پہنچے تو دھوکے سے انہیں قتل کر دیا چنانچہ رسول اکرمﷺ مہینہ بھر رعل' ذکوان اور بنولحیان کے لئے دعاءِ تباہی فرماتے رہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ امداد مانگنے والوں نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا بلکہ ان کا حضورﷺ سے معاہدہ تھا' قاتل کوئی اور تھے البتہ ان کی قوم ہی سے تھے۔ سیرت کی کتابوں میں یہی ہے۔ ابن اسحاق نے المغازی میں اور یونہی موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب کے ذریعے دونوں گروہوں کے نام بتائے تھے نیز یہ بتایا ہے کہ معاہدہ والے لوگ بنو عامر تھے جن کا رئیس ابو براء عامر بن مالک بن جعفر تھا جو مُلَاعِبُ الْاَسِنَّه (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا جبکہ دوسرا گروہ بنوسلیم سے تھا۔ عامر نے نبی کریمﷺ کے صحابہ سے دھوکے کی ٹھانی اور بنو عامر کو ان کے قتل کی دعوت دی' وہ رُک گئے اور کہنے لگے کہ ہم ابو براء کی ضمانت نہیں توڑیں گے' اس پر بنوسلیم میں سے بنو عصیہ اور بنو ذکوان کو اس نے چلا کر بلایا تو انہوں نے بات مان لی اور صحابہ کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عامر بن طفیل کی اس حرکت پر افسوس کرتے ہوئے ابو براء فوت ہو گیا' یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ابو براء مسلمان ہو گئے تھے چنانچہ لڑتے لڑتے قتل ہو گئے جبکہ عامر بن طفیل عرصہ تک زندہ رہا اور حضورﷺ کی دعاءِ تباہی کی وجہ سے کافر ہی مر گیا' اسے گویا اونٹوں کی طاعون والی بیماری لگ گئی تھی۔

یہ سب قاری حضرات انصار میں سے نہ تھے بلکہ کچھ مہاجرین میں سے بھی تھے جیسے حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ' نافع بن ورقاء خزاعی وغیرہ۔ اس کا ثبوت بھی صحیح بخاری سے ملتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

پھر صفر میں ''غزوۃ الرجیع'' واقع ہوا۔

غزوۂ الرجیع

(قلت) ابن اسحاق نے اسے تیسرے سال بیرِ معونہ کے واقعہ سے قبل بتایا ہے' رجیع ھذیل کے علاقے میں ایک مقام کا نام ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اس کے بعد غزوۂ بنونضیر ہوا تھا۔

غزوۂ بنونضیر

(قلت) بعض نے یہ غزوہ اُحد سے قبل ۳ھ ہجری میں بیان کیا ہے' زہری کہتے ہیں کہ واقعۂ بدر کے ۶ ھ بعد احد سے پہلے واقع ہوا تھا۔ ابن اسحاق نے اسے ۴ ھ ہجری میں واقعۂ بیرِ معونہ کے بعد بتایا ہے۔

اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہﷺ ایک دیت کے سلسلے میں بات کرنے بنونضیر کے پاس تشریف لے

گئے اور ان کی ایک دیوار کی طرف بیٹھے' انہوں نے آپس میں سکیم بنائی اور عمرو بن جحاش سے کہا کہ اوپر چڑھ کر آپ پر پتھر لڑھکا دے۔ آپ کو آسمانی اطلاع ہو گئی چنانچہ کسی غرض کے بہانے سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے صحابہ سے فرمایا کہ چلے چلو اور پھر تیزی سے مدینہ واپس تشریف لے آئے پھر ان سے لڑنے کا حکم دیا اور ساتھیوں کو وہیں رہنے کا فرمایا نیز حکم دیا کہ وہاں کی کھجوریں کاٹ کر جلا دیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ نے چھ راتوں تک ان کا محاصرہ کئے رکھا' انہوں نے درخواست کی کہ انہیں جلا وطن کر دیں اور اتنا مال لے جانے دیں جو ان کے اونٹوں پر لادا جا سکے چنانچہ اس بات پر صلح ہو گئی۔ پھر خیبر اور شام کی طرف چلے گئے۔ باقی مال صرف حضور علیہ السلام کو پیش کر دیا گیا۔

ابن اسحاق نے یہ واقعہ بیان کر کے بڑے بڑے اہلِ مغازی سے اتفاق کیا ہے' اس سلسلے میں سب سے صحیح روایت ابن مردویہ کی ہے کہ ان لوگوں نے مل کر دھوکے کی ٹھانی چنانچہ حضور علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ اپنے تین ساتھی لے کر ہمارے پاس آئیں' ہماری طرف سے تین عالم آپ سے بات کریں گے' اگر انہوں نے آپ کی بات مان لی تو ہم آپ کی فرمانبرداری کریں گے۔ ان تینوں یہودیوں نے خنجر لے لئے۔ اسی دوران بنو نضیر میں سے ایک عورت نے انصار میں اپنے بھائی سے (جو مسلمان تھا) بنو نضیر کی اس ارادے کا ذکر کر دیا' اس کے بھائی نے حضور علیہ السلام کو اطلاع کر دی حالانکہ آپ ابھی ان کے پاس نہیں پہنچے تھے۔

آپ واپس تشریف لے آئے اور اگلے دن ایک دستہ ان کی طرف بھیجا جنہوں نے اس پورے دن ان کا محاصرہ کئے رکھا پھر اگلے دن بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور ان سے معاہدہ طے پا گیا' آپ ان سے ہٹ کر بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے' ان سے جنگ کی اور آخرکار انہوں نے چلے جانے کا فیصلہ کیا اور یہ شرط بھی مانی کہ وہ ہتھیاروں کے علاوہ وہی کچھ اُٹھائیں گے جو ان کے اونٹ اُٹھا سکیں چنانچہ انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے اُٹھا لئے' وہ اپنے گھروں کو اکھاڑتے وقت گھر گرا کر اپنے ساتھ لکڑیاں وغیرہ لے گئے۔ یہ شام کی طرف جانے والوں کی پہلی جلاوطنی تھی۔

اس میں حضرت عکرمہ کی روایت کے مطابق ان کا یہ غزوہ کعب بن اشرف کے قتل کی صبح ہوا تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو حضور علیہ السلام کے خلاف بھڑکانے کے لئے خط لکھا لیکن نبی کریم علیہ السلام سے دھوکا کی اطلاع نہ دی اور جب حضور علیہ السلام نے کھجوریں جلا دیں تو انہیں شرمسار کرتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"بنو لوی کے سرداروں کے لئے بویرہ میں آگ جلانا آسان ہو گیا کیونکہ وہ بکھر چکے تھے۔"

ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب نے اس کا جواب یوں دیا: (وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے)۔

"اللہ یہ جلانا ہمیشہ جاری رکھے اور بویرہ کے اردگرد آگ جلتی رہے' جلد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کون آرام میں ہے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا ہماری کون سی زمین ضرر والی ہے۔"

یعنی عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ان سے دور کون ہے' کون سی زمین ہماری ہے یا تمہاری ہے' اسے نقصان پہنچے گا کیونکہ بنو نضیر جب خرابی کرتے تھے تو ساتھ والی زمین کو نقصان پہنچاتے تھے' وہ انصار کی زمین تھی' قریش کی نہ تھی۔

ابن سید الناس نے ابو عمرو شیبانی سے نقل کیا ہے کہ پہلا شعر جو حضرت حسان کی طرف منسوب ہے' ابو سفیان بن حارث کا تھا اور جب حضرت حسان نے اسے پڑھا تو ھَانَ کی بجائے انہوں نے یہاں عَزَّ پڑھ دیا اور بتایا کہ شعر میں موجود لفظ بُوَیْرَہ کی جگہ بُوَیْلَہ روایت کیا گیا پھر یہ بھی لکھا کہ جواب میں دو اشعار حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے تھے لیکن جو ہم نے بتایا وہ بخاری کی روایت ہے۔

اس کے بعد ابن سید الناس نے لکھا کہ شیبانی کا کہا زیادہ صحیح ہے۔

(قلت) لگتا ہے کہ شیبانی نے اس بات کو بعید جانا ہے کہ حالت کفر میں ابو سفیان بنو نضیر کے خلاف بددعا کرتا اور ہم اس کی وجہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

بنو نضیر کے اشراف لوگ بنو الحقیق اور حیی بن اخطب تھے' یہ خیبر جانے والوں میں شامل تھے' اہلِ خیبر نے ان کی اطاعت کی تھی' ان میں سے یامین بن عمیر اور ابو اسعد بن وھب مسلمان ہو گئے تھے چنانچہ ان کا مال ان کے پاس رہنے دیا گیا۔

ابن شبہ بحوالہ کلبی کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے بنو نضیر کے اموال پر قبضہ کر لیا تو انصار سے فرمایا کہ تمہارے مہاجر بھائیوں کے پاس مال نہیں ہے' تم کہو تو میں یہ اموال تمہارے اور ان کے درمیان تقسیم کر دوں اور اگر کہو تو تمہارے مال تمہارے پاس رہیں اور یہ مال ان میں تقسیم کر دیں۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ یہ مال انہی میں تقسیم کر دیں اور کچھ ہم سے لے کر بھی دے دیں چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۞

"اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں آپ نے یہ مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیا البتہ سہل بن حنیف اور ابو دجانہ نے اپنی ضرورت بتائی تو آپ نے اس میں سے ان کو بھی دیا تھا۔ (واللہ اعلم)۔

اسی سال حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

(قلت) مشہور یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۳ھ ہجری میں ہوئی تھی جیسے ہم بتا چکے۔ (واللہ اعلم)۔

اسی سال میں بدر کا واقعہ ہوا جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔

(قلت) یہ تیسرا واقعۂ بدر تھا جیسے گذر چکا۔ (واللہ اعلم)۔

اسی سال سلام بن مشکم یعنی ابو رافع قتل ہوا' اسے عبد اللہ بن ابو الحقیق کہا جاتا تھا' عبید اللہ بن عتیک کے دستہ میں شامل تھا۔

اسی سال حضور ﷺ نے دو یہودیوں کو سنگسار کیا جن میں ہر ایک زنا کا الزام دوسرے پر لگا رہا تھا۔

حضرت اُمّ سلمہ ہند بنت ابو امیہ سے شادی

(قلت)اسی سال شوال میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُم سلمہ ہند (یہ بھی ہے کہ رملہ سے شادی کی) بنت ابو امیہ سے شادی کی' آپ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اپنے شوہر ابو سلمہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی پھر مدینہ کی طرف ہجرت کر آئیں۔ابو عمرو کہتے ہیں کہ آپ نے بدر کے بعد ۲ھ میں شوال کو شادی کی تھی۔

غزوۂ ذات الرقاع

اسی سال میں غزوۂ ذات الرقاع ہوا' ابن اسحٰق کے مطابق بنونضیر کے واقعہ کے دو ماہ بعد یہ واقعہ ہوا تھا' کچھ کہتے ہیں ۵ھ ہجری کو ہوا تھا' امام بخاری نے اسے خیبر کے بعد بتایا ہے کیونکہ ان کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس میں شامل تھے' یہ اصحابِ سفینہ سے تھے' یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دو واقعے ہوں۔(واللہ اعلم)۔

پانچواں سالِ ہجرت

☆ اسی سال میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان کی غلامی ختم فرمائی۔

☆ اسی سال دومۃ الجندل کے لئے تشریف لے گئے' کوئی مقابلہ پر نہ آیا تو واپس تشریف لے آئے۔

☆ اسی سال میں حضرت ام سعد بن عبادہ فوت ہوئیں

اسی سال جمادی الآخرہ میں چاند گہن ہوا اور آپ نے لوگوں کو نماز کسوف الشمس پڑھائی۔

(قلت)یہودی تانبے کے برتن بناتے تھے اور کہتے تھے کہ چاند کو جادو ہو گیا ہے۔ابن حبان نے اپنی صحیح میں لکھا کہ حضور ﷺ نے چاند گہن کے لئے نماز پڑھی تھی۔(واللہ اعلم)۔

☆ اسی سال قریش پر قحط پڑا' آپ نے ان کی طرف چاندی بھیجی' یہ انہیں بہلانے کے لئے تھی۔

☆ اسی سال میں بلال بن حارث مزنی کا وفد آیا' یہ کسی مسلمان کا مدینہ میں پہلا وفد تھا۔

☆ اس کے بعد ضمام بن ثعلبہ آئے۔

☆ اسی سال غزوۂ مریسیع واقع ہوا' یہ ماہِ شعبان تھا۔

☆ اسی میں آیت تیمّم نازل ہوئی کیونکہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہو جانے کا واقعہ ہوا تھا۔

(قلت) آگے آ رہا ہے: زیادہ واضح یہی معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بنو المصطلق یہی تھا۔(واللہ اعلم)۔

غزوۂ خندق

(قلت) اسی سال غزوۂ خندق ہوا' ابن اسحاق نے یہی لکھا ہے اور قابلِ بھروسہ یہی بات ہے۔موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ شوال ۴ھ ہجری کو ہوا۔نووی نے اسے ''روضہ'' میں صحیح قرار دیا ہے۔

اسے خندق اس لئے کہا گیا کیونکہ حضورﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اشارے سے اسے کھدوایا تھا' اسے احزاب بھی کہتے ہیں کیونکہ مشرکین کے بہت سے قبیلے اس جنگ کے لئے تیار ہوئے تھے' یہی وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے احزاب کا نام دیا تھا' اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب کی ابتدائی آیات اُتاری تھیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حُیَیّ بن اخطب جب بنونضیر کے گروہ کو لے کر خیبر سے مکہ کو نکلا تو انہوں نے قریش کو جنگ کے لئے بھڑکایا' کنانہ بن ابوالحقیق دوڑتا ہوا بنوغطفان کی طرف گیا اور انہیں رسول اللہ کے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے بھڑکایا' شرط یہ طے ہوئی تھی کہ انہیں خیبر کا نصف پھل دیں گے' اسے عیینہ بن حصن فزاری نے قبول کر لیا اور بنواسد کے اپنے حلیفوں کو لکھا جس کے نتیجے میں طلیحہ بن خویلد نے یہ بات مان لی چنانچہ ابوسفیان قریش کو لے کر نکلا اور وہ ''مرالظہر ان'' میں اُترے' وہاں ان کے پاس بنوسلیم کے لوگ آئے جنہوں نے ان کی بات مانی تھی' انہوں نے ان سے مدد مانگی تھی چنانچہ یہ ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا (ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد دس ہزار تھی جبکہ مسلمان تین ہزار تھے) نیز کہتے ہیں کہ مسلمان ایک ہزار تھے اور مشرکین چار ہزار تھے۔ موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ قریش نے تقریباً بیس دن تک خندق کا محاصرہ کئے رکھا' قریش' رومہ بنی جرف' زغابہ' غطفان اور اہلِ نجد کے تابعداروں کے ہمراہ اُحد کی ایک جانب آ ٹھہرے۔ ابن مردویہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق عیینہ غطفان میں اور نجدیوں کے ہمراہ اُحد کی جانب باب نعمان میں اُترے' رسول اللہﷺ اور مسلمان نکلے' یہ سلع کی طرف پشت کر کے اور خندق کو سامنے رکھتے ہوئے ٹھہرے' عورتیں اور بچے قلعوں میں پابند کر دئے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش دس ہزار کا لشکر لے کر اُترے' ان کے ساتھ بنوکنانہ و بنوتہامہ تھے' عیینہ غطفان میں اُترے۔

طبرانی' رافع بن خدیج کے حوالے سے لکھتے ہیں' انہوں نے بتایا کہ بنوحارثہ کے قلعہ سے کوئی بھی قلعہ مضبوط نہ تھا چنانچہ نبی کریمﷺ نے عورتوں اور بچوں کو اس میں محفوظ کر دیا اور فرمایا: اگر کوئی بھی موجود نہ ہو تو تلوار سے مدد لینا چنانچہ ان عورتوں کی طرف بنوثعلبہ بن سعد میں سے ایک آدمی آیا جسے نجدان کہتے تھے' یہ بنوجحاش میں سے تھا' یہ گھوڑے پر آیا اور عین قلعے پر پہنچ گیا اور عورتوں سے کہنے لگا: میرے پاس آ جاؤ' تمہارے لئے بہتر ہوگا چنانچہ انہوں نے اپنی تلواریں تان لیں' رسول اللہﷺ کے صحابہ نے اسے دیکھ لیا تو ایک جماعت تیزی سے قلعے کی طرف گئی جن میں بنوحارثہ کا ایک شخص تھا جسے ظفر بن رافع کہا جاتا تھا' اس نے کہا اے نجدان! جنگ کے لئے آؤ چنانچہ وہ سامنے آیا' ظفر نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر قلم کر کے نبی کریمﷺ کے سامنے لا رکھا۔

بزاز نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہﷺ خندق کی طرف آنے لگے تو عورتوں اور اپنی پھوپھی صفیہ کو ایک قلعے میں محفوظ کر دیا جسے ''فارع'' کہا جاتا تھا' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو نگران بنایا' ایک یہودی اُوپر چڑھا اور اُوپر سے سرکار دو عالمﷺ کی عورتوں اور پھوپھی کی طرف جھانکا' حضرت صفیہ

رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے حسان! اس کی طرف دھیان کرو اور اسے قتل کر دو' انہوں نے کہا: مجھ میں یہ ہمت نہیں' اگر ممکن ہوتا تو میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوتا' حضرت صفیہ نے فرمایا تو پھر تلوار میرے بازو سے باندھ دو' چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا اور سر تن سے جدا کر دیا اور آپ سے فرمایا کہ سر پکڑ کر یہودیوں کی طرف پھینک دو۔ انہوں نے کہا کہ مجھ میں تو ہمت نہیں چنانچہ خود انہوں نے سر لے کر یہودیوں کی طرف پھینک دیا جس پر یہودیوں نے کہا: ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ نے اپنی عورتوں کو مردوں کی حفاظت کے بغیر نہیں چھوڑا چنانچہ وہ تتر بتر ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خندق کے دن حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے قلعہ میں محفوظ تھیں' قلعے کا نام ''فارع'' تھا۔ اس کے بعد باقی حدیث بیان کی' یہودی کے قتل کا قصہ ذکر کیا اور بتایا کہ حضرت صفیہ نے حضرت حسان سے کہا تھا کہ آگے بڑھو اور اس کا سامان چھین لو' انہوں نے کہا تھا کہ مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔

طبرانی نے یہ قصہ غزوۂ اُحد میں لکھا ہے لیکن اہل سیرت نے اسے خندق میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ کچھ صحابہ بنو حارثہ کے قلعے میں تھے اور کچھ ''فارع'' میں اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جب یہودی کو قتل کر کے فارغ ہوئیں اور قلعہ میں آ گئیں تو حضرت حسان سے فرمایا کہ اس کا سامان اُتار لو کیونکہ مرد کا سامان اُتارنا میرے لئے مناسب نہیں۔ انہوں نے کہا تھا: اے عبد المطلب کی بیٹی! مجھے سامان کی ضرورت نہیں۔

حضرت سہیلی لکھتے ہیں کہ لوگوں کے ہاں اس حدیث کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت حسان بہت بزدل تھے جبکہ علماء نے اس اعتراض کا رد کیا ہے اور اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت حسان کی ہجو لکھی جاتی کیوں کہ آپ شعراء کی ہجو لکھا کرتے تھے' لوگ اس ہجو کا جواب دیتے' انہیں کسی نے بھی بزدل نہیں کہا اور اگر یہ بات صحیح ہے تو شاید حضرت حسان اس دن ایسی بیماری میں مبتلا تھے جس نے آپ کو جنگ میں شمولیت سے روک دیا تھا۔ انتہٰی۔

طبرانی نے بذریعہ عروہ لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی عورتوں کو مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں محفوظ کر دیا' حضرت حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے تو انہیں عورتوں کے پاس ٹھہرا دیا چنانچہ انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر باقی واقعہ لکھا۔

خندق میں اس واقعہ کو بیان کرنے والے ابن اسحاق ہیں' اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہود کی غداری صرف خندق میں ہوئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ حیی بن اخطب بنو قریظہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس وقت تک ان کے پاس رہا جب تک وہ غدار نہیں بن گئے۔ مسلمانوں کو ان کی غداری کا پتہ چل گیا چنانچہ ان پر سخت بلاء نازل ہوئی اور محاصرہ سخت ہو گیا اور معتب بن قشیر (بنو عمرو بن عوف کا بھائی بند) نیز اوس بن قیظی (بنو حارثہ کا بھائی بند) وغیرہ نے منافقانہ بات کی' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری تھی:

وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا٥

(سورۂ احزاب:۱۲)

"اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا' ہمیں اللہ و رسول نے وعدہ نہ دیا تھا مگر فریب کا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کے پاس اوپر سے آنے والے بنو قریظہ تھے اور نچلی طرف سے قریش اور بنو غطفان تھے' حیی بن اخطب' کعب بن اسد کے پاس پہنچا جس نے بنو قریظہ کی طرف سے معاہدہ کر رکھا تھا چنانچہ اس نے حیی کے لئے دروازہ نہیں کھولا بلکہ اسے کہا: میں نے تو محمد کو جب بھی دیکھا ہے وہ وعدہ پورا کرتے ہیں اور بات سچی کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے پاس حالات کی تبدیلی بتانے آیا ہوں' میں یہ بتانے آیا ہوں کہ قریش اور غطفان کے سردار اور آقا لوگوں نے مجھ سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک محمد اور اس کے ساتھیوں کو جڑ سے اُکھاڑ نہیں پھینکتے' آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ کعب نے اسے کہا کہ بخدا تم ہمیں بدنام کرنے آئے ہو' تم ہمارے پاس گویا خالی بادل لے کر آئے ہو جو گرجتا اور چمکتا ہے لیکن اس میں کوئی بھی شے نہیں ہوتی۔ حیی پھر بھی اصرار کرتا رہا اور آخرکار اس نے حضرت محمد ﷺ سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور معاہدہ کا انکار کر دیا جس سے مسلمان خوف میں مبتلا ہو گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس دوران قریش اور مسلمانوں میں صرف تیر پھینکنے تک جنگ ہوتی رہی۔ اسی دوران عمرو بن عبد ودّ عامری ساتھی گھوڑ سواروں کو لے کر اس مقام سے خندق میں داخل ہو گیا جہاں سے خندق کی چوڑائی کم تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جنگ کی دعوت دی اور پھر قتل کر دیا پھر نوفل بن عبد اللہ بن مغیرہ مخزومی آگے آیا جسے حضرت زبیر نے للکارا اور قتل کر دیا' یہ بھی کہتے ہیں کہ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور باقی گھوڑا سوار بھاگ گئے' یہ بھی کہتے ہیں کہ تین دن تک سخت لڑائی ہوتی رہی اور پھر رات درمیان میں آ گئی خصوصاً تیسرے دن کی لڑائی بہت سخت تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی عصر اور مغرب کی نمازیں رہ گئیں' کہتے ہیں کہ ظہر کی بھی رہ گئی تھی اور یہ اس فرمان نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا٥ (سورۂ بقرہ:۲۳۹)

"پھر اگر خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار جیسے بن پڑے۔" (نماز پڑھو)

حضرت مالک کہتے ہیں کہ خندق کے دن چار یا پانچ اور ایک قول کے مطابق چھ افراد شہید ہوئے' وہ حضرات یہ تھے: حضرت سعد بن عبادہ جیسے کہ آ رہا ہے' حضرت انس بن اوس بن عتیک' حضرت عبد اللہ بن سہیل (یہ حضرات بنو عبد الاشہل میں سے تھے) حضرت ثعلبہ بن غنمہ' حضرت طفیل بن نعمان (یہ دونوں بنو سلمہ میں سے تھے) اور حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہم (ان کا تعلق بنو دینار بن نجار سے تھا)۔

دونوں فریقوں میں حملے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اہلِ قباء میں سے بنو عمرو بن عوف کا ایک آدمی مر گیا تو اس

کے رشتہ داروں نے حضورﷺ سے اسے دفن کرنے کی اجازت مانگی' آپ نے اجازت دے دی' جب وہ صحراء کی طرف میت دفن کرنے کے لئے چلے تو ضرار بن خطاب اور مشرکوں کی ایک جماعت سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا' انہیں ابوسفیان نے بنو قریظہ کی طرف اس لئے بھیجا تھا کہ اس کے مال والے اونٹوں کے بارے میں بات کریں' کچھ اونٹوں پر انہوں نے گندم لا دی تھی' کچھ پر جَو' کچھ پر کھجوریں اور کچھ پر چارا رکھا تھا' جب وہ قباء کے میدان میں پہنچے تو ان لوگوں سے ملاقات ہو گئی جو میت دفن کر رہے تھے' مسلمانوں نے ان سے مقابلہ کیا اور ان پر غالب ہو گئے' ضرار کو کئی زخم آئے چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی بھاگ گئے اور مسلمان سامان سمیت اونٹوں کو ہانک لائے اور رسول اللہﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یوں مسلمانوں کو بہت سا غلہ ہاتھ آ گیا۔

نعیم بن مسعود اشجعی اسلام لائے

پھر نعیم بن مسعود اشجعی کو حضورﷺ کی خدمت میں لایا گیا' وہ اسلام لا چکے تھے لیکن ان کی قوم کو معلوم نہ تھا: آپ نے اسے فرمایا کہ انہیں لڑائی سے ہٹاؤ چنانچہ وہ بنو قریظہ کی طرف گئے' وہ ان کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے' انہوں نے بنو قریظہ سے کہا کہ تم میری محبت جانتے ہو؟' انہوں نے کہا' ہاں' اس نے کہا کہ قریش اور غطفان کے یہ شہر ملکیت نہیں ہیں' جب بھی انہیں موقع ملا وہ انہیں لوٹیں گے ورنہ وہ اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور تمہیں محمد کے مقابلے میں اکیلے چھوڑ جائیں گے' تمہیں تو ان کے مقابلہ کی طاقت ہی نہیں ہو گی۔ بنو قریظہ نے کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ نعیم نے کہا کہ تم ان کے ساتھ مل کر نہ لڑو جب تک ان سے شرطیں طے نہیں کر لیتے۔ بنو قریظہ نے اُن کی رائے قبول کر لی۔

اس کے بعد وہ قریش کی طرف چلے گئے اور ان سے کہا کہ یہودی محمد سے غداری پر پریشان ہیں چنانچہ انہوں نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ ان کی طرف رجوع کر لیں' انہوں نے مجھے بھیجا ہے کہ ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک تم قریش سے شرائط نہیں طے کرتے' ورنہ ہم تم سے لڑیں گے' پھر غطفان سے بھی ایسی ہی بات کی۔

صبح ہوئی تو ابوسفیان نے عکرمہ بن ابوجہل کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا کہ ہمارا یہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا ہے اور کھانے پینے کو کچھ نہیں رہا لہٰذا جلد آؤ کہ ہم محمد سے مقابلہ کر سکیں۔ بنو قریظہ نے کہا کہ آج تو ہفتہ ہے' آج ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ ان گروہوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت آندھی بھیجی' ان کے سب خیمے اکھڑ گئے' برتن اُلٹ پلٹ ہو گئے' نہ ٹھہرنے کو جگہ رہی اور نہ آگ جلانے کو چولہا رہا چنانچہ ابوسفیان اُٹھا اور کہنے لگا اے قریش! تم کسی کام نہ آئے' سب کچھ برباد ہو گیا ہے' بنو قریظہ نے ہم سے اختلاف کیا ہے' تم دیکھ رہے کہ آندھی نے ہمارا برا حال کر دیا ہے تو چلو یہاں سے' میں بھی چلتا ہوں۔ قریش نے اپنا سامان اُٹھایا' آندھی نے ان کا سامان اُڑا دیا تھا۔ ادھر غطفان نے قریش کے بارے میں سن لیا تو وہ بھی اپنے علاقوں کو چلے گئے۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد قریش تم سے نہیں لڑیں گے۔

مدینہ ہی کی خبروں میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں نے کفار کی جماعتوں کا پیچھا کیا اور وہ روحاء تک جا پہنچے' وہ پیچھے سے انہیں ہانکتے گئے چنانچہ وہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔(واللہ اعلم)۔

اس کے بعد غزوۂ بنو قریظہ ہوا۔

غزوۂ بنو قریظہ

(قلت) الاکتفاء میں ہے کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ خندق سے مدینہ کو واپس ہوئے' مسلمان ہمراہ تھے' ظہر کا وقت ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔ابن عقبہ کے مطابق جب جبریل حاضر ہوئے تو آپ غسل فرما رہے تھے پھر آپ نے سر کے ایک طرف کنگھی کی تو جبریل گھوڑے پر آئے' وہ کسی تیاری میں تھے' چہرہ گرد آلود تھا' مسجد کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے جہاں جنازہ کا مقام تھا۔رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو جبریل نے عرض کی: اللہ آپ کی بخشش فرمائے' کیا آپ نے ہتھیار اتار دئے ہیں؟ فرمایا ہاں اتار دئے ہیں۔جبریل نے عرض کی: ابھی تک فرشتوں نے تو نہیں اتارے' آپ کی قوم کو ابھی ہماری ضرورت ہے۔اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ بنو قریظہ کی طرف چلے جایئے' میں بھی جا رہا ہوں اور انہیں ہلا کر رکھدونگا اھ۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جبریل نے عرض کی' میں ان کی طرف جا رہا ہوں اور انہیں ہلا کر رکھ دوں گا چنانچہ جبریل اور دوسرے فرشتے پیچھے چلے جن کی وجہ سے انصار کے قبیلہ بنو غنم کی گلیوں میں غبار اُٹھا' غبار کا یہ قصہ بخاری شریف مذکور ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گویا میں اب بھی وہ غبار دیکھ رہا ہوں جو جبریل کے لشکر کی وجہ سے بنو غنم کی گلیوں میں اُڑا تھا۔

ابن سعد نے کہا نبی کریم ﷺ اور بنو قریظہ کے درمیان معاہدہ تھا' جب انہوں نے اپنے گروہ دیکھے تو انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور جب اللہ نے ان گروہوں کو شکست دے دی تو وہ قلعہ میں بند ہو گئے۔حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ بنو قریظہ کی طرف چلئے' آپ نے فرمایا کہ ابھی میرے صحابہ تھکے ہوئے ہیں۔انہوں نے عرض کی: آپ چلئے تو سہی' میں تو انہیں ذلیل کر دونگا چنانچہ جبریل اور ان کے ساتھی پیچھے مڑے تو انصار کے بنو غنم قبیلہ کی گلیوں میں غبار اُڑتا دکھائی دیا۔

(قلت) ان کی گلیاں جنازگاہ میں کی مشرقی جانب تھیں جیسے ان کے گھروں کے ذکر میں آیا ہے۔(واللہ اعلم)۔

ایک روایت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمان خندق سے واپس آئے اور ہتھیار اُتار کر رکھ دئے تو حضرت جبریل علیہ السلام استبرق کا عمامہ سر پر باندھے ایک خچر پر بیٹھے آئے جس پر ریشم کا زین ڈالا ہوا تھا اور پوچھا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ابھی سے ہتھیار اُتار دئے ہیں؟ فرمایا' ہاں۔عرض کی کہ ابھی تک فرشتوں نے تو ہتھیار نہیں اُتارے' میں قوم کا کام پورا کئے بغیر نہیں جاؤنگا' اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ کی طرف چلیں۔

حضورﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جو بھی سنتا مانتا ہے' اسے نمازِ عصر بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھنا ہو گی' بنو قریظہ کی طرف جاتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا لے کر آگے آ گئے' لوگ جلدی سے جمع ہو کر چل پڑے۔ حضورﷺ نے ایک روایت کی بناء پر پچیس دن تک ان کا محاصرہ کئے رکھا' دوسری روایت میں پندرہ دن کا ذکر ہے جبکہ حضرت ابن سعد دس دن بتاتے ہیں۔ وہ محاصرہ سے تنگ آ گئے اور ان کے دلوں پر رعب چھا گیا تو ان کا رئیس کعب بن اسد ان کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ یا تو تم لوگ محمد (ﷺ) پر ایمان لے آؤ کیونکہ واللہ وہ نبی ہیں یا پھر تم اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دو اور لڑتے ہوئے واپس ہو جاؤ' سامان ساتھ نہ لو' ہفتہ کی رات مسلمانوں کے پاس گذارو! بنو قریظہ نے کہا کہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی ہفتہ کے دن کو حلال بنائیں گے اور اگر ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیں تو ہمارا جینا کس کام کا؟ چنانچہ انہوں نے قبیلۂ اوس کے بنو عمرو بن عوف کے بھائی بند ابولبابہ بن عبد المنذر کی طرف پیغام بھیجا' وہ ان کے حلیف تھے' ان سے رسول اللہﷺ کی بات ماننے کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے حلق کی طرف اشارہ کیا' پھر شرمسار ہوئے مسجد نبوی کی طرف چل پڑے اور وہاں اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا جو آج کل انہی کے نام سے مشہور ہے اور توبہ قبول ہونے تک وہیں بندھے رہے۔

شہدائے غزوۂ بنو قریظہ

مسلمانوں میں سے خلاد بن سوید (بنو حارث بن خزرج سے تعلق تھا) شہید ہوئے' ان پر بنو قریظہ کی ایک عورت نے چکی پھینک دی تھی جس نے انہیں قتل کر دیا' حضورﷺ نے بعد میں اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا جبکہ محاصرے میں ابو سنان بن محصن اسدی (عکاشہ بن محصن کے بھائی) فوت ہو گئے' انہیں رسول اللہﷺ نے بنو قریظہ کے اس قبرستان میں دفن کرا دیا جس میں سلمان اس وقت دفن کئے گئے تھے جب وہ وہاں رہتے تھے' ان کے علاوہ کوئی اور فوت نہیں ہوا تھا۔

بنو قریظہ حکم رسول ماننے پر مجبور ہو گئے

جب محاصرہ ان کے لئے زیادہ دشوار ہو گیا تو وہ حکم رسول اللہﷺ ماننے پر تیار ہو گئے چنانچہ اوس نے کہا: جو کچھ بنو قینقاع کے ساتھ ہوا' تم جانتے ہی ہو۔ انہوں نے کہا کیا تم اپنے ہی ایک شخص کے فیصلے کو مان جاؤ گے؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سعد بن معاذ ہیں۔ حضرت سعد ان دنوں خندق کے موقع پر بازو میں تیر لگنے کی وجہ سے زخمی تھے' وہ اپنی قوم میں آئے' انہوں نے آپ کو گدھے پر بٹھا لیا اور یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ: اے ابو عمرو! اپنے غلاموں سے اچھا سلوک کرنا کیوں کہ رسول اللہﷺ نے آپ کے ذمے یہ فیصلہ لگایا ہے جب بار بار انہوں نے زور دیا تو آپ نے کہا کہ اب سعد پر لازم ہے کہ اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرے اور صحیح فیصلہ کرے۔

بنو قریظہ کے بارے میں حضرت سعد کا فیصلہ

حضرت سعد حضورﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فیصلہ ان پر چھوڑ دیا جس پر انہوں نے عرض کی کہ میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے آدمی قتل کر دئے جائیں' مال تقسیم کر دیا جائے اور ان کی عورتیں اور اولادیں قید کر لی جائیں۔ یہ سن کر حضورﷺ نے فرمایا کہ تم نے ان کے بارے میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے پھر انہیں نکال لیا گیا اور رسول اللہﷺ نے انہیں مدینہ میں قید کر دیا پھر مدینہ کے بازار میں تشریف لے گئے اور وہاں ان کے لئے گڑھے کھدوائے اور پھر انہیں منگوا کر انہی گڑھوں میں سر قلم کر دئے گئے' حیی بن اخطب بھی انہی میں شامل تھا کیونکہ اس نے کعب بن اسد سے عہد کر رکھا تھا کہ اگر قریش اور غطفان واپس ہوئے تو میں قید خانہ میں تمہارے ساتھ ہونگا تا کہ جو برتاؤ تمہارے ساتھ ہو گا' میرے ساتھ بھی ہو سکے اور جب گروہ چلے گئے تو یہ اس کے ساتھ قید خانے میں داخل ہو گیا اور وہیں رہا پھر آپ نے ان کی عورتوں میں سے صرف ایک کو قتل کیا جس نے خلاد بن سوید پر چکی گرائی تھی۔

ابن سعد نے بحوالہ حمید بن ہلال روایت کی کہ حضرت سعد بن معاذ نے یہ بھی فیصلہ دیا تھا کہ ان کے گھر مہاجرین کو دے دئے جائیں' انصار کو نہ دئے جائیں' اس پر انصار نے انہیں ملامت کی تھی چنانچہ انہوں نے کہا تھا: مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ تمہارے گھروں سے بے نیاز ہو جائیں۔

بنو قریظہ کے مقتولوں کی تعداد

ان کی تعداد میں اختلاف ہے' ابن اسحاق چھ سو لکھتے ہیں' ابن عائذ سات سو بتاتے ہیں' سہیلی بڑھا چڑھا کر سات سو سے آٹھ سو تک بتاتے ہیں' ابن ماجہ کہتے ہیں کہ چار سو تھے۔

زبیر بن باطا قرظی' ثابت بن قیس بن شماس کے ہاں سے دورِ جاہلیت میں یومِ بعاث کے موقع پر گذرے تھے اور جب بنو قریظہ قتل کر دئے گئے تو ثابت ان کے پاس آیا' وہ اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا' اسے وہ وقت یاد دلایا' پھر گئے اور رسول اللہﷺ سے انہیں مانگ لیا جس پر آپ نے انہیں دے دیا تھا' انہوں نے عرض کی تھی کہ یا رسول اللہ یہ بوڑھے شخص ہیں' اس کی بیوی بچے نہ ہوئے تو زندگی کس کام کی؟ چنانچہ آپ نے اس کے بیوی بچے دے دیئے تھے۔ پھر عرض کی تھی کہ حجاز والوں کے پاس تو کوئی مال نہیں' ان کا گذر کیسے ہو گا؟ چنانچہ اسے بھی مال دے دیا' وہ آئے اور اسے جتایا اور کہا اے ثابت! فلاں فلاں نے کیا کیا؟ اور پھر قوم کے بارے میں اوصاف بتائے اور کہا کہ وہ قتل کر دئے گئے' اس نے کہا: اے ثابت! میری جان تمہارے قبضے میں ہے' مجھے بھی قوم کے ساتھ ہی قتل کر دو کیونکہ ان کے بعد جینا کس کام کا' چنانچہ ثابت نے اسے آگے کیا اور قتل کر دیا۔

بنو قریظہ کے اموال کی تقسیم

پھر حضورﷺ نے بنو قریظہ کے اموال' عورتیں اور بچے مسلمانوں میں تقسیم فرما دئے اور گھوڑوں کے حصے کر

دئے' قرعہ اندازی فرمائی اور اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکال دیا' رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں حضرت ریحانہ بنت عمرو بن خناقہ آئیں' یہ بنو عمرو بن قریظہ میں سے تھیں' یہ آپ کے وصال تک آپ کے پاس رہیں' آپ کی خواہش تھی کہ ان سے شادی کر لیں لیکن انہوں نے کہا کہ آپ مجھے اپنے ملک میں رہنے دیں کیونکہ یہ آپ کے اور میرے لئے زیادہ بہتر رہے گا چنانچہ آپ نے ویسے ہی رہنے دیا۔جب وہ قید ہوئیں تو اسلام انہیں ناپسند تھا' حضور ﷺ کو اس بات کا دکھ تھا۔ایک دن آپ اپنے صحابہ میں بیٹھے تھے کہ پیچھے سے جوتے کی آہٹ سنی' آپ نے فرمایا کہ یہ ثعلبہ بن شعبہ ہے جو مجھے ریحانہ کے اسلام لانے کی بشارت دینے آیا ہے چنانچہ یونہی ہوا۔کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے شادی کر لی تھی اور جب آپ حجۃ الوداع سے واپس آ رہے تھے تو آپ کی حیات ہی میں وہ فوت ہو گئیں۔واقدی کے نزدیک زیادہ معتبر یہی ہے اور یہ بھی آتا ہے کہ وہ بنو نضیر میں سے تھیں۔

جب بنو قریظہ کا معاملہ طے ہو گیا تو حضرت سعد کا زخم پھٹ گیا اور وہ شہید ہو گئے۔

بخاری میں ہے کہ بنو قریظہ اس سے قبل بنو نضیر سے لڑے تھے' نبی کریم ﷺ نے ان پر احسان فرمایا تھا۔میں نے اس کی واضح روایت نہیں دیکھی' نہ ہی حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اس سلسلے میں کچھ لکھا ہے البتہ بنو نضیر کے بارے میں ابن مردویہ سے ہم نے اس سے قبل روایت لکھی ہے جو اس بات کی شہادت بنتی ہے۔امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ آپس میں لڑے تو آپ نے بنو نضیر کو نکال دیا اور بنو قریظہ کو رہنے دیا' یہ ان پر احسان تھا' بنو قریظہ نے جنگ کی تو ان کے آدمی قتل کر دئے گئے اور ان کی عورتیں' مال اور بچے مسلمانوں میں تقسیم کر دئے گئے' ہاں کچھ چھوڑ دئے گئے جو حضور ﷺ کے ساتھ ہو گئے' آپ نے انہیں امان دی اور وہ مسلمان ہو گئے پھر سارے یہودیوں کو مدینہ سے نکال دیا' یہ بنو قینقاع (عبد اللہ بن سلام کا قبیلہ) بنو حارثہ تھے' غرض مدینہ کے ہر یہودی کو نکال دیا اھ۔

ابو داؤد نے بھی یونہی لکھا ہے البتہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس کے بعد بنو قریظہ نے لڑائی کی یعنی پہلی لڑائی کے بعد' اس سے یہ مفہوم نکالا جاتا ہے کہ مدینہ میں رہنے والے گروہوں کو بنو قریظہ کے قتل کے بعد مدینہ سے نکالا گیا تھا۔

بخاری ہی میں ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے' فرمایا: آؤ یہودیوں کے پاس چلو' ہم ساتھ ہوئے' جب بیت المدراس (درس گاہ) میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: اسلام لے آؤ' امن میں رہو گے اور یہ یقین رکھو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے' میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس سرزمین سے نکال دوں تو جس کی کوئی جائیداد یہاں ہے' وہ بیچ دے ورنہ یقین کر لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کے بعد ہوا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ ہجری میں اسلام لائے تھے۔(واللہ اعلم)

پھر اسی سال عبید اللہ بن انیس کا دستہ عرنہ کے مقام پر سفیان بن خالد ھذلی کی طرف گیا۔

اسی سال میں حضور ﷺ اپنے گھوڑے سے گرے تھے اور زخمی ہو گئے تھے۔

اسی سال پورے عرب میں اعلان کیا گیا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک ذخیرہ نہ کیا جائے۔

(قلت) اسی سال آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی (یہ آپ کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں) کچھ کہتے ہیں کہ یہ شادی تیسری ہجری کو ہوئی' پردہ کی آیت انہی کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔

اسی سال حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اسلام لائے (واللہ اعلم)۔

چھٹا سالِ ہجرت

اس سال حضور ﷺ کے پاس ثمامہ بن اثال کو قید کر کے لایا گیا پھر دوسری مرتبہ سورج گہن لگا' پہلی مرتبہ تب لگا تھا جب حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم سلام اللہ علیہ کا وصال ہوا تھا۔

(قلت) شاید نسخے میں کوئی خلل ہے کیونکہ آگے ہم ذکر کریں گے کہ حضرت ابراہیم کی ولادت ۸ھ کو اور وصال ۱۰ھ کو ہوا تھا پھر سورج گہن جو ۶ھ کو لگا تھا' وہ پہلا تھا' اور اسی میں ظہار کا حکم نازل ہوا تھا۔ (واللہ اعلم)۔

اسی سال مشرکوں نے حضرت محمد بن مسلمہ کے دستے کو قتل کیا تھا' صرف آپ کو چھوڑا تھا' یہ کل دس افراد تھے۔

اسی سال حضرت علی بن ابو طالب کا سو افراد پر مشتمل دستہ فدک کی طرف گیا تھا۔ پھر عبد الرحمٰن بن عوف کا دستہ دومۃ الجندل کی طرف گیا تھا' آپ ان پر غالب آئے تو رسول اللہ ﷺ نے تماضر بنت اصبغ بن عمرو کلبی سے آپ کی شادی کی تھی جو ان کا بادشاہ تھا۔

اسی سال لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مقام مصلّی پر رمضان میں بارش کی دُعا فرمائی چنانچہ بارش ہو گئی تھی۔

اسی سال آپ نے زید بن حارثہ کو دستہ دے کر بھیجا تو سلمہ بن اکوع نے اس دستے میں بنت مالک بن حذیفہ کو قید کیا تھا۔

اسی سال صلحِ حدیبیہ ہوئی تھی۔

اسی سال عیینہ بن حصن فزاری نے آپ کی اونٹنیوں پر ڈاکہ ڈالا تو آپ نے انہیں بچا لیا تھا۔

(قلت) حدودِ حرم کی بحث میں ہم نے بیان کیا تھا کہ حضور ﷺ کی اونٹنیاں غابہ اور اس کے اردگرد میں چرا کرتی تھیں' عیینہ بن حصن نے یومِ ذی قرد کے موقع پر ان پر ڈاکہ ڈالا' یہ وہ مقام تھا جہاں جنگ ہوئی تھی چنانچہ اسی کے نام پر غزوہ کا نام پڑ گیا' اسے غزوۃ الغابہ بھی کہتے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنولحیان سے واپس آئے' یہ شعبان ۶ھ تھا' ابھی تھوڑی ہی

راتیں ٹھہرے تھے کہ عیینہ نے غطفان کے گھوڑ سواروں کو لے کر آپ کی اونٹنیاں غابہ سے چرا لیں' اس جگہ بنوغفار کا ایک شخص اور اس کی عورت رہتی تھی' انہوں نے اس آدمی کو قتل کر دیا اور وہ عورت اونٹنی پر لاد دی۔سب سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع انہیں پکڑنے کے لئے تیار ہوئے' وہ تیر کمان کے لئے صبح کے وقت غابہ کی طرف روانہ ہوئے' جب ثنیۃ الوداع کے اوپر سے جھانکا تو ان کے کچھ گھوڑ سوار نظر آئے' آپ سلع پہاڑ کے اوپر چڑھے اور چیختے ہوئے کہا: وَ اصَبَاحَاہ! پھر تیزی سے ان کی طرف بھاگے اور انہیں جا لیا' آپ تیروں کے ذریعے انہیں ہٹاتے گئے' جب بھی تیر چلاتے تو کہتے: اسے پکڑو' میں ابن اکوع ہوں' آج ذلیل لوگ ہلاک ہوں گے' جب گھوڑ سوار ان کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ بھاگ گئے' پھر مقابلہ کرنے نکلے' کئی مرتبہ ایسا ہوا۔حضور ﷺ تک آپ کی چیخ کی آواز پہنچ چکی تھی چنانچہ مدینہ میں آپ نے اعلان کر دیا کہ الفزع الفزع (خطرہ خطرہ) تیر انداز دوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے' جب جمع ہو گئے تو آپ نے سعد بن زید اشہلی کو ان کا امیر بنا دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کو تلاش کرو' میں بھی کچھ لوگ ساتھ لے کر آ رہا ہوں چنانچہ ابوقتادہ نے حبیب بن عیینہ بن حصن کو قتل کر دیا اور اس پر اپنی چادر ڈال دی۔اتنے میں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو لے کر پہنچ گئے' حبیب پر ابوقتادہ کی چادر تھی لیکن وہ قتل ہو چکا تھا' انہوں نے موسیٰ ابوقتادہ سمجھا لیکن حضور ﷺ نے فرمایا یہ ابوقتادہ نہیں بلکہ اس کا قتل کیا ہوا ہے۔عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے اوبار کو پا لیا اور اس کے بیٹے عمر بن اوبار کو دیکھ لیا' دونوں ایک اونٹ پر سوار تھے' آپ نے تیر کا نشانہ لیا اور دونوں ہی کو اکٹھے قتل کر دیا اور پھر کچھ اونٹنیاں بچا لیں' حضور ﷺ وہاں سے چل پڑے اور گھوڑوں سمیت ذی قرد میں ٹھہرے' لوگ آ ملے' آپ وہاں ایک دن اور رات رہے' حضرت سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ اگر سو آدمی میرے ساتھ روانہ فرمائیں تو میں باقی اونٹنیاں بچا کر انہیں قتل کر دوں گا' حضور ﷺ نے فرمایا: وہ غطفان میں ٹھہرے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہر سو آدمی کے لئے ایک ایک اونٹنی بانٹ دی پھر کچھ دن وہاں ٹھہرے اور پھر واپس آ گئے۔ اس غفاری کی عورت ایک اونٹنی پر آئی اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دی اور عرض کی کہ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے رہائی عطا فرما دے تو میں اسے راہِ خدا میں ذبح کروں گی۔یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: تم اسے برا بدلہ دے رہی ہو اللہ تعالیٰ نے تجھے اس پر بیٹھنے کا موقع دیا ہے' اسی کی وجہ سے تمہیں نجات ملی ہے تو پھر بھی اسے ذبح کرنا چاہتی ہو؟ خدا کی بے فرمانی والے کام میں نذر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس چیز میں نذر مانی جا سکتی ہے جو اپنی ملکیت نہ ہو' یہ ابن اسحاق کی روایت ہے اور انہوں نے اس میں مسلمانوں کے دو افراد کے قتل کا ذکر کیا ہے۔

امام مسلم نے سلمہ کا یہی واقعہ طویل و مختصر ذکر کیا ہے اور انہوں نے کئی مقامات پر ابن اسحاق کی مخالفت کی ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے حدیبیہ سے واپس آنے پر ہوا تھا جبکہ ابن اسحاق کے اس سے قبل کا بتاتا ہے۔

ایک یہ ہے کہ مسلم نے بتایا: آپ کی اونٹنیاں ذی قرد میں چرتی تھیں' بخاری نے بھی یہی لکھا ہے لیکن ابن

اسحاق نے غابہ کے مقام پر چرنے کا ذکر کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قاضی عیاض نے اول کو غلط قرار دیا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو جمع کرنا یوں ممکن ہے کہ کبھی تو وہ وہاں چرتی ہوں اور کبھی یہاں۔

ایک یہ ہے کہ انہوں نے کہا: میں صبح کی اذان سے پہلے نکلا تو عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام ملے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹیاں پکڑ لی گئی ہیں چنانچہ میں نے تین مرتبہ چیخ ماری یا صباحاہ اور میری یہ آواز مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان سنی گئی' پھر میں سیدھا ان کی طرف تیزی سے چل پڑا اور میں نے ان کو جا لیا اور وہ ذی قرد میں پکڑ لئے گئے' پانی پی رہے تھے۔ مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ اس وقت اونٹیوں کے ساتھ تھے جب ان پر ڈاکہ ڈالا گیا اور پھر بلند ٹیلے پر چڑھ کر چلائے یا صباحاہ' تین مرتبہ چلائے اور اس میں اس بات کو اولیت حاصل ہے کہ وہ غابہ میں تھیں' ان کا ذی قرد میں ہونا قیاس سے دور ہے اور اگر وہ ذی قرد میں ہوتے تو انہیں ان سے ملنا ممکن نہ ہوتا۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی تمام اونٹنیاں چھڑا لی تھیں۔

ایک بات یہ ہے کہ انہوں نے اس میں کہا: ہم مدینہ کی طرف لوٹ آئے' بخدا ہم وہاں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف چلے گئے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں' اس میں اہلِ سیرت کا کوئی اختلاف نہیں کہ غزوۂ ذی قرد حدیبیہ سے پہلے ہوا تھا۔ انتہی۔

بخاری شریف میں غزوہ کی تاریخ اہل سیرت کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے' ہاں واقعہ کے کئی بار ہونے کی وجہ سے دونوں تاریخیں صحیح ہوسکتی ہیں اور پھر حاکم سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے الاکلیل میں ذکر کیا ہے کہ ذی قرد کی طرف جانا متعدد بار ہوا تھا چنانچہ پہلی مرتبہ زید بن حارثہ اُحد سے پہلے وہاں گئے تھے اور دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ ربیع الآخر ۵ھ میں اس طرف نکلے تھے اور اس دوسری مرتبہ میں اختلاف ہے۔ انتہی (واللہ اعلم)۔

قصۂ عرنیین

(قلت) وجہ یہ بنی کہ ان میں سے آٹھ (جو عکل سے تھے) آئے' مسلمان ہو گئے پھر مدینہ چھوڑ گئے (ہوا موافق نہ آئی) اور انہوں نے کہا: ہم اونٹوں اور دودھ والے ہیں' زرعی زمین والے نہیں ہیں رسول اللہ ﷺ نے انہیں اونٹنیوں کی طرف بھیجا (ایک روایت میں صدقہ کے اونٹوں کا ذکر ہے' اور گویا کہ یہ دونوں ہی طرف بھیجے گئے لہٰذا دونوں کے بارے خبر دینا صحیح ہوا) کہ ان کا دودھ اور پیشاب پئیں' جب وہ صحیح اور تندرست ہو گئے تو انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے پیچھے کرز بن خالد فہری کو روانہ کیا اور بیس آدمی ساتھ بھیجے' یہ لوگ لائے گئے تو ان کے ہاتھ' پاؤں کاٹنے کا حکم دیا گیا اور آنکھ میں گرم سلائیاں پھیرنے کا کہا گیا پھر حکم دیا کہ انہیں دھوپ

میں ڈال دیا جائے جہاں پانی مانگیں تو انہیں دیا نہ جائے حتیٰ کہ یونہی مر جائیں۔ یہ حاصلِ بخاری ہے۔

اہلِ سیرت نے لکھا ہے کہ اونٹنیاں جماوات کی جانب چرتی تھیں (ایک روایت میں ذی الجدر ہے جو عیر پہاڑ کی غربی جانب مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھا)۔

ابن سعد نے ابنِ عقبہ سے روایت کی کہ اس دن گھوڑ سواروں کے امیر سعید بن زید تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں پا لیا' انہیں باندھا اور اپنے گھوڑ سواروں کے پیچھے بٹھا کر لے آئے' اونٹ لوٹا دیے' ان میں ایک اونٹنی کے علاوہ کوئی گم نہ ہوئی تھی' اس کا نام ''الحسنا'' تھا' آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ انہوں نے اسے ذبح کر دیا ہے اور جب انہیں مدینہ میں لے کر آئے تو رسول اللہ ﷺ غابہ میں تھے۔

غزوۂ بنی المصطلق (مریسیع)

یہ غزوہ' غزوۂ ذی قرد سے واپس ہونے پر ہوا چنانچہ انہیں ان کی طرف لے گئے اور اسے زغابہ کے مقام پر ملے' چنانچہ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے' آنکھیں پھوڑ دی گئیں اور وہیں انہیں سولی دی گئی۔ واللہ اعلم۔

پھر آپ نے غزوۂ المصطلق کیا اور حضور ﷺ واپسی کے موقع پر مریسیع سے گذرے' قصۂ افک اسی موقع پر ہوا تھا۔

(قلت) پانچویں ہجری میں غزوۂ مریسیع کا ذکر گذر چکا اور یہ مذکور ہے کہ آیت تیمم اسی میں اُتری گذشتہ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ مریسیع کا واقعہ دو مرتبہ ہوا' پہلے میں تیمم کا حکم ملا اور دوسرے میں واقعۂ افک ہوا اور اسی میں دونوں چیزوں کے جمع کرنے کا ذکر ہے' اہل سیرت نے بڑی تعداد میں ذکر کیا ہے کہ مریسیع ۵ھ میں ہوا جبکہ بخاری نے ابن اسحاق سے روایت کی کہ یہ ۶ھ میں ہوا تھا لیکن صحیح بخاری میں یہ ثابت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے بتایا افک والوں کے درمیان جھگڑا ہوا تو اگر مریسیع (جسے غزوۂ مصطلق کہتے ہیں) ۶ھ کو ہوا ہو اور واقعۂ افک بھی اسی میں ہوا ہو تو وہ جو بخاری میں سعد بن معاذ کا ذکر آیا ہے' غلط ہوگا کیونکہ حضرت سعد بن معاذ غزوۂ بنو قریظہ کے دن میں فوت ہوئے' یہ ۵ھ تھا' ۴ھ بھی کہتے ہیں لہٰذا سب سے صحیح بات یہ ہے کہ غزوۂ بنو المصطلق اور مریسیع ایک ہی چیز ہیں اور دونوں ہی ۵ھ میں ہوئے۔

ابن عبد البر نے ''تمہید'' میں لکھا ہے کہ تیمم کا حکم غزوۂ بنو المصطلق کے موقع پر نازل ہوا۔

بخاری میں ہے کہ غزوۂ بنو المصطلق' غزوۂ مریسیع ہی کو کہتے ہیں چنانچہ طبرانی کی حدیث: ہم حضور ﷺ کے ہمراہ غزوۂ مریسیع میں تھے جسے غزوۂ بنو المصطلق کہتے ہیں' یہ بنو خزاعہ کی شاخ تھی۔ ان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا' حضور ﷺ کے ہمراہ بہت سے لوگ تھے' آپ انہیں ان کی طرف اس وقت لے کر نکلے جب پتہ چلا کہ وہ آپ کے خلاف جمع ہو رہے ہیں' آپ کے پاس تیس گھوڑے تھے نیز اُم سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں' آپ نے

انہیں شکست دی اور بہت سے کافر لوگوں کو گرفتار کر لیا' پھر آپ نے ان کے رئیس حارث کی بیٹی جویریہ سے شادی کر لی اور پھر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی عزت کی خاطر سب صحابہ کرام نے اپنے اپنے ہاتھ آئے غلام آزاد کر دیئے (کہ ہم آپ کی قوم کا کوئی غلام نہ رہنے دیں گے)۔

اسی غزوہ کے بارے میں عبداللہ بن ابی (منافق) نے کہا تھا:

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۝

''ہم مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے' وہ اس میں سے نکال دے گا' اسے' جو نہایت ذلت والا ہے۔''

پھر یہ بھی کہا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا۝

''ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں یہاں تک کہ پریشان ہو جائیں۔''

اور یہ ایسے ہوا کہ ابن ابی کچھ منافقوں کو ہمراہ لئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا اور جب دیکھا کہ اللہ نے اپنے رسول کی اور ان کے صحابہ کی مدد فرمائی ہے تو برائی شروع کر دی پھر ایک مہاجر اور انصاری لڑے' مہاجر غالب آیا تو اس موقع پر اس نے اپنی قوم سے یوں کہا تھا۔ حضرت زید بن ارقم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتا دی تو ابن ابی نے اپنی کوشش اور تیز کر دی جس کی وجہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ پریشان ہوئے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق اُتار دی۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا' اسے قتل نہیں کرو اور پھر جب ان کے اور اہلِ مدینہ کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا تو عبداللہ بن عبداللہ بن ابی جلدی سے مدینہ کے راستے میں جا بیٹھا' اتنے میں اس کا باپ آیا تو اس نے باپ سے کہا: بخدا جب تک رسول اللہ ﷺ تمہیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے' میں داخل نہیں ہونے دوں گا' آج تمہیں پتہ چل جائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون۔ اس پر اس منافق نے کہا: تمہارے بغیر کوئی اور روکنے والا نہیں تھا؟ انہوں نے کہا ہاں میں ہی روکوں گا۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور شکایت کی تو آپ نے اس کے بیٹے کو پیغام بھیجا کہ اس کا راستہ نہ روکو چنانچہ وہ مدینہ چلا آیا۔

صحیح یہ ہے کہ حج اسی سال فرض ہوا تھا۔ (واللہ اعلم)

ساتواں سالِ ہجرت

اسی سال شام میں ابوسفیان اور ھرقل کے درمیان معاملہ ہوا تھا۔

اسی سال کی ابتداء میں آپ نے والیانِ مملکت کی طرف ایلچی بھیجے تھے۔

اسی سال جنگ خیبر ہوئی تھی۔

(قلت)حضورﷺ نے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب کو بطور مال غنیمت لے لیا' انہیں آزاد کیا اور پھر نکاح میں لے لیا۔

اسی سال حضرت ماریہ قبطیہ نے اپنا خچر ہدیہ کے طور پر پیش کیا جس کا نام دلدل تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

اسی سال سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے حضورﷺ کو زہر دیا۔

پھر آپ وادی القریٰ کی طرف تشریف لے گئے اور کچھ دن وہاں کے لوگوں کا محاصرہ کیا۔

آپ کے غلام مدعم کو اچانک تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔

مدینہ کی طرف واپسی کے موقع پر سوئے رہنے کی وجہ سے نمازِ صبح فوت ہوئی' یہ بھی آتا ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر فوت ہوئی تھی۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ اسی سال محرم میں یہودیوں کے رئیس لبید بن اعصم کے پاس آئے (یہ بنو زریق کا حلیف اور جادوگر تھا) اور کہنے لگے: تم نے ہمیں جادو کر دیا ہے' ہم نے محمد کو جادو کیا ہے لیکن کوئی اثر نہیں ہوا' ہم تمہیں اسے مارنے کے لئے رقم دیتے ہیں چنانچہ تین دینار دے دئے۔ پھر پورا قصہ بیان کیا۔

حضرت زہری سے روایت ہے کہ حضورﷺ پر ایک سال تک جادو کا اثر رہا' دوسری روایت میں چالیس راتوں کا ذکر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اسی سال حضرت اُمِ حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما آپ کے پاس آئیں جن سے آپ نے شادی فرمائی۔

اسی سال قضائے عمرہ کے موقع پر حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی۔

آٹھواں سالِ ہجرت

اس سال جنگ موتہ ہوئی' پھر فتح مکہ ہوئی' غزوۂ طائف ہوا' مکہ پر عتاب بن اسید کو امیر مقرر فرمایا' مالک بن عوف نضری اسلام لائے' ہوازن کا مال غنیمت دل بہلانے کے لئے دیا گیا اور پھر ذی قعدہ کے آخر میں آپ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔

(قلت)اسی سال حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم سلام اللہ علیہ پیدا ہوئے' ساتویں دن ان کا سر مونڈھا گیا اور بالوں کے وزن کے مطابق چاندی تقسیم فرمائی پھر عقیقہ کے طور پر دو مینڈھے ذبح کئے گئے' وہ ۱۰ھ کو دس ربیع الاول کے دن فوت ہوئے' اس وقت ڈیڑھ سال کی عمر تھی' کچھ نے ایک سال تین ماہ لکھے

ہیں۔اسی سال آپ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا' یہ آپ کی سب سے بڑی دختر تھیں' وہ ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس کی بیوی تھیں جن کی دامادی کے دنوں میں آپ نے ان کی تعریف کی تھی' یہ شادی آپ کے اعلانِ نبوت سے قبل ہوئی اور جب ابو العاص اسلام لے آئے تو پہلے ہی نکاح پر آپ نے سیدہ کو گھر بھیج دیا کیونکہ وہ اس وقت آئے تھے جب مسلمان عورتیں مشرکوں کے لئے حرام قرار دیدی گئی تھیں' یہ صلح حدیبیہ سے بعد کا واقعہ ہے۔(واللہ اعلم)۔

نواں سالِ ہجرت

اس میں آپ نے اپنی بیویوں کو مہینہ پر چھوڑے رکھا تھا۔اسی سال وفد آنے شروع ہوئے اور اسی سال حج فرض کر دیا گیا۔

(قلت)حج کے فرض ہونے کے وقت میں اختلاف ہے' کہتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا لیکن مشہور یہ ہے کہ بعد میں فرض ہوا چنانچہ کچھ نے ۵ھ کو کہا' ایک موقع پر امام رافعی نے اس کا ذکر کیا ہے' ایک نے ۶ھ لکھا ہے' دوسرے مقام پر رافعی نے اسے صحیح کہا ہے' یونہی نووی نے بھی صحیح کہا ہے' ۷ھ بھی لکھتے ہیں' کسی نے ۸ھ لکھا اور کسی نے ۹ھ' عیاض نے ۹ھ کو صحیح کہا ہے۔(واللہ اعلم)۔

دسواں سالِ ہجرت

اس سال کی ابتداء میں عدی بن حاتم طائی وفد لے کر حاضر ہوئے پھر بنو حنیفہ کا وفد آیا پھر وفد غسان آیا' پھر وفد نجران آیا جس میں مباہلہ کا واقعہ ہوا' پھر حضرت جبریل دین سکھانے آئے اور پھر اسی سال آپ نے جنگ تبوک کی۔

(قلت)یہ روایت ہماری بیان کردہ پہلی روایت کے خلاف ہے جس میں واقعہ تبوک ۹ھ میں ہونے کا ذکر ہے۔(واللہ اعلم)۔

اسی سال آپ نے لوگوں کو حجۃ الوداع کے لئے بلایا اور پھر واپس تشریف لائے' پھر اسی سال صفر کی دس تاریخ کو آپ بیمار ہوئے اور پھر ربیع الاوّل شریف کی بارہ تاریخ کو پیر کے دن وصال ہوا۔(رزین بذریعہ حاکم)۔

(قلت) یہ واقعہ ماہِ ربیع الاوّل ۱۱ھ کا تھا۔

حضور علیہ السلام سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے کہ مرض شروع ہوا' یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور یہ بھی آتا ہے کہ حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔

ابتداءِ مرض نبوی اور تاریخ وصال کی تحقیق

علامہ خطابی نے مرض کی ابتداء پیر کو لکھی ہے' کچھ ہفتہ اور کچھ بدھ کا دن بتاتے ہیں۔''روضہ'' میں مرض کی مدت چودہ دن لکھی ہے اور پہلے اسی کا ذکر کیا ہے پھر تیرہ دن لکھی ہے اور اکثر علماء یہی بتاتے ہیں' کسی نے دس دن

لکھی ہے‘ سلیمان تیمی اسی پر یقین رکھتے ہیں‘ اس سارے کا مقصد یہ ہے کہ یہ مدت بیس دن سے زیادہ تھی لیکن کسی نے کھل کر بیان نہیں کیا اور اس میں شبہ نہیں کہ وصال مبارک پیر کو ہوا تھا اور ربیع الاوّل میں ہونے پر اجماع ہے لیکن بزار میں حضرت ابنِ مسعود کی روایت گیارہ رمضان بتاتی ہے‘ بہرحال ۱۲ ربیع الاوّل میں ہونا جمہور کا قول ہے‘ ایک جماعت اس طرف ہے کہ یکم ربیع الاوّل کو ہوئی تھی۔ یحییٰ نے ابن شہاب کے مطابق بتایا کہ جب سورج ڈھلا تھا۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نصف ربیع الاوّل کو وصال ہوا‘ کسی نے ۲ ربیع الاوّل لکھا ہے‘ سہیلی اسی کو مانتے ہیں۔

ہاں جمہور کے اس قول ماننے میں دشواری پیش آتی ہے‘ سب علماء تسلیم کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کو جمعہ کا دن تھا چنانچہ اوّل تاریخ جمعرات تھی پھر اگر پچھلے تینوں مہینے یکے بعد دیگرے تیس تیس دن کے گنے جائیں‘ تینوں پورے نہ ہوئے ہوں یا کوئی مکمل اور کوئی نامکمل ہوں تو پھر آپ کا وصال پیر کو نہیں بنتا جبکہ تاریخ بارہ (۱۲) ربیع الاوّل ہی بنتی ہے۔

اس کا جواب علامہ بازری نے دیا ہے: احتمال یہ ہے کہ تینوں مہینے مکمل گذرے ہوں لیکن اہل مکہ و مدینہ کا اختلاف ذوالحجہ کے چاند دیکھنے میں ہوا ہو چنانچہ اہلِ مکہ نے تو جمعرات والی رات کو دیکھا ہو‘ ۱۲ تاریخ اور پیر کا دن ہو لیکن اہل مدینہ نے اسے جمعہ کے علاوہ کسی اور دن نہیں دیکھا تھا‘ اب اہل مکہ نے تو دیکھا لیا اور پھر مدینہ پاک میں گئے تو وہاں چاند دیکھ کر تاریخ لکھی چنانچہ یکم ذی الحجہ کو جمعہ تھا‘ پھر یہ اور بعد والے مہینے مکمل تھے چنانچہ ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ جمعرات آئی اور ۱۲ ربیع الاوّل پیر کو آتی اب اس کے بعد جواب دینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

سلیمان تیمی کا یقین ہے کہ آپ کا مرض ہفتہ‘ ۱۲ صفر کو شروع ہوا اور وصال مبارک پیر‘ ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوا‘ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ماہِ صفر ناقص تھا اور اس وقت تک یہ ممکن نہیں کہ صفر کی پہلی تاریخ کو ہفتہ ہو جب تک ذوالحجہ اور محرم ناقص نہ ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ تینوں مہینے مسلسل ناقص ہوں اور جو بھی ربیع الاوّل کا نام لیتے ہیں تو دو ناقص بنتے ہیں اور ایک کامل اور یونہی اس قول کی حیثیت ہے جس نے نصف کا نام لیا ہے۔

علامہ بدر بن جماعہ نے کہا کہ جمہور کے قول ”۱۲ راتیں گذرنے پر“ (یعنی دنوں سمیت) میں احتمال رہے گا چنانچہ آپ کا وصال ۱۳ تاریخ کو بنے گا اور مہینے کامل گنے جائیں گے‘ یوں جمہور کا قول صحیح ہو جائے گا لیکن اس پر پھر وہی اعتراض آئے گا اہلِ زبان کی اس میں مخالفت پائی جاتی ہے کیونکہ وہ جب ”لاثنتی عشرۃ“ (بارہ) کہتے ہیں تو اس میں سے بارہ راتوں کا گذرنا مراد لیتے ہیں اور وہ جو بارہ تاریخ کو آتا ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر کہتے ہیں‘ قابلِ اعتماد اور ابو مخنف کا قول ہے کہ ۱۲ تاریخ کو ہوا تھا۔

غسلِ نبوی

حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کو غسل دیا‘ حضرت عباس اور ان کے بیٹے

مدد کرتے رہے' حضرت قثم' اسامہ اور شقران پانی بہاتے رہے' آپ کو سحول سے منگوائے تین کپڑوں کا کفن دیا گیا جن میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ' حضرت محمد سے روایت ہے کہ آپ کے لئے صحاری کے دو کپڑے بطور کفن استعمال کئے گئے جو عمان میں روئی سے بنتے تھے اور ایک چادر حبرہ کی تھی۔

اکلیل میں حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ کو سات کپڑوں کا کفن دیا گیا' اور بغیر امام کے حجرہ ہی میں آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔علامہ اقشہری نے حسین بن محمد صدفی سے روایت کی کہ حضور ﷺ کا جنازہ مسجد کے روضہ (ریاض الجنہ) کے درمیان ہوا اور پھر گھر کی طرف اُٹھا کر لے جایا گیا اور اسی میں دفن کئے گئے۔

(قلت) یوں صرف ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مشہور ہے جبکہ مستدرک اور بزار میں ہے کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی' ان کا جنازہ ہاتھ باندھے بغیر پڑھا جائے' امام نہیں ہونا چاہیے۔

آپ کو بدھ کی رات یا کہتے ہیں بدھ کے دن دفن کیا گیا' کچھ کا کہنا ہے کہ آپ کے وصال کا ناخنوں سے اظہار ہونے لگا تھا تو منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ آپ کو مسجد میں دفن کیا جائے جبکہ دوسرے بقیع میں کہتے تھے پھر سب نے اتفاق کیا اور گھر میں دفنائے گئے چنانچہ گھر سے چارپائی اُٹھائی گئی اور اسی جگہ قبر انور کھو دی گئی۔

ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ نے بتایا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: جب بھی کوئی نبی وصال فرما گیا تو اسے وہیں دفن کیا گیا جہاں ان کی روح قبض کی گئی۔

مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکالنے کا حکم

حضور ﷺ نے مرض کے دوران وصیت فرمائی کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے جیسے بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ نے یہ حکم دیا تھا' الفاظِ بخاری یوں ہیں: صحابہ کو تین چیزوں کا حکم فرمایا:

(۱) مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو (۲) وفد آنے پر وہی سلوک کرو جو میں کرتا رہا ہوں۔رہی تیسری بات تو یا پھر خاموش رہے یا خود میں اسے بھول گیا۔

علامہ داؤدی کہتے ہیں کہ تیسری بات قرآن کے بارے میں وصیت تھی لیکن مہلب کے مطابق یہ لشکر اسامہ کی تیاری کے متعلق تھی' ابن بطال نے اسی بات کو طاقت دی کہ صحابہ کرام نے جب حضرت ابوبکر کے لشکر اسامہ بھیجنے کی مخالفت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے وصال کے وقت مجھ سے عہد لے لیا تھا۔

قاضی عیاض کے مطابق تیسری بات لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ وَثَنًا (میری قبر کو بت نہ بنا لینا) والا قول بھی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ فرمان مؤطا میں یہودیوں کو نکالنے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی مراد ہوسکتا ہے جو حضرت انس رضی اللہ

عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ: نماز کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔

مشرک بحکمِ عمر جزیرہ سے نکلے

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے (بامر نبوی) مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکالا تھا چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں اور نصرانیوں کو سرزمین حجاز سے نکالا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح فرمایا تو ارادہ فرمایا کہ یہودیوں کو وہاں سے نکال دیں' فتح خیبر پر زمین تو اللہ و رسول اور مومنین ہی کی تھی چنانچہ یہودیوں نے آپ سے درخواست کی ہمیں رہنے دیا جائے' ہم آدھا پھل دیتے رہیں گے' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تک ہم چاہیں گے' تمہیں یہاں رہنے دینگے' انہوں نے یہ بات مان لی اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں تیماء اور اریحا کی طرف نکال باہر کیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اہلِ خیبر نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے جوڑوں کو نقصان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا کہ حضور ﷺ نے مال کے بدلے یہودیوں کو رہنے دیا تھا اور فرمایا تھا: ہم تمہیں اس وقت تک رہنے دیں گے جب تک اللہ کو منظور ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں اپنی زمین کی طرف گئے تو رات کو آپ کا مال چوری کر لیا گیا' آپ کے پاؤں اور ہاتھ خراب کر دیے گئے' وہاں ان کے علاوہ وہ کوئی اور دشمن تو موجود نہ تھا چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی ہمارے دشمن ہیں لہٰذا میں انہیں یہاں سے نکال رہا ہوں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر سب کو قائل کر لیا تو بنو حقیق میں سے ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! ہمیں حضرت محمد ﷺ نے برقرار رکھا ہے تو کیا آپ ہمیں یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے ہمیں مال کی شرط پر رہنے دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے خیال میں میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھول چکا تھا: ''وہ وقت کیسا ہو گا جب تم انہیں خیبر سے نکالو گے تو ہر رات تمہیں تمہاری اونٹنی دوڑائے گی؟'' اس نے کہا یہ تو محمد کی ایک خوش طبعی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے دشمنِ خدا! تم نے جھوٹ بکا ہے چنانچہ آپ نے انہیں جلا وطن کر دیا پھر ان کے پاس جو بھی مال' پھل' اونٹ' سامان وغیرہ تھا اس کی قیمت دے دی۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی قصے کی بناء پر انہیں وہاں سے نکال دیا تھا۔

حضرت مالک بن شہاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین اکٹھے نہیں چل سکیں گے۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات کھل گئی اور انہیں یقین و اطمینان ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: جزیرۃ العرب میں دو دین نہیں چل سکیں گے۔ چنانچہ آپ نے خیبر کے یہودیوں کو نکال باہر کیا۔ حضرت مالک کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے نجران اور فدک کے یہودیوں کو بھی نکال دیا تھا۔

بیہقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں یہودیوں اور نصرانیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا۔یہی روایت حضرت امام مسلم نے ''اگر میں زندہ رہا'' کے الفاظ کے بغیر نقل کی ہے۔حضرت ابو عبیدہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخر دم یہ فرمایا تھا: حجاز کے یہودیوں اور اہلِ نجران کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔(مسند احمد' بیہقی)۔

احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے فرمایا تھا: رسول اللہ ﷺ نے آخری بات یہ فرمائی تھی: ''جزیرۃ العرب میں دو دین نہیں رہنے دیئے جاسکتے۔''

ہمارے (شافعی حضرات) میں سے جویلی اور قاضی حسین نے کہا کہ: جزیرہ' حجاز کو کہتے تھے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ جزیرۃ العرب کا حصہ ہے۔

حضرت ابوبکر نے یہود و نصاریٰ کو کیوں نہیں نکالا تھا

جب نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک ہو گیا تو اپنے دور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انہیں نکالنے کا وقت نہیں مل سکا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نکالا' یہ تقریباً چالیس ہزار تھے پھر یہ کہیں نہیں ملتا کہ خلفاءِ عظام نے انہیں یمن سے بھی نکالا ہو جبکہ وہ بھی تو جزیرہ ہی میں شامل تھا' جس سے معلوم ہوا کہ مراد صرف حجاز تھا۔

یہ لکھا ملتا ہے کہ یہودیوں نے ایک تحریر دکھائی تھی اور دعویٰ یہ کیا کہ حضور ﷺ کی تحریر ہے جس میں اہلِ خیبر سے جزیہ کی معافی کا ذکر تھا' اس پر صحابہ کرام کی شہادتیں درج تھیں' جب یہ تحریر ابوبکر خطیب بغدادی کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نری جعل سازی ہے' کیونکہ اس میں حضرت معاویہ کی شہادت موجود ہے اور وہ تو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور اس تحریر کے وقت موجود نہ تھے۔اس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بھی شہادت ہے جو خندق کے موقع پر بنو قریظہ میں تیر لگنے سے قتل ہو گئے تھے اور یہ واقعہ خیبر سے دو سال پہلے کا تھا۔یہ فوائد علم تاریخ سے ملے ہیں۔واللہ اعلم۔



چوتھا باب

اس میں ان امور کا ذکر کیا گیا ہے جو نبی کریم ﷺ کی مسجد مبارک سے تعلق رکھتے ہیں' پاکیزہ حجروں کا ذکر ہے اور پھر ان مکانوں کا ذکر ہے جو ان حجروں کے اردگرد تھے' پھر بازارِ مدینہ اور مہاجرین کے گھروں کا ذکر ہے اور دیواروں کی تعمیر بتائی گئی ہے۔اس میں ۳۷ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

اس میں یہ مذکور ہے کہ مسجد کی جگہ کیسے لی گئی اور تعمیر کیونکر ہوئی؟

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی جب مسجد کے دروازے کے سامنے بیٹھی تو آپ نے فرمایا تھا: ''انشاء اللہ یہی میرا ٹھکانہ ہوگا۔''

علامہ زہری سے ہے کہ وہ اونٹنی مسجد رسول اللہ ﷺ والی جگہ کے قریب بیٹھی' ان دنوں مسلمان اس مقام پر نماز پڑھا کرتے تھے' پہلے یہاں اونٹ بیٹھا کرتے تھے اور یہ جگہ دو یتیموں کی تھی جو حضرت اسعد بن زرارہ کی نگرانی میں تھے۔اونٹنی یہاں بیٹھ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انشاء اللہ ہماری یہی منزل ہو گی'' پھر آپ نے یہ دعا بھی فرمائی: الٰہی! ہمیں برکت والی جگہ میں ٹھکانہ عطا فرما جبکہ ٹھکانہ دینے والوں میں تو سب سے بہتر ہے۔چار مرتبہ فرمایا تھا۔

رزین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایسی ہی روایت کی' الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انشاء اللہ یہی منزل ہو گی'' پھر سواری سے اُترے تو دعا فرمائی: ''الٰہی! مبارک ٹھکانہ میں رہنا نصیب فرما' سب سے بہتر جگہ دینے والا تو ہی ہے۔'' آپ نے چار مرتبہ کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ زہری لکھتے ہیں کہ اونٹ بٹھانے کا یہ باڑہ سہل اور سہیل کا تھا' یہ دونوں ابو امامہ اسعد بن زرارہ کی پرورش میں تھے اور جب حضور ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا: ''انشاء اللہ یہی ٹھکانہ ہو گا۔'' پھر دونوں بچوں کو بلایا اور اس باڑے کی قیمت لگائی تاکہ اسے مسجد بنا سکیں' وہ دونوں بولے: یا رسول اللہ! ہم آپ کو ہبہ کئے دیتے ہیں' آپ نے یوں لینے سے انکار فرمایا اور پھر قیمت دے کر خریدا اور اسے مسجد بنا دیا۔

یحییٰ نے ابنِ زبالہ کی پیروی میں کہا: ''کچھ کہتے ہیں کہ یہ دونوں یتیم بچے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے' سہل اور سہیل نام تھے جو عمرو کے بیٹے تھے۔حضور ﷺ نے حضرت ابو ایوب سے وہ باڑا مانگا تو انہوں نے عرض کی' یا رسول اللہ! یہ باڑا دو یتیم بچوں کا ہے' میں انہیں رضا مند کر لوں گا چنانچہ انہوں نے انہیں راضی کر لیا' انہوں نے یہ

زمین رسول اللہ ﷺ کو دے دی تو آپ نے وہاں مسجد بنا دی۔

ابن اسحاق بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ یہ باڑہ کس کا ہے؟ معاذ بن عفراء نے عرض کی کہ یہ سہل و سہیل کا ہے جو عمرو کے بیٹے ہیں اور دونوں یتیم میرے پاس ہیں' میں جلد انہیں رضا مند کرلوں گا اور لے دونگا' آپ نے اسے مسجد بنانے کا ارادہ کیا اور اسے تعمیر کرنے کا حکم فرمایا۔

ابن زبالہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی یہ مسجد سہل اور سہیل کی جگہ تھی جو ابو عمرو کے بیٹے تھے جن کا تعلق بنو غنم سے تھا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیش کر دی تو آپ نے وہاں مسجد بنا دی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد کی جگہ کے بارے میں بنونجار کے ایک گروہ کو پیغام بھیجا اور فرمایا اے بنونجار! مجھ سے اس جگہ کی قیمت لے لو' انہوں نے عرض کی بخدا ہم قیمت نہیں لیں گے ہم اللہ کی رضا کے لئے پیش کریں گے۔ اسماعیلی کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ہم اللہ سے قیمت لے لیں گے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے قیمت وصول نہیں کی تھی۔

صحیح بخاری کے باب الہجرۃ میں مسجد قباء کی بنیاد رکھنے کے بعد کی یہ روایت ملتی ہے: پھر رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے' ہمراہی ساتھ چلتے گئے اور وہ اونٹنی مدینہ میں مسجد نبوی کے پاس جا بیٹھی' وہاں ان دنوں مسلمان نمازیں پڑھا کرتے تھے' یہ کھجوریں سکھانے کا باڑا تھا' سہل و سہیل دو یتیم بچے اس کے مالک تھے جو حضرت اسعد بن زرارہ کی پرورش میں تھے' جب اونٹنی بیٹھ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انشاء اللہ ہماری منزل یہی ہوگی۔ پھر دونوں لڑکوں کو بلایا اور وہ جگہ مسجد کے لئے بیچنے کو کہا' دونوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ہم بیچیں گے نہیں بلکہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں قیمت دئے بغیر نہیں لوں گا پھر خرید کر آپ نے مسجد بنا دی۔

ابن عیینہ کی روایت ہے کہ آپ نے دونوں کے چچا سے بات کی تھی (جس کی نگرانی میں تھے) کہ ان سے خرید دیں' اس نے ان سے مانگی تو انہوں نے کہا: اسے کیا کرو گے؟ اسے سچی بات کرنا پڑی' کہ رسول اللہ ﷺ لینا چاہتے ہیں۔ دونوں نے کہا کہ ہم انہیں بلا قیمت دے دیں گے چنانچہ دونوں نے پیش کر دی اور آپ نے اس جگہ مسجد بنادی۔ (جندی)۔

ان روایتوں کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ (جیسے ابن حجر نے اشارہ کیا) جب انہوں نے کہا: ہم اس کی قیمت اللہ کے ہاں سے لے لیں گے آپ سے کچھ نہیں مانگتے تو پھر آپ نے خاص مالک پوچھے ہوں گے لہٰذا انہوں نے دو یتیم بچے معین کر کے بتا دئے چنانچہ آپ نے ان سے یا ان کے نگرانوں سے (اگر وہ نابالغ تھے) وہ باڑا خرید لیا' ایسے وقت میں احتمال یہ ہے کہ جنہوں نے یہ الفاظ کہے تھے انہوں نے اپنی گرہ سے قیمت دینے کا ارادہ کر لیا ہو چنانچہ ابن عقبہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت اسعد نے ان بچوں کو بنی بیاضہ میں' اس کے عوض کھجوروں کا باغ دے دیا تھا۔ پھر پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت ابو ایوب نے کہا تھا "یہ میرے پاس رہنے والے دو یتیموں کی ہے' میں انہیں رضا مند کرلوں گا چنانچہ انہوں

نے انہیں رضا مند کر لیا۔ یونہی معاذ بن عفراء نے کہا تھا تو یہ بات خرید نے کے بعد ہوئی ہوگی۔

یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت اسعدؓ ابو ایوب اور ابن عفراء نے اپنے اپنے طور پر انہیں کچھ نہ کچھ دے کر رضا مند کرنے کی کوشش کی ہو چنانچہ رضا مند کرنے میں سب شامل ہوئے اور یہ جو آیا ہے کہ دونوں یتیموں نے معاوضہ لینے سے انکار کر دیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابتداء میں ایسا ہوا ہوگا لیکن اس میں مشکل ہے جو ابن سعد کی تاریخ کبیر میں آئی ہے اور جو علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اسے عفراء کے دونوں بیٹوں سے دس سونے کے دیناروں کے بدلے خریدا تھا' یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خرید درحقیقت عفراء کے دونوں بیٹوں سے کی گئی کیونکہ وہ دونوں ان یتیم بچوں کے ولی اور نگران تھے چنانچہ حضرت ابوبکر نے بھی نیکی کا رواج ویسے ہی ڈالا جیسے اسعدؓ ابو امامہ اور معاذ بن عفراء نے ڈالا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر نے انہیں دس دینار دے دیئے تھے جبکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی طرف سے انہیں کچھ دیا تھا لیکن حضور ﷺ نے شروع میں بلا قیمت لینے سے انکار فرمایا تھا کیونکہ یہ یتیموں کی تھی لیکن ابن سید الناس نے بلا ذری سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آئندہ کلام کے بعد کہا:

"چنانچہ اسعد نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسے قبول کرنے کی درخواست کی اور یتیموں سے بطور قرض لے لی' رسول اللہ ﷺ نے لینے سے انکار فرما دیا اور پھر ان سے دس دیناروں کے عوض خریدی جو حضرت ابوبکر کے مال سے ادا کر دئے گئے۔ انتہی۔

تو اس میں احتمال ہے کہ حضور ﷺ نے پہلے باڑے کا کچھ حصہ خریدا ہو اور پھر دوسرا حصہ خریدا ہو کیونکہ آگے آ رہا ہے کہ آپ نے دوبارہ اس میں زیادتی کر لی تھی چنانچہ یہ ایک واقعہ نہ ہوا۔

میں نے اقشہری سے ایک روایت کے ذریعے ان کے قلم سے لکھا دیکھا ہے کہ یہ باڑہ عفراء ہی کے دونوں بیٹوں کا تھا۔

(قلت) احتمال یہ ہے کہ ان کی طرف نسبت اس لئے ہو کہ یہ دونوں ان یتیموں کے والی تھے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یتیموں کی ماں کا نام اس عفراء ہو' رہے عفراء (مرد) کے دونوں بیٹے تو وہ معاذ اور معوذ تھے جو حارث کے بیٹے تھے لیکن جو بخاری میں غلاموں کا نام سہل اور سہیل آتے ہیں' وہ زیادہ صحیح ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

یحییٰ کی کتاب میں جو لکھا ہے' اس کا مقصد یہ بنتا ہے کہ اس باڑے کو حضرت اسعد بن زرارہ نے مسجد کی شکل دی تھی جبکہ ابھی اسے مسجد الرسول کا نام نہیں دیا گیا تھا کیونکہ یحییٰ نے لکھا: میں نے اُم سعد بنت سعد بن ربیع کو کہتے سنا: مجھے نوار بنت مالک اُم زید بن ثابت نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے اسعد بن زرارہ کو یہاں پانچوں نمازیں پڑھاتے دیکھا۔

ان روایات کو اس مسجد میں جمع کیا جا سکتا ہے جیسے سہل و سہیل کے باڑے میں بنایا گیا تھا اور بنو رافع بن ابو عمرو بن عائذ بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار کے بیٹے تھے۔ وہ کہتی ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے آنے پر

دیکھا کہ اس مسجد میں نماز پڑھاتے تھے اور پھر اسے بنا دیا تو آج کی یہ مسجد وہی ہے۔

ابن سید الناس نے ابن اسحاق سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی مسجد کے دروازے کے قریب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی' وہ جگہ ان دنوں بنو مالک بن نجار کے دو یتیموں کی تھی جو معاذ بن عفراء کی نگرانی میں تھے' یہ عمرو کے دو بیٹے تھے۔

پھر کہا: احمد بن یحییٰ بلاذری نے کہا: رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے' انصار نے ہر ممکن تعاون کیا اور عرض کی' یا رسول اللہ! آپ چاہیں تو ہم اپنے گھر پیش کرنے کو تیار ہیں' آپ نے دعا دی۔ انہوں نے کہا کہ ابو امامہ اسعد بن زرارہ اپنے اردگرد والوں کو جمع کرتے کہ مسجد میں آئیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ وہاں نماز پڑھتے رہے پھر آپ نے اسعد سے پوچھا کہ اس مسجد کے متصل وہ جگہ فروخت کر دیں جو ان کے قبضے میں تھی اور جو دو یتیم بچوں کی تھی جو ان کی نگرانی میں تھے اور جنہیں سہل و سہیل کہا جاتا تھا' وہ رافع بن ابو عمرو بن عائذ بن ثعلبہ بن غنم کے بیٹے تھے۔ بلاذری نے یونہی منسوب کیا ہے' یہ روایت ابن اسحٰق وغیرہ کی روایت کے خلاف ہے لیکن پہلی روایت زیادہ مشہور ہے۔ انتہٰی۔

پہلی روایت کی شہرت کہ وہ بچے عمرو کے تھے' پہلے گذر چکی لیکن دوسری روایت بھی (جو راجح ہے) گذر چکی ہے جو دوسرا مفہوم بتاتی ہے۔

علامہ مجد لکھتے ہیں: بیہقی نے مسجد کا ذکر کیا اور کہا کہ اس کی خالی دیواریں تھیں' چھت نہیں تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس تھا' حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اسے بنایا تھا' وہ اس میں اپنے ساتھی لے کر نماز پڑھا کرتے تھے اور حضور ﷺ کی آمد سے پہلے اس میں جمعہ کے لئے لوگوں کو اکٹھا کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس باغ اور غرقد میں سے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا حکم دیا' وہاں دورِ جاہلیت کی قبریں بھی تھیں جو آپ کے حکم پر کھود دی گئیں اور آپ نے حکم فرمایا کہ ہڈیاں غائب کر دی جائیں۔

اس باڑے میں ایک جوہڑ تھا (جہاں پانی جمع رہتا) آپ نے اسے (نالی کھود کر) چلا دیا تو وہ ختم ہو گیا۔ انتہٰی۔

یہ بات میں نے بیہقی کی المعرفۃ نیز سنن کبیر اور دلائل میں بھی نہیں دیکھی مگر مشہور یہ ہے کہ یہ کھجوریں سکھانے کا گویا باڑہ تھا اور گویا اسے حدیقہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں کھجور کے درخت تھے چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اسے خریدا تھا تو اس میں کھجوریں' مشرکوں کی قبریں اور اونچی نیچی جگہ تھی' حضور ﷺ نے کھجوروں کے بارے میں فرمایا تو وہ کاٹ دی گئیں' قبروں کے بارے میں فرمایا تو وہ اکھاڑ دی گئیں اور اونچی نیچی جگہ کے بارے میں فرمایا تو اسے برابر کر دیا گیا چنانچہ قبلہ کی طرف ایک صف میں کھجوریں گاڑ دی گئیں اور پتھروں سے دو دروازے بنا دیئے گئے جبکہ ہم احکامِ حرم میں پہلے بتا چکے ہیں کہ کھجوروں کو کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا اور گویا آپ کے لئے قبلہ کی طرف کھجوریں لگانے کا مقصد یہ تھا کہ قبلہ کی طرف انہیں بطور ستون گاڑا گیا کہ اس پر چھت ڈالی جا سکے جیسے صحیح بخاری میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اینٹوں سے بنی تھی اور چھت پر کھجور کی باریک ٹہنیاں ڈالی گئی تھیں اور

ستون کھجور کے تنوں سے بنے تھے۔ یحییٰ کی روایت میں آگے آ رہا ہے کہ اس باڑے کے درمیان میں مشرکوں کی قبریں تھیں' حضور ﷺ کے ارشاد پر کھود دی گئیں' ہڈیاں نکالی گئیں اور انہیں غائب کر دینے کا حکم دیا گیا' وہاں پانی جمع رہتا تھا' نالی کھود کر اسے چلایا گیا تو وہ نکل گیا۔

عطاف بن خالد کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس جھونپڑی میں بارہ دن تک نمازیں پڑھیں' پھر اسے بنایا اور چھت ڈال دی' اس کی شہادت آگے آ رہی ہے۔

ابن زبالہ حضرت انس سے روایت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے یہ مسجد کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی اور پھر ہجرت کے چار سال بعد اینٹوں سے بنائی۔ میرے خیال میں یہ بے مقصد بات ہے۔

ابن زبالہ ہی نے شہر بن حوشب سے روایت کی' انہوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی بنیاد کا ارادہ کیا تو آپ سے عرض کی گئی: پتھر سے جھونپڑی بنایئے جیسے آپ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام نے بنائی تھی' پیمائش سات ہاتھ ہو۔ یحییٰ نے اور طریقے سے شہر کی روایت بتائی' الفاظ یہ ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا' رزین نے یہ الفاظ لکھے: جب رسول اللہ ﷺ مسجد کی بنیاد رکھنے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا: مجھے کہا گیا: جھونپڑی بنایئے جیسے آپ کے بھائی موسیٰ نے بنائی تھی' پیمائش سات ہاتھ تھی۔

یحییٰ نے حسن کے ذریعے بتایا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو فرمایا: میرے لئے مسجد بنا دو' بس چھپر ہو اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھپر جیسا ہو' اسے ہمارے لئے کچی اینٹوں سے تیار کرو۔ علامہ نے ان الفاظ میں لکھا: جب آپ نے مسجد بنانا شروع کی تو فرمایا کہ میرے لئے ایک چھپر بنا دو جیسا موسیٰ علیہ السلام کا تھا' جس پر گھاس پھوس اور لکڑیاں ہوں' موسیٰ علیہ السلام کی طرح سائبان ہو۔ پوچھا موسیٰ علیہ السلام کا سائبان کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ جب وہ کھڑے ہوئے تو ان کا سر چھت سے لگ جاتا۔

تعمیر میں آپ نے خود حصہ لیا تاکہ صحابہ میں کام کا شوق پیدا ہو سکے۔ صحیح بخاری کی پہلی روایت میں اس قول کے بعد ''اور پھر ان دونوں نے یہ زمین خرید لی'' رسول اللہ ﷺ نے کپڑے میں ڈال کر ان کے ساتھ اینٹیں لے جانا شروع کیں' اینٹیں اُٹھاتے وقت فرماتے:

''(اینٹوں کا) یہ بوجھ اُٹھانا خیبر جیسا نہیں' اے پروردگار! یہ بہت اچھا اور پاکیزہ ہے۔''

اور فرماتے:

''اے اللہ! اصل اجر تو آخرت میں ملے گا تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔''

ابن شہاب کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر مسلمانوں میں سے کسی کے پڑھے تھے' احادیث میں ان مکمل شعروں کے علاوہ ہمیں مکمل شعر نہیں ملتے جو آپ نے پڑھے ہوں۔

یحییٰ نے زہری سے ان الفاظ ''یہ بوجھ خیبر جیسا نہیں'' کا معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودی جب کھجوریں اتار

لیتے تو دیہاتی لوگ اپنے تھیلے وغیرہ لے کر آ جاتے اور عمدہ کھجوریں تھوڑی تھوڑی شہروں کی طرف لے جا کر بیچا کرتے۔

صحیح بخاری کی پہلی روایت میں "انہوں نے دروازہ گاڑ کر دونوں طرف پتھر سے دیواریں بنا دیں۔" اس قول کے بعد لکھا ہے: وہ یہ پتھر اٹھاتے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ یوں گاتے جاتے:

"الٰہی! آخر کی بھلائی کے علاوہ اور کوئی بھلائی نہیں لہٰذا انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔"

کہتے ہیں کہ یہ اشعار عبداللہ بن رواحہ کے تھے۔

زھری کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام یہ اشعار خوبصورت آواز سے پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ اینٹیں اٹھاتے وقت خود یہی پڑھتے تھے۔ آپ درست طریقے سے اشعار نہیں کہہ سکتے تھے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ؕ (سورۂ یٰسین:۶۹)

"نہ ہم نے انہیں شعر سکھائے اور نہ ہی ان کے لائق تھے۔"

یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ ثواب کے ارادے اور بھلائی کا شوق پیدا کرنے کے لئے کرتے تھے تاکہ ہر شخص یونہی کیا کرے' اس لئے کسی بھی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں کہ حضور ﷺ کی ذات سے اپنے آپ کو دور رکھے' اسی لئے ابن زبالہ کے مطابق مجمع بن یزید نے اس کے بعد کہا تھا: صحابہ نے یہ کام کیا اور رسم ڈال دی چنانچہ مسلمانوں میں سے کسی نے کہا تھا:

"اگر (بالفرض) ہم بیٹھ بھی جاتے تو رسول اللہ ﷺ کام کر ہی رہے ہوتے' اس وقت یہ کام بے مثال حیثیت کا ہوتا۔"

پھر انہوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھا کہ مسجد کا کام کرتے وقت یہ گنگناتے جاتے:

"وہ شخص جو مسجد کی تعمیر کرتا اور کھڑے ہوتے' بیٹھتے اس میں مسلسل محنت کرتا ہے اور پھر وہ شخص جو گرد و غبار سے بچتے دکھائی دیتا ہے' برابر نہیں گنے جا سکتے۔"

پھر انہی حضرات نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: "حضور ﷺ نے اپنی مسجد بنائی جس کے لئے کچی اینٹیں اور ضرورت کا سامان قریب لاتے رہے چنانچہ آپ اُٹھے اور چادر بچھائی' قدیم مہاجرین و انصار نے دیکھا تو انہوں نے بھی اوپر نیچے کی چادریں بچھا دیں پھر گنگناتے ہوئے کام کرتے جاتے اور کہتے جاتے:

"اگر ہم بیٹھ بھی جاتے تو رسول اللہ ﷺ کام کر رہے ہوتے۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نہایت صاف ستھرے اور بہت پاکیزہ رہنے والے تھے' وہ اینٹیں اُٹھاتے تو انہیں اپنے کپڑوں سے دور رکھتے اور اینٹیں لے جا کر رکھ دیتے تو آستین جھاڑ لیتے' کہیں مٹی لگ جاتی تو اسے گرا دیتے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں دیکھا تو یہی پہلے اشعار "مسجدیں تعمیر کرنے والے برابر نہیں" پڑھتے جاتے۔

یہ اشعار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے سنے تو انہوں نے بھی گنگنانا شروع کر دیا حالانکہ انہیں معلوم نہ تھا کہ اس سے وہ کیا مراد لے رہے ہیں' پھر پڑھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب سے گذرے تو کہتے: اے ابنِ سمیّہ! مجھے معلوم نہیں ہو رہا کہ کس کے بارے میں کہے جا رہے ہو' ہاتھ میں کھجور کی چھڑی تھی' کہنے لگے: یا تو رُک جاؤ یا میں یہ تمہارے منہ پر دے ماروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن لیا' آپ میرے گھر کے سائے میں تشریف فرما تھے (یعنی اُم سلمہ کے)۔ یحییٰ کی کتاب میں الفاظ یہ ہیں: "اپنے گھر کے سائے میں" اس سے حضور ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ عمار بن یاسر میرے سامنے مضبوطی سے کام کئے جا رہے ہیں' اگر ایسے میں کسی نے کچھ کہہ دیا تو تکلیف وہ بات ہوگی پھر اپنی آنکھوں کے سامنے ہاتھ رکھ لیا چنانچہ لوگ اس بات سے رُک گئے۔ بعد میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کی وجہ سے حضور ﷺ نے ناراضگی فرمائی ہے' ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی آیت نہ اُتر آئے۔ انہوں نے کہا کہ میں حضور ﷺ کو ویسے ہی رضا مند کرتا ہوں جیسے آپ نے ناراضگی فرمائی ہے' چنانچہ عرض کی' یا رسول اللہ! آپ کے صحابہ مجھ سے کیسا برتاؤ کر رہے ہیں؟ فرمایا کیا کرتے ہیں؟ عرض کی' یہ تو مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ خود تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں لیکن مجھ پر دو دو یا تین تین لادتے ہیں۔ آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور پوری مسجد میں لے کر پھرے' سر کے بالوں سے گرد جھاڑتے جاتے اور فرماتے: اے ابن سمیہ! میرے صحابہ تو تمہیں قتل نہیں کریں گے' تجھے ایک باغی فرقہ قتل کرے گا۔"

ابن اسحاق نے یہ قصہ بعینہٖ اسی طرح ذکر کیا ہے جیسے ابن ہشام کی "تہذیب" میں ہے: فرمایا:

"میں نے کئی اہلِ علم سے رجز کے اس شعر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت علی بن ابو طالب نے پڑھا تھا' اب یہ تو معلوم نہیں کہ شعر ان کا ہے یا کسی اور کا' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صرف خوش طبعی اور خوشدلی کے لئے پڑھا تھا جیسے لوگ اکٹھے کام کرتے ہوئے پڑھ لیا کرتے ہیں' بطور طعنہ نہیں پڑھا تھا۔"

ابو جعفر خطمی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ پڑھ رہے تھے:

"وہ شخص نجات حاصل کر گیا جو مسجدوں کی تعمیر کیا کرتا ہے۔"

جب یہ مصرعہ حضور ﷺ نے دھرایا تو ابن رواحہ نے آگے پڑھ دیا:

"وہ کھڑے بیٹھے قرآن پڑھا کرتا ہے۔"

پھر آپ نے بھی یونہی پڑھ دیا۔

مسجد کی تعمیر کے بارے میں بخاری شریف میں ہے: "ہم تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے لیکن حضرت عمار دو دو اٹھاتے۔" حضور ﷺ نے دیکھا تو ان سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: "عمار کے بارے میں افسوس ہے' اسے ایک باغی گروہ قتل کرے گا' یہ تو انہیں جنت کی طرف بلا رہے ہوں گے جب کہ وہ انہیں جہنم کی طرف کھینچتے ہوں گے۔ عمار نے جواب میں

کہا: ''میں فتنوں کے بارے میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔''

حضرت مجاہد کہتے ہیں: حضور ﷺ نے انہیں مسجد تعمیر کرتے دیکھا کہ حضرت عمار پر پتھر لاد رہے تھے' فرمایا: یہ عمار سے کیسا معاملہ کر رہے ہیں؟ یہ انہیں جنت کی طرف لے جانا چاہیں گے لیکن وہ انہیں جہنم کی طرف لے جانا چاہیں گے' یہ کام بدبخت اور شریر لوگوں کا ہوگا۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا مزید بتاتی ہیں: حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ مسجد بنا رہے تھے' آپ کے صحابہ تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے لیکن حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے' ایک ایک اپنی طرف سے اور ایک ایک حضور ﷺ کی طرف سے اٹھاتے جاتے' یہ دیکھ کر حضور ﷺ اُٹھے اور ان کی پیٹھ سے گرد جھاڑی' پھر فرمایا: اے ابن سمیہ! تمہارے لئے دو اجر ہیں جبکہ دوسروں کے لئے ایک اجر ہوگا' تم دنیا سے جاتے وقت آخری وقت میں شربت پیو گے اور تمہیں ایک باغی فرقہ قتل کرے گا۔''

روضِ سہیلی میں ہے' حضرت معمر بن راشد نے اسے اپنی جامع میں کچھ زیادتی کرتے ہوئے لکھا ہے اور وہ یوں:

''جب حضرت عمار' صفین کے موقع پر قتل ہو گئے تو عمرو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' وہ گھبرائے ہوئے تھے' کہنے لگے: عمار قتل ہو گئے' انہوں نے کہا' تو پھر کیا ہوا؟ حضرت عمرو نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرمایا تھا کہ اسے ایک باغی گروہ قتل کرے گا! انہوں نے کہا: ''تم تو اپنے ہی پیشاب سے پھسلتے چلے ہو (اپنے گلے میں خود مصیبت ڈالنے لگے ہو یا جیسے کہتے ہیں: آ بیل! مجھے مار) کیا ہم نے انہیں قتل کیا ہے؟ انہیں تو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں ہمارے سامنے لے آیا ہے۔''

بیہقی میں عبد الرحمٰن سلمی کے بارے میں ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے سنا کہ وہ اپنے باپ عمرو سے کہہ رہے تھے: ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں ایسے ایسے فرما رکھا ہے' انہوں نے پوچھا: کونسا آدمی؟ انہوں نے بتایا کہ عمار بن یاسر! کیا تمہیں وہ وقت یاد نہیں جب رسول اللہ ﷺ مسجد تعمیر فرما رہے تھے' ہم تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے لیکن یہ دو دو اٹھا رہے تھے' رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گذرے تو آپ نے فرمایا: تم دو دو اینٹیں اٹھا رہے ہو اور پسینہ میں شرابور ہو' سنو! تمہیں ایک باغی گروہ قتل کر دے گا' تمہیں جنت ملے گی۔

یہ سن کر حضرت عمرو' حضرت معاویہ کے پاس گئے اور کہنے لگے: ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ان کے بارے میں یوں فرما رکھا ہے' انہوں نے کہا: ''خاموش رہو' بخدا تم کب تک الٹی سیدھی باتیں کرتے رہو گے؟ انہیں ہم نے قتل کیا ہے؟ انہیں تو علی اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے' وہ انہیں لے آئے اور ہمارے سامنے کر دیا۔''

(قلت) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمار کا یہ قول مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت تھا' کیونکہ حضرت

عمرو پانچویں ہجری میں اسلام لائے تھے جیسے گذر چکا۔

ابن زبالہ کے مطابق حسن بن محمد ثقفی کہتے ہیں: عین اس وقت جب رسول اللہ ﷺ مسجد کی بنیاد رکھ رہے تھے' حضرت ابوبکر' عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ہی تھے تو ایک شخص وہاں سے گذرا' عرض کی یا رسول اللہ! آپ کے ہمراہ یہی لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ لوگ میرے بعد حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے والے ہوں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب حضور ﷺ مسجد مدینہ کی بنیاد رکھ رہے تھے تو ایک پتھر لا کر رکھ دیا پھر حضرت ابوبکر لائے اور رکھ دیا پھر حضرت عمر لائے اور انہوں نے بھی بنیاد میں رکھ دیا' حضرت عثمان آئے تو انہوں نے بھی رکھ دیا۔ آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: یہ میرے بعد خلافت کی ترتیب ہو گی۔ مسجد قباء کی بنیاد کے بارے میں ایسی ہی روایت گذر چکی ہے جس میں خلافت کا ذکر نہیں ہے۔

اقشہری نے اپنی ''روضہ'' میں بغیر نام لئے لکھا' ایک صاحب نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یا محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرما رہا ہے کہ اس کے لئے ایک گھر بنا دیں' اس کی بنیاد گارے اور پتھروں سے رکھیں۔ آپ نے پوچھا اے جبریل! دیواریں کتنی بلند کروں؟ انہوں نے عرض کی سات بازو بھر' یہ بھی آتا ہے کہ پانچ بازو بھر۔ پھر جب آپ نے بنیاد رکھنا شروع کی تو پتھر لانے کو فرمایا' ایک پتھر ہاتھ میں پکڑا اور پہلے بنیاد میں رکھ دیا پھر حضرت ابوبکر کو حکم دیا' وہ بھی لائے اور آپ کے پتھر کے پہلو میں رکھ دیا پھر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی یونہی رکھے اور پھر حضرت علی نے بھی لا رکھا انتہٰی۔ میں نے ان کے ہاتھ کے لکھے سے نقل کیا ہے۔

بیہقی نے دلائل میں حضرت سفینہ سے روایت کی جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے' انہوں نے کہا: جب نبی کریم ﷺ نے مسجد کی بنیاد رکھی تو ایک پتھر رکھا پھر فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ میرے پتھر کے پہلو میں پتھر لا رکھیں پھر عمر سے کہو کہ وہ حضرت ابوبکر کے پتھر کے پہلو میں پتھر لا رکھیں پھر فرمایا: عثمان سے کہو کہ وہ بھی عمر والے پتھر کے پہلو میں لا رکھیں۔ (سب نے رکھ دئے تو) فرمایا: یہ میرے بعد خلیفے ہوں گے۔

یحییٰ کے مطابق حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ایک پتھر اُٹھا رکھا تھا' اسید بن حضیر آگے سے ملے' عرض کی یا رسول اللہ! مجھے دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور دوسرا پتھر لے آؤ کیونکہ تمہیں مجھ سے زیادہ (ثواب) کی ضرورت نہیں۔

حضرت مکحول کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کافی تعداد میں ہو گئے تو انہوں نے عرض کی کہ ہمارے لئے کوئی مسجد بنا دیجئے' آپ نے فرمایا کہ لکڑیاں اور گھاس پھوس ہونی چاہئے' میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جھونپڑا بنا لیتے ہیں۔ جلدی کیجئے۔

رزین نے ذرا زیادہ لکھا ہے' فرمایا: صحابہ کرام اینٹیں اور ضروری سامان لاتے جاتے جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی ساتھ ساتھ اُٹھا کر لاتے' ایک آدمی ملا' آپ نے ایک اینٹ اُٹھا رکھی تھی' عرض کی' یا رسول اللہ! یہ مجھے دے دیجئے' آپ

نے فرمایا' اور اُٹھا لاؤ' کیونکہ تم مجھ سے زیادہ (ثواب کے) ضرورت مند نہیں ہو۔

علامہ مجد نے محمد بن سعد کی ایسی ہی روایت کی اور کہا: ایک آدمی آیا جو گارا اچھا بنا لیتا تھا' حضر موت کا رہنے والا تھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے' اپنا کام اچھا کرتا ہے پھر حکم دیا کہ یہ کام تم کرتے رہو کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ کام اچھا کر رہے ہو۔

علامہ زھری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک آدمی تھا یمامہ کا رہنے والا' نام طلق تھا اور بنو حنیفہ سے تعلق تھا' اس نے بتایا: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مسجد بنا رہے تھے' مسلمان بھی ان کے ساتھ کام کر رہے تھے' میں گارا بنانے کا ماہر تھا' میں نے بیلچہ پکڑا کہ گارا بناؤں' نبی کریم ﷺ دیکھ رہے تھے' فرمایا: یہ حنفی گارا بنانے کا ماہر ہے۔

احمد کے مطابق حضرت طلق بن علی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مسجد بنا رہا تھا' آپ نے فرمایا تھا کہ اس یمامی کو مٹی کے قریب کرو کیونکہ یہ تم سب سے زیادہ اچھا گارا بنانا جانتا ہے اور اس کے مونڈھوں میں سب سے زیادہ طاقت ہے۔

طلق ہی کہتے ہیں' میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے صحابہ مسجد کی تعمیر کر رہے تھے' شاید حضور ﷺ کو ان کا کام اچھا نہیں لگ رہا تھا چنانچہ میں نے بیلچہ پکڑا اور مٹی میں پانی ملا کر گارا بنایا' شاید آپ کو میرا بیلچہ پکڑنا اچھا لگا اور میرا کام بھی بہتر لگا' اس لئے فرمایا یہ کام حنفی کے ذمے رہنے دو کیونکہ یہ گارا بنانے کا ماہر ہے۔

گارا لینے کے بارے میں بات کرتے ہوئے ابن شہاب نے کہا: آپ نے اسے مسجد بنایا اور اینٹوں کے لئے مٹی بقیع خجبہ سے ملی جو بیر ابو ایوب کی ایک جانب مناصع کے مقام پر تھا۔ خجبہ وہ درخت تھے جو اس زمین میں اُگتے تھے۔

حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رحمہ اللہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد بنانا شروع کی جو ایک طرف سے ستر اور دوسری طرف ساٹھ ہاتھ تھی یا کچھ زیادہ تھی' اینٹیں اس مٹی سے بنائیں جہاں درخت اُگتے تھے' اس کی دیوار بنائی اور لکڑی پھاڑ کر اس کے ستون بنائے' درمیان میں صحن رکھا اور پھر اپنی دو بیویوں کے لئے دو گھر بنائے۔

عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے زید سے پوچھا کہ بقیع الخبخبہ کہاں تھا؟ انہوں نے بتایا کہ بیر ابو ایوب اور اس جانب کے درمیان تھا' یہ جگہ بقیع الغرقد کی تھی جو قبرستان کے لئے تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالعزیز سے بقیع الخبخبہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا' یہ خبخبہ راستہ پار کر جائیں تو بقیع غرقد کی بائیں طرف تھا اور مسجد یحییٰ کے پاس اس سے مل جاتا تھا۔ میں نے کہا مسجد والا وہ یحییٰ کون تھا جس کا تم نے ذکر کیا؟ انہوں نے بتایا کہ یحییٰ بن طلحہ بن عبید اللہ۔

(قلت) ہمارے شیخ المشائخ زین مراغی کے مطابق آج کل بقیع الخبخبہ کا ہمیں کچھ پتہ نہیں چل سکا لیکن بقیع الغرقد کے راستے سے نکلنے والا جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مزار کی طرف چلے' حضرت ابراہیم بن رسول اللہ

علیہ السلام کا مزار بائیں طرف ہو تو اس کی بائیں طرف ایک راستہ جاتا ہے جو ایک ٹیلے کی طرف نکل جاتا ہے' جب وہ اس راستہ پر چلے گا تو دائیں طرف موڑ کے بعد ایک باغ تک پہنچ جائے گا جو پہلے اور اب اولادِ صفی کے نام پر مشہور تھا' وہاں ایک کنواں تھا جس کی طرف ایک راستہ جاتا تھا' اسے پہلے اور اب بیر ابو ایوب کہتے تھے۔ پھر بقیع سے نکلنے والے کی بائیں طرف سے بھی چلنے والا جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف جانے والے راستہ پر چلتا تو رومیہ نامی مشہور باغ کی شام والی جانب ایک اور باغ تھا جو رباطیہ کے نام سے جانا جاتا تھا' تو وہ رباط ایمنہ پر جا ٹھہرے گا' وہاں بھی ایک کنواں تھا۔ علامہ مراغی کہتے ہیں کہ یہ بھی بیر ابو ایوب کے نام سے مشہور تھا' لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے تھے' یہ دارِ نخل میں مشہور باغ کے قریب تھا اور بقیع غرقد کی بھی بائیں طرف تھا۔ زین مراغی کہتے ہیں کہ شاید یہ مقصد کے زیادہ قریب ہے۔

میں بتاتا چلوں کہ جہاں تک مجھے علم ہے' یہی مراد ہے جیسے آگے ہم بیان کر رہے ہیں۔

علامہ رزین کی کتاب میں یہ الفاظ درج ہیں: جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: رسول اللہ علیہ السلام کی مسجد ردّہ لگا کر بنی تھی اینٹ کے اوپر اینٹ تھی پھر اینٹ اور اس کے ساتھ آدھی تھی۔

پھر جب لوگ زیادہ ہو گئے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اسے زیادہ کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ آپ نے اضافہ فرما دیا چنانچہ اینٹیں مختلف سمتوں میں لگائیں' اب اینٹ کے سامنے اینٹ لگائی' انہوں نے پتھر لگا کر دیوار تین ہاتھ (ساڑھے چار فٹ) اونچی کر دی' مسجد کا طول قبلہ کی طرف آخر تک سو بازو (۱۵۰ فٹ) کر دیا' عرض بھی اتنا ہی کر دیا' مسجد مربع شکل کی تھی۔

جعفر کی روایت میں ہے کہ اس پر چھت نہیں تھی' لوگوں نے گرمی کی شکایت کی تو انہوں نے لکڑیاں ڈال دیں اور ستون کھجور کے تنوں کے لگا دیئے' سائے کے لئے کھجور کے پتے وغیرہ ڈالے پھر چڑا ڈالا اور جب بہنے لگی تو اس پر گارا لگا دیا' مسجد کے درمیان میں صحن رکھا' سایہ کے انتظام سے پہلے دیواریں انسانی قد سے کچھ زیادہ تھیں۔ انتہی۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ ساری کلام جعفر کی نہیں کیونکہ اس کے درمیان میں ''فی روایۃ جعفر'' کے الفاظ آئے ہیں۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت جعفر نے بتایا کہ نبی کریم علیہ السلام نے اینٹ کا ردّہ لگا مسجد کی تعمیر شروع کی' پھر مسلمان زیادہ ہو گئے تو گارے سے بنائی۔ اس موقع پر صحابہ نے عرض کی: اس میں زیادتی کے لئے کسی کو حکم فرما دیجئے' آپ نے فرمایا ٹھیک ہے پھر فرما دیا تو مسجد وسیع کر دی گئی پھر دیواریں ڈیڑھ اینٹ کی بنائیں' پھر سخت گرمی لگی تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! حکم فرمائیں تو اس پر سایہ کر دیا جائے۔ فرمایا ہاں' آپ نے حکم دیا تو ستون کھجور کے تنے والے لگا دیئے گئے پھر اس پر مختلف قسم کی گھاس پھوس رکھ دی گئی چنانچہ گذرا اوقات کرتے رہے پھر بارش ہوتی تو چھت ٹپکتی تھی' عرض کی یا رسول اللہ! اگر آپ حکم فرما دیں تو اس پر مٹی لگائی جائے' فرمایا نہیں بلکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جھونپڑا ہے اور پھر مسجد حضور علیہ السلام کی زندگی تک ایسے ہی رہی' مسجد کی دیوار چھت ڈالنے سے پہلے انسانی قد بھر اونچی تھی چنانچہ جب اصلی سایہ ہاتھ بھر ہوتا اور دیوار کا سایہ دو قدم ہوتا تو آپ ظہر کی نماز پڑھتے اور دوگنا ہو جاتا تو عصر کی نماز

پڑھتے پھر ان سے 'مسیط' سعید' انثیٰ' ذکر کی اور تفسیر وہی گذشتہ بیان کی اور بازو کا ذکر نہیں کیا۔"

الاحیاء میں حضرت حسن رحمہ اللہ نے بتایا: جب حضورﷺ نے مدینہ طیبہ میں مسجد بنانے کا عہد کر لیا تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے' عرض کی کہ آسمان کی طرف اس کی دیواریں سات ہاتھ (ساڑھے دس فٹ) اونچی کیجئے' اسے نہ تو خوبصورت بنایئے نہ ہی نقش و نگار والی بنایئے۔ انتہی۔ اس سے قبل اقشہری حضرت جبریل کے حوالے سے سات ہاتھ اور پانچ ہاتھ کی بلندی بتا چکے ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا' رسول اللہﷺ تشریف لائے تو پتھر اٹھا رکھا تھا' انہیں اسید بن حضیر ملے' پھر پہلے والی بات ذکر کی اور کہا: حضرت زید نے فرمایا کہ زمین پر تین ہاتھ کے قریب پتھروں سے بنیاد اونچی کر لائے' اس زمین کے درمیان میں مشرکین کی قبریں تھیں' آپ نے حکم دیا تو وہ کھودی گئیں' ان کی ہڈیاں پھینک دی گئیں اور انہیں گم کر دیا گیا پھر وہاں پانی کھڑا رہتا تھا' اس کے لئے راستہ بنایا تو وہ بہہ گیا۔

مسجد بنانے والوں نے قبلہ والی دیوار کا آخر تک طول سو بازو بھر رکھا اور دوسری طرفوں میں بھی اتنی ہی پیائش تھی لہٰذا یہ مربع شکل کی بن گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سو ہاتھ سے کم تھی' قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا' اس کے تین دروازے رکھے' ایک دروازہ تو آخری حصہ میں تھا جو آج کل قبلہ کی طرف ہے' ایک دروازہ عاتکہ کہلاتا تھا جسے باب الرحمہ بھی کہتے ہیں اور یہ وہ دروازہ تھا جس میں سے رسول اللہﷺ مسجد میں تشریف لاتے' آج کل اسے بابِ عثمان کہا جاتا ہے' یہ دونوں دروازے قبلہ تبدیل ہو جانے پر بھی آج تک نہیں بدلے اور جب قبلہ تبدیل ہو گیا تو آپ نے اپنی پچھلی جانب والا دروازہ بند کر دیا اور یہ کھول دیا' اس کے عین سامنے وہ دروازہ تھا جو بند کر دیا گیا۔ ابن النجار نے اسے یوں لکھا ہے کہ جب قبلہ پھیر دیا گیا تو وہ دروازہ جو آپ کے پیچھے تھا' بند کر دیا گیا اور اس کے عین سامنے اور دروازہ کھول دیا گیا' علامہ مجد نے کہا کہ اس کے بالکل سامنے کھول دیا گیا۔ انتہی۔

حضرت اقشہری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وہ روایت لکھی ہے جو اس کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہﷺ کے دور میں آپ کی مسجد کچی اینٹوں سے بنی تھی' چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنی تھی اور اس کے تین دروازے تھے' ایک دروازہ آخر میں تھا' ایک باب عاتکہ تھا جسے باب الرحمہ کہا جاتا ہے اور وہ دروازہ جس سے آپ مسجد میں تشریف لاتے' بابِ عثمان کہلاتا تھا' اسی دروازے کو آج کل باب جبریل کہا جاتا ہے اور جب قبلہ تبدیل کر دیا گیا تو آخری دروازہ بند کر کے دوسرا دروازہ کھول دیا گیا جسے باب النساء کہتے ہیں۔ انتہی۔

ان کا یہ کہنا "یہ وہی دروازہ ہے جسے باب النساء کہتے ہیں" شاید ان کی اپنی طرف سے ہے جو انہوں نے حدیث کے مفہوم سے سمجھ لیا ہے' اسی لئے اس کے بعد انہوں نے ابو داؤد کی حدیث دی ہے کہ "کاش ہم نے یہ دروازہ عورتوں کے لئے کھول دیا ہوتا البتہ ابو داؤد نے واضح کیا ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جیسے آگے آئے گا اور

جیسے انہوں نے ذکر کیا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے قبلہ تبدیل ہونے کے بعد انہوں نے پچھلی طرف دروازہ نہیں بنایا تھا۔ ایک دروازہ نمازی کی دائیں جانب تھا' ایک بائیں جانب پھر اوپر تک کچی اینٹوں سے تعمیر کی' حضور علیہ السلام صحابہ کے ساتھ مل کر کچی اینٹیں چادر میں ڈال کر اُٹھاتے تھے اور فرماتے:

''اصل بوجھ اُٹھانا تو یہیں کا ہے' وہ نہیں جو خیبر (کی کھجوروں) کا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام کے صحابہ مسجد تک اینٹیں اُٹھا کر لاتے اور آپ ان کے ہمراہ اُٹھاتے' کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پیٹ پر اینٹ اُٹھائے جا رہے تھے کہ میں سامنے آ گیا' مجھے محسوس ہوا کہ آپ کے لئے بھاری ہے لہٰذا عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے دیجئے۔ فرمایا: اے ابوہریرہ! کوئی اور اُٹھالاؤ کیونکہ (ثواب کے لحاظ سے) اصل زندگی تو آخرت والی ہے۔

حضور علیہ السلام کی طرف سے مسجد میں اضافہ

(قلت) یہ دوسری مرتبہ کی تعمیر تھی کیونکہ پہلی تعمیر میں تو حضرت ابوہریرہ شامل نہیں ہو سکے تھے کیونکہ آپ فتح خیبر کے موقع پر آئے تھے۔ (واللہ اعلم)۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت جعفر بن عمرو کہتے ہیں: یہ باڑہ عمرو کے دو بیٹوں سہل اور سہیل کا تھا' انہوں نے رسول اللہ علیہ السلام کو پیش کر دیا تو آپ نے تعمیر کی' اپنے صحابہ سے تعاون فرماتے رہے اور خود کام کرتے رہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی گنگناتے ہوئے کام کرتے تھے۔ بتاتے ہیں کہ آپ نے دو مرتبہ تعمیر فرمائی' پہلی مرتبہ کی پیمائش سو سو ہاتھ سے قدرے کم تھی اور خیبر فتح ہو گیا تو تعمیر کرتے وقت دیواریں دو گنا کر دیں۔

طبرانی میں حضرت ابو الملیح کے والد کا بیان ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے اس مکان کے بارے میں جو مسجد میں شامل کر لیا گیا' اس کے مالک سے فرمایا (یہ انصار میں سے تھے) کہ اس گھر کے بدلے میں تجھے جنت میں مکان ملے گا' انہوں نے (کسی وجہ سے) انکار کیا' اتنے میں حضرت عثمان آئے تو اس سے کہا: اس مکان کے تمہیں دس ہزار درہم دیتا ہوں چنانچہ اس سے خرید لیا اور پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں چلے آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھ سے وہ گھر خرید لیجئے جو میں نے انصاری سے خریدا ہے چنانچہ آپ نے جنت میں مکان کے وعدہ پر ان سے خرید لیا' حضرت عثمان نے بتایا کہ میں نے دس ہزار درہم کے بدلے میں خریدا ہے چنانچہ آپ نے بنیاد میں ایک اینٹ رکھ دی پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا تو انہوں نے اینٹ رکھی پھر حضرت عمر کو بلایا تو انہوں نے اینٹ رکھی اور پھر حضرت عثمان آئے اور اینٹ رکھ دی پھر دوسرے لوگوں سے فرمایا تو انہوں نے بھی رکھ دیں۔

امام ترمذی نے حضرت عثمان کے محاصرے کے دن دیوار پر چڑھ کر خطاب کے بارے میں حضرت ثمامہ بن حزن قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دیتا

ہوں کہ مسجد شریف نمازیوں کے لئے تنگ ہو چکی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو فلاں کا مکان خرید مسجد میں ڈال دے' ایسے شخص کو جنت میں مکان ملے گا چنانچہ میں نے اپنی گرہ سے وہ مکان خریدا تھا' لیکن آج تم اس میں مجھے دو رکعت بھی پڑھنے سے روک رہے ہو۔ انہوں نے کہا' ہاں یہ بات تو درست ہے الحدیث دار قطنی اور احمد نے بھی ایسی ہی روایت کی پھر ان دونوں نے حضرت احنف بن قیس سے ایک طویل حدیث بیان کی: اس میں لکھا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا علی یہاں موجود ہیں؟ انہوں نے کہا' ہاں پھر پوچھا: کیا طلحہ ہیں؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دے رہا ہوں جس کے بغیر کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں' تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: جو شخص فلاں شخص کا باڑا خرید کر دے گا' اللہ اسے بخش دے گا چنانچہ میں نے بیس ہزار یا (فرمایا) پندرہ ہزار میں خریدا تھا پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے خرید لیا ہے' فرمایا اسے مسجد میں ڈال دو' تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ اس پر محاصرہ والوں نے کہا تھا: بالکل ٹھیک ہے۔

خیثمہ بن سلیمان نے فضائل عثمان بیان کرتے ہوئے حضرت قتادہ سے روایت کی' انہوں نے کہا: کہ مسجد کی ایک جانب ایک مکان تھا' حضور ﷺ نے فرمایا: جو اسے مسجد کی توسیع کے لئے خرید دے گا' اسے جنت میں ایسا ہی مکان ملے گا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے خرید لیا اور مسجد میں شامل کر دیا تھا۔

ابن زبالہ حضرت خالد بن معدان سے لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت ابو الدرداء کے پاس پہنچے بانس وغیرہ کی ایک چھڑی تھی جو ہاتھ بھر کی تھی' اس سے وہ مسجد کی پیمائش کر رہے تھے' فرمایا: کیا کر رہے ہو؟ دونوں نے عرض کی: ہمارا ارادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد شام کی طرح تعمیر کریں تا کہ انصار کو تقسیم کر کے بنانے کا کہہ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: لاؤ مجھے دو! آپ نے وہ بانس کی چھڑی ان سے لے لی' پھر چلتے ہوئے دروازے تک آئے اور اسے پھینک دیا پھر فرمایا سب مل کر گارا اور اینٹیں لاؤ تا کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا جھونپڑا بنا لیں' کہا گیا کہ یہ "ظلة موسیٰ" کیا ہے؟ فرمایا جب وہ کھڑے ہوتے تو ان کا سر چھت سے لگ جاتا۔

بیہقی نے دلائل میں حضرت عبادہ کے حوالے سے لکھا کہ: انصار نے مال جمع کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے' عرض کی یا رسول اللہ! اس سے مسجد تعمیر کر لیجئے اور اسے خوبصورت کر لیجئے' کب تک ہم اس کھجور کی چھت کے نیچے نماز پڑھتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے بھائی موسیٰ سے زیادہ اچھی نہیں بنا سکتا' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جھونپڑے جیسی ہو گی۔

حضرت بیہقی نے "عریشِ موسیٰ" کے بارے میں حضرت حسن سے روایت کی کہ جب آپ ہاتھ اٹھاتے تو چھت سے لگتا تھا۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی مسجد کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے' چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور گھاس پھوس شامل کی گئی تھی' اس پر زیادہ مٹی نہیں تھی' بارش ہوتی تو مسجد کیچڑ سے بھر جاتی' وہ جھونپڑے جیسی تھی۔

صحیح بخاری میں لیلۃ القدر کا بیان کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے دکھایا گیا کہ میں پانی اور مٹی (کیچڑ) میں سجدہ کر رہا ہوں تو جو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ٹھہرا ہوا ہے' چلا جائے چنانچہ ہم لوٹ آئے' آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا تک نہ تھا' اچانک بادل آیا اور بارش ہونے لگی' مسجد کی چھت بہہ پڑی کیونکہ کھجور کی لکڑیوں سے بنی تھی اسی دوران نماز کھڑی کر دی گئی چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے دیکھا کہ کیچڑ پر سجدہ کر رہے ہیں' میں پیشانی مبارک پر مٹی کا اثر دیکھ رہا تھا۔

دوسری فصل

آج کل مسجد کتنے ہاتھ ہے اور اس کی وہ حدود جن کے ذریعے پہلی تعمیر سے ممتاز ہے

یاد رکھئے کہ جب "ذِرَاعٌ" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد انسان کا ہاتھ ہوتا ہے اور حرم کی حد بندی میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ ذراع مصر و مکہ میں استعمال ہونے والے لوہے کے ذراع سے مختلف ہوتا تھا' یہ تقریباً دو انگشت کا ہوتا تھا اور مسجد کی پیمائش کے بارے میں ہمارے سامنے چار روایتیں آتی ہیں کہ ایک طرف سے ستر ذراع اور دوسری طرف ساٹھ یا کچھ زیادہ' دوسری میں ہر طرف سو سو ہاتھ' یہ مربع شکل بنتی تھی۔ تیسری روایت میں سو سے کم ہے' یہ پہلی کے مقابلہ میں سچی ہے' اسی پر دارو مدار رکھنا چاہئے۔ چوتھی یہ کہ پہلے تو سو سو ہاتھ سے کم بنائی تھی پھر اس میں زیادتی کی اور اتنی ہی دیواریں اور بڑھا دیں اور اس صورت میں قطعاً اس سے یہ مراد نہیں کہ ذراع کا حساب رکھا تھا ورنہ اس لحاظ سے دوسری مرتبہ کی تعمیر طول یا عرض میں ایک جانب تقریباً دو سو ہاتھ تھی اور دوسری طرف بھی اتنی ہی تھی اور اس میں شک نہیں کہ آپ کی مسجد شریف کی حد اخیر حجرۂ مبارکہ تک جاتی تھی جبکہ حجرہ کی دیوار سے مسجد کی مغربی دیوار تک (باوجودیکہ آج تک اس میں زیادتی بھی ہو چکی ہے پھر بھی) میری معلومات کے مطابق ڈیڑھ سو ہاتھ سے نہیں بڑھ سکی بلکہ یہ چھ ہاتھ سے زیادہ گھٹ چکی تھی حالانکہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما نے اسی جانب سے توسیع کی تھی پھر دوسرے خلفاء نے بھی کی تھی لہٰذا اس روایت میں ظاہر ہے کہ انگشت مراد ہیں' ہاتھ نہیں جس پر اعتراض ہو سکے کہ دوسری تعمیر کے وقت مسجد نبوی کی پیمائش دو سو ہاتھ ہوئی اور دوسری پیمائش بھی یونہی بڑھی اور سو ہاتھ والی روایت کے موافق ہو گئی' علاوہ ازیں جو آخری علماء نے حد بندی بیان کی ہے (مختلف طریقوں سے) اس سے سو ہاتھ بھی نہیں بنتی' اس کا مقصد یہ ہوگا کہ پہلی روایت کو اہمیت حاصل ہے جس میں ستر ہاتھ اور ساٹھ ہاتھ کا ذکر ہے' لمبائی ستر ہاتھ ہو گی اور چوڑائی ساٹھ ہاتھ۔

علامہ نووی نے اپنے "منسک" میں حضرت خارجہ سے روایت کی ہے' یہ مدینہ کے سات فقہاء میں سے ایک تھے' ان کے الفاظ یہ ہیں: حضور ﷺ نے مسجد کی تعمیر ستر ہاتھ اور ساٹھ ہاتھ یا قدر سے زیادہ پیمائش میں کی' ابن النجار اسی

پر یقین رکھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے مسجد مبارک مربع شکل میں بنائی' قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا' طول ستر ہاتھ اور ساٹھ ہاتھ تھا یا کچھ زیادہ تھا۔انتھی۔

حضرت یحییٰ نے ازواجِ مطہرات کے حجروں کے بیان سے ذرا پہلے فرمایا: مجھے ہارون نے بتایا کہ ہمیں محمد بن یحییٰ (صاحب مالک) نے بتایا کہ جو کچھ نبی کریم کی مسجد کے ذراع کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف سے شام کی جانب چون ہاتھ اور ہاتھ کے دو ثلث (ایک فٹ) تھی اور مشرق سے مغرب کی طرف تریسٹھ ہاتھ تھی جس کا رقبہ نکالا جائے تو تین ہزار چار سو چوالیس ہاتھ بنتا ہے۔انتھی۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دور میں آپ کی مسجد کی حدود قبلہ کی طرف سے وہ جنگلے تھے جو ان ستونوں کے درمیان تھے جو ریاض الجنہ سے قبلہ کی طرف واقع تھے اور شام کی طرف سے وہ دو لکڑیاں تھیں جو مسجد کے صحن میں گاڑی ہوتی تھیں' رہا مشرق سے مغرب کی طرف تو وہ حجرۂ نبی کریم ﷺ سے اس ستون تک تھی جو منبر کے بعد آتا ہے' یہ بلاط آخری حصہ تھا۔انتھی۔

جو کچھ ابن نجار نے ذکر کیا ہے' اس میں ایک طرح کے جھگڑے کی گنجائش ہے' انہوں نے قبلہ کی طرف سے جنگلوں کے ذریعے حد بندی اور شام کی طرف سے دو گڑی ہوئی لکڑیوں کی بناء پر حد بیان کی ہے' تو آج وہ لکڑیاں کسی کے علم میں نہیں' علامہ زین مراغی نے ان کی گمشدگی کی وضاحت کر دی ہے' کلام مطری سے بھی یہی سمجھ آتا ہے' اور پھر میں نے متقدمین کے کلام میں ان کا ذکر نہیں دیکھا ہاں ابن زبالہ نے ایسی کلام ذکر کی ہے جس میں پیچیدگی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی ایک جانب کی حد بندی ان دو لکڑیوں سے تھی جن میں سے ایک پر چھت کا حصہ نہ تھا اور دوسرے پر ان کے دور میں موجود تھا تو شاید اسی سے ابن نجار نے پیائش لی ہے اور ابن زبالہ کی عبارت بھی یہی بتاتی ہے کیونکہ انہوں نے ان دونوں کو جانب شام کی حد میں ذکر نہیں کیا' آج کل اس جانب سے حد (جیسا کہ ہمارے دور میں مشہور ہے) دو پتھر ہیں جن کا ذکر صحنِ مسجد کے بیان میں آ رہا ہے اور پھر ایسا مضمون آ رہا ہے جس سے اس کا رد ہو گا۔

اسے ابن جماعہ نے اپنے ''منسک'' میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: متاخرین علماء نے اس مسجد کی مقدار کا اندازہ بتایا ہے جو پہلے تعمیر ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ حجرۂ مبارکہ سے مغرب کی طرف ساتویں ستون تک اور پھر اس جنگلے سے جو دو ستونوں کے درمیان' مصلّے شریف کے سامنے مسجد شریف کے صحن میں گاڑے ہوئے دو پتھروں کے مقام تک صندوق سے متصل ہے' مربع شکل میں تھی۔ابن جماعہ کہتے ہیں لیکن یہ دونوں منبر شریف کی جانب پر نہیں ہیں بلکہ مشرق کی جانب چار ہاتھ یا کچھ کم مقدار میں اندر داخل ہیں اور یونہی قبلہ کی طرف اتنے ہی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ابن جماعہ مزید کہتے ہیں: اس لئے کہ میں نے ہاتھ سے پیائش کی ہے جو میرے اندازے کے مطابق پہلی مسجد کے ہاتھوں کے مطابق نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں کا منبر کی طرف سے مشرق کی طرف داخل ہونا جیسے کہ ذکر ہوا' اس بات سے رکاوٹ

نہیں بنتا کہ یہ دونوں حد بن سکیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہاں مغربی جانب ان دونوں کی سمت میں ہے جیسے یہ مراد ہے کہ شام کی جہت ان دونوں کی سمت میں ہے' وہ جہت نہیں جو صرف دو پتھروں کے سامنے ہے۔

اب ابن نجار سے نقل شدہ گذشتہ مضمون کی بناء پر' جہت مغرب کی ابتداء بتانے کی ضرورت نہیں جو اس جہت میں ستون سے ملنے والی جہت سے ہوتی ہے جیسے اس بات کی تحریر کی ضرورت نہیں کہ حجرۂ شریفہ کی حد مشرقی جانب سے شروع ہوتی ہے کیونکہ مشرقی کی جانب وہ حد ذکر نہیں کی گئی جو شام کی جانب دو پتھروں سے ملتی ہے اور درحقیقت جہت شام بیان کرنے کے سوا ان دونوں کا کوئی مقصد نہیں علاوہ ازیں یہ احتمال بھی ہے کہ مسجد کا اگلا حصہ پچھلے سے زیادہ چوڑا ہو جیسے آج کل بھی یونہی ہے تو اس صورت میں حقیقی طور پر مغرب کی جانب وہ دو پتھر حد بنیں گے۔

رہا ان کا یہ قول کہ یہ دونوں چار ہاتھ قبلہ کی طرف آگے ہیں اور یہ پہلی مسجد کے ہاتھوں کے مطابق نہیں ہیں یعنی ابن نجار کے مطابق ستر ہاتھ بھر نہیں ہیں تو انہوں نے اسے قبلہ کی طرف سے۔

کیونکہ قبلہ والی دیوار رسول اللہ ﷺ کے مصلّے کے برابر تھی اور یہ صندوق جو مصلّے شریف کے قبلہ کی طرف ہے (یعنی مصلّے اور جنگلوں کے درمیان) مقام شریف اور ستونوں کے درمیان ایک سُترہ (پردہ) ہے۔

یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ قبلہ کی دیوار اور منبر کے درمیان بکریاں گذرنے کا راستہ تھا جبکہ آج کل منبر اور جنگلوں کے درمیان سوا چار ہاتھ کا فاصلہ ہے اور قبلہ کی طرف سے منبر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی نہ ہی مصلّے شریف میں ہوئی ہے۔ انتہی لہٰذا جنگلوں سے ہاتھ کی پیائش کا کوئی اعتبار نہیں۔

میں نے جنگلوں سے دونوں ذکر شدہ پتھروں تک خود جانچا ہے تو پورے ستر ہاتھ تھے جن کا پہلے ذکر ہوا۔ جبکہ ابنِ جماعہ نے کہا' اسے جانچا گیا تو چھیالیس اور دو تہائی ہاتھ تھے چنانچہ وہ ہمارے ہاتھ کے بالکل موافق بلکہ قدرے زیادہ ہے کیونکہ زیرِ عمل ہاتھ (ذراع) ڈیڑھ ذراع ہے جو ہمارے ذراع سے بڑا ہے۔

رہا وہ ذراع جو علامہ مراغی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو وہ ہمارے ذراع کے موافق نہیں کیونکہ اس میں' جیسے کہ تصریح کی گئی ہے' آج مدینہ میں رائج ذراع پر اعتماد کیا گیا ہے چنانچہ میں نے اسے جانچا تو دیکھا کہ ہمارے ہاتھ کے ذراع سے (جسے ہم ذکر کر چکے ہیں) قیراط بھر زائد تھا۔ ہاں علامہ مطری کا یہ قول کہ "منبر اور آج کے جنگلے میں سوا چار ذراع کا فاصلہ ہے" ہمارے جانچ کئے ہوئے کے مخالف ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان ہمارے ذکر کردہ ذراع کے مطابق ساڑھے تین ذراع کا فاصلہ ہے لیکن عنقریب آ رہا ہے کہ آج کل منبر وہ نہیں اور پھر منبر کی بنیاد رکھنے کے لئے کھدائی کے وقت پتھر کے ٹکڑے دیکھنے پر ہمیں مطری کے قول کی سچائی معلوم ہوئی اور پتہ چلا کہ جو منبر ہم نے پایا تھا' اسے اصل منبر کے مقام سے قبلہ کی طرف آدھے ذراع سے زیادہ آگے کر دیا گیا ہے جیسے عنقریب ہم اس کی وضاحت کر دیں گے۔

ابن زبالہ اور یحییٰ نے کئی علماء کی طرف سے اس جہت میں مسجد کی حد ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: قبلہ میں اس کی

حد اس مرمر کے کنارے تھے جن کے درمیان منبر واقع تھا اور شام کی طرف سے اس کی علامت مشرق و مغرب کی جانب سے چار محرابیں تھیں اور ان چاروں محرابوں کی علامت یہ تھی کہ وہ اندر سے تمام کی تمام سبز رنگ کی تھیں۔

(قلت) آج مرمر کا نام ونشان نہیں ملتا لیکن ابن زبالہ کے کلام سے اس مرمر کے بارے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ منبر کے گرد ہاتھ بھر اونچا چبوترہ تھا جو مغرب سے تین ذراع' مشرق سے بھی تین اور قبلہ کی طرف سے بھی تین ذراع تھا کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: مجھے محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ نے بتایا' میں نے ایک چٹائی دیکھی جو عبداللہ بن حسن بن حسن کی تھی جو وہاں منبر کے سامنے موجود مَرمَر پر ڈالی ہوئی تھی۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حسن ۱۴۰ھ میں قید کر دئے گئے' اُن کے بعد کچھ دن تک وہ چٹائی پڑی رہی اور پھر اُٹھا دی گئی۔ ابن زبالہ مزید کہتے ہیں کہ پھر حسن بن زید بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم ابوجعفر کی خلافت میں ۱۵۰ھ کو مدینہ کے والی بنے تو وہ مرمر ٹوٹ گیا اور آپ نے اس کی ہر طرف سے اسے وسیع کر دیا اور ستونوں کے ساتھ ملا دیا۔ اس سلسلے میں ابو مودود عبدالعزیز بن ابو سلیمان نے کہا کہ میرے لئے مصلّٰی کی جگہ ترک کر دی جائے تو انہوں نے چھوڑ دی اور مرمر کو اگلے ستونوں سے نہ ملایا چنانچہ آج تک وہی مرمر موجود ہے جو منبر کے گرد اُبھرا دکھائی دیتا ہے اور جسے حضرت حسن بن زید رحمہ اللہ نے بنایا تھا اور وہ مرمر جو منبر کے گرد اس مرمر سے اُبھرا ہوا ہے جسے حسن بن زید نے بنایا تھا' وہ چھ ستونوں کے درمیان ہے' وہ تین ذراع قبلہ کی طرف' تین ذراع مشرق کی طرف اور تین ذراع مغرب کی طرف تھا اور وہ زمین سے ایک ذراع بھرا بھرا ہوا ہے۔ انتہٰی۔

ابن زبالہ نے ایک اور مقام پر کہا ہے کہ: منبر کے گرد مرمر کے فرش کی چوڑائی آٹھ ذراع (بارہ فٹ) اور لمبائی اٹھارہ ہاتھ (ستائیس فٹ) تھی' ایک اور مقام پر اسے رُخام کہا ہے' یہ بھی لغت میں مرمر کو کہتے ہیں اور عنقریب ابن نجار سے اس چبوترے کا ذکر آ رہا ہے جس کے درمیان منبر موجود تھا چنانچہ انہوں نے کہا: جس چبوترے پر منبر موجود ہے' اس کی اونچائی ایک انگشت اور قدرے زیادہ تھی تو گویا اندر کا فرش اونچا تھا کیونکہ یہ ابن زبالہ کے دور میں ایک ہاتھ اونچا تھا اور ابن نجار کے دور میں ایک بالشت سے قدرے زیادہ تھا پھر اسے اونچا کر دیا گیا لیکن آج اس کا کوئی وجود نہیں' اس کے نشانات کا اس وقت پتہ چلا جب منبر شریف کے اردگرد کھدائی کی گئی اور خود میں نے وہ مرمر دیکھا جو قبلہ کی طرف تھا جیسے آگے آ رہا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ منبر کے بعد مرمر قبلہ کی طرف تین ہاتھ تھا اور ظاہر ہے کہ مسجد کے عرض میں اس کا زیادہ حصہ شامل تھا چنانچہ یحیٰی نے ولید کا اضافہ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے قریش کے کچھ آدمیوں کو بلا کر انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اضافہ شدہ حصہ دکھایا اور وہ حصہ بھی دکھایا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑھایا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیز کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں پہلی مسجد کی دیوار منبر کے اوپر کی طرف ایک ہاتھ سے کچھ زیادہ تھی پھر انہوں نے کچھ ایسی باتیں بتائی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبلہ کی دیوار اور منبر کے درمیان اتنی جگہ موجود تھی جہاں سے بکریاں گذر سکیں اور موڑ پر آدمی کے گذرنے کا راستہ تھا نیز صحیح بخاری میں

حضرت سہل سے روایت ہے کہ حضورﷺ کے مصلّٰے اور دیوار کے درمیان بکریاں گذرنے کی جگہ تھی پھر اسی میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ منبر کے قریب مسجد کی دیوار اتنی دور تھی کہ بکریاں گذر سکتی تھیں تو وہ بات ثابت ہو گئی جو ہم نے کہی ہے کہ مسجد کی دیوار اس گذرگاہ میں شامل تھی جو قبلہ کی طرف علامتؓ بنائی گئی تھی' رہے وہ چار طاق' جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے کہ شام کی طرف سے مسجد کی آخری حد تھے تو آج کل ان کا نام ونشان نہیں ملتا ہاں مرجانی نے حارث محاسبی سے ان کا جو مقام بیان کیا ہے وہ آگے آ رہا ہے۔

رہا علامہ مطری کے مطابق اس بات کا جواب کہ جنگلے آگے تھے تو لگتا ہے ابن نجار نے یہ سمجھا ہوگا کہ حضورﷺ کے دور میں اس کی چوڑائی اس میں داخل تھی کیونکہ ہمارے ہاں یہ بات ثابت ہو چکی کہ مسجد کی دیوار مسجد ہی کا حصہ تھی جس کی تائید اس طرف مرمر لگے ہونے سے ہوتی ہے جیسے گذر چکا اور پھر آئندہ بارہویں فصل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے مسجد میں مصلّٰی شریف کے قریبی ستون سے مقصورہ شریف تک اضافہ کیا تھا کیونکہ یہی وہ برآمدہ ہے جو روضہ شریف کے قبلہ والے ستونوں اور ان ستونوں کے درمیان تھا جو قبلہ کی طرف جا ملتے تھے اور پھر علامہ مراغی نے کہا ہے کہ آپ نے مصلّٰے کے قبلہ میں موجود ڈاٹ آج کی قدیم دیوار میں بنا دی لیکن اس ڈاٹ کا عرض دو ہاتھ تھا' اس کے اور جنگلے کے درمیان آدھے ہاتھ سے زیادہ فاصلہ تھا اور یہ قدیم دیوار کی چوڑائی سے ایک ہاتھ زیادہ دکھائی دیتی تھی کیونکہ میں نے وہ اینٹ خود دیکھی تھی جسے پہلے ہم نے اس عمارتؐ میں دیکھا تھا جو پہلے موجود تھی تو یہ ایک ہاتھ سے لمبی تھی جبکہ چوڑائی آدھا ہاتھ تھی اور موٹائی چوتھائی ہاتھ تھی (ساڑھے چار انچ) نیز اس میں ایک ایسی شے بلند تھی جس کی لمبائی' چوڑائی اور موٹائی ایک جیسی تھی' ان میں سے دو اینٹیں جوڑ دی جائیں تو وہ پہلی کی لمبائی بن جاتی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حجرہ شریفہ کی ان اینٹوں میں سے بچی ہوئی تھیں جن سے پہلی دیوار بنی تھی' یہ تبرک کے طور پر لی گئی تھیں' یہ ٹیڑھی تھیں جبکہ دیوار پتھروں سے بنی تھی جس میں چونا لگایا گیا تھا لہٰذا انہیں وہاں لگانا مناسب نہ تھا چنانچہ انہوں نے دیواروں کے اوپر پتھروں میں لگایا اور یہ گذر چکا ہے کہ حضورﷺ کے دور میں اینٹیں مختلف سمت میں لگائی گئی تھیں اور یہ اینٹیں وہ تھیں جنہیں ہم نے دیکھا تھا یا ایک اینٹ اور آدھی اینٹ کی تھیں' یہ تقریباً ڈیڑھ اینٹ کی تھیں چنانچہ یہ دیوار کی وہ چوڑائی تھی جو حضورﷺ کے دور میں تھی' اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو ہم نے حجرۂ مقدسہ کی دیوار کی چوڑائی میں دیکھی تھی جیسے آگے آ رہا ہے اور پھر صورت حال منبر کے قبلہ میں مرمر کے ظاہر ہونے سے ہو گئی کیونکہ ہم نے ملاحظہ کر لیا کہ اس کے اور جنگلے کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ دیکھا تھا جبکہ اس کے اور قبلہ کی طرف سے منبر کے اصلی مقام کی جانب کے درمیان تین برابر ہاتھ کا تھا جیسے ابن زبالہ نے بتایا چنانچہ یہ دیوار کی وہ چوڑائی تھی جس میں منبر اور اس کا درمیانی حصہ شامل تھا۔

رہا وہ جو ابن نجار نے اس ستون کے ذریعے حد بیان کی ہے جو مغرب کی طرف سے منبر کے ساتھ ملتا ہے اور جو آخری حصہ میں تھا اور مشرق کی طرف سے حجرۂ مبارکہ تک تھا تو جو پتھر انہوں نے یہاں بتائے ہیں' آج ان کا کوئی

وجود نہیں ملتا' شائد ان سے ان کا مقصد وہ مرمر تھا کہ جس کے درمیان میں منبر واقع تھا' ابن جماعہ نے اسے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے: ''حجرۂ مبارکہ سے لے کر مغرب کی طرف سے ساتویں ستون تک'' کیونکہ ساتواں ستون' ان مذکورہ ستونوں میں وہی ہے جو مغرب کی طرف سے منبر سے ملا ہوا تھا' اور یہ اس صورت میں کہ ہم اس ستون کو شمار کریں جو حجرہ کے ساتھ ملتا تھا لیکن ابن نجار کے علاوہ میں نے مؤرخین میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے ابن جماعہ کی تائید کی ہو جس سے پتہ چلا کہ یہ ستون ہی مراد ہو گا چنانچہ میں نے منبر کے ساتھ والے ستون سے حضرت عمر بن عبد العزیز کے اضافہ تک (جس میں حجرہ مبارکہ داخل تھا) پیمائش کی تو اس کی پیمائش ساڑھے ستاون ہاتھ سے کچھ زیادہ تھی جبکہ اس اضافہ کی چوڑائی سوا ہاتھ تھی جیسے ٹوٹی دیوار کی تعمیر کے وقت مجھے معلوم ہوا' اس کے اور حجرہ کی اس طرف کی دیوار کے درمیان کوئی خلا نہ تھا' یہ بالکل اس کے ساتھ ملی تھی' درمیان میں سوئی گاڑ لینے کی گنجائش تک نہ تھی لیکن مؤرخین اس بات کو نہیں مانتے چنانچہ اس مذکورہ ستون اور حجرہ شریفہ کے درمیان انسٹھ ہاتھ سے ذرا کم فاصلہ تھا تو گویا ابن نجار نے اپنے سے پہلے مؤرخین کی اس بات میں پیروی کی ہے کہ اس اضافے اور اس طرف سے حجرے کی دیوار کے درمیان خلاء موجود تھا اور انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ اس اضافے کی چوڑائی اس سے زیادہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے چنانچہ انہوں نے مسجد کی چوڑائی بیان کرنے میں ان کا انتہائی قول منبر سے ملے ہوئے ستون تک ساٹھ ہاتھ یا کچھ زیادہ بتایا' یا یہ کہ پیمائش کی یہ کمی ہاتھوں کے بڑے چھوٹے ہونے کی وجہ سے تھی علاوہ ازیں ظاہر یہ ہے کہ ابن جماعہ نے حجرے کے ساتھ ملے ہوئے ستون کا اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے ساتویں ستون کو یہی سمجھا جو مغرب کی طرف اس ستون سے ملتا ہے جو منبر سے ملا ہوا ہے جبکہ یہ اس جانب منبر سے دوسرا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: ساتویں ستون سے حجرۂ مبارکہ کی حد تک پیمائش کی گئی تو معمول کے ہاتھ کی بناء پر بیالیس ہاتھ اور ہاتھ کا دو تہائی تھا۔

میں یہاں بتاتا چلوں کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے' میں نے اس کا اعتبار معمول کے ہاتھ سے کیا ہے چنانچہ میں نے دیکھا کہ یہ پیمائش مغرب کی طرف سے منبر سے دوسرے ستون تک ہوتی ہے اور پھر میں نے جب اس ہاتھ سے پیمائش کی جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں تو وہ پینسٹھ ہاتھ تھی اور یہ عین اس کے مطابق ہے جسے ابن جماعہ نے ذکر کیا ہے اور جسے ہم نے معمول کے ہاتھ کے مطابق پایا' کیونکہ معمول کا ہاتھ' مصر میں استعمال ہونے والے لوہے کے ذراع (ہاتھ) کے مقابلے میں ایک ہاتھ اور ہاتھ کا تہائی حصہ تھا جبکہ وہ بتیس انگلی کا تھا جبکہ وہ ذراع جو ہم نے ذکر کیا' اکیس انگلیوں کا ہے چنانچہ معمول کا ہاتھ (ذراع) ہمارے لکھے ہاتھ کے مقابلہ میں ایک ہاتھ اور نصف انگلی ہے۔

علامہ مراغی اس طرف گئے ہیں کہ اس ستون (جو منبر سے دوسرا) کو حد بنایا جائے کیونکہ انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ آج وہ بلاط موجود نہیں ہے' پھر کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ کی روایت سامنے رکھ کر مشرق سے مغرب تک تریسٹھ ہاتھ کا اعتبار کیا ہے اور یہ سب سے کم پیمائش بتانے والی روایت ہے چنانچہ یہ حجرۂ مبارکہ سے منبر کے قریب دوسرے ستون تک (نہ کہ اگلے ستون تک) تقریباً ساٹھ ہاتھ ہے۔ علامہ مراغی مزید کہتے ہیں کہ اس بناء پر حضرت عمر بن عبد العزیز والی

دیوار' پھر اس کے اور حجرۂ مبارکہ کی اصلی دیوار کے درمیان تقریباً تین ہاتھ ہے۔انتٰہی۔

علامہ مراغی نے جو کچھ سمجھا ہے' وہ ڈھکا چھپا نہیں کیونکہ انہوں نے یہ پیمائش تقریباً ساٹھ ہاتھ بنائی ہے حالانکہ وہ پینسٹھ ہاتھ ہے اور پہلے تاریخ دان حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اضافے اور حجرہ کی دیوار کے درمیان خلاء ثابت کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے تخمینہ (اندازہ) لگایا ہے کہ نہ اس اضافے کو ملا کر تین ہاتھ بنتی ہے جبکہ تم جانتے ہی ہو کہ اس اضافے کی چوڑائی سوا ہاتھ سے کچھ زیادہ ہے جبکہ اس کے اور حجرہ کی دیوار کے درمیان اور کوئی شے نہیں۔

ابن زبالہ اور یحیٰی نے اپنے طریقے سے مسجد کی حد اور اس کی ہاتھوں سے پیمائش کے بارے میں ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے دور میں مشرق کی طرف سے مسجد کی دیوار حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے اضافے تک نہیں پہنچتی تھی بلکہ وہ اضافہ اور مغرب سے کچھ حصہ ملا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ تک تھی جبکہ حضرت عائشہ کے حجرہ کی دیوار قبرِ انور کے ساتھ ملنے والے ستونوں اور ان ستونوں کے درمیان تھی جن کے درمیان وہ مقصورہ ہے جو حجرہ کو گھیرے ہوئے ہے جبکہ نبی کریم علیہ السلام نے اوّلاً مسجد بنائی تو اس کے تین ستون مغرب میں منبر کی دائیں طرف تھے اور تین ستون مشرق میں اس کی دائیں طرف تھے اور پھر اوّلاً اس کی انتہاء ستونِ توبہ تھا کیونکہ وہ تین ستونوں کے بعد دیوار کی جگہ پر تھا اور مشرق سے مغرب تک اس کی پیائش تریسٹھ ہاتھ تھی' کچھ کہتے ہیں کہ پچپن ہاتھ تھی اور پھر انہوں نے مشرق و مغرب کی طرف سے اس میں اضافہ کیا اور اس کے باوجود وہ اضافہ مشرق سے اضافۂ عمر بن عبدالعزیز تک نہیں پہنچتا' انہوں نے قبلہ اور شام کی طرف اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اس روایت کے موافق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ پیائش سو ہاتھ تھی' میرے نزدیک اسے اولیت اس بناء پر ملتی ہے کہ اس وقت منبر شریف مسجد کے درمیان تھا کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کے درمیان میں تو کھڑے نہ ہوں اور منبر پر ایک طرف کو ہو کر کھڑے ہوں اور آخری دور کے مؤرخین مسجد نبوی کے اس طریقے پر ہونے کے خلاف ہیں کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اضافے تک نہیں پہنچتی لیکن یہ بہتر ہے کیونکہ یہ بات قابلِ تسلیم نہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مسجد میں ایسا اضافہ کریں جس سے روضہ شریف کی حد میں کمی آ جائے' خدا پناہ دے اور صحیح بات یہ ہے کہ مبارک قبروں کا مقام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صفہ ہے جبکہ اس کے لئے سہارے کی ضرورت ہے جس سے ظاہر ہے کہ اضافہ میں دیوار صفّہ ہی کی دیوار ہے اور اس کا جو حصہ باہر ہے وہ گھر کا باقی حصہ ہے اور پھر تلاش کے بعد حارث محاسبی سے نقل شدہ علامہ مرجانی کا وہ کلام مل گیا جس میں اس کی وضاحت دیکھ لی کیونکہ آگے مسجد کی حد بندی کے ذکر میں آ رہا ہے کہ منبر کے مشرق کی طرف چھ ستون تھے' پھر کہا کہ ریاض الجنہ قبرِ انور اور منبر کے درمیان ہے تو جو حصہ چھٹے ستون کی دائیں طرف (جس کی میں نے منبر کی دائیں طرف حد بیان کی ہے) ہے وہ پہلی مسجد کا حصہ نہیں ہے یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا حصہ ہے جس سے مسجد وسیع ہوئی اور یہ روضہ میں تھا۔انتٰہی۔

اب ہم ابن زبالہ کی عبارت لکھتے ہیں کیونکہ یحیٰی نے ان سے زیادتی اور مخالفت کے بغیر روایت کی ہے اور پھر

اس میں ایسی چیزیں بھی ہیں جنہیں آج کوئی نہیں جانتا تاہم ان کے عجیب وغریب ہونے کی وجہ سے انہیں ذکر کر دینا چاہئے اگرچہ بعد کے مؤرخین نے انہیں ذکر نہیں کیا تو سنئے' ابن زبالہ' عبید بن عمر ابن حفص بن عاصم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی مسجد کے تین ستون مشرق کی طرف ملتے تھے اور تین ہی مغرب کی طرف تھے' یہ ستون ان ستونوں کے علاوہ تھے جو درمیانی صحن میں صحن سے قبلہ کی طرف ایک لائن میں تھے اور اگر یہ تصریح آگے نہ آ رہی ہوتی کہ ان چھ ستونوں میں سے تین تو منبر کی دائیں طرف اور تین بائیں طرف تھے (پہلی تعمیر کے وقت) تو ہم اس کا مطلب یہ نکالتے کہ ان چھ کی ابتداء منبر سے ملے ستون سے ہوئی تو یوں اس کی انتہاء وہ ستون ہوتا جو اسطوانہ توبہ سے ملا ہوا ہے' حجرہ کی دیوار بعد میں ہوتی چنانچہ یہ پہلی حد کے موافق ہو جاتا لیکن یہ لکھنے کے بعد انہوں نے کہا ہے: جمہور اہلِ علم وغیرہ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ ان دونشانوں تک تھی جو ان دوستونوں کے قریب ہیں جو مغربی جانب اور قبرِ انور کے درمیان ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج قدیم مسجد میں وہ چوکور مغربی ستون دکھائی نہیں دیتا البتہ جو کچھ مجھے معلوم ہوا ہے (اس چوکور کا مقابلہ قبرِ انور والے کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت پھر جو آگے بیان آ رہا ہے جہاں اس حائز کا ذکر ہے جو بارش کا پانی روکنے کے لئے قبلہ والی چھت کو ڈھانپنے کے لئے بنایا گیا) یہ وہی آٹھ گوشہ عظیم ستون تھا جو آج قبلہ کی طرف والی چھت میں دکھائی دیتا ہے کیونکہ یہ مغرب کی طرف اس چھت میں مسجد کی کھلی جگہ کا حصہ تھا جیسے قبرِ انور کا چوکور ستون مشرق کی طرف کھلی جگہ کا حصہ تھا۔

'اور لگتا یہ ہے کہ اس ستون کی آٹھ گوشہ تعمیر نئے سرے سے ہوئی تھی' پہلے چار گوشہ تھا جیسے انہوں نے قبرِ انور کے ستون کو آٹھ گوشہ کیا اور جو حجرہ سے ملتا ہے وہ اب بھی چار گوشہ ہی ہے اور قبرِ انور والا چوکور ستون وہی ہے جو شام کی طرف سے حجرے کو گھیرنے والی دیوار کے غربی جانب کے اخیر میں تھا' اسے اسطوانہ (ستون) جبریل کہا جاتا ہے جیسے آگے وضاحت آ رہی ہے اور وہ ستون جو اس کے قریب ہی اس جالی سے ملا ہوا ہے جو آج کل حجرہ کو گھیرے ہوئے ہے' یہ حصہ استوانہ وفود اور چکور ستون کے درمیان ہے چنانچہ اس بناء پر حجرہ کی دیوار اس حصے میں ہے جو قبرِ انور اور ساتھ والے ستون کے درمیان ہے۔

ابن زبالہ نے اپنی گذشتہ تحریر کے بعد لکھا ہے: انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مسجد میں اس جگہ اعتکاف کرتے تھے جہاں بنوعبد الرحمٰن بن حارث بیٹھتے تھے اور یہ دلیل بھی دی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں بیٹھ کر حضور ﷺ کی مسجد میں بحالتِ اعتکاف کنگھی کیا کرتی تھیں۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مشرقی دیوار ان قندیلوں کے درمیان تھی جو اسطوانہ توبہ کی لائن اور ان ستونوں کے درمیان تھی جو قبر کے ساتھ ہیں اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے قبرِ انور والے ستون سے اوپر کی طرف اضافہ کیا تھا۔

میں کہتا ہوں' ابن زبالہ نے جو کچھ حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ اس بات کی خوب وضاحت کرتا

ہے جو ہم نے بیان کر دی کہ مسجد کی مشرقی دیوار قبرِ انور کے ساتھ ملنے والے ستونوں اور ان کے مقابلہ میں آنے والے ستونوں کے درمیان تھی چنانچہ یہ دیوار قبلہ کی طرف سے شام کی طرف ان ستونوں کے درمیان تھی جسے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے قبر کے ساتھ ملے ستون تک مؤخر کر دیا تھا۔عنقریب علامہ ابن زبالہ علامہ محاسبی سے اس کی تصریح بیان کریں گے۔

رہا ابن زبالہ کا قول "و احتجوا آخر تک" تو اس میں انہوں نے یوں دلیل بنائی ہے کہ آپ کے بیٹھنے کی جگہ آپ کے حجرہ کے ساتھ ملتی تھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر میں بیٹھے حضور ﷺ کو کنگھی کیا کرتی تھیں' آپ مسجد میں بیٹھے ہوتے تھے اور پھر اسی دلیل کی خاطر انہوں نے اس کے بعد یہ حدیث بھی بیان کر دی کہ: "میری ماہواری کے دنوں میں آپ میرے قریب ہوجاتے تو میں کنگھی کیا کرتی' آپ مسجد ہی میں بیٹھے ہوتے۔"

آج کل اس جگہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں جہاں بنو عبد الرحمٰن بن حارث بیٹھا کرتے تھے۔

ابن زبالہ اور یحیٰی نے حضور ﷺ کے جائے اعتکاف کے بارے میں کچھ چیزیں بتائی ہیں' ہم انشاء اللہ ان کا ذکر کریں گے' ان میں جو ہمیں پسند ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے کھجور کی ایک چارپائی تھی جس میں شاخیں تھیں اور وہ قبرِ انور کے سامنے والے ستونوں اور قندیلوں کے درمیان رکھی ہوتی تھی جس پر آپ لیٹا کرتے تھے۔

ابن زبالہ کا یہ کہنا "التی وجاہ القبر" اس سے ان کی مراد وہ ستون ہیں جو قبرِ انور کے سامنے تھے' یہ وہ ستون ہیں جو استوانہ توبہ والی لائن میں آج حجرہ کے گرد جالی سے ملے ہوئے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اسطوانہ توبہ تھا جیسے آگے آرہا ہے اور یہ بات اس کے مطابق ہے جو مالک نے ذکر کی ہے کہ دیوار مذکورہ قندیلوں کی حد میں تھی۔

ابن زبالہ نے کئی اہلِ علم سے روایت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مسجد رسول اللہ ﷺ کے تین ستون تھے اور جب تم حضرت حسن بن زید کی جائے اعتکاف کی طرف منہ کرو تو منبر کی دائیں جانب واقع تھے اور دوسری طرف سے اسطوانہ توبہ تک تھے جن کے درمیان مشرق سے مغرب تک فاصلہ تریسٹھ ہاتھ تھا اور حضرت عبد الرحمٰن بن سعد اپنے بزرگوں سے سن کر بتاتے تھے کہ مسجد ہر طرف سے پچاس پچاس ہاتھ تھی۔

میں کہتا ہوں کہ وہ حجرے جو مسجد کی مشرقی جانب تھے آئندہ اضافے میں سارے یا ان میں سے چند مسجد میں ڈال دئے گئے تھے۔

ابن زبالہ مزید کہتے ہیں "نبی کریم ﷺ کی مسجد کی علامت (یعنی جب آپ مکہ سے تشریف لائے)" پھر انہوں نے اس عنوان کے ماتحت جلی ہوئی چھت کے نشانات بتائے اور ان ٹکڑوں کا ذکر کیا جو اب نہیں رہے' پھر اس مسجد رسول اللہ ﷺ کی علامت (جسے آپ نے خیبر سے واپسی پر بنایا تھا) کے بارے میں بتاتے ہیں کہ آپ نے قبلہ کی طرف وہی بنیاد رہنے دی جو پہلی حد تھی اور مشرق کی طرف اُن ستونوں تک اضافہ کیا جو نزدیک قبرِ انور کے چوکور ستون کے پاس تھے'

ان ستونوں کی علامت یہ تھی کہ دوستونوں کے درمیان کھلی جگہ ایک اُبھار تھا اور یونہی مغرب سے اس ستون تک جو چوکور ستون سے ملتا ہے' ستونوں کے درمیان اس میں بھی خالی مقام پر اُبھار تھا اور مسجد کی حد پتھر کے ٹکڑوں سے دکھائی دیتی تھی۔ علامہ یحیٰی کی عبارت یہ ہے: مسجد کی حد میں کنکروں کے نیچے مضبوط پتھر تھے اور وہاں استوانۂ توبہ اور قبر کے درمیان ان ستونوں کی صف میں اُبھار تھا جن کے درمیان ابھری ہوئی جگہ تھی اور مغرب میں یونہی زمین میں پتھر کا ابھار تھا جو گڑا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے شام والی جانب ترک کر دی تھی' اس میں زیادتی نہیں کی۔ انتہیٰ کلام ابن زبالہ۔

ان کا قول "مغرب سے بھی اسی طرح تھا" یعنی یہ حدِ مسجد زمین میں لگے پتھر سے ظاہر ہوتی تھی۔

ابن زبالہ نے ایک اور مقام پر بھی نبی کریم ﷺ کی مسجد کی ہاتھوں کے ذریعے پیائش بتائی ہے یعنی وہ حصہ جو آج تک اسی طرح چلا آیا ہے۔ پھر کہا: اس کی حد منبر کے مشرق سے چار ستون تک ہے اور یونہی اس کے مغرب سے بھی چار ہی ستون تک ہے۔ انتہیٰ۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن نجار اور ان کے بعد کے مؤرخین نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا البتہ ابن نجار نے اپنی کتاب کی ابتداء ہی یہ عذر پیش کر دیا تھا کہ میں ان دنوں مدینہ میں چند دن کے لئے ٹھہرا ہوا تھا اور میری کتابیں پاس نہیں تھیں اور پھر واضح کر دیا کہ میں نے اسے اپنی سمجھ کے مطابق لکھا ہے۔ علامہ مطری بھی ان کے طریقے پر چل گئے جبکہ ابن زبالہ اور یحیٰی اس سلسلے میں اچھے رہے کیونکہ یہ دونوں' مدینہ پر کچھ لکھنے والوں میں سے اول درجہ رکھتے تھے ابن زبالہ تو حضرت امام مالک بن انس کے ساتھیوں (شاگردوں) میں تھے جن کا نام محمد بن حسن تھا اور ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ماہِ صفر ۱۹۹ھ میں لکھی تھی' رہے علامہ یحیٰی تو وہ ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے جن کا وصال ۲۷۷ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا' رہے ابن شبہ تو وہ یحیٰی کے ہمعصر اور ذرا ان سے پہلے ہوئے تھے' مجھے ان کی کتاب کا وہ حصہ دیکھنے کو نہیں ملا جس میں مسجد نبوی کا ذکر ہے' اگر مل جاتا تو کئی اعتراضات کا جواب مل جاتا کیونکہ وہ ہر شے کی مکمل وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ ٹھوس امام ہیں اور ابن زبالہ اگرچہ کمزور تھے تاہم وہ یحیٰی کی موافقت کر لینے سے قوی ہو جاتے تھے کیونکہ وہ ان کی روایت کے پیچھے متصل ہی روایت کرتے تھے۔ پھر کلام مرجانی میں محاسبی سے مجھے وہ نقل ملی جو ابن زبالہ کے کلام سے موافق تھی میرے نزدیک وہ اس معاملے میں عمدہ ہے۔ دیکھئے علامہ مرجانی کہتے ہیں: حارث بن اسد محاسبی نے کہا: پہلی مسجد کی حد' منبر کی دائیں طرف سے ان قندیلوں تک جو خوخہ (جھونپڑا) کے سامنے تھیں' چوڑائی میں چھ ستون تھے جس کے اگلے موڑ پر اس سے دائیں طرف تین ستون تھے جن کی لمبائی اس کے قبلہ سے آخر تک تھی اور آج یہ مسجد کی ڈاٹوں میں سے مکمل چار کے سامنے ہے (یعنی محاسبی کے دور میں) اور جو حصہ اس سے زائد ہے وہ پہلی مسجد سے خارج تھا۔

علامہ محاسبی مزید کہتے ہیں: امام مالک سے روایت ہے' انہوں نے کہا: مسجد کا آخری حصہ بابِ عثمان کہلانے والے دروازے سے دوسرے دروازے کی چوکھٹ کے سامنے آتا تھا اور وہ مسجد سے چار ڈاٹوں کے فاصلے پر تھا۔ علامہ

نے مزید کہا: اور ریاض الجنہ' قبر اور منبر کے درمیان والا حصہ ہے۔

علامہ محاسبی کا یہ قول: ''منبر کی دائیں طرف سے'' اس کا مطلب ہے اس کے مشرق کی طرف' کیونکہ پہلے ان کی طرف سے ابن زبالہ کی کلام کی مخالفت گذر چکی ہے کیونکہ انہوں نے منبر کی دائیں طرف سے مراد منبر کے سامنے سے دائیں طرف لی ہے اور جن دو طاقوں کا ذکر علامہ محاسبی نے کیا ہے وہ ابن زبالہ اور یحییٰ کی کلام میں گذر چکا ہے جو آج کل موجود نہیں اور باب عثمان سے دوسرا دروازہ آج کل باب النساء کے نام سے مشہور ہے' چنانچہ ان کا کلام صراحۃً گذشتہ اس حد کا ردّ بنتا ہے جو مسجد کے صحن میں آج کل لگے دو پتھروں کے ذریعے شام کی طرف سے حد مذکور ہے اور اسی کلام سے ذراع والی گذشتہ روایت کی تائید ہوتی ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ مسجد ہر طرف سے سو سو ہاتھ تھی کیونکہ یہ روایت اس کے قریب ہے۔

محاسبی کے اس قول سے چار باتیں حاصل ہوتی ہیں:

(۱) ایک قول یہ ملتا ہے کہ یہ انتہاء اس ستون تک تھی جو اس جانب سے منبر کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ یہ وہ انتہاء ہے جس پر ابن نجار اور ان کے پیروکاروں کا اعتماد ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ منبر کے ساتھ والے ستون تک تھی' یہ بھی اس طرف منبر سے دوسرے ستون تک تھی حالانکہ یہ دونوں دور ہیں۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ اس طرف منبر سے تیسرے ستون تک تھی۔ ابن زبالہ کی کلام سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد کی یہ حد حضور علیہ السلام کے اضافہ سے پہلے کی ہے جبکہ محاسبی کا کلام اس کے خلاف ہے۔

(۴) چوتھے یہ کہ منبر سے چوتھے ستون تک تھی کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ منبر کے دائیں پہلو سے تین ستونوں پر تھی تو اس کی مغربی دیوار چوتھے ستون کی جگہ پر ہوئی' اس چوتھے ستون کی صف میں قبلہ کی طرف چوکور ستون تھا جو آدمی کے بیٹھنے کی مقدار زمین سے نیچا تھا اور اسی صف میں شام کی طرف محرابِ حنفیہ محدث کا محراب تھا۔

(۵) پانچواں قول یہ ہے کہ یہ منبر سے پانچویں ستون تک تھی کیونکہ پہلے آ چکا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے خیبر سے واپسی پر مغرب کی جانب ایک اور ستون جتنا اضافہ فرمایا تھا جیسے پچھلی روایت سے پتہ چلتا ہے یونہی ابن زبالہ کی بھی اس بارے میں وضاحت گذر چکی ہے کیونکہ انہوں نے اس حد کے بارے میں کہا تھا کہ: اس کے چار ستون ہیں چنانچہ مسجد کی حد منبر سے پانچویں ستون تک پہنچتی ہے اور یہ وہی ستون ہے جو جو مغرب کی طرف ایک صف میں کھڑے ستونوں سے ملتا ہے' یہ بھی نیچے سے بیٹھنے کی مقدار چوکور شکل میں تھا اور اسی صف میں شام کی طرف وہ ستون تھا جو مغرب کی طرف سے محرابِ حنفیہ سے ملتا تھا' چنانچہ یہی دو چوکور ستون وہ ہیں جن کے بارے میں مغرب کی طرف سے مسجد نبوی کی حد کے برابر مختلف روایات ملتی ہیں اور پھر مسجد میں آتش زدگی کے بعد ہمارے زمانے کی نئی تعمیر کے وقت انہیں چوکور ہی رکھا گیا اور دوسرا چوکور ستون یعنی منبر سے پانچواں'

وہی ہے جو میرے نزدیک بھی زیادہ راجح ہے کیونکہ اس کے سامنے قبلہ کی دیوار میں نقش و نگار ہیں جو نیچے تک آ جاتے ہیں لیکن ان میں سے کچھ اوپر والا حصہ درست کرنے کے موقع پر نیز اس عمارت کو سفید کرنے کے وقت جسے ہم نے پہلے دیکھا تھا' ٹوٹ پھوٹ گئے تھے اور ان دونوں کا درمیانی اور کچھ اوپر والا حصہ گر گئے تھے اور وہ حصہ رہ گیا جو اوپر والے عصابہ اور چھت کے درمیان تھا پھر اس کا باقی حصہ ہمارے زمانے میں لگنے والی آگ میں جل گیا' دیوار میں نقش و نگار کے قدرے رنگ رہ گئے تھے اور جب قبلہ کی دیوار بنی تو سب ختم کر دیئے گئے تو ظاہر یہ ہے کہ اس طرف سے یہ مسجدِ نبوی کی انتہاء تھی اور یہ انتہاء علامہ مطری کی بیان کردہ انتہاء کے مخالف ہے کیونکہ انہوں نے اسے کئی ذریعوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتہائی اضافے کی حد بتایا ہے:

(۱) میں نے منبر سے ملے ستون سے اس نقش و نگار کے سامنے والے ستون تک ہاتھوں سے پیائش کی تو وہ سینتیس ہاتھ تھی اور جب ہم اسے منبر سے ملنے والے ستون اور حجرہ والے ستون کے درمیانی ذراع سے ملاتے ہیں تو یہ ساٹھ ذراع (ہاتھ) ہو جاتا ہے جیسے گذر چکا اور یہ اس پیائش کے قریب ہو جاتا ہے جو پہلی روایت میں گذری۔

(۲) یہ بات بعید ہے کہ اس طرز (سجاوٹ) کو حضرت عثمان کی طرف سے کی گئی زیادتی بتایا جائے جیسے مطری نے کہا ہے:

ابن زبالہ نے کہا کہ ان کے لئے نقش و نگار میں علامات تھیں اور ظاہر ہے کہ جب وہ زائل ہو گئیں تو یہ اس کا بدل بن گئے۔

(۳) آگے آ رہا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اضافہ کیا تو اس کی چوڑائی ایک سو بیس ہاتھ ہو گئی لیکن مشرق کی طرف سے انہوں نے کوئی اضافہ نہ کیا چنانچہ آپ کے دور میں مسجد کی انتہاء حجرہ مبارکہ ہی رہی اور تم جانتے ہی ہو کہ حجرۂ مبارکہ سے اس طراز کے سامنے والے حصے تک کی پیائش سو ہاتھ سے کم ہے تو یہ حضرت عثمان کی انتہائی زیادتی کیسے بن سکتی ہے جبکہ انہوں نے حضرت عمر کی توسیع پر مغرب کی طرف سے ایک ستون کا اضافہ کیا تھا اور اگر یہ طراز حضرت عثمان کی زیادتی کی انتہاء شمار ہو تو لازم آئے گا کہ حضرت عمر کے دور میں مسجد کی چوڑائی نوے ہاتھ تھی اور اسے کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔

(۴) آگے آ رہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مغرب کی طرف ایک ستون کے علاوہ اور اضافہ کیا جبکہ ولید کی مغرب میں زیادتی دو ستون تھی اور اس میں شک نہیں کہ اس مذکور ستون سے مسجد کی مغربی دیوار تک پانچ ستون ہیں اور جب ان میں سے حضرت عثمان اور ولید کے اضافہ والے ستون نکال دیئے جائیں تو حضرت عمر کی زیادتی دو ستون رہ جاتی ہے اور یہ دونوں بیس ہاتھ کے قریب ہو جاتے ہیں جو حضرت عمر کی طرف سے

اضافہ تھا اور یہ اضافہ پہلے سو ہاتھ پر کیا گیا جیسے آگے آ رہا ہے۔

(۵) منبر کی جگہ تبدیل نہیں ہوئی اور یہ بات بہت بعید ہے کہ حضور ﷺ منبر کی جگہ مسجد کے ایک کنارے پر بناتے اور کھڑے ہوتے وقت اپنے صحابہ کے درمیان کھڑے نہ ہوتے۔

(۶) آگے آ رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کے گھر میں سے کچھ حصہ مسجد میں شامل کیا اور جو باقی رہا' اس میں سے بھی کچھ حصہ داخل کیا اور باقی مروان بن حکم کے گھر میں شامل کر دیا۔علامہ یحیٰی نے اس گھر کی زیادتی کے بارے میں جو روایت کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مسجد نبوی کے بالکل متصل تھا بلکہ یہ بھی روایت ہے کہ اس گھر کا پرنالہ مسجد میں بہتا تھا اور یحیٰی نے نقل کیا ہے کہ یہ گھر ان چوکور ستونوں کے درمیان تھا جو مروان بن حکم کے متصل تھے یعنی دروازہ تھا جو مروان کے گھر سے ملا ہوا تھا کیونکہ پہلے بتا دیا گیا ہے کہ اس مکان کا کچھ حصہ مروان کے گھر میں شامل کیا گیا تھا لہٰذا لازم ہے کہ وہ چوکور ستون حضرت عباس کے گھر کا ابتدائی حصہ ہو اور مسجد نبوی کا آخری حصہ۔

(۷) یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب "مربعہ غربیہ" کا نام لیا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ستون ہوتا ہے جو مسجد کے صحن میں مغرب کی طرف' چھتے ہوئے حصے کی انتہاء پر ان دو برآمدوں کی زیادتی سے پہلے ایک رُکن ہوتا تھا جن کا ذکر آگے آ رہا ہے' آج کل یہ ستون آٹھ پہلو ہے چنانچہ جمہور کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ مسجد نبوی شریف مربعہ غربیہ ستون کے قریب دو ستونوں کے درمیان اور قبر والے ستون کے درمیان ہوتی تھی جیسے ابن زبالہ نے نقل کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ منبر سے پانچواں مغربی ستون اس مذکور ستون کے قریب ہی ہے کیونکہ یہ ستون منبر سے چھٹا ہے تو واضح ہوا کہ "مربعہ غربیہ" سے مراد یہی ہے' جمہور علماء اس بات پر ہیں کہ مسجد نبوی ہر طرف سے سو سو ہاتھ تھی نیز اس روایت کی تائید علامہ محاسبی کی گذشتہ روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے امام مالک سے نقل کرتے ہوئے پہلی مسجد کے آخری حصہ کی حد بیان کی ہے کہ باب جبریل سے دوسرے دروازے کی چوکھٹ تک تھی اور وہ جو آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باب رحمت (بابِ عاتکہ) میں تبدیلی نہیں کی تھی' یعنی انہوں نے نقل کی اور صرف آخری حصہ بتایا اور اسے پہلے دروازے کے سامنے قرار دیا کیونکہ آپ نے مغرب والی جانب سے زیادتی کی تھی' جبکہ باب الرحمہ اور ان دو پتھروں کے درمیان' جن کے بارے میں بتایا کہ شام کی طرف سے مسجد کی حد ہیں' فرق واضح ہے کیونکہ یہ ان دونوں کے سامنے سے بہت پیچھے ہے' گویا کہ وہ دونوں پتھر موری کے دو کنارے دکھانے کے لئے رکھے گئے ہیں چنانچہ جو صاف دکھائی دیتا ہے' وہ یہ ہے سو ہاتھ والی روایت راجح ہے اور وہی حد صحیح ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ابنِ نجار نے جب اس پیائش کے بارے میں اختلاف دیکھا تو انہیں سوجھا کہ کم پیائش کا ذکر کر دیں کیونکہ یہ تو بہر صورت ثابت ہی ہے چنانچہ انہوں نے گذشتہ پیائش بیان کر دی اور بعد والوں نے ان کی

پیروی کی حالانکہ انہوں نے اپنی کتاب کی ابتداء میں اپنے پاس کتابیں نہ ہونے کا عذر پیش کر دیا تھا جبکہ انسانی حافظہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور جب یہ بات شاہین جمالی (حرم شریف کے محافظ' تعمیر کرنے والوں کے منتظم اور خادموں کے نگران) کو معلوم ہوئی تو اس نے قبلہ کی طرف ستونوں کی صف میں موجود منبر سے پانچویں ستون کی اوپر والی طرف طراز (نقش و نگار) بنا دیا جو چھت سے متصل تھا اور اس میں نقش تھا کہ مسجد نبوی کی انتہاء یہاں تک ہے' اللہ تعالیٰ انہیں توفیق عطا فرمائے کہ وہ حدودِ مسجد کی ہمیشہ حفاظت کرتے رہیں اور اللہ اسے اپنے مقرب بندوں میں ملا دے۔

اسی بنیاد پر ایک اور مسئلہ اٹھتا ہے جسے علامہ نووی نے شرحِ مسلم اور مناسک وغیرہ میں بیان کیا ہے کہ نماز کا کئی گنا ثواب اس مسجد میں ہوتا ہے جو حضور ﷺ کے دور میں تھی' یہ ثواب بعد میں زیادہ کئے گئے مسجد کے حصوں میں نہیں ہوتا حالانکہ یہ بات کسی اور عالم نے نہیں لکھی لیکن خطیب بن حملہ نے محبّ طبری سے نقل کیا ہے کہ کئی گنا ثواب حاصل ہونے والی مسجد جس کا حدیث میں بیان ہے' وہ ہے جو حضور ﷺ کے دور میں تھی اور اس میں اضافے بھی شامل ہیں کیونکہ اس بارے میں اخبار اور آثار موجود ہیں حالانکہ ابن حملہ نے علامہ نووی کو اپنی کتابوں میں خصوصی حیثیت دے رکھی ہے جبکہ برھان بن فرحون نے ابن حاجب فرعی کی کتاب کی شرح میں لکھا ہے کہ امام نووی کے علاوہ کسی اور نے اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی البتہ شیخ محبّ الدین طبری نے اپنی کتاب ''اِحکام'' میں لکھا ہے کہ علامہ نووی نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔

آپ مزید لکھتے ہیں: ابوعبداللہ بن فرحون نے ''شرح مختصر المؤطا'' میں نقل کیا ہے کہ مجھے مالکی حضرات کی ایک کتاب سے پتہ چلا ہے کہ امام مالک سے کسی نے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: حضور ﷺ نے اپنے قول ''في مسجدی هٰذا '' میں آئندہ اضافہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میں اضافے کی اطلاع دے دی تھی۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ برھان کا یہ قول کہ ''نووی کے علاوہ اس کی مخالفت کسی نے نہیں کی'' صحیح نہیں کیونکہ ابن جوزی نے ''الوفا'' میں ابن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے اور جو کچھ انہوں نے طبری کی ''اِحکام'' سے نقل کیا ہے' میں نے اس کی طرف رجوع کیا تو دیکھا کہ انہوں نے اس فضیلت میں زیادہ شدہ حصے کو بھی شامل کیا ہے اور اسے اپنی کتاب کی بارہویں فصل کے آخر میں بیان کیا پھر کہا کہ جس عالم تک یہ روایت نہیں پہنچی' انہوں نے فضیلت کو اسی مسجد تک محدود رکھا جو حضور ﷺ کے دور میں تھی کیونکہ اشارہ (ھٰـذہٖ سے) اسی طرف تھا' ایک اور عالم بھی اس طرف گئے لیکن جب انہیں پتہ چلا تو اس طرف مائل ہو گئے اور اسے قبول کر لیا۔ انتہی تو گویا ابن فرحون نے سمجھ لیا کہ ان کے قول ''ایک عالم'' سے مراد علامہ نووی تھے۔

رہا وہ جو محبّ طبری نے امام مالک سے بیان کیا ہے تو علامہ اقشہری نے اپنی ''روضہ'' میں عبداللہ بن نافع (شاگردِ مالک) اور انہوں نے مالک سے روایت کیا تو کلام کے درمیان ان کے الفاظ یہ ہیں: '' امام مالک سے پوچھا

گیا کہ مسجد کی حد سے مراد آیا وہ ہے جو حضور ﷺ کے دور میں تھی یا اس سے مراد موجودہ مسجد ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس سے مراد آج کی مسجد ہے اور بتایا کہ حضور ﷺ کو اس بات کی خبر دے دی گئی تھی جو ہونے والی تھی تو اس وقت جس نے ذہن میں رکھی' اسے یاد رہی اور جو بھول گیا سو بھول گیا' اگر یہ بات نہ ہوتی تو صحابہ کے ہوتے' خلفاءِ راشدین اسے جائز نہ جانتے' کسی نے بھی اس بات کا انکار نہیں کیا تھا۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد نبوی کی تخصیص بتانے والے کے پاس دلیل **مسجدی ھٰذا** کا اشارہ ہے حالانکہ شاید حضور ﷺ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ اس مسجد کے علاوہ مدینہ کی دوسری مسجد کو یہ فضیلت حاصل نہیں' یہ مطلب نہ تھا کہ آپ مسجد میں ہونے والی آئندہ زیادتی کو اس فضیلت سے نکال رہے تھے' حالانکہ امام نووی بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ مسجدِ حرام کے اضافہ شدہ حصہ میں ثواب کئی گناہ ملتا ہے تو مسجد مدینہ کو بھی یونہی ہونا چاہئے جیسے ابن تیمیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ: "یہی وہ بات ہے جس کے بارے میں پہلے ائمہ کرام کہتے ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے' حضرت و عثمان رضی اللہ عنہما بھی یہی کرتے رہے کیونکہ دونوں ہی نے مسجد کے قبلہ کی طرف اضافہ کیا تھا اور پھر اسی اضافہ شدہ حصہ میں کھڑے ہوتے رہے اور یونہی وہ پہلی صف میں بھی کھڑے ہوتے رہے جو سب سے فضیلت والی ہوتی ہے حالانکہ یہ قابلِ تسلیم نہیں کہ آپ کی اس مسجد کے علاوہ کسی اور میں نماز افضل ہو اور یہ بھی ناممکن تھا کہ خلفاءِ کرام اس مسجد کو چھوڑ کر کسی اور مسجد میں نماز پڑھتے' پہلے بزرگوں سے مجھے کسی کا اس بارے میں اختلاف نہیں ملا البتہ بعض متاخرین نے ذکر کیا ہے کہ زیادتی' آپ کی مسجد نہیں کہلاتی' سلف میں سے کسی کا یہ قول نہیں ہے اور عنقریب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اضافہ کے بارے میں ایسی اخبار و آثار آ رہی ہیں جو اس بات کی قوت کا باعث ہیں۔

تیسری فصل

حضور ﷺ قبلہ بدلنے سے پہلے اور بعد میں کہاں کھڑے ہوتے تھے؟

ہمیں بخاری شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ حدیث ملتی ہے' فرمایا: رسول اللہ ﷺ سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھاتے رہے' اس دوران آپ کی خواہش یہ رہی کہ کعبہ کو منہ کرنے کو حکم مل جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۝ (سورۃ البقرہ: ۱۴۴)

"ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔"

چنانچہ آپ نے چہرۂ انور کعبہ کی طرف پھیر لیا تو بے وقوفوں نے کہا (یہودی تھے):

مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○ (سورۃ البقرہ: ۱۴۲)

"اب کہیں گے بے وقوف لوگ' کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے' جس پر تھے' تم فرما دو کہ پورب پچھم' سب اللہ ہی کا ہے' جسے چاہے' سیدھی راہ چلاتا ہے۔"

حضور ﷺ کے ہمراہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور پھر نکل کھڑا ہوا اور نمازِ عصر انصار کے ساتھ پڑھی' وہ بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے تھے' کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کیا تھا چنانچہ انہوں نے مڑ کر اپنا رُخ کعبہ کی طرف کر لیا۔

حضرت یحییٰ کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی تبدیلی کے لئے حکم الٰہی کی انتظار کرتے' ان دنوں آپ اہلِ کتاب کو دیکھ کر کچھ ایسے کام کر لیتے جن کا حکم دیا جاتا اور نہ ہی روکا جاتا۔ ابن عباس کہتے ہیں' ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے تو جبریل علیہ السلام نے اشارے سے عرض کی: "اے محمد! بیت اللہ کی طرف منہ کر لیجئے" پھر جبریل نے بھی کعبہ کی طرف منہ کر نماز پڑھی۔ چنانچہ آپ کعبہ کی طرف گھوم گئے اور اسی موقع پر یہ آیت اُتری:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ○ الآیہ۔

یہ سن کر منافقوں نے کہا: محمد اپنی زمین اور قوم کی طرف پھر گئے' مشرکوں نے کہا: محمد کا ارادہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے قبلہ ہی سے ملا لے اور ہمیں وسیلہ بنا لے اور اس نے جان لیا ہے کہ ہمارا دین زیادہ ہدایت دیتا ہے' یہودیوں نے مومنین سے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم نے موسیٰ' یعقوب اور دیگر انبیاء کا قبلہ چھوڑ دیا ہے اور مکہ کی طرف منہ کر رہے ہو؟ تم یہ کام بے فائدہ کرنے چلے ہو۔ یہ سن کر مومنوں نے کہا ہم میں کچھ آدمی فوت ہو چکے ہیں' معلوم نہیں' ہم اور وہ ایک قبلہ والے شمار ہوں گے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ○ الآیہ۔

ابن زبالہ نے حضرت عثمان بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت کی' انہوں نے فرمایا: حضور ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کئے حکم خداوندی کی انتظار فرماتے' آپ ان دنوں یہودیوں کو دیکھ کر کچھ ایسے کام کرتے جن کا آپ کو نہ حکم ہوتا اور نہ ہی منع کیا گیا ہوتا۔ ایک دن آپ اپنی مسجد میں نمازِ ظہر پڑھ رہے تھے' دو رکعتیں پڑھی تھیں کہ جبریل امین حاضر ہوئے اور اشارہ کیا کہ چہرہ بیت اللہ شریف کی طرف کیجئے اور پھر جبریل نے بھی اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔

حضرت یحییٰ کے مطابق رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور ﷺ نے اپنی مسجد میں مسلمانوں کو ظہر کی دو رکعت نماز پڑھائی کہ اسی دوران حکم ہوا' مسجد حرام کی کیطرف متوجہ ہو جاؤ چنانچہ آپ گھوم گئے۔ رافع کہتے ہیں کہ ہم

بنو عبد الاشہل کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا ہے۔ رافع کہتے ہیں کہ ہمارے امام نے ہمیں کعبہ کی طرف گھوم جانے کا حکم دیا تو ہم ادھر گھوم گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ' ہم قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا' کہنے لگا' رسول اللہ ﷺ پر آج رات حکم قرآن اُترا ہے اور انہیں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا چہرے ادھر کر لو' اس سے پہلے قبلہ کا رُخ شام کی طرف تھا چنانچہ سب لوگ گھوم گئے اور کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے ایک جگہ الفاظ یہ ہیں کہ لوگ رکوع میں تھے اور نماز صبح کی تھی۔

حضرت عثمان بن محمد بن اخنس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد (قبلتین) میں ظہر کی نماز پڑھی' جب دو رکعت پڑھ لیں تو حکم ملا کہ کعبہ کی طرف رُخ کر لیں چنانچہ آپ کعبہ کی طرف گھوم گئے اور میزاب کی طرف رُخ کر لیا۔ حضرت عثمان بن محمد کہتے ہیں کہ یہ ظہر کی نماز تھی جو ان دنوں چار رکعت پڑھی جاتی تھی۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور بدر سے دو ماہ قبل قبلہ تبدیل ہو گیا' ہمارے پاس ثبوت ہے کہ قبلہ مسجد قبلتین میں بوقت نماز ظہر تبدیل ہوا تھا۔

انہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں تشریف لا کر سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور پھر بدر سے دو ماہ پہلے قبلہ تبدیل ہو گیا۔

عبد اللہ مزنی کے دادا بتاتے ہیں کہ نصف رجب بروز پیر' سترہویں ماہ کے آخری دنوں میں قبلہ تبدیل کر دیا گیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے سولہ ماہ تک حضور ﷺ کے ہمراہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تا آنکہ سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہو گئی:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۝

"جہاں کہیں بھی ہو' اس کی طرف منہ پھیر لو"

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ نماز پڑھ چکے تھے' ایک آدمی وہاں سے چلا اور اس مقام سے گذرا جہاں انصار نماز پڑھ رہے تھے' انہیں یہ بات بتائی تو انہوں نے اپنے چہرے کعبہ کی طرف پھیر لئے۔

تحویلِ قبلہ کی تاریخ

حضرت براء ہی سے ایک روایت سولہ یا سترہ ماہ کی بھی ہے' راوی کو شک پڑ گیا تھا۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مسجد بنو سلمہ (مسجد قبلتین) میں تھے کہ قبلہ تبدیل کر دیا گیا' وہاں آپ دو رکعت نماز پڑھا چکے تھے چنانچہ آپ پھر گئے اور میزاب (خانہ کعبہ کا پرنالہ) کی طرف ہو گئے' مرد' عورتوں کی جگہ پر آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ۔

ابن ابی حاتم کے مطابق تویلہ بنت اسلم کہتی ہیں کہ میں نے ظہر و عصر کی نمازیں بنو حارثہ کی مسجد میں پڑھیں تو میں نے اپنا رُخ مسجد ایلیاء (بیت المقدس) کی طرف کیا' ہم نے دو ہی سجدے کئے تھے یعنی دو رکعت پڑھی تھیں کہ ایک شخص نے آ کر اطلاع دی' رسول اللہ علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے چنانچہ عورتیں' مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ اور بعد کی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ الحرام کی طرف منہ کر کے پڑھیں۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ گذشتہ حدیث ''وہ انصار کی ایک قوم کے ہاں سے گذرے جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔'' میں جن لوگوں کا ذکر ہے' وہ بنو حارثہ تھے اور ان کی طرف جانے والے عباد بن بشر تھے' اہلِ قباء کے پاس یہ اطلاع صبح کے وقت پہنچی تھی چنانچہ دونوں حدیثوں میں کوئی مقابلہ نہیں۔

مسجد قبلتین کے بارے میں آ رہا ہے' ابن زبالہ نے نقل کیا کہ قبلہ اس وقت تبدیل ہوا جب بنو سلمہ کے کچھ لوگ مسجد قبلتین میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے' اسی دوران ایک شخص آیا اور انہیں یہ اطلاع دی' وہ گھوم گئے اور اپنے چہرے کعبہ کی طرف کر لئے' یہی وجہ ہے کہ اس مسجد کا نام مسجد قبلتین پڑ گیا۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ اس بناء پر یہ نام مسجد قباء کا ہونا زیادہ بہتر ہے۔

بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی مدت

علامہ ابو القاسم قشیری (رسالہ قشیریہ والے) لطائف التفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت قتادہ کے مطابق جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے تو اس کے بعد سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی' کچھ حضرات سترہ ماہ کہتے ہیں' یہ ابن عباس کی روایت ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مطابق نو یا دس ماہ پڑھی۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے تیرہ ماہ بتایا' اس سے غرض یہ تھی کہ یہودیوں کو دین کی رغبت ہونے کے لئے آپ کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی طرف مائل کیا جا سکے اور پھر آپ نے ان سے قبلہ کے بارے میں موافقت کرنا اس وقت سے مناسب نہیں سمجھا جب انہوں نے یہ کہہ دیا' اگر ہمارا دین سچا نہ ہوتا تو یہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے اور نہ ہی ہمارا طریقہ اپناتے۔

اس پر حضرت جبریل علیہ السلام سے آپ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرا ربّ مجھے یہودیوں کے قبلہ سے کسی اور طرف پھیر دے۔جبریل نے عرض کی کہ میں تو ایک غلام سا فرشتہ ہوں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا' آپ یہ سوال اپنے پروردگار سے کیجئے۔

اس کے بعد جبریل تو آسمان کی طرف چڑھ گئے مگر حضورﷺ اُحد کی طرف صحراء میں چلے گئے' یہاں آپ نے دو رکعت ادھر اور کبھی دو رکعت ادھر پڑھنا شروع کیں' آپ اللہ سے اس بارے میں اجازت مانگ رہے تھے' نظر آسمان کی طرف تھی اور پھر آپ اُحد کے پہلو میں جا پہنچے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رجب کے اندر سورج کے زوال کے بعد ظہر سے پہلے یہ آیت اُتار دی:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ٥

اور قبلہ تبدیل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ بدر سے دو ماہ پہلے کا ہے۔ سیرت ابن حبان میں ہے کہ سترہ ماہ اور تین دن کے بعد قبلہ تبدیل ہوا تھا۔ شیخ شرف الدین دمیاطی نے کہا کہ نصف رجب کو ساڑھے پندرہ ماہ کے بعد تبدیل ہوا تھا۔ علامہ نووی نے ''سیر روضہ'' میں بتایا کہ قبلہ کی تبدیلی بروز منگل' نصف شعبان ۲ھ کو ہوئی۔ علامہ مجد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ یہ تبدیلی نصف شعبان کو تیسری رکعت میں ہوئی تھی' کچھ نمازِ عصر کا نام لیتے ہیں' علامہ نحاس چند ماہ کہتے ہیں' عبدالرحمٰن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ جمادیٰ میں تبدیل ہوا تھا اور یہ سب اقوال سے درست قول ہے۔ ابن جریر نے حضرت معاذ سے لکھا کہ مدینہ میں تشریف آوری کے تیرہ ماہ بعد تبدیل ہوا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ دس یا نو ماہ بعد تبدیل ہوا۔ انتہٰی۔

ابن سعد کہتے ہیں' کہا جاتا ہے کہ حضورﷺ نے اپنی مسجد میں مسلمانوں کو ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر انہیں حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف پھر جائیں چنانچہ آپ گھوم گئے اور مسلمان بھی آپ کے ساتھ گھومے۔ نیز یہ کہا جاتا ہے کہ حضورﷺ بنو سلمہ کی اُمِ بشر بنت براء بن معرور رضی اللہ عنہا کی زیارت کو تشریف لے گئے' انہوں نے آپ کے لئے کھانا پکایا اور اسی دوران ظہر کا وقت ہو گیا' حضورﷺ نے صحابہ کو دو رکعتیں پڑھائیں اور پھر کعبہ کی طرف گھوم جانے کا حکم دیا' میزاب کے سامنے آ گئے چنانچہ مسجد قبلتین اس کا نام پڑا' ابن سعد کے مطابق علامہ واقدی کہتے ہیں کہ یہ روایت ہمارے نزدیک زیادہ وزنی ہے۔

کعبہ کی طرف پہلی نماز

صحیح بخاری میں ہے کہ حضورﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلی نماز عصر کی پڑھی تھی۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ آپ نے سب سے پہلی نماز بنی فلاں میں ظہر کی پڑھی تھی اور مسجد نبوی میں پہلی نماز عصر کی پڑھی تھی۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ گذشتہ تیرہ اور انیس ماہ والی روایات شاذ ہیں ان روایات کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس نے سولہ ماہ کا ذکر کیا ہے' اس نے آپ کی آمد اور تحویلِ قبلہ کے وقت کو ایک ماہ شمار کیا اور زائد دن شمار نہیں کئے' جس نے سترہ ماہ کہا ہے' اس نے سب جمع کر کے کہا ہے اور جسے شک ہوا وہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتا ہے' اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی آمد بلا خلاف ربیع الاوّل میں ہوئی اور صحیح قول کے مطابق قبلہ کی تبدیلی دوسرے سال ماہِ رجب کی نصف میں

ہوئی تھی۔ جمہور یہی کچھ کہتے ہیں۔ رہا ابن حبان کا قول: سترہ ماہ تین دن تو اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آپ کی آمد بارہ ربیع الاوّل کو ہوئی تھی۔

حضرت ربیع کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کے ابتدائی دنوں میں بیت المقدس یا کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں صاحبِ اختیار تھے البتہ اللہ نے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا چنانچہ اس طرف منہ کرنا فرض تھا اگرچہ آپ کو اختیار دے دیا گیا تھا۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ قبلہ دو مرتبہ منسوخ ہوا تھا۔

مکہ میں ہجرت سے پہلے کس طرف نماز پڑھی جاتی تھی؟

ابن رشد، ''بیان'' میں لکھتے ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مدینہ میں قبلہ تبدیل ہونے تک آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے' اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ مدینہ میں آمد سے قبل آپ مکہ میں کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کیا کرتے' ایک اور روایت یہ ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرتے تھے' یہ روایت بھی ہے کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تو کعبہ درمیان میں ہوتا یعنی آپ رکن یمانی کے درمیان کھڑے ہوتے۔

ابن عبد البر نے بھی یہ اختلاف ذکر کیا ہے کہ مکہ میں آپ کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے یا بیت المقدس کی طرف؟ پھر کہا کہ سب سے بہتر وہ قول ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ دو قبلوں کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے' کعبہ کو آپ اپنے اور بیت المقدس کے درمیان لے لیتے۔

حضرت طبری وغیرہ کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کر آئے تو یہودی یہاں بہت تھے' وہ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے چنانچہ اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمایا جس پر یہودی خوش ہوئے' آپ اس طرف منہ کر کے سترہ ماہ نماز پڑھتے رہے جبکہ آپ کی خواہش یہ رہی کہ قبلۂ ابراہیم علیہ السلام کی طرف منہ کر نماز پڑھیں چنانچہ آپ دُعا کیا کرتے اور آسمان سے حکم کے منتظر رہتے چنانچہ یہ آیت اُتری۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنا وحی کی بناء پر تھا' اس میں نبی کریم ﷺ کے اجتہاد کا دخل نہ تھا' یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ مکہ میں آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے جبکہ بیت اللہ سامنے ہوتا تھا تو ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جائے گا کہ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جاری رکھا گیا۔

طبری کے مطابق ابن جریج کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پہلے تو کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں پھر مکہ ہی میں تھے کہ بیت المقدس کی طرف پھیر دیے گئے' تین حج یونہی پڑھے اور پھر ہجرت فرمائی تو وہاں آمد کے بعد سولہ ماہ تک

بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پھر اللہ نے انہیں کعبہ کی طرف متوجہ کر دیا۔

مسجد نبوی کا قبلہ کیسے درست کیا گیا؟

ابن نجار نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مسجد میں سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی' پھر کعبہ کی طرف پھر جانے کا حکم ہوا چنانچہ ایک گروہ' قبلہ درست کرنے کے لئے مسجد کے پہلوؤں پر کھڑا کر دیا گیا کہ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی' یا رسول اللہ! کعبہ کی طرف دیکھتے ہوئے قبلہ کا نشان لگایئے' پھر ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے آپ کے اور قبلہ کے درمیان سے ہر پہاڑ کو ہٹا دیا' چنانچہ آپ نے قبلہ کا نشان کعبہ کو دیکھتے ہوئے لگایا' آپ کی نظر کے سامنے کوئی شے حائل نہ تھی اور جب آپ فارغ ہو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ویسے ہی ہاتھ ہلایا چنانچہ پہاڑ' درخت اور دوسری ہر شے اپنے اپنے مقام پر دوبارہ آ گئی اور قبلہ میزاب (رحمت) کی سیدھ میں ہو گیا۔

ایک انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے اطراف میں قبلہ درست کرنے کے لئے کچھ لوگ کھڑے کئے کہ اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے قبلہ کا نشان لگایئے پھر ہاتھ سے ایک اشارہ کیا تو آپ کے اور قبلہ کے درمیان سے ہر پہاڑ کو ہٹا دیا چنانچہ آپ نے کعبہ کو دیکھتے ہوئے قبلہ کا نشان لگا دیا' درمیان میں کوئی شے حائل نہ تھی۔ جب فارغ ہوئے تو جبریل نے پھر وہی اشارہ کیا چنانچہ پہاڑ' درخت اور دوسری چیزیں پھر آ موجود ہوئیں' آپ کا قبلہ میزاب کی طرف ہو گیا۔

حضرت نافع بن جبیر کی روایت میں فرمایا: میں نے اپنی اس مسجد کا نشان اس وقت تک نہیں رکھا جب تک کعبہ میری طرف اُٹھا نہیں لایا گیا چنانچہ میں نے اس کی سیدھ میں نشان لگایا۔

ابن عجلان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد کے قبلہ کا نشان لگایا تو حضرت جبریل علیہ السلام کھڑے کعبہ کو دیکھ رہے تھے اور پھر درمیان سے ہر شے ہٹا دی گئی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مدینہ میں قبلہ کا نشان دیا۔ حضرت مالک کہتے ہیں' میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام ہی نے مسجد رسول اللہ ﷺ یعنی مسجدِ مدینہ کا نشانِ قبلہ لگایا تھا۔ انتہی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ کا قبلہ شام کی طرف تھا اور آپؐ کی مسجد میں آپ کا جائے نماز' نماز پڑھاتے وقت شام کی طرف ہوتا تھا۔ (اس کی پہچان کرنی ہو تو) آج موجود خلوق والے ستون کو اپنے پیچھے رکھو پھر شام کی طرف چلو اور جب تم باب آلِ عثمان کی دائیں طرف ہو گے تو وہ آپ کا مقام قبلہ ہو گا۔

علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ قبلہ مسجد نبوی کے شمال میں تھا اور جب قبلہ تبدیل ہو گیا تو پہلے قبلہ کی دیوار رہ گئی جو

اہلِ صفہ کی جگہ پر تھی۔انتہٰی اور مطری کے مطابق اسطوانۂ مخلقہ (جسے خوشبو لگائی جاتی تھی) وہی ہے جسے ستونِ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں۔ابن زبالہ سے آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبلہ تبدیل ہونے پر اس ستون کی طرف دس سے کچھ زائد دن تک فرض نماز پڑھی تھی اس کے بعد آپ اپنے اس مصلّٰی کی طرف آگے بڑھے جو درمیانی صف میں محراب کے بالمقابل تھا۔یہ انہی کے الفاظ ہیں۔

علامہ ذہبی نے جو''وجاہ المحراب'' (محراب کے سامنے) لکھا ہے تو اس کا مطلب محراب عثمانی ہے جو قبلہ کی دیوار میں ہے۔

مطری کہتے ہیں کہ قبلہ والی دیوار (قبلۂ اول والی) نبی کریم ﷺ کے مصلّٰی کے برابر تھی کیونکہ یہ لکھا ملتا ہے کہ مصلّٰی رسول میں کھڑا ہونے والا منبر شریف کے عین درمیان میں اپنے دائیں کندھے کی طرف ہوتا ہے۔مطری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا مقام تبدیل نہیں ہوا اور اس پر اتفاق ہے اور یونہی منبر بھی قبلہ کی طرف سے اپنی پہلی جگہ سے نہیں بدلا کیونکہ آگے آ رہا ہے کہ مسجد میں زیادتی شام کی طرف سے کی گئی تھی۔مطری نے مزید کہا: یہ صندوق جو رسول اللہ ﷺ کے مصلّے کے درمیان تھا' اسے مقامِ رسول اور ستونوں کے درمیان ''سُترہ'' بنایا گیا تھا۔انتہٰی۔

عنقریب کھجور کے اس تنے کے بارے میں اختلاف آ رہا ہے جس کے سہارے آپ خطبہ دیتے تھے کہ آیا وہ مصلّے شریف کی دائیں طرف تھا یا بائیں طرف قبر انور کی جانب تھا۔

عنقریب اس سلسلے میں پہلی روایت کے بیان کے موقع پر ابن نجار کا قول آ رہا ہے' انہوں نے کہا: یہ تنا خلوق والے اس ستون کی جگہ پر تھا جو صندوق کے نزدیک محرابِ نبی کریم ﷺ کی دائیں طرف تھا۔ابن نجار کی دوسری روایت یہ ہے کہ علماءِ مدینہ کے نزدیک بھی یہی مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ایک تنے سے لگ کر خطبہ دیتے تھے جس کی جگہ خلوق والے ستون کے پاس تھی جو قبرِ انور سے ملا ہوا ہے یعنی قبرِ انور کی طرف خلوق والے ستون (ستونِ عائشہ) کی بائیں طرف کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس نماز پڑھاتے تھے اور یہ صندوق کے پاس تھا۔

ابن نجار کی اپنے اس قول: ''جو خلوق والے ستون کی بائیں طرف'' کو یہاں لانے کی وجہ یہ بتانا ہے کہ جس ستون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہی ہے یعنی وہ ستون جس کی طرف حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے' وہ وہی ہے جو قبلہ کی طرف سے مصلّٰی شریف میں کھڑے ہونے والے کی دائیں طرف ہے اور معلوم ہو گیا کہ وہاں صندوق کا رکھا جانا زمانۂ قدیم سے ہے لیکن یہ صندوق قرآن رکھنے کے لئے تھا' پھر اس ستون کو ''مخلّقہ'' سے موصوف کرنا تمہیں مشکل میں نہ ڈالے کیونکہ اسے اسطوانۂ مہاجرین کہتے ہیں (اور یہی اسطوانۂ عائشہ کہلاتا ہے) اسے مخلقہ بھی کہا جاتا ہے چنانچہ مخلّقہ کو اس کی صفت بنانا کئی ستونوں کی صفت بنتا ہے' اسی وجہ سے اس کلام میں ان دونوں ستونوں کو مخلقہ کہا جاتا ہے۔

مرجانی نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کی مسجد میں نفل پڑھنے کی بہترین جگہ آپ کا مصلّٰے ہے جہاں ستونِ مخلّق ہے۔انتہٰی۔

ابن قاسم کہتے ہیں، حضورﷺ کی مسجد میں نفلوں کے لئے سب سے پیاری جگہ ستونِ مخلق ہے اور فرض پڑھنا ہوں تو صفِ اول بہترین جگہ ہے۔ابن رشد اس ستون کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حضورﷺ کا قبلہ تھا یا قبلہ کے قریبی جگہ تھی جسے ابن القاسم نے بیان کیا۔

میں کہتا ہوں، اس سے پتہ چلا کہ یہ ستون وہی ہے جو مصلّٰے شریف کے قریب ہے، اسی لئے ابن وہب نے مالک کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے رسول اللہﷺ کی مسجد کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک نماز کے لئے بہترین جگہ کونسی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نفلوں کے لئے تو آپ کا مصلّٰے اور فرضوں کے لئے پہلی صف بہترین ہے۔انتہی۔تو انہوں نے یہاں ستونِ مخلق کو مصلّٰے کہا ہے۔ابن رشد کہتے ہیں، حضرت مالک نے کہا: یہ ستونِ مخلق نبی کریمﷺ کا قبلہ نہ تھا، آپ کا قبلہ، امام کے قبلہ کے سامنے تھا،

بعد ابن رشد اس کے کہتے ہیں: ابن قاسم سے کتاب الصلوٰۃ میں گزرا کہ نبی کریمﷺ کا مصلّٰے، ستونِ مخلق تھا جبکہ یہ بات امامِ مالک کے خلاف ہے۔انتہی۔

امام مالک اپنے قول ''قبلہ کو آگے کیا گیا'' میں اس محراب کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو حضرت عثمان کے اضافے کے وقت قبلہ کی دیوار میں تھا اور یہ جو انہوں نے ذکر کر دیا ہے، قطعی ہو گا اور ابن قاسم کی صرف یہ مراد ہے کہ ستونِ مخلق نبی کریمﷺ کے قبلہ سے قدرے قریب تھا چنانچہ اسی نام سے مشہور ہے۔اسی لئے ابن نجار نے مالک سے وہ کچھ نقل کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ستون حضورﷺ کے مصلّٰے کی علامت تھا کیونکہ انہوں نے کہا ہے: مالک بن انس کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے نمایاں شہروں کی طرف قرآنِ کریم بھیجے جن میں سے ایک بڑا قرآن مدینہ میں بھیجا، وہ اس صندوق میں تھا جو اس ستون کی دائیں طرف تھا جو مقامِ نبیﷺ کی علامت تھا۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ جب مسجد کو خوشبو دار کرنے کا حکم دیا گیا تو ابراہیم بن فضل نے اشارہ کیا جس پر انہوں نے ستونِ توبہ کی خوشبو میں اضافہ کیا اور اس ستون میں بھی جو مصلائے نبی کی علامت تھا، انہوں نے اسے خوشبو لگا دی اور نیچے تک لے گئے اور پھر انہوں نے اوپر کی طرف بھی خوشبو لگائی انتہی۔

یہ ایک جماعت کا وہم ہے کہ ابن قاسم کے کلام سے مراد اور مالک کسے کے ہوئے کا مقصد وہ ستون ہے جو آج کل مخلقہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ وہی ستون ہے جو ریاض الجنہ کے درمیان ہے، حالانکہ یہ بات قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ یہ ستون بالاتفاق رسول اکرمﷺ کا مصلّٰے نہیں۔انہیں وہم اس بات سے ہوا کہ شاید یہ ستون ہی مخلقہ کہلاتا ہے۔دراصل یہ وہم ابن حجر کو ہوا ہے کیونکہ یزید بن عبید کے ان الفاظ: ''میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تو وہ اس ستون کے پاس نماز پڑھتے جو مصحف کے پاس تھا'' انہوں نے یہ الفاظ کہہ دئے تھے: ''اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصحف کے لئے ایک خاص جگہ مقرر تھی۔'' امام مسلم سے یہ الفاظ ملتے ہیں: ''آپ صندوق کی پچھلی طرف نماز پڑھتے اور لگتا ہے کہ مصحف کے لئے ایک صندوق رکھا ہوا تھا جس میں یہ رکھا جاتا تھا۔'' پھر بتایا کہ اس ستون کے متعلق

ہمیں ہمارے مشائخ نے ٹھوس طریقے پر بتایا کہ یہی ریاض الجنہ میں موجود ہے اور اسے اسطوانۂ مہاجرین کے نام سے جانا جاتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے لئے اس کی نشاندہی کی تھی۔ پھر میں نے ابن نجار کی ''تاریخ المدینہ'' میں دیکھا' ان سے پہلے محمد بن حسن نے اسے ''اخبارِ مدینہ'' میں لکھا تھا۔ (ابن حجر)۔

محمد بن حسن سے ابن حجر کی مراد ابن زبالہ ہیں جبکہ ان کے اور ابن نجار کے کلام میں کہیں نہیں ملتا کہ صندوق کے قریب والا ستون ہی اسطوانۂ مہاجرین ہے' ہاں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ان دونوں کو مختلقہ کہہ لیتے ہیں جس کی بناء پر انہیں وہم ہوا کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں حالانکہ یوں نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

محرابِ مسجد نبوی کب بنایا گیا؟

آگے جلد آ رہا ہے کہ حضور علیہ السلام اور دورِ خلفاء میں مسجد کا کوئی محراب نہ تھا' سب سے پہلے اسے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ولید کے حکم سے بنایا تھا۔ علامہ اقشہری نے ''روضہ'' میں لکھا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کا مصلّٰی صندوق والی جگہ پر تھا' آج کل اس کی جگہ پر ایک محراب بنا دیا گیا ہے جو اصل مصلّٰی کی جگہ سے اوپر بنایا گیا ہے کیونکہ انہوں نے خود کہا ہے جسے میں نے نقل کر دیا ہے: ''کہا یہ گیا ہے کہ منبر نبوی میں آگے پیچھے کرنے کی تبدیلی نہیں ہو سکی' اضافہ صرف اس کے شمال کی طرف ہوا ہے' کسی اور طرف نہیں ہوا' آج کل اصلی منبر کی حد امام کے مصلّٰی کے برابر ہے' رسول اللہ علیہ السلام کا مصلّٰی آج کل صندوق کی جگہ اس کے آگے ہے چنانچہ وہ منبر کی حد سے باہر ہے۔ انتہٰی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ دائیں بائیں سے صندوق کے بالمقابل تھا۔ مزید کہا: یہ وہ اضافہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ریاض الجنہ میں کیا۔ پھر کہا کیونکہ مصلّٰی شریف بلاشبہ روضہ کہلاتا ہے' مقصد یہ کہ جو اس کی سیدھ میں ہے وہ بھی یونہی ہو گا۔ یہ ایک عجیب بات ہے جسے میں نے اس سے پہلے کسی سے لکھا نہیں دیکھا۔ پھر وہ جو انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ منبر کی حد (قبلہ سے) آج کل کے مصلائے امام کے برابر ہے تو اس سے ان کا مقصد یہ بنتا ہے کہ آج کل مصلائے امام کی انتہاء قبلہ کی طرف سے منبر کی انتہاء کے برابر ہے کیونکہ جیسے ہم نے ذکر کیا' انہوں نے نقشہ بنا کر اسے واضح کیا ہے گویا ان کا وہم ہے کہ حضور علیہ السلام کی جائے نماز (مصلّٰی) محراب میں تھی جو مسجد کی طرف سے صاف نظر آتی ہے کیونکہ انہوں نے اس کی دائیں بائیں جانب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اضافہ گنا ہے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور پھر جو انہوں نے ''برابری'' کا گمان کیا ہے' یہ عقل و نقل کے خلاف ہے کیونکہ علامہ اقشہری کے دور کا منبر ہی وہ منبر ہے جو علامہ مطری کے دور میں موجود تھا کیونکہ یہ دونوں ہمعصر تھےجبکہ اس سے پہلی فصل میں مطری سے گذرا کہ منبر اور اس جنگلے کے درمیان جو قبلہ میں تھا' سوا چار ہاتھ کا فاصلہ تھا' اور یہ کہ انہوں نے جو کچھ کہا' صحیح کہا ہے اور یہی منبر نبوی کی جگہ ہے جسے آئندہ ہم واضح کریں گے پھر صندوق مذکور اور اس کے بعد مذکورہ جنگلے تک چوڑائی اڑھائی ہاتھ سے کچھ زیادہ ہی تھی اور جو منبر ہم نے پہلے دیکھا' اس کے اور قبلہ والے جنگلے کے درمیان ساڑھے تین ہاتھ ہی کا فاصلہ تھا اور پھر اس کے باوجود منبر کی حد'

امام کے مصلّے کی حد سے قبلہ کی طرف ایک ہاتھ پیچھے تھی اور جو مطری نے لکھا ہے (درست بھی یہی ہے) اس سے زیادہ پیچھے ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ منبر اور قبلہ والی دیوار میں اتنا ہی فرق ہے۔ پھر ان کا اس سے بھی زیادہ دورہ ہے جو یحیٰ نے محمد بن یحیٰ (امام مالک کے شاگرد) سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: ہم نے مسجد نبوی سے قبلہ کی موجودہ دیوار تک جس میں محراب موجود ہے سوا بیس ہاتھ کا فاصلہ دیکھا اور یہ وہ زیادتی ہے جو نبی کریم ﷺ کے بعد ہوئی تھی۔ انتہٰی۔

علامہ مراغی کہتے ہیں: میں نے اسے دیکھا تو مصلّائے نبی کریم ﷺ کے سُترہ سے قبلہ کی دیوار تک یونہی تھا' اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصلّے شریف کی جگہ تبدیل نہیں ہوئی اور صندوق پہلی دیوار کے مکان میں رکھا گیا تھا۔ انتہٰی پھر انہوں نے قبلہ والی دیوار سے مصلّے شریف تک اندازہ لگایا جو صندوق کے برابر تھا تو وہ تقریباً پونے بائیس ہاتھ سے قدرے زائد تھا اور جب اس پیائش میں سے تقریباً ڈیڑھ ہاتھ نکال دیا گیا تو باقی سوا بیس ہاتھ رہ گیا جیسے یحیٰ نے ذکر کیا' اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اس مذکور صندوق کی یہاں جگہ قدیم سے چلی آتی ہے تو پھر اس کا مصلّی کی جگہ پر ہونا اور کسی کا اسے نہ جاننا کیسے ممکن ہے؟ بلکہ علماء نے اس کے خلاف ذکر کیا ہے اور وہ ایسا کیونکر کرتے اور کیسے لوگوں کو اس کی برکت سے محروم کرتے؟ یہ ناممکن سی بات ہے۔

علامہ نووی نے اپنے ''مناسک'' میں یہ الفاظ لکھے ہیں: ''احیاءِ علوم الدین میں ہے کہ نمازی منبر کے پائے کی لکڑی کو اپنے داہنے کندھے کے سامنے رکھے اور اس ستون کی طرف متوجہ ہو جس کی ایک طرف صندوق ہے اور مسجد کے قبلہ والا احاطہ اس کے سامنے ہو تو یہ جگہ رسول اللہ ﷺ کے کھڑے ہونے کا مقام ہے۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ گویا اس ستون کے سامنے ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسے اپنی داہنی طرف رکھے جیسے آج کل مصلّے موجود ہے۔ اس ستون کا ذکر ابن زبالہ نے کیا ہے کہ حضرت خارجہ کہتے ہیں: جب تم اس (ستونِ مذکور) سے تھوڑا سا ایک طرف ہو گئے مقامِ رسول اللہ ﷺ میں موجود تنے کو سامنے رکھو گے اور منبر والے رمانہ کو اپنے کان کی کونپل کی طرف رکھو گے تو مقامِ رسول اللہ ﷺ پر کھڑے ہو گے تو گویا مذکورہ رمانہ منبر نبوی پر سیدھا اوپر ہوتا تھا۔

عنقریب آگے آ رہا ہے کہ جب دوسری آتش زدگی کے بعد منبر کی بنیاد کے لئے رخام کی کھدائی کی گئی تو کھودنے والوں نے اصلی منبر کی جگہ پتھر کا حوض دیکھا اور اس کی دائیں بائیں جانب مشرق و مغرب میں پتھر کھودے ہوئے تھے جن میں سکہ لگا تھا' ان کی صورت ایسی تھی کہ منبر نبوی سے واقف کار کے سامنے سکہ جڑے دو ستون اس سے پوشیدہ نہیں جنہیں سکہ سے مضبوط کیا گیا تھا' میں اس کے آخری حصے سے مقام مصلّے میں اُترا اور روضہ سے ملنے والے حصے میں غور کیا تو دیکھا کہ وہ داہنی طرف کے برابر ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی ہے۔

رہا کھجور کا تنا تو اس بارے میں علامہ مطری نے لکھا ہے کہ یہ قبلہ والے محراب میں تھا جو مصلّے شریف کے مقابل تھا اور اب اسے وہاں سے الگ کر دیا گیا ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں: علامہ غزالی نے مصلّے شریف کے ذکر میں یوں کہہ کر جو تحقیق بیان کی ہے:

''جب نمازی مقامِ رسول پر کھڑا ہو' منبر کا رمانہ اس کے دائیں کندھے کے برابر ہو اور قبلہ والا تنا اس کی آنکھوں کے سامنے ہو تو وہ مصلائے نبی ﷺ پر کھڑا ہو گا۔'' یہ مسجد میں آتشزدگی سے پہلے کا واقعہ تھا اور اس سے بھی پہلے جب مصلائے نبی کے قبلہ میں یہ لوح رکھی گئی تھی یعنی یہ یوں ہو گئی تھی کہ محرابِ قبلہ میں جو کچھ تھا اس کے لئے پردہ بن گئی تھی۔ مزید کہتے ہیں: آتش زدگی کے بعد اسے رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ وہاں عظیم فتنہ برپا ہوا تھا اور وہاں کے مجاوروں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں مرد و زن اکٹھے ہوتے اور کہا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نگینہ ہے' یہ بلند تھا ہاتھ اس تک نہیں پہنچتے تھے' عورت ایک عورت کے سہارے اس کے اوپر چڑھتی یا پھر اس کے کندھوں پر چڑھ کر اوپر ہو جاتی' بسا اوقات یوں ہوتا کہ عورت گر جاتی اور وہ بے پردہ ہو جاتی اور کبھی دونوں ہی گر جاتیں۔''

جب ۷۰۱ھ آیا تو زین الدین احمد بن محمد' ابن حبا مصری مجاور بنے اور اسے دیکھا' اسے عظیم جانا اور تنہ اکھیڑنے کا حکم دیا تو اکھیڑ دیا گیا' اس نے کہا کہ اب وہ حرم کے ایک حصے میں ہے پھر وہ اسی دوران مکہ کی طرف متوجہ ہوا تو بیت الحرام میں داخلے کے لئے فتنہ ہوتے دیکھا' لوگ ایک دوسرے سے چمٹتے تھے اور عورتیں مردوں کے گردنوں پر سوار ہوتیں تا کہ ان کے گمان میں عروۂ وثقیٰ (ملتزم) کو تھام سکیں چنانچہ اس نے وہ مثال اکھاڑنے کا حکم دیا اور وہ بدعت بھی زائل ہو گئی' واللہ الحمد۔

میں کہتا ہوں' ظاہر یہ ہے کہ یہ مہرہ وہی تھا جس کا ذکر ابن جبیر نے ۵۷۸ھ کے سفر میں کیا ہے جب وہ مدینہ آیا تھا' اس نے کہا: میں نے محراب پر ایک میخ سی چیز گڑھی دیکھی' اس کی دیوار میں ایک شکل تھی جس کے بارے میں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس چیز سے بنی ہے' ان کا گمان تھا کہ کسریٰ (شاہِ روم) کا پیالہ ہے پھر میں نے محراب کے سرے پر ایک چوکور پتھر تھا' رنگ زرد اور ہر طرف سے ایک بالشت تھا' وہ ہر طرف سے چمکتا تھا' کہا جاتا تھا کہ یہ کسریٰ کا آئینہ تھا۔ واللہ اعلم۔

پھر میں نے ابن عبد ربہ کی ''عقد'' میں دیکھا (ابن جبیر سے پہلے ہوئے) کہ محرابِ عثمانی میں موٹی تہ کی چاندی تھی' اس کے درمیان مربع شیشہ تھا' اس کے بارے میں ذکر ملتا ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا اس کے اوپر چادر تھی جس میں نقش و نگار تھا' اس میں بچے کی کھوپڑی جیسی کوئی چیز تھی پھر نیچے تک ایک خوشبودار چادر لٹکی تھی جس میں ایک میخ تھی کہ محراب اوّل میں آپ اس کا سہارا لیتے تھے۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ اس مہرہ کے بارے میں میں نے حرم کے نگران اور دربان سے (جو عرصہ سے یہاں مقیم تھا) اور دیگر لوگوں سے پوچھا: تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں' شاید امیر حجاز اسے اس وقت لے گیا ہو جب اس نے حرم کے کچھ حصے توڑے تھے' قبلہ والا محراب وسیع کیا تھا اور دوسری آتش زدگی بعد قبلہ والی دیوار گرا کر

اس کی لمبائی میں اضافہ کیا تھا۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ منبر اور مقامِ نبی ﷺ (جہاں آپ آخر دم تک نماز پڑھاتے رہے) کے درمیان چودہ ہاتھ اور ایک انگشت کا فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ دوسری آتشزدگی سے پہلے والے منبر اور اس گڑھے کی اعلیٰ جانب جس کی طرف سے مصلّٰی کے اخیر سے اس کی سیڑھی کی طرف اترتے ہیں' میں نے اس کی پیائش کی تو وہ فاصلہ چودہ ہاتھ تھا اور سیڑھی کا عرض ایک انگشت سے زیادہ تھا چنانچہ یہ صحیح نکلا' رہی مشرق کی طرف سے اس کی حد تو اس کے بارے میں آ رہا ہے کہ اسے نئی موجودہ شکل میں بنانا ایک نیا کام ہے۔

ابن زبالہ نے کہا کہ مصلائے نبی ﷺ (پہلی مسجد والا) اور استوانہٴ تجوبہ کے درمیان سترہ ہاتھ کا فاصلہ تھا جبکہ اسطوانہٴ توبہ مشرق میں تھا چنانچہ میں نے اس کے اور مشرق والے گڑھے کی سیڑھی سے پیائش کی تو وہ سولہ ہاتھ کا فاصلہ تھا جس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ مصلّٰی شریف غربی گڑھے کی جانب تھا اور جو مشرق سے اس کے ساتھ ملتا ہے' وہ اس کا حصہ نہیں اور اس کی شہادت گذشتہ کلام مالک اور احیاء سے بھی ملتی ہے کیونکہ انہوں نے اس ستون کا ذکر کیا ہے جس کے پاس صندوق ہے بلکہ اقشہری کی کتاب میں ابن زبالہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مصلّٰی شریف اور اسطوانہٴ توبہ کے درمیان انیس ہاتھ کا فاصلہ تھا اور میں نے پیائش کی تو مشرقی اسطوانہٴ توبہ اور غربی گڑھے کے درمیان اتنا ہی فاصلہ تھا۔

علامہ اقشہری نے بھی ابوغسان (امام مالک کے ایک شاگرد) سے نقل کیا ہے کہ حجرہ شریفہ اور اس مقامِ نبی ﷺ کے درمیان جہاں آپ کھڑے ہوتے تھے اڑتیس ہاتھ کا فاصلہ تھا اور میری رائے بھی ابن زبالہ سے ملتی ہے کہ اس کے اور منبر شریف کے درمیان اتنا ہی فاصلہ تھا پھر میں نے غربی گڑھے اور حجرہ شریف کی دیوار کے پتھر سے ناپا تو اڑتیس ہاتھ کا فاصلہ تھا جس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ مصلّٰی شریف کی محفوظ حد غربی گڑھے تک تھی' زمانہٴ قدیم میں یہ گڑھا موجود نہ تھا اسی لئے مجد نے کہا تھا:

> "ابن نجار نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ مصلّٰی شریف کو آگے پیچھے تبدیل نہیں کیا گیا' اس آخری دور میں اس کی صورت تبدیل کی گئی ہے اور مصلّٰی کو گڑھے یا چھوٹے حوض کی شکل دی گئی ہے اور اسے نمازیوں کے کھڑا ہونے کی جگہ سے ایک ہاتھ نیچا کیا گیا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ آج وہ چوکور حوض جیسا ہے جس پر ایک سیڑھی اُتر کر جاتے ہیں' اس کی لمبائی اڑھائی ہاتھ اور ہاتھ کا آٹھواں حصہ ہے جبکہ اس کی چوڑائی اڑھائی ہاتھ اور ہاتھ کا سولھواں حصہ ہے لیکن آتش زدگی کے بعد والی تعمیر کے وقت اس کی لمبائی میں ہاتھ کے تقریباً آٹھویں حصے کے نصف کا اضافہ کیا گیا اور اتنا ہی عرض ہیں۔

بدر بن فرحون وغیرہ کہتے ہیں کہ علماء اس کوتاہی سے بچنے کی کوشش کرتے رہے ہیں' قاضی سراج کے دنوں میں (اہلِ سنت کے پہلے قاضی) اور ان کے بعد وہ گڑھا ریت سے اونچا کیا جاتا رہا تاکہ کراہت زائل ہو سکے اور یہ سلسلہ

شرف اسیوطی کے دور تک رہا' اس نے اسے مٹانے یا بلند کرنے اور نقش والی لکڑیوں کو زائل کرنے کا ارادہ کیا تو کچھ خدامِ مسجد اس کے خلاف ہو گئے اور اس کے خلاف اشراف سے مدد مانگی چنانچہ وہ رُک گیا اور محراب سے ہٹ گیا' اس ستون کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا رہا جو اسطوانۂ وفود کے مقابل تھا (یعنی ریاض الجنۃ کے آگے) پھر فوت ہونے تک یہی کچھ کرتا رہا اور ان فقہاء سے ہو گیا جو حضور علیہ السلام کے مقام اور قدم والی جگہ کے قرب سے کراہت کو دور کرتے رہے' یہ ایک طعن تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ گڑھا زمین کی اونچائی کی بناء پر حضور علیہ السلام کے ٹھہرنے کی جگہ سے دور تھا کیونکہ بدر بن فرحون سے آ رہا ہے کہ لوگوں نے باب السلام (باب مروان) کے ساتھ والے منار کی نئے سرے سے تعمیر کے موقع پر برباب مروان دیکھا تھا' اس وقت انہوں نے قدِ انسانی تک گڑھا کھودنے کے بعد قدیم مسجد میں کنکر بھی بچھائے تھے اور پھر یہ سب کچھ واضح ہو گیا تو میں نے حجرہ شریف کی زمین اور مسجد کی زمین کا اندازہ لگایا تو دونوں کے درمیان اڑھائی ہاتھ سے زیادہ کا فاصلہ تھا کیونکہ اس گڑھے اور مذکور پتھر کے درمیان آدھے ہاتھ کی نسبت تھی۔

میں نے مصلّٰے شریف کو نیچے کرنے کی مسئلہ کی تحقیق اپنی کتاب ''کشف الجلباب والحجاب عن القدوۃ فی الشباک والرحاب'' میں کی ہے' میرے سامنے کوئی ایسی بات نہیں آئی جس سے مصلّٰی شریف میں مرمر لگانے اور اسے اس شکل پر بنانے کی ابتداء کا پتہ چل سکے' ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں اسے روضۂ صغیرہ کا نام دیا ہے اور کہا ہے: امام اس روضۂ صغیرہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے جس کی ایک جانب صندوق ہے جبکہ اس سے قبل انہوں نے اس کی وضاحت میں کہا ہے: اس کے سامنے قبلہ کی طرف ایک طباق والا عمود ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اس تنے کے بقیہ حصے پر ہے جو حضور علیہ السلام کی خاطر رویا تھا اور قبلہ میں اس کے کنارے پر صندوق تھا۔ انتہی انہوں نے یہاں نہ تو اس کے نیچے ہونے کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی مرمر لگانے کا حالانکہ وہ اس مقام کا ذکر کر رہے ہیں جس پر منبر موجود تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ مصلّٰے شریف اور اس کے اردگرد کا حصہ اس وقت نیچے کیا گیا ہو گا جب پہلی بار آتش زدگی ہوئی تھی جبکہ دوسری آتشزدگی کے بعد نئی تعمیر کے نگران کی رائے کا تقاضا یہ تھا کہ مسجد کی زمین اتنی نیچے کی جاتی کہ وہ مصلّٰی شریف کے مساوی ہو جاتی چنانچہ زمین سے ہاتھ بھر زمین کھرچ لی گئی چنانچہ زمین کی ایک تہ مٹی کی اور دوسری ریت کی تھی اور وہ اس زمین تک جا پہنچے جو مصلّٰے کے برابر تھی' اس دوران ان کے سامنے وہ پتھر کے ٹکڑے آ گئے جس پر ہاتھ بھر کھدائی کے بعد منبر رکھا گیا تھا اور یوں اس بدعت کا ازالہ ہو گیا۔

مصلّٰے شریف کے قبلہ میں لکڑی کا نہایت بہترین صندوق تھا جس پر محراب تھا جس میں بڑھئی نے نہایت نفیس کام کیا تھا' یہ محراب دروازے کی طرح تھا جس کے اندر سامنے کی طرف بسم اللہ شریف کے بعد آیۃ الکرسی لکھی تھی اور اس مضبوط دروازے کے باہر کی طرف بسم اللہ شریف کے بعد یہ آیت لکھی تھی:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

اس میں بہترین کاریگری سے کام کیا گیا تھا رنگوں کی خوبصورت آمیزش تھی لاجوردی رنگ استعمال ہوا تھا اور سونے کی ملمع سازی ایسے کی گئی تھی کہ دل کو معروف کر دیتی تھی اور خیالات منتشر کرتی تھی کیونکہ کوئی دل حضور علیہ السلام کے دل سے زیادہ مضبوط' اعلیٰ اور بلند مرتبہ نہیں ہے تاہم آپ نے بھی خمیصہ (نشانات والا سیاہ وسفید کپڑا) کے بارے میں فرمایا تھا: میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور میرے پاس اس کی انجانیہ لے آؤ کیونکہ اس نے ابھی ابھی مجھے نماز سے غافل کر دیا ہے۔"

پھر آگے آ رہا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد کو سجانے کے بعد حضرت عمرو بن عثان سے کہا تھا کہ ہماری تعمیر خوبصورت ہے یا آپ کی؟ تو انہوں نے کہا تھا: ہم نے تو اسے مسجد کی طرح بنایا ہے لیکن آپ نے گرجوں کی طرح بنا دیا ہے۔

پھر صاحب تبصرہ نے مالک سے نقل کیا ہے کہ: مدینہ کی مسجد کے قبلہ میں جو آرائش کی گئی' اسے لوگوں نے ناپسند کیا کیونکہ وہ لوگوں کی نماز میں خلل ڈالتی تھی اور میرے خیال میں مسجد سے ہر ایسی شے کو دور کر دینا چاہیے جو لوگوں کو نمازوں سے غافل کر دے خواہ اس چیز پر بہت خرچ ہوا ہو' اللہ تعالیٰ اس مصلّٰے شریف کے لئے ایسا شخص بھیجے جو اس سے اس قسم کی آرائش دور کر دے اور اسے برابر کر دے جیسے رسول اللہ علیہ السلام کے زمانے میں تھا' لکڑی کے اس محراب کو پیچھے سے عظیم تاج جیسے کھمبے سے سہارا دیا گیا تھا حتیٰ کہ وہ اس جنگلے سے جا ملا تھا جو ریاض الجنہ سے قبلہ کی طرف ستونوں کے درمیان تھا اور صاف دکھائی دیتا تھا پھر اس کے اوپر' دائیں اور بائیں ریاض الجنہ کی پیائش کے مطابق میخیں گاڑ دیں تاکہ قندیلیں لٹکائی جا سکیں جنہیں بزاقات کا نام دیتے تھے' یہ قندیلیں زیارات کی راتوں میں روشن کی جاتی تھیں اور اس کے اندر کی طرف شاندار ریشم کی پوشاک تھی جو حجرۂ مبارک والی چادر جیسی تھی' پھول دار اور بُنی ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ دوسری آتشزدگی کے موقع پر جل گیا تھا جبکہ یہ تالیف (وفاء) پوری ہو چکی تھی چنانچہ نئی تعمیر کے نگران کی رائے یہ تھی کہ اسے مرمر کے محراب میں بدل دیا جائے جو صندوق مذکور کی جگہ پر ہو چنانچہ انہوں نے وہاں اس کی بنیاد کے لئے قد آدمی جتنا گڑھا کھودا' اسی دوران انہوں نے وہاں ایک قبر دیکھی جس کی لحد نظر آنے لگی وہ اینٹوں سے بند تھی' انہوں نے اس سے کچھ ہڈیاں نکالیں اسے اسی حال پر چھوڑ دیا' مذکور محراب کی بنیاد رکھ دی' پھر اس محراب میں عجیب قسم کے پتھر لگائے اور ان پر سونے وغیرہ کی پالش کر دی جس کی بناء پر وہ پہلے سے بھی خوبصورت ہو گیا' محراب کو مصلّٰے شریف سے قدرے اونچا کر دیا کیونکہ وہ اس صندوق کی جگہ پر بنایا گیا تھا جو مصلّٰے شریف کے سامنے تھا۔ (واللہ اعلم)۔ ان سب چیزوں کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

تنبیہات

تنبیہ نمبرا:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: ''نمازی اور سُترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے۔'' پھر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی' انہوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ کے مصلیٰ اور دیوار کے درمیان بکری گزرنے کی راہ جتنا راستہ تھا۔'' پھر حضرت سلمہ (بن اکوع) رضی اللہ عنہ سے روایت بتائی' انہوں نے کہا: ''مسجد کی دیوار منبر سے اتنے فاصلے پر تھی کہ جہاں سے بکری کا نکلنا مشکل تھا۔''

امام بخاری کا پہلی حدیث میں یہ قول ہے: ''مصلائے رسول اللہ ﷺ کے درمیان'' اس سے مراد نماز میں آپ کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے اور یونہی ابو داوٗد کی روایت میں بھی ہے پھر ان کے ''دیوار کے درمیان'' کہنے کا مطلب ہے' مسجد کی دیوار جو قبلہ کی طرف تھی اور مسلم میں قولِ نووی کا بھی اسی سے پتہ چل جاتا ہے' انہوں نے کہا ہے: مصلّے سے ان کا مقصد سجدہ کی جگہ ہے۔

دوسری حدیث اسماعیلی سے ان الفاظ سے بیان کی ہے: حضور ﷺ کے دور میں منبر یوں تھا کہ اس کے اور قبلہ کی دیوار کے درمیان بکری گذرنے کی جگہ تھی۔ علامہ کرمانی نے اس حدیث کی باب سے مناسبت یوں بتائی: بلاشبہ یہ اس حیثیت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر کی ایک جانب کھڑے ہوتے' مسجد کا محراب نہ تھا چنانچہ آپ کے اور دیوار کے درمیان تقریباً اتنا فاصلہ ہوتا جتنا منبر اور دیوار کے درمیان تھا تو گویا انہوں نے کہا کہ: مناسب یہ ہے کہ نمازی اور اس کے سُترہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہیے جتنا آپ کے منبر اور دیوار کے درمیان تھا۔

میں کہتا ہوں: گویا کہ علامہ کرمانی نے اس کی بنیاد عام مسجد کو سامنے رکھ کر بتائی ہے کہ امام کا مصلّے منبر کی ایک طرف ہوتا ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان دونوں کے درمیان مسافت کتنی ہونی چاہیے اور بتایا جا چکا ہے' اس پر اجماع ہے کہ منبر اپنی جگہ سے نہیں بدلا اور پھر یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے منبر کی طرف نماز پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے اور دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جتنا منبر اور دیوار کے درمیان ہوتا ہے جیسے کہ ڈھکا چھپا نہیں اور ابن حجر کے مطابق اس سے زیادہ واضح ابن رشد کی بات ہے کہ امام بخاری نے سہل بن سعد کی اس حدیث کا اشارہ دیا ہے جو ''باب الصلوٰۃ علی المنبر'' میں آئی ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کام کرتے وقت منبر پر تھے تو وہیں نماز پڑھی تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ منبر اور دیوار کے درمیان جو فاصلہ ہے' اس سے نمازی کے قیام کی جگہ کا پتہ لگا لینا چاہیے۔

میں کہتا ہوں' اس سے تو پیچھے ہٹ کر سجدہ کرنا لازم آتا ہے کیونکہ اتنی مقدار میں سجدہ ہو ہی نہیں سکتا اور پھر حضور ﷺ کا سجدے کی وجہ سے اس وقت پیچھے ہٹنا ثابت ہے جب آپ نے نماز پڑھی کیونکہ سجدہ ہو نہیں رہا تھا۔

ابن بطال کہتے ہیں یہ وہ کم از کم فاصلہ ہے جو نمازی اور سترہ کے درمیان ہونا چاہیے یعنی بکری گذرنے کی مقدار راستہ' کچھ کہتے ہیں کہ یہ فاصلہ تین ہاتھ ہونا چاہیے کیونکہ حدیث بلال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ''کعبہ میں نماز

پڑھی تو آپ کے اور دیوار کعبہ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا جیسے صحیح بخاری میں ہے۔

علامہ داؤدی نے دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا ہے کہ کم سے کم فاصلہ تو بکری گذرنے کی گنجائش جتنا ہونا چاہئے جبکہ اکثر فاصلہ تین ہاتھ ہونا چاہئے۔ کچھ علماء نے دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا ہے کہ پہلا فاصلہ تو قیام اور قعود کے لئے ہے اور دوسرا رکوع و سجود کے لئے (ابن حجر)۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں کے نزدیک ٹھہرنے کی پہلی جگہ سے ذرا پیچھے ہٹ جانا لازم آتا ہے جیسے ہم بتا چکے اور یہ بات پکی ہے کیونکہ تین ہاتھ سے کم فاصلے میں سجدہ ہوتا ہی نہیں لہٰذا نمازی کے لئے ہمارے نزدیک لازم ہے کہ اس کے اور اس کے سترہ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ ہو۔

ابن صلاح کہتے ہیں کہ علماء نے تین ہاتھ پیائش کا اندازہ لگانے کے لئے بکری گذرنے کی جگہ سے اندازہ لگایا' حافظ ابن حجرہ کہتے ہیں کہ اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔

(قلت) (میں کہتا ہوں) ظاہراً تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ بخاری نے حضرت سلمہ کی حدیث اس لئے بیان کی ہے تاکہ بکری گذرنے کے راستہ بتانے کا اندازہ لگایا جا سکے کیونکہ اس میں منبر اور دیوار کے درمیانی فاصلے کا بیان ہے کیونکہ ان دونوں کا درمیانی فاصلہ تو ان کے ہاں طے شدہ ہے اور پھر عتبیہ سے بھی بتایا جا چکا ہے کہ دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ آدمی ایک طرف کو ہو کر گذر سکے اور ابن صلاح کے بکری کے گذرنے کے راستے کا بیان کرنا اس مقصد کے لئے ہے کہ وہ فاصلہ بتایا جا سکے جس میں سجدہ ممکن ہو۔

علامہ بغوی کہتے ہیں کہ علماء نے سترہ کے قریب کھڑے ہونے کو مستحب قرار دیا ہے اور وہ یوں کہ اس کے اور سترہ کے درمیان اتنی جگہ ہو کہ اس میں سجدہ ممکن ہو اور یہی فاصلہ صفوں کے درمیان ہونا چاہئے اور اس کا حکم بھی ہے پھر اس کی حکمت بھی بیان کی جا چکی ہے اور وہ یہ ہے: امام ابو داؤد وغیرہ نے بتایا: ''جب کوئی سترہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو اس کے قریب کھڑا ہو کیونکہ اس طرح شیطان اس کی نماز نہیں توڑتا۔'' (واللہ اعلم)۔

وہ لکڑی جو مصلّٰے شریف میں تھی

تنبیہ نمبر۲:

کتاب میں ہمیں حضرت مصعب بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حدیث ملتی ہے: انہوں نے کہا: ''ہم نے اس لکڑی (سترہ) کی تلاش شروع کی جو مقامِ نبی ﷺ میں ہوتی تھی لیکن ہمیں ایسا کوئی شخص نہ مل سکا جو اس کے بارے میں کچھ بتا سکے۔ حضرت مصعب کہتے ہیں کہ آخرکار مقصورہ والے محمد بن مسلم بن سائب نے بتایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ میرے پاس بیٹھے تھے' مجھے بتایا کہ جانتے ہو یہ لکڑی کس لئے بنائی گئی تھی؟ میں نے خود ان سے نہ پوچھا تھا' چنانچہ میں نے کہا: بخدا مجھے تو معلوم نہیں کہ کس لئے بنائی گئی تھی' انہوں نے کہا: حضور ﷺ اس پر دایاں پہلو رکھتے تھے اور پھر

ہماری طرف متوجہ ہو جاتے اور فرماتے: لائن میں ہو جاؤ اور صفیں درست کر لو۔

حضرت انس بن مالک ﷺ بتاتے ہیں کہ جب وہ لکڑی چرا لی گئی جو محراب میں ہوا کرتی تھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے تلاش نہ کر پائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قباء میں ایک انصاری کے پاس اس کا پتہ چلا لیا جس نے اسے زمین میں دفن کر دیا تو مٹی اسے کھا گئی تھی' آپ نے اس کے لئے ایک لکڑی لی' اسے دو حصے کیا اور اس میں ڈال کر بند کر دیا اور پھر دیوار میں لگا دیا' یہی وہ لکڑی تھی جسے حضرت عمر بن عبد العزیز نے قبلہ میں رکھا تھا اور وہی آج تک قبلہ میں موجود ہے۔

ابو داؤد میں محمد بن اسلم ہی کا بیان ہے' کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے حضرت انس بن مالک کے پہلو میں نماز پڑھی تو انہوں نے کہا: جانتے ہو کہ یہ لکڑی کس لئے بنائی گئی تھی؟ میں نے کہا: بخدا مجھے تو معلوم نہیں' انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کرتے تھے' سیدھے ہو جاؤ اور صفیں برابر کر لو۔

میں کہتا ہوں: عنقریب تنے کے بارے میں گفتگو کے درمیان آ رہا ہے کہ وہ ستون جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے' مصلّے شریف کی علامت تھا' وہاں ایک لکڑی تھی جسے سکے سے مضبوط کیا گیا تھا' لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ اس تنے سے ہے جو نبی کریم ﷺ کی جدائی میں رویا تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ معاملہ یوں نہیں بلکہ عز بن جماعہ نے اسے دور کر دینے کا حکم دیا تھا چنانچہ ۷۵۵ھ میں ہٹا دی گئی۔

علامہ وجد کے مطابق ایک عالم لکھتے ہیں کہ اسے دور کرنا ان کا وہم ہے اور وہ اس لئے کہ اس لکڑی کا پختہ ہونا' ستون کے درمیان اسے سکہ سے مضبوط لگانا اور ظاہر کرنا بے مقصد نہ تھا (یہ پکی نہیں تھی) ایک واقف حال کا کہنا ہے کہ یہ کام حضرت عمر بن عبد العزیز نے کرایا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ کھجور کے اسی تنے سے بنی تھی۔

میں کہتا ہوں' بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس سے نہیں بنی تھی کیونکہ اس تنے میں سے کوئی بھی شے بچ نہیں سکی تھی بلکہ یہ وہ لکڑی تھی جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور آگے ابن نجار سے بیان آ رہا ہے۔

علامہ زینی مراغی کا یہ قول: احتمال یہ ہے کہ یہ آتش زدگی سے پہلے کی بات ہو' اور بعد والی بات قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ آتشزدگی کے بعد بہت سی لکڑیاں بچ رہی تھیں جیسے ہم تحقیق بیان کریں گے۔ رہا مؤرخین کا یہ قول: ''ایک بھی لکڑی بچ نہ سکی تھی'' قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ خود میں نے اس وقت مشاہدہ کیا تھا جب جلا ہوا سامان نکالا جا رہا تھا تو حجرہ شریفہ سے کچھ جلی ہوئی لکڑیاں نکلی تھیں' حجرہ شریفہ کا پرنالہ دیکھا تو غالباً وہ عرعر کا تھا' اس کا کچھ حصہ تو جل گیا تھا مگر باز و بھر حصہ بچ رہا تھا۔ لوگوں نے بہت سی لکڑیاں وہاں سے اٹھائی تھیں اور مسجد کے متولی وغیرہ سے بھی وہاں سے گذارے کے لئے بہت سی لکڑیاں اٹھائی تھیں۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا' اس سلسلے میں ابن نجار کی عبارت بڑی واضح ہے کہ وہ لکڑی اس مذکور ستون میں لگی تھی

کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: یہ وہ لکڑی ہے جو اس ستون میں ہے جو قبلہ کی دائیں جانب ہے۔

قدیم سے یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ یہ اسی تنے سے بنی ہے چنانچہ ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ: ریاض الجنہ کے سامنے (مصلّٰے میں) قبلہ کی طرف سیدھی اوپر کو لکڑی ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اسی لکڑی کا باقی حصہ ہے جو حضور ﷺ کی جدائی میں رویا تھا' اس کا ٹکڑا دکھائی دیتا ہے جسے لوگ چومتے ہیں' اسے ہاتھ لگانا تبرک خیال کرتے ہیں اور اس سے اپنے چہرے ملتے ہیں اور قبلہ کی طرف ایک پہلو میں صندوق ہے۔ انتہی۔

اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ صندوق وہاں آپ کے دور میں مسجد کی آتشزدگی سے پہلے رکھا گیا تھا اور اس لکڑی کے بارے میں شہرت کی وجہ آگے آرہی ہے کہ وہ تنا مذکورہ ستون کے قریب تھا اور ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ لکڑی دیوار میں اس کے قریب تھی چنانچہ اس ستون میں رکھی گئی کیونکہ وہ پہلی جگہ کے قریب تھی' حضرت یحیٰیؒ نے بھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ اس لکڑی کو ہاتھ لگاتے تھے جو قبلہ میں تھی اور پھر دائیں بائیں دیکھتے تھے اور جب صفیں درست ہو جاتیں تو تکبیر کہہ دیتے۔

ابن زبالہ نے عمرو بن مسلم سے روایت کی' انہوں نے کہا کہ جب رسول اکرم ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے تو آپ کے لئے وہ لکڑی بنائی گئی جو مقام نماز میں تھی' جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اس کا سہارا لیتے۔

حضرت مسلم بن خباب کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبلہ کی طرف بڑھے تو انہیں دیوار میں لگی وہ لکڑی دکھائی نہ آئی' اسے تلاش کرنے لگے' آخر انہیں بتایا گیا کہ وہ مسجد بنو عمرو بن عوف میں ہے چنانچہ وہاں سے لے آئے تو حضرت عمرؓ نے پکڑ کر اسے محراب میں رکھ دیا۔

حضور ﷺ جب نماز کے لئے اُٹھتے تو اسے ہاتھ میں پکڑتے اور اس کا سہارا لیتے' پھر اپنی دائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے' اپنی صفیں درست کرلو' پھر بائیں طرف توجہ فرماتے تو بھی یونہی فرماتے اور پھر تکبیر کہتے۔ یہ لکڑی طرفاء الغابہ سے آئی تھی۔

کیا آپ کا مصلاّ عین قبلہ کی طرف تھا یا اس کی ایک طرف تھا؟

تنبیہ نمبر۳:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا کہتے ہیں: مسجد میں میں حضور ﷺ کا دایاں رخسار دیکھتا تو قدرے داہنی طرف ہوتا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں: حضرت زبیر بن عوام اور رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابہ دائیں طرف دیکھ کر کہتے کہ "یہ گھر تہامی ہے" یحیٰی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے کئی قابل اقتداء اساتذہ سے سنا کرتے کہ منبر سیدھا قبلہ کی طرف تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جو انہوں نے داہنی طرف دیکھنے کا کہا ہے تو شاید یہ مصلّٰی شریف کے علاوہ جگہ تھی اور جو کچھ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ محراب نبوی میں کوشش نہ کرے' کیونکہ وہ درست ہی ہے' اس میں کوشش کی ضرورت نہیں' نہ

ہی اسے دائیں بائیں جانے ہاں مسلمانوں کے دوسرے محرابوں میں ایسا کیا کرے' اس محراب کو حضور علیہ السلام نے مقرر کیا تھا حضرت جبریل آپ کو بیت اللہ دکھا رہے تھے۔

آپ کے محراب کا مقصد ہے آپ کی جائے نماز کیونکہ آپ کے زمانہ میں محراب تو تھا ہی نہیں' ہاں اگر داہنی طرف کو ثابت ہو جاتا ہے تو اس کی کوئی وجہ ہو گی' اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جو چبوترہ منبر کے مقام پر دکھائی دیا اور اس میں منبر نبوی کے پائے دکھائی دیئے تو وہ داہنی طرف مائل تھا اسی وجہ سے انہیں اسی حال پر باقی رکھنے کی ترغیب دی گئی اور وہ اپنے حال پر ہیں البتہ انہوں نے ان پر منبر رکھا جو دائیں طرف نہ تھا لہٰذا اپنی جگہ ایک طرف ہو گیا۔

علامہ نووی کی ''تحقیق'' میں یہ عبارت ہے: ہر وہ مقام جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی' اس کی جگہ معین ہے لہٰذا اسے دائیں بائیں کرنے کی کوشش نہ کرے۔انتہٰی۔

علامہ محبّ الدین طبری ''شرح التنبیہ'' میں لکھتے ہیں: گر کہا جائے کہ آپ کا محراب عین کعبہ کی طرف ہے کیونکہ اس میں غلطی ممکن نہیں تو تمہارے کہنے پر لازم آتا ہے کہ نماز کعبہ کے علاوہ کسی جانب جھکاؤ کی صورت میں صحیح نہ ہو سکے۔ہم کہتے ہیں کہ یہاں کہاں سے ثابت ہوا کہ وہ کعبہ کی دائیں طرف ہے؟ کہ اس سے جائز ثابت ہو اور خطا نہ ہو' اصل کام تو جہت مقرر کرنا ہے۔ہاں بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ آپ نے اسے سیدھا کعبہ کی طرف رکھا تھا تو ہم کہیں گے کہ تمہاری مذکورہ دلیل میں دو قول ہیں: یا تو یہ عین کعبہ کی طرف ہے تو پھر ظاہر ہے یا پھر کعبہ کی جہت میں ہے' یہ بات وہاں ہے جہاں مشاہدہ نہیں' یہ محراب کعبہ کے درجے میں اتارا گیا ہے تو اس کا مشاہدہ کعبہ ہی کا مشاہدہ ہے مگر صحابہ کا مسجد کے وسیع کرنے اور بغیر ادھر اُدھر ہوئے ہر جگہ نماز پڑھنے پر اجماع اس بات پر دلیل ہے کہ کعبہ سے دور ہونے کی صورت میں ہر مقام پر یہی حکم ہے خواہ جہت کعبہ کی طرف ہو سکے یا نہ ہو سکے کیونکہ اس حکم میں کھلی چھٹی ہے اور اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ دور سے صرف جہت کا دھیان رکھنا فرض ہوتا ہے۔اس بارے میں میں نے کسی کو کچھ کہتے نہیں سنا اور جو میں نے ذکر کر دیا ہے ظاہر ہے کہ حکم یہی ہے۔انتہٰی لیکن اس پر اعتراض کی گنجائش ہے بلکہ اس شخص کی نماز کہ اس کے اور مصلّے کے درمیان تقریباً کعبہ کی طرف رُخ ہو' انحراف نہ کرے' صحیح ہو گی کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دوری کی صورت میں سمت کعبہ کے لحاظ رکھنے میں گنجائش ہوتی ہے' آپ دیکھتے نہیں کہ جب دائرہ بڑا ہو جاتا ہے تو درمیان سے نکلنے والے خطوط باہر نکل کر پھیل جاتے ہیں چنانچہ اس موقع پر کعبہ کی سمت صرف اندازے پر ہوتی ہے اور کعبہ سے دوری کی صورت میں اسی اندازے پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے ہاں اس سے پتہ چلتا ہے کہ دائیں بائیں کا لحاظ رکھنا جائز ہے اور یہ اس شخص کے لئے جائز ہے جس کے اور مصلّے شریف کے درمیان کعبہ کی سمت کا فاصلہ زیادہ ہو' البتہ حضور علیہ السلام کے دور میں صحابہ سے اگر اس کا نہ ہونا منقول ہو حالانکہ آپ نے صحابہ کرام کو اس بات پر ثابت قدم فرما دیا تھا۔واللہ اعلم۔

بحمدہٖ تعالیٰ 25-6-2007 بروز پیر بوقت 11 بجے دن پہلا حصہ مکمل ہوا